فتاویٰ فیضیہ

علامہ مفتی محمد ابراہیم حنفی چشتی

عورت کی امامت کا حکم؟

غائبانہ نماز جنازہ کی عمدہ تحقیق

ایصال ثواب کا بیان

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا؟

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا؟

صبح نور پبلی کیشنز

قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور آئمہ مجتہدین
کے افکار کی روشنی میں

تالیف

علامہ مفتی محمد ابراہیم حنفی چشتی

سرکار اعظم ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کو تحفہ دیا کرو، تمہارے درمیان محبت پیدا ہوگی۔
کتاب تحفہ بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی

فہرست

انتساب

قطب الاولیاء، شمس الاتقیاء، بدر الاصفیاء، زبدۃ العرفاء، عاشق سید الانبیاء، محب غوث الوریٰ افضل العلماء فقیہ العصر، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، عالم باعمل، زاہد بے ریا اللہ عزوجل کے فرمان " ویبیتون لربھم سجدا وقیاما " کی عملی تصویر فیض من فیوض اللہ الاحد حضرت العلام والدی مولانا فیض احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ونور اللہ مرقدہ وبر اللہ مضجعہ الی یوم النشور

مہلو شریف ضلع گجرات

حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مختصر سوانح حیات

والد گرامی حضرت مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ 1902 کی حدود میں گجرات شہر سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلہ برنالہ بھمبر کے کنارے ایک چھوٹے سے گاؤں مہلو شریف میں جو کہ گجرات سے مغرب کی جانب ہے، غلام محمد کے گھر متولد ہوئے اور آپ کی والدہ مبارکہ کا اسم گرامی رمضان بی بی تھا۔ جب والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تو اس وقت آپ کے والد گرامی جناب غلام محمد صاحب کاشتکاری کا پیشہ کرتے تھے زمین اپنی تو نہ تھی لیکن گاؤں والوں سے کھیتی باڑی کرنے کے لیے زمین حصہ پر لے رکھی تھی، کاشتکاری کے علاوہ آپ کے والد گرامی مرحوم کا کوئی اور پیشہ نہ تھا۔ دودھ وغیرہ گھر کا تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ مرحومہ نے آپ کی پرورش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور آپ کی خوب تربیت فرمائی۔ جب آپ تقریباً سات، آٹھ سال کے ہوئے تو آپ کے والد جناب غلام محمد مرحوم نے آپ کو کھوکھر غربی جو کہ مہلو شریف کی جانب شمال تقریباً تین فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ میں پرائمری میں داخل کروا دیا چنانچہ آپ نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی اور ساتھ ساتھ اپنے والد گرامی کا بھی کام کاج میں ہاتھ بٹاتے رہے، یہاں تک کہ آپ کی عمر مبارک سولہ، سترہ سال تک پہنچی تو اللہ عزوجل نے اپنے اس پاکباز و پاک سیرت بندہ کے دل میں علوم دینی کی محبت پیدا فرمائی۔ جب علم دین کی تحصیل کا شوق آپ کے دامن گیر ہوا تو آپ نے اپنے والد ماجد سے علم دین حاصل کرنے کی اجازت طلب فرمائی تو والد گرامی نے آپ کو دینی علم حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس وقت کے مشہور عالم دین شمس العلماء فقیہ عصر شیخ الحدیث والقرآن حضرت مولانا نیک عالم رحمۃ اللہ علیہ آف مراڑیاں شریف کی خدمت میں بھیج دیا جو کہ گجرات شہر سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا اور مہلو شریف سے جانب مشرق تقریباً دو کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔

والد گرامی نے آپ کے حضور زانوئے تلمذ طے فرمایا اور حصول علم دین میں منہمک ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ صبح مراڑیاں شریف جاتے اور تقریباً نماز عصر کے وقت آپ گھر واپس

تشریف لاتے اور اپنے والد گرامی کی پیشہ کاشتکاری میں معاونت فرماتے۔ آپ نے تحصیل علم کے دوران ہی عقد شرعی فرمایا لیکن محبت وذوق علم دینی میں یہ شادی خانہ آبادی بھی سدرہ نہ بن سکی۔ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ علم دین کے حصول کی لگن اور محبت میں ہی مگن رہے اور آپ کا علم دینی کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا کہ جب والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے محدث مراڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے حضور زانوئے تلمذ طے کئے تو آپ کے رشتہ داروں میں سے بھی قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کرتے ہوئے چند افراد نے علم دین کے حصول کے لئے داخلہ لے لیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت مولانا نیک عالم رحمۃ اللہ علیہ نے سبق یاد نہ کرنے پر اتنا زدوکوب کیا کہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً تین چار دن تک بستر علالت پر رہے۔ جب آپ کے ساتھیوں نے استاذ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی مار پیٹ دیکھی تو وہ سب بھاگ گئے لیکن استاذ گرامی اور علم دین کی جو محبت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے دامن گیر تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ باوجود اپنے تمام ساتھیوں کے بھاگ جانے کے آپ نے یہ کہہ کر علم دین کے لئے مصائب وآلام برداشت کرنا پڑتے ہیں اور استاذ گرامی کی ماریں کھانا پڑتی ہیں چنانچہ اسی راہ پر گامزن رہے۔ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ہی کچھ روبہ صحت ہوئے تو اپنے استاذ گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسباق شروع کردیئے۔

صاحب ادب الدنیا والدین ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب مصری ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> قال بعض الحکماء من لم یحتمل ذل التعلم ساعة بقی فی ذل الجھل ابداً[1]
>
> ''بعض حکما فرماتے ہیں جس شخص نے ایک گھڑی کے لیے علم حاصل کرنے کی ذلت نہیں اٹھائی وہ شخص ہمیشہ جہالت کی ذلت میں رہا''۔

تو جب والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق وشوق اور محبت علمی کا یہ حال تھا کہ استاذ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی زدوکوب بھی آپ کے پایہ استقلال کو متزلزل نہ کرسکی کیونکہ حضرات علماء ہی فرماتے ہیں ''اتقوا من بصیرة المومن فانه ینظر بنور ربه'' (مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اپنے رب کی عطا کردہ بصیرت سے دیکھتا ہے)۔

---

[1] ادب الدنیا والدین: ص ۲۳

چنانچہ والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ کا اتنی مار پیٹ کے بعد بھی اپنے استاذ کے حضور اسباق کے لئے حاضر ہو جانا قبلہ والدگرامی کی بصیرت وفراست قلبی کی دلیل ہے کہ معلوم تھا استاذگرامی رحمۃ اللہ علیہ کا اتنا زدوکوب اور مار پیٹ ان کو علم کے اس مقام تک پہنچادے گی جو علماء ربانیین کا مقام ہے چنانچہ عالم شباب میں ہی آپ کی قلبی بصیرت وفراست نے آپ کو مطلع فرمادیا کہ آج حصول علم کے لئے استاذگرامی کی مار پیٹ اور زدوکوب کی مشقت کو برداشت کرلینا پوری زندگی جہالت کی ذلت میں رہنے سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قبلہ والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ نے علم اور صاحب علم کی تعظیم وتکریم میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی۔ اسی لئے آپ اپنے وقت کے علماء میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے تھے۔

صاحب ادب الدنیا والدین فرماتے ہیں:

''واعلم ان کل العلوم شریفة ولکل علم ما منها فضیلة والإحاطة بجمیعها محال، روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال من ظن العلم غایة فقد بخصه حقه ووضعه فی غیر منزلته التی وصفه الله بها حیث یقول وما أوتیتم من العلم إلا قلیلا''[1]

''اور جان لیجئے کہ جمیع علوم ذی شرف ہیں اور ان علوم میں سے ہر علم کے لئے ایک فضیلت ہے اور جمیع علوم کا احاطہ کرنا محال ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یہ گمان کیا کہ علم کی کوئی غایت وانتہا ہے تو تحقیق اس نے علم کے حق کو گھٹادیا اور علم کو اس مقام پر رکھا جو علم کا مقام نہیں اور علم کی وہ قدرومنزلت نہ کی جس کا اللہ عزوجل نے اس طرح وصف بیان فرمایا: اور علم میں سے جو تمہیں دیا گیا وہ بہت ہی قلیل ہے''۔

چنانچہ والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ اس علم قلیل میں سے جس کی کوئی غایت اور انتہا نہیں جملہ علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تکمیل حضرت استاذگرامی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی سے فرمائی۔ آپ اپنے استاذگرامی اور علم کی انتہا درجہ عزت وتکریم فرماتے۔

---

[1] ادب الدنیا والدین: ص ۱۱

علامہ برہان الدین زرنوجی صاحب ہدایہ کے تلمیذ اپنے رسالہ تعلیم المتعلم میں فرماتے ہیں:

" اعلم أن طالب العلم لا ینال العلم ولا ینتفع به إلا بتعظیم العلم وأهله ۔۔۔ الخ"[1]

"اے مخاطب! جان لے کہ طالب علم، علم حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی علم سے منتفع ہوسکتا ہے مگر علم اور اہل علم (استاذ) کی تعظیم کی وجہ سے"۔

اور شاگرد گرامی کی تعظیم وتوقیر کے متعلق بعض علماء نے فرمایا کہ پوچھنے والا اپنے مطلوب کو نہیں پہنچا مگر استاذ کی حرمت واحترام کی وجہ سے۔ اور کوئی شخص بھی اپنے مراتب عالیہ سے ساقط نہیں ہوا مگر استاذ کی عزت واحترام نہ کرنے کی وجہ سے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: حرمت، طاعت سے افضل ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھتا کہ انسان بوجہ معصیت کافر نہیں ہوتا وہ صرف ترک حرمت کی وجہ سے کافر ہوتا ہے۔ جس شخص نے بھی مجھے ایک حرف سکھایا میں اس کا غلام ہوں چاہے تو مجھے فروخت کردے چاہے تو مجھے آزاد کردے اور اگر چاہے تو مجھے اپنا غلام بنالے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو بوجہ بصیرت وفراست قلبی حاصل تھی جس کی بنا پر آپ علم کا بھی احترام فرماتے اور استاذ کا بھی احترام فرماتے جس کی مثال آپ کو خال خال ملے گی۔

رسالہ تعلیم المتعلم کے شارح شیخ ابن اسماعیل علی فرماتے ہیں:

"روی عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال خیر الآباء من علمك وروی أنه قیل للإسکندر ذی القرنین لم تعظم أستاذك ۔۔۔ الخ"[2]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آباء میں سے افضل باپ وہ ہے جس نے تجھے علم سکھایا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین سے پوچھا گیا آپ اپنے استاذ کا اپنے باپ سے زیادہ احترام کیوں کرتے ہیں تو سکندر ذوالقرنین نے جواب دیا: جو تم نے کہا وہ بہت اچھا ہے۔ اس لئے کہ میرے باپ نے مجھے آسمان سے زمین کی

---

[1] تعلیم المتعلم: ص ۱۸

[2] شرح تعلیم المتعلم: ص ۱۹

طرف نازل کیا اور میرے استاذ نے مجھے زمین سے آسمان کی طرف بلند فرمایا"۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ استاذ کا ادب واحترام والد سے بھی زیادہ کرنا چاہئے بلکہ استاذ کی اولاد کا احترام بھی ایسا ہی ہے جیسے استاذ کا احترام۔

اسی لئے میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ حضرت مولانا نیک عالم مراڑیاں شریف اور اپنے مرشد کامل قطب الاولیاء حضرت قبلہ عالم پیر غلام نبی رحمۃ اللہ علیہ آف للہ شریف کا بہت زیادہ احترام فرماتے۔ یہی غایت درجہ کی جو محبت استاذ محترم اور حضرت پیر و مرشد اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے تھی والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک صاحبزادی کا عقد شرعی اپنے استاذ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید لخت جگر حضرت خواجہ پیر محمد اسلم رحمۃ اللہ علیہ سے کردیا اور ایک صاحبزادی کا نکاح اپنے پیر و مرشد کے جانشین حضرت صاحبزادہ پیر قاری نور حسین سے کردیا۔ اس طرح کی استاذ محترم اور مرشد کامل کے ساتھ محبت اور عقیدت آپ لوگوں کو بہت ملے گی۔ اور اس عقیدت ومحبت کا اللہ عزوجل نے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو وافر حصہ عطا فرمایا۔ یہی علم وہبی ہے کسبی نہیں۔ یعنی علم واہل علم کی وہ محبت جو قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی وہ عطائے خداوندی تھی جو ہر کس وناکس کو میسر نہیں آتی۔

قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے استاذ گرامی اور مرشد کامل رحمۃ اللہ علیہ سے جو انتہا درجہ محبت تھی تو ان دونوں حضرات نے آپ کو اس صلہ محبت میں علم ظاہری وعلم باطنی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ اس وقت کے علماء میں سے کوئی بھی آپ کے تبحر علمی کو نہ پہنچ سکا اور آپ زہد وتقویٰ، ریاضت ومجاہدات، عبادت وخشیت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ میں جب کبھی رحمت خداوندی اور ذوق وعشق مصطفیٰ کا بحر تلاطم موجزن ہوتا تو غیر ارادی طور پر بطور تحدیث نعمت فرمایا کرتے: میں نے سات سال کی عمر سے لے کر آج تک کوئی نماز قضا نہیں کی۔ کیونکہ تصنع اور ریاکاری آپ سے کوسوں دور تھی آپ کا یہ فرمان بحکم خدا زبان سے جاری ہوا کرتا نہ کہ آپ عمداً ایسا فرماتے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی ہی پاکباز وپاک سیرت ہستیوں کے متعلق فرمایا ہے

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

تو جب استاذ گرامی کی نظر پارسا اور مرشد کامل کی نظر کیمیا نے اس گوہر نایاب میں مستور استعداد وصلاحیتوں کو بنظر بصیرت دیکھا تو انہوں نے آپ کو علوم ظاہری اور کمال باطنی کی

لازوال نعمت سے مالامال فرمادیا۔ لیکن علوم ظاہری کی وجہ سے کمال باطنی کا ظہور نہ ہوسکا۔ گویا کہ قدرت خداوندی میں ایسے ہی مسطور تھا کہ آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کے کمال باطنی کو مستور رکھا جائے۔ ہوسکتا ہے آپ کے کمال باطنی کے عدم ظہور میں کوئی حکمت ہو اور آپ کو مخلوق فانی میں اس دنیائے فانی کی شہرت سے محفوظ فرما کر عند اللہ کوئی بلند درجہ عطا فرمانا مقصود ہو۔ یا بعد از وصال کمال باطنی کے فیض کو کسی ذریعہ اور وسیلہ سے عام کرنا مقصود ہو، اسی لئے آپ کو اپنی حیات مبارکہ میں علوم ظاہری میں کمال درجہ عطا فرمایا اور کمال باطنی کو پوشیدہ رکھا کیونکہ آپ محب رسول خدا تھے تو اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کی نورانیت کو مخلوق خدا سے مستور رکھا۔ اور نورانیت محبوب کا اظہار نہیں فرمایا۔

علامہ ملا علی قاری اپنی تصنیف لطیف مجلہ الوسائل فی شرح الشمائل میں ارقام فرماتے ہیں:

"ومن ثم نقل القرطبی عن بعضھم أنه لم یظھر تمام حسنه والا لما أطاقت أعین الصحابة النظر الیه، وقال بعض الصوفیة أکثر الناس عرفوا الله عزوجل "ما عرفوا رسول الله ﷺ لأن حجاب البشریة غطت أبصارھم"[1]

"یہاں امام قرطبی نے بعض علماء سے نقل فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب ﷺ کے حسن تمام کا اظہار نہیں فرمایا۔ ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں میں بھی یہ طاقت نہ ہوتی کہ وہ محبوب خدا کی طرف دیکھ سکتے۔ اور بعض صوفیہ نے کہا کہ اکثر لوگ جنہوں نے اللہ عزوجل کو پہچان لیا وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ پہچان سکے اس لئے کہ حجاب بشریت نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا"۔

چنانچہ اپنے اس بندۂ خدا جو محبت و عشق محبوب میں مستغرق تھا، کے کمال باطنی کو مخلوق خدا سے پوشیدہ رکھا تا کہ مخلوق خدا اس بندۂ خدا سے علوم ظاہری میں مستفید و مستفیض ہوسکیں اور کمال باطنی کا بعد از وصال اظہار فرمایا۔

محدث علی الاطلاق علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب "اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ، کتاب زیارۃ القبور" میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] مجلہ الوسائل جز و اول ص ۱۰، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

سیدی احمد بن مرزوق کہ از اعاظم فقہاء وعلماء ومشائخ دیار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابو العباس حضرمی از من پرسید کہ امداد حی اقوی است یا امداد میت۔۔۔۔ الخ۔[1]

''سیدی احمد مرزوق جو کہ دیار مغرب کے فقہاء، وعلماء، ومشائخ میں بہت اعظم سمجھے جاتے تھے، انہوں نے فرمایا: ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا زندہ لوگوں کی مدد کرنا اقویٰ ہے یا مردہ لوگوں کی؟ سیدی احمد مرزوق کہتے ہیں: میں نے جواب دیا کہ لوگ کہتے ہیں زندہ لوگوں کی مدد کرنا اقویٰ ہے اور میں کہتا ہوں بعد از وصال خدا کے نیک بندوں کی مدد کرنا اقویٰ ہے۔ شیخ ابو العباس حضرمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جی ہاں! معاملہ ایسا ہی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا بندہ بعد از وصال بساط حق میں سے اللہ کے حضور حاضر ہے۔ لہٰذا بعد از وصال بندۂ خدا سے استمداد اور حصول فیض اقویٰ ہے''۔

چنانچہ ہوسکتا ہے کہ میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تقدیر خدا میں ازل سے یہی مکتوب ہو کہ آپ کے ظاہری علوم سے مخلوق خدا کو مستفیض ومستفید کیا جائے اور کمال باطنی بعد از وصال بطور اولیت رکھ دیا گیا ہوتا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے کمال باطنی سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفیض ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے باوجودیکہ لوگوں نے بیعت پر بہت اصرار کیا لیکن آپ نے یہ کہتے ہوئے ارے بھلے مانس میں اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو آپ لوگوں کے بوجھ کیسے اٹھا پاؤں گا، آپ نے بیعت سے اعراض فرمایا۔

والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو جو کمال باطنی حاصل ہوا تھا، اس کی ایک جھلک کا اس دنیائے فانی میں چشم فلک نے بھی نظارہ دیکھا۔ وہ یوں کہ آپ جب کچھ احباب کے ساتھ سفر فرماتے تو آپ اپنی معتاد عادت کے مطابق مسافت کو طے کرتے ہوئے چلتے اور جو احباب آپ کے ہمراہ ہوتے وہ اتنا تیز چلتے جیسا کہ وہ دوڑ رہے ہیں۔ تو آپ کے اکثر احباب اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں: مولانا فیض رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی عادت کے مطابق آہستہ آہستہ چلتے تھے لیکن ہمیں یوں محسوس ہوتا کہ آپ بھاگ رہے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی آپ کے ساتھ بھاگ رہے ہیں۔ عرفاء اور صوفیہ کے نزدیک خرق عادت کرامات میں سے یہ بھی کرامت کی ایک قسم ہے جسے لغت صوفیہ میں ''بسط وطی

---

[1] اشعۃ اللمعات: جلد اول: ۷۶۲

''کہا جاتا ہے یعنی ایک کے لئے زمین کو لپیٹ دیا جاتا ہے اور اسی زمین کو دوسروں کے لئے فراخ کر دیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو کمال باطنی سے سرفراز فرمایا تھا لیکن اس کا ظہور بعد از وصال فرمایا۔

چنانچہ جب والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ عزوجل نے علوم ظاہری اور کمال باطنی سے سرفراز فرمادیا اور آپ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو آپ کو محلہ فیروز آباد جو کہ گجرات کے کنجاہ روڈ پر واقع ہے، کے لوگوں نے امامت وخطابت کی دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی اور آپ محلہ فیروز آباد میں سکونت پذیر ہوئے اور وہاں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو عام فرمایا۔ جہاں آپ امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے وہاں آپ کے پاس ہر وقت تقریباً چار پانچ طلبہ جو کہ اپنی تشنگی علم کو بجھانے کے لئے آپ سے درسی کتب پڑھتے۔ بقول والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کہ جب میں فیروز آباد میں طلبہ کو پڑھاتا تھا تو اس وقت حافظ الحدیث جلال الملت والدین حضرت پیر جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ آف بھکی شریف اور آپ کے رفیق حضر وسفر حضرت مولانا محمد نواز کیلوی رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس پڑھنے کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے میرے پاس نحو کی کتاب کافیہ پڑھی۔ اس سے آپ لوگ حضرت مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متبحر فی العلم ہونے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

جب آپ فیروز آباد میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے اور تشنگان علوم دینیہ پیاس بجھا رہے تھے اس وقت آپ کے حضور ایک جن لبادہ بشریت میں علم دین حاصل کرنے کے لئے آیا اور اپنی تشنگی علم بجھاتا رہا تا آنکہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ جھنڈیوال تشریف لے آئے تو وہ جن بھی آپ کے ساتھ جھنڈیوال آ گیا اور آپ سے علم حاصل کرتا رہا۔ دوران علم اس نے کچھ لوگوں کو تکلیف پہنچانا شروع کر دی۔ کسی کے گھر سے دودھ کا برتن اٹھا لایا اور وہ تمام دودھ نوش کر گیا، کسی کے گھر گیا اور ان کے جانور کو مار ڈالا، گیارہویں کے دن لوگوں کے گھر سے دودھ آتا اور گیارہویں کی کھیر بنا کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔

والد گرامی فرماتے ہیں: ایک دن تمہارے ماموں جان آئے ہوئے تھے اور تمہاری اماں جان سے کچھ روٹیاں پکا کر چنگیر میں رکھی ہوئی تھیں۔ اپنے بھائی کو روٹی کے لئے بلایا۔ جب

وہ چنگیر پر روٹی کھانے کے لئے بیٹھا تو اس جن نے ایک آنکھ جھپکی اور تمہارے ماموں جان کے آگے سے تمام روٹیاں غائب تھیں اور تمہاری والدہ جو بھی روٹی پکاتی وہ غائب ہو جاتی۔ تو جن کے یہ کارنامے دیکھ کر والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فارغ کر دیا۔ آپ فرماتے ہیں: کچھ عرصہ بعد جھنڈیوال کی جامع مسجد کے قریب ایک عورت کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے بلایا۔ جب میں وہاں گیا تو اس سے چلے جانے کو کہا۔ وہ کہنے لگا استاد جی میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں تو میں نے کہا چلو میں اپنے استاد گرامی کو ایک جوڑا نئے کپڑوں کا دے آؤں تو انہوں نے مجھے ایک کپڑے کا نیا جوڑا دے دیا۔ اس کے بعد وہ جن واپس نہیں آیا۔

بہر حال والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً دس سال تک محلہ فیروز آباد میں فرائض امامت و خطابت اور تدریسی امور سرانجام دیتے رہے۔

پھر کچھ گھریلو مجبوریوں کے سبب آپ اپنے گاؤں سے بجانب مغرب تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلہ پر جھنڈیوال ایک قصبہ ہے، وہاں تشریف لائے اور امامت وخطابت کے علاوہ اس گاؤں اور قرب وجوار کے دیگر گاؤں میں سے تشنگان علوم دینیہ اپنی تشنگی علم بجھانے کے لئے آئے اور آپ کے حضور زانوئے تلمذ طے کرتے، یہ وہی زمانہ تھا جب میرے برادر مکرم استاذ العلماء، عالم باعمل صائم النہار وقائم اللیل حضرت العلام مولانا محمد یوسف زید مجدہ نے اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے موقوف علیہ تک کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ آپ تقریبا آٹھ سال تک قصبہ جھنڈیوال میں امامت وخطابت کے علاوہ تدریسی امور سرانجام دیتے رہے اور برادر مکرم بھی آپ کے ساتھ رہے۔ قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلف الرشید اور جانشین کو ابتدائی کتب میں کندن بنا دیا تھا جو بالآخر اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی کے فیض کا ذریعہ اور سبب بنے۔

پھر والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر مہلو شریف تشریف لے آئے۔ تقریبا ۱۹۵۸ء کے اوائل یا اواخر میں آپ نے حالت استغناء میں بغیر کسی سے کچھ مانگے مہلو شریف کے قبرستان میں مدرسہ کا ایک کمرہ تعمیر فرمایا اور وہاں درس وتدریس کا آغاز فرمایا اور ساتھ ہی ایک گاؤں جو کہ مہلو شریف کی بجانب مغرب واقع ہے جس کا نام ڈھول خرد ہے، وہاں خطابت کے فرائض سرانجام دینے شروع کر دیئے۔ جب مدرسہ میں طلبہ کی تعداد میں کچھ اضافہ ہوا تو آپ نے ایک

اور کمرہ تعمیر فرمایا اور ساتھ ہی اپنے فیض کی بقا کے لئے اپنے لخت جگر اور جانشین مولانا محمد یوسف کو حاصلانوالہ شریف میں سلطان الفقہاء والعلماء فقیہ العصر نابغہ روزگار حضرت مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حضور تعلیم کے لئے پیش فرمادیا۔

حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۸ء سے لے کر تادم وصال اس مدرسہ میں فرائض تدریس سرانجام دیتے رہے اور بہت دور، دور سے تشنگان علم اپنی تشنگی کو یہاں آکر بجھاتے رہے حتی کہ آزاد کشمیر تک سے طلبہ آپ کے پاس دینی علم حاصل کرنے کے لئے آتے۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ جو حاجت مند آپ کے پاس آتا آپ اس کی حاجت پوری فرماتے۔ کسی بھی قسم کا کوئی شخص آپ کے حضور آتا اور اپنی مشکلات ومصائب بیان کرتا آپ اس کے مصائب ومشکلات کا مداوا فرماتے، نہایت رحم دل، بردبار، فیاض، غریب پرور، خاموش طبع، اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز، اور ہر محتاج کی آواز سننے والے اور اپنی بساط اور طاقت کے مطابق اس کی حاجت روائی کرنے والے تھے بالخصوص خاندان سادات کا بہت عزت واحترام کرنے والے، منکسر المزاج، عجز وانکساری کی تصویر، عفو ودرگزر کا علم، سادہ لباس، طبیعت میں سادگی، چہرہ پر وقار بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ جمیع خصائل حمیدہ کا مجموعہ تھے۔ اور آپ کے خشوع وخضوع کا یہ عالم کہ دوپہر کے وقت سر کے نیچے اینٹ وغیرہ رکھ کر جس چٹائی پر بیٹھ کر کتب کا مطالعہ فرماتے وہیں کچھ دیر کے لئے قیلولہ فرماتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت کا یہ عالم تھا کہ آپ اکثر کتب سیرت کا مطالعہ فرماتے اور کبھی کبھی فرط محبت کی وجہ سے آپ کی چشمان مبارک نم ہوجاتیں اور تبحر فی العلم کا یہ حال تھا کہ آپ نے جن کتب کا مطالعہ فرمایا ان کتب میں اگر کوئی لفظ مشکل یا معضل آجاتا یا کوئی جملہ قابل تاویل آجاتا یا کتابت میں کوئی لغزش قلم واقع ہوتی یا صاحب کتاب سے کہیں سہو ونسیان واقع ہوجاتا تو اس مقام پر نشان لگا کر اس کتاب کے حاشیہ پر اس کی تفصیل بیان فرمادیتے۔ اگر کتاب عربی ہوتی تو عربی میں تحریر فرماتے اگر کتاب فارسی ہوتی تو فارسی میں حاشیہ تحریر فرمادیتے۔ آپ کی ملک اکثر کتب میرے پاس موجود ہیں اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کتاب پر آپ کا حاشیہ نہ لکھا ہوا ہو، آپ کو عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں شاعری پر مکمل دسترس تھی۔ لیکن آپ نے اس فن کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ میں نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جب بھی آپ اپنے محبوب رحمۃ للعالمین ﷺ کا اسم گرامی کا تذکرہ فرماتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو مثل موتی داڑھی شریف پر گرتے جس سے آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ اور والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے پیارے محبوب ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی آپ تقریر فرماتے خواہ وہ خطبہ جمعۃ المبارک ہوتا، محفل میلاد وغیرہ یا کوئی محفل پند ونصیحت، جب بھی ذکر مصطفیٰ ﷺ فرماتے آنکھیں نم ہو جاتیں۔ اور اکثر اپنے مواعظ حسنہ میں یہ دو شعر ضرور ترنم کے ساتھ پڑھتے۔ یہ شعر مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے

ترحم یارسول اللہ ترحم	زمہجوری برآمد جان عالم
وسائبان عالم	امید دقیقہ دان عالم بے سایہ

دوسرا شعر فیضی کا ہے انہوں نے اسے ''اقبال اور عشق رسول'' میں لکھا ہے ان کے بعد علامہ منشا تابش قصوری نے بھی اپنی کتاب مستطاب ''محمد نور'' میں تحریر فرمایا ہے۔

چنانچہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی قال اللہ عزوجل، قال الرسول ﷺ سے عبارت تھی۔ آپ کا ہر حال وقال اور ہر ادا تابع شریعت مطہرہ تھی گویا کہ آپ کی حیات مبارکہ اسوۂ رسول خدا ﷺ کا ایک نمونہ تھی اور عشق ومحبت مصطفیٰ ﷺ اس حیات کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

بالآخر بمصداق قول خدا ''کل نفس ذائقة الموت۔۔۔'' بروز جمعرات ۱۱۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء بمطابق تین (۳) صفر المظفر آپ بہت زیادہ بیمار ہو گئے اور برادر مکرم آپ کو گجرات شہر ڈاکٹر شیرازی کے پاس لے گئے۔ محترم برادر مکرم باہر پریشانی کے عالم میں کھڑے تھے کہ ہمارے گاؤں کا ایک آدمی چوہدری محمد اکرم کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے میرے برادر مکرم سے پوچھا: آپ کیوں نہایت آزردہ و پریشان ہیں؟ بھائی صاحب نے فرمایا: والد صاحب نہایت سخت بیمار ہیں انہیں ڈاکٹر شیرازی کے پاس لے کر آیا ہوں۔ چوہدری محمد اکرم کا کہنا ہے: میں ہسپتال کے اندر گیا تو والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو اس نے سٹریچر پر لٹایا ہوا تھا اور آپ کو چیک کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے چیک کرنے کے بعد کہا: بزرگ تو اس سے دس منٹ قبل وصال فرما چکے ہیں۔ چوہدری محمد اکرم نے نہایت تعجب سے اپنے دل میں کہا (جب میں نے ڈاکٹر کی یہ بات سن کر بزرگ تو دس (۱۰) منٹ قبل وفات پا چکے ہیں) مولانا فیض احمد کے لب مبارک میں حرکت

دیکھی اور آپ انگلیوں پر کچھ پڑھ رہے تھے اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ آپ اس سے دس منٹ پہلے وفات پا چکے ہیں۔

چوہدری محمد اکرم ابھی بقید حیات ہیں۔ ان سے اس واقعہ کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ کمال باطنی تھا جس کا بعد از وفات بھی ظہور ہو رہا ہے اور اللہ کے بندے کی یہی شان ہے کہ وہ مر کر بھی زندہ جاوید ہے۔

لہٰذا اسی روز آپ نے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

اور یہ ماہتاب رشد وہدایت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنے متعلقین کو صدمہ مفارقت دے گیا اور یہ بروز جمعۃ المبارک ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۶ء بمطابق ۴ صفر المظفر دن کے ساڑھے آٹھ بجے آپ کا جنازہ پڑھایا گیا اور آپ کی نماز جنازہ میں ایک جم غفیر تھا۔ جنازہ گاہ سے باہر کھیتوں میں بھی لوگ آپ کی نماز جنازہ ادا کر رہے تھے۔

جب قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک چھوٹے سے قصبہ میں بعض مشائخ نے اتنا ہجوم دیکھا تو یہ کہہ دیا کہ یہ تو ہمارے مریدین کی وجہ سے اتنا جنازہ ہوا ہے لیکن ان مشائخ گرامی القدر حضرات کو معلوم نہیں تھا کہ اتنا ہجوم ان کے مریدین کا نہیں تھا یہ اس بندۂ خدا کے کمال باطنی کا ظہور تھا کہ لوگ دیوانہ وار اپنے ایک نیک و پارسا محبوب کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے۔
لیکن ہمارے خانقاہی نظام میں سجادہ نشین حضرات کو جو خلافت ریوڑیوں کی طرح بانٹتے ہیں، یہی نظر آتا ہے کہ ہر ایک مرنے والے کے جنازہ میں ان کے مریدین شامل ہوتے۔ چنانچہ نماز جنازہ بھی ان کی مرہون منت ہے۔

لیکن ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ عزوجل کے جو نیک بندے ہوتے ہیں ان کی شان یہ ہوتی ہے۔

بلی ہر جا رسد نیکو سرشتے اگر دوزخ بود گردد بہشتے

لہٰذا نماز جنازہ کے بعد آپ کو لحد مبارک میں اتار دیا گیا اور مٹی ڈال کر آپ کی قبر مبارک تیار کر دی گئی اور آپ قیامت تک اپنی لحد مبارک میں آرام فرما ہیں اور لوگوں کے لئے

فیض رسا ہیں۔ فیض احمد سے لوگ صبح وشام مستفیض ہو رہے ہیں۔ اللہ عزوجل آپ کی لحد مبارک پر کروڑ ہا رحمتوں کا نزول فرمائے اور آپ کی لحد مبارک "روضة من رياض الجنة" بنائے۔

آمین یارب العالمین بحق طٰہٰ و یاسین صلی اللہ علیہ وسلم

عشق کی شاخیں کسی آندھی سے جھک سکتیں نہیں
اور روح کی سرگوشیاں قبروں سے رک سکتیں نہیں

اس کے بعد میں نے جو یہ کہا کہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی کا آپ کی حیات مبارکہ میں ظہور نہیں ہوا اور اس کے عدم ظہور میں بھی حکمت تھی۔ وہ یوں کہ آپ کی حیات مبارکہ میں ہی اپنے کمال باطنی کے فیض کو عام کرنے کے لئے اپنے خلف الرشید صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسف زید مجدہ کو تحصیل علوم دینیہ کے لئے سلطان المدرسین، عمدۃ المحققین، فقیہ العصر حضرت مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ جانشین فیض احمد نے جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد گرامی سے حاصل کئے۔ پھر اس کے بعد آپ نے محدث فیصل آبادی شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دارالعلوم میں دورۂ حدیث کے لئے داخلہ لے لیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل فرمائی اور اسی دوران آپ نے نہایت ہی قلیل وقت میں قرآن پاک کو بھی اپنے سینہ میں محفوظ فرمالیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل کے ساتھ ساتھ حافظ قرآن بھی بن گئے۔ پھر آپ نے اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی معاونت کے لئے مہلو شریف کے مدرسہ میں طلبہ کو درس نظامی کی کتب "نورالانوار" وغیرہ پڑھانی شروع کر دیں۔

اب قبلہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی جن کو آپ میں بطور ودیعت رکھ دیا گیا تھا، اس کے فیض کو عام کرنے کا سبب یہ بنا کہ جلال پور جٹاں کے قریب ایک گاؤں لکھنوال کے کچھ احباب قبلہ استاد گرامی القدر حضرت مولانا سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق آپ کو لکھنوال لے گئے۔ یہ ۱۹۸۱ء کا واقعہ ہے۔ ابھی آپ کو لکھنوال میں گئے ہوئے پانچ سال ہی گزرے تھے کہ آپ کے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا اور آپ ایک عظیم صدمہ سے دوچار ہو گئے لیکن نہایت عزم وہمت اور جوانمردی کے ساتھ آپ نے حادثہ عظیم کا مقابلہ فرمایا اور اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی کے جمالی پرتو کو جو کہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ میں بطور ودیعت رکھا ہوا تھا، آپ

کے قلب اطہر پر منور فرمادیا اور آپ اپنے والد گرامی بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی فیض کے روحانی وارث بن گئے پھر اس فیض نے وہ کمال کردکھایا جو کہ سال کے گیارہ ماہ دیار غیر میں ڈالر اور یورو کی گداگری کر کے بھی نہ دکھاسکے، یہ آپ کا کمال نہ تھا بلکہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطن کے فیض کا کمال تھا جو فیض اللہ کے ولی کے وصال شریف کے بعد نہایت اقوی ہوتا ہے۔ چنانچہ جانشین فیض احمد حضرت مولانا محمد یوسف دامت برکاتہم العالیہ نے اللہ عزوجل پر توکل کرتے ہوئے اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی وفیض وہبی کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے ''ادعونی استجب لکم۔۔۔الخ'' اس کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

''وھذہ الآیۃ ظاھرۃ فی ترجیح الدعاء علی التفویض وقالت طائفۃ الافضل ترک الدعا والاستسلام للقضاء''[1]

''ظاہر میں یہ آیت کریمہ اپنے امور اللہ عزوجل کے سپرد کردینے پر دعا (سوال کرنا) کو ترجیح دیتی ہے، ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ اپنے جملہ امور قضائے خدا کے سپرد کردینا ہی منشاء خداوندی ہے اور سوال کا ترک افضل ہے۔''

چنانچہ محترم المقام حضرت العلام الحافظ القاری علامہ محمد یوسف صاحب زید مجدہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر عمل پیرا ہو کر بغیر کسی سے کچھ مانگے اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی فیض کو اس مقام تک پہنچایا جہاں ڈالر اور یورو والے آپ کے روحانی فیض کے مقابلہ میں ہیچ نظر آتے ہیں۔ آپ نے قلیل مدت میں لکھنوال میں جامعہ غوثیہ رضویہ کی تین منزلہ خوبصورت عمارت تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد کچھ اور اراضی خرید کر وہاں ایک مسجد اور طالب علم بچوں کے لئے ایک الگ مدرسہ تعمیر فرمایا۔ اب تک آپ کے والد گرامی کے عطا کردہ فیض باطنی سے اس دار العلوم سے ہزاروں لوگ مستفیض ومستفید ہو کر مخلوقات خدا کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

اور حضرت مولانا محمد یوسف زید مجدہ کا اس سے بڑھ کر ایک اور کارنامہ اور اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال باطنی کے فیض کا پرتو یہ ہے کہ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال مبارک کے بعد

---

[1] ادب الدنیا والدین: ص ۲۳

گاؤں مہلو شریف والا مدرسہ کا افتتاح ہو چکا تھا چنانچہ آپ نے توکل علی اللہ کے ماتحت جامعہ غوثیہ فیضیہ کی ۲۰۰۷ میں بنیاد رکھی اور یہ جامعہ ۲۰۰۸ء میں پایہ تکمیل تک پہنچا۔ بحمدہ تعالیٰ اب اس جامعہ کی دو منزلیں ہیں جو نہایت ہی خوبصورت اور دلکش منظر پیش کرتی ہیں۔ آپ نے ۲۰۰۹ء میں اس جامعہ میں اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کو جاری فرمایا جو آپ کے زیر کفالت نہایت احسن طریقہ سے لوگوں کو فیض پہنچا رہا ہے۔ اور آپ ہر سال اپنی جیب سے اپنے والد گرامی کا ۱۰ اکتوبر کو عرس مناتے ہیں اور اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی فیض کو جاری کئے ہوئے ہیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اپنے کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ حضرت العلام مولانا محمد یوسف دامت برکاتہم العالیہ کو عمر خضر عطا فرمائے اور آپ کا سایہ مبارکہ ہم پر تادیر قائم ودائم فرمائے۔ آمین۔ "اللھم أجب لنا فإنك مجیب الدعا"

صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین إلی یوم الدین

محمد ابراہیم۔ [1]

❀❀❀❀❀

[1] ۔ ۱۰ دسمبر ۲۰۱۶ء بمطابق ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۴۳۸ھ

منقبت بحضور فیض الملۃ والدین حضرت مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ

از قلم عالم بے مثیل، شاعر بے نظیر، ادیب بے عدیل حضرت علامہ تابش قصوری صاحب

مدرس جامعہ نظامیہ، لاہور

حب مصطفیٰ ، فیض احمد امام و مقتدا فیض احمد
صحابہ پر فدا ، فیض احمد نثارِ اولیاء فیض احمد
شریعت میں فنا فیض احمد طریقت کی بقا فیض احمد
علم کو ناز تھا ان پر سراسر عمل کی تھے ضیاء فیض احمد
زمانہ جھک رہا تھا ان کے آگے بفضل کبریا ، فیض احمد
بفیض حضرت سلطان احمد وقارِ اصفیاء فیض احمد
ہمیشہ فیض کا دریا رواں تھا تھے بحر بے بہا فیض احمد
ہیں یوسف ان کے فرزند گرامی استاذ العلماء ، فیض احمد
ہیں قاری ، حافظ و عالم سراپا فخر اتقیاء ، فیض احمد
تھے یونس ان کی آنکھوں کے ستارے گئے سوئے فنا ، فیض احمد
ہیں ابراہیم بھی فرزند ان کے شرافت کی رداء ، فیض احمد
فیض ہے جاری جہاں میں چار سو فدائے اولیاء ، فیض احمد
جہان معرفت کا تھے خلاصہ تھے مقبول خدا ، فیض احمد

نبی کے فیض سے تابش قصوری
ہوا مدحت سرا ، فیض احمد

محمد منشا تابش قصوری

۱۷ ربیع الاول، ۱۴۳۸ھ، ۷ دسمبر ۲۰۱۶ء

چہارشنبہ

تقریظ سعید

از قلم: محقق عظیم، ادیب اریب، مترجم کتب کثیرہ

حضرت العلام مولانا ظفر اقبال کلیار صاحب، دامت برکاتہم العالیہ

مبالغہ آرائی میری طبیعت نہیں اور نہ علماء کو یہ زیب ہے۔ البتہ حسن وقبح کا شعور رکھتا ہوں، اور حسن کو حسن کہنے سے نہیں شرماتا۔ بہار جب آتی ہے تو ہر سو پھول کھل جاتے ہیں اور سبزۂ نودمیدہ اپنی بہار دکھانے لگتا ہے، ایسے میں اگر کوئی عندلیب بہار کی آمد پر زمزمہ سنج ہو جائے تو کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ عنادل کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی خوشی وشادمانی کا اظہار کریں اور بہار کی آمد پر نغمہ سنج ہوں۔

ہاں میں نصف النہار پر چمکتے ہوئے سورج سے آنکھیں موند کر دن کو رات کہنے کی کبھی جسارت نہیں کر سکتا اور میں ایسا کروں بھی کیوں کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں دن کو دن اور رات کو رات کہوں۔

کچھ لوگ مہر نیم روز کی طرح اس قدر روشن ہوتے ہیں کہ زمانہ ان کا معترف ہوتا ہے۔ وہ کسی تعارف، ستائش اور تعریف کے محتاج نہیں ہوتے۔ میں اپنے ممدوح کو اگر آفتاب نیم روز کہوں یا انہیں بہار کا نام دوں تو قطعاً بے جا نہیں ہوگا۔ وہ اس قدر روشن، معروف اور اپنے کام کے حوالے سے مشہور ہیں کہ بقول شاعر

آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

۱۹۹۸ء کی بات ہے جب میں پہلی بار کھاریاں گیا تو اہل ذوق کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، بہت پھرا، جا بجا گیا، علماء سے ملا، صالحین کی قدم بوسی کی مگر ہمیشہ نام نہاد لوگوں سے واسطہ پڑا۔ اور وہ گوہر مقصود مجھے نہ مل سکا جس کی مجھے تلاش تھی۔ لیکن میں مایوس نہیں ہوا کہ دنیا خیر سے خالی نہیں، میں نے تلاش جاری رکھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی میلوں سفر طے کرتا ہے لیکن منزل پر پہنچ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ چمکتی ریت پانی نہیں، سراب تھا، اور کبھی آدمی چشمہ شریں کے دہانے پر کھڑا ہوتا ہے مگر اسے علم نہیں ہوتا۔ میں پھرتا رہا گویا کہ صحرا کی خاک چھانتا رہا مگر وہ چشمہ شریں، میرا گوہر مقصود، وہ شخص جس کی میں تلاش میں تھا میرے بالکل قریب تھا، دریا بہتا

ہے تو بہت شور برپا ہوتا ہے، سمندر سکوت کو جنم دیتا ہے۔ یہی سکوت تھا جس کی وجہ سے چند قدم کا فاصلہ طے کرنے سے میں عاجز تھا۔

پھر اچانک ایک روز ایک دوست نے میری رہنمائی کی۔ کھاریاں کینٹ سے قریب بالکل کینٹ سے متصل نصیرہ نامی چھوٹے سے ایک گاؤں میں میرا مقصود موجود تھا۔ ایک برساتی نالہ اس گاؤں کو چھاؤنی سے جدا کرتا ہے۔ اس برساتی نالہ کے کنارے اہل سنت و جماعت کی ایک درسگاہ ہے "کنز الایمان" بظاہر تو یہ ایک چھوٹی سی درس گاہ ہے مگر ہے علم و آگہی کا منبع و سرچشمہ جہاں سے بہت سے اہل ذوق سیراب ہوئے اور اب بھی سیراب ہو رہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم چشتی دامت فیوضہم اس درس گاہ کے بانی اور منتظم اعلیٰ ہیں۔ آپ کی نگرانی میں حفظ و درس نظامی دونوں شعبے کام کر رہے ہیں۔ دور حاضر میں جب کہ مدرسین کی قلت بلکہ سرے سے مدرس ملتا ہی نہیں، حضرت العلام خود ہی تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ تدریس کس قدر مشکل اور صبر آزما کام ہے یہ وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں کبھی اس کام سے واسطہ پڑا ہو لیکن اس کے باوجود آپ تالیف و تصنیف کی خدمت سے بھی محروم نہیں ہیں۔ آپ کی پہلی کتاب غالباً "اہل سنت و جماعت حقیقت کے آئینہ میں" ہے جسے مکتبہ جمال کرم لاہور نے فروری ۲۰۰۱ء میں شائع کیا ہے۔

دوسری کتاب "خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ" ہے جسے مکتبہ مذکورہ نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ آپ نے اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت، خدمات اور آپ کی خلافت بلا فصل پر کچھ اس انداز سے گفتگو فرمائی ہے کہ جملہ اعتراضات خود بخود ختم ہوتے چلے گئے ہیں۔ ایک روز میں نے عرض کیا: حضور! کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی؟ مفتی صاحب محترم سے ایک دو روز کے بعد بات ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے حوالے سے بہت سے حوالہ جات معتبر کتب تاریخ سے شامل کتاب کر چکے تھے۔ ان حوالہ جات کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، اور بڑی طمانیت حاصل ہوئی۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تاریخ سے پوری طرح استفادہ صرف اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ متقدمین کے ہاں یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ایک واقعہ سے متعلق تمام روایات مع سند تحریر فرما دیتے ہیں لیکن فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں تا کہ قاری خود سند کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صحیح اور ضعیف روایات میں فرق کر سکے، اور صحیح روایات کو قبول اور

ضعیف کو رد کردے۔ وہ ضعیف روایات کو قلم بند نہ کرنا خیانت خیال کرتے تھے۔ لیکن بعد میں جب کہ علمی ذوق ماند پڑ گیا تو صحیح روایات پر اکتفا کرنے کی طرح پڑ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ماہرین فن کے بارے میں عوام الناس میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم صاحب چونکہ اسماء الرجال کے فن میں بھی مہارت رکھتے ہیں اس لئے ان روایات کا آپ نے ناقدانہ اور عالمانہ تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے صحیح روایات کو قلمبند فرمایا ہے۔ جس کی بدولت یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک بہترین دستاویز کی حیثیت سے سامنے آئی ہے۔ آپ کی تیسری کتاب ''قرأت خلف الامام'' ہے۔ اس کتاب کو شبیر برادرز نے اگست ۲۰۰۳ء میں شائع کیا ہے۔ یہ ایک کتابچہ ہے لیکن پوری دیانت اور مہارت سے قلم بند کیا گیا ہے۔ احادیث اور اہل علم کی تحقیقات کو نہایت عالمانہ انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ تقلید آئمہ جو ایک متفق مسئلہ تھا اور پوری امت مسلمہ کا تقریباً جس پر اجماع تھا، بعض لوگوں نے اس متفق علیہ مسئلہ کو بھی مختلف فیہ بنا دیا ہے۔ حضرت العلام نے اس کی شرعی حیثیت کو بہت سنجیدگی سے واضح فرمایا ہے۔ یہ کتاب شبیر برادرز نے نومبر ۲۰۰۴ء میں شائع کی۔ آپ کی پانچویں کتاب ہے: ''امام اعظم اور علم حدیث'' یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس موضوع پر آپ سے پہلے کئی مناقشے ہوئے اور چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر افتخار الحسن میاں ادارہ تحقیقات اسلامی اور پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کا کام وقیع خیال ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس خوبصورتی سے قبلہ مفتی صاحب نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس حوالے سے کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ البتہ جس مہارت اور لگن سے یہ کتاب تصنیف ہوئی اس محنت اور لگن سے اسے شائع نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی اشاعت و ترویج کے لئے کوئی اہتمام کیا گیا۔ حالانکہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے کوئی معروف ادارہ اچھے کاغذ اور خوبصورت ٹائٹل میں شائع کرے، اس کی تقریب رونمائی ہو اور اہل علم و قلم اس سے لوگوں کو روشناس کرائیں۔ مگر میں امید کرتا ہوں کہ یہ خوشبو پھیلے گی اور اس کے حوالہ آئندہ تمام کتابوں کی زینت بنیں گے۔ آپ کی چھٹی کتاب ''کتاب الصوم'' مئی ۲۰۰۸ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ اسے بھی شبیر برادرز نے شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ درمیانی ضخامت کی کتاب ہے۔ اس میں بعض ایسے مسائل بھی زیر

بحث آئے ہیں جو عام کتب میں نہیں۔ یہ علماء کے لئے بہترین سوغات ہے۔

فضائل قربانی جو کہ ایک کتابچہ ہے، شبیر برادرز نے شائع کی ہے۔ اس میں آپ نے ایک ایسے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے جس سے دورِ حاضر کے علماء آگاہ نہیں تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض نے آپ سے اختلاف کیا اور مناقشہ کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ آپ کی اس سے متعلق علماء سے تاحال خط وکتابت ہو رہی ہے۔ نماز کے وقت ہاتھ کہاں باندھیں؟ آپ کی ایک اور دلچسپ اور تحقیقی کتاب ہے جسے مکتبہ جمال کرم لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس میں آپ نے قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ زیرِ ناف ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے۔

آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ صحیح بخاری کا ترجمہ ہے۔ جو لوگ ترجمہ کا کام کرتے ہیں وہ بجا طور پر جانتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے اور معاملہ حدیثِ رسول ﷺ کا ہو تو مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ یہ قرآن کریم کے بعد سب سے بڑی شرعی دلیل ہے۔ اس میں معمولی سی کوتاہی بہت بڑے فتنے کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ آپ سے پہلے بہت سے لوگوں نے کتب حدیث کے ترجمے کئے ہیں۔ لیکن یہ تراجم ناقص خیال کئے جاتے ہیں۔ اہل علم نے ہمیشہ اس ضرورت کو محسوس کیا کہ کتب احادیث کے تراجم شارحین کی تحقیقات کے روشنی میں کیے جائیں تا کہ الفاظ سے صحیح مراد بہ امور تک رسائی ممکن ہو سکے۔ آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے صحیح بخاری کا ترجمہ کیا ہے۔ فروری ۲۰۰۷ء میں شبیر برادرز نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس ترجمہ کو اہل علم میں بہت پذیرائی ملی اور بقول مفتی صاحب کے اس کا ایک ایڈیشن بھارت سے شائع ہوا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''فتاویٰ فیضیہ'' آپ کی نئی تصنیف ہے جس میں متفرقہ مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ شائد قارئین کے لئے یہ بات فائدہ مند ثابت ہو کہ مفتی صاحب کے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ ہے، اسی نسبت سے اس فتاویٰ کا نام ''فتاویٰ فیضیہ'' رکھا گیا ہے۔

امید کی جا رہی ہے کہ پہلی تمام کتب کی طرح یہ کتاب بھی اہل علم کی توجہ مبذول کرنے میں کامیاب ہو گی اور علوم اسلامیہ پر لکھی جانی والی کتابوں کی فہرست میں بہترین اضافہ قرار پائے گی۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو صحت وعافیت سے رکھے اور قلم کی جولانیاں تا دیر قائم رہیں۔

دعا جو و دعا گو: ظفر اقبال کلیار

حال دل

محترم سامعین وقارئین گرامی! موجودہ دور میں کچھ اس قسم کے مسائل جنم لے رہے ہیں جو حضرات علمائے کرام کی توجہ کے محتاج ہیں تاکہ ہمارے حضرات علماء ان مسائل کی طرف توجہ فرما کر شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کو گردش زمانہ کے تلاطم سے مامون ومحفوظ فرماسکیں، اور یہ کام صرف اور صرف حضرات علمائے کرام کا ہی ہے۔ کیونکہ دین مصطفوی کے وہی وارث ہیں اور اس میراث کی حفاظت کی ذمہ داری بھی انہی پر عائد ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ سے لے کر آج تک ذوعلم حضرات ہی اس کی حفاظت پر مامور ہیں جن کی بدولت یہ دین مصطفویٰ جس کے حضرات علمائے کرام ہی امین تھے، انہوں نے اس عظیم امانت کو نہایت احسن طریقہ سے ہم تک پہنچایا "جزاھم اللہ احسن الجزاء"

اب ان مسائل کا ذکر جو موجودہ دور میں جنم لے رہے ہیں۔

اول:۔ ہماری معزز خواتین کی محافل دینی میں شرکت جنہیں غیر شرعی طریقے سے منایا جارہا ہے، ہماری پیشہ ور خواتین ساؤنڈ اور دف پر نعت خوانی کرتی ہیں۔ ساؤنڈ سسٹم پر خواتین کی نعت خوانی سترعورت کے خلاف ہے۔ بالاتفاق حضرات فقہائے کرام عورت کی نغمہ والی آواز سراپا پردہ ہے اور اس کا خلاف گناہ کبیرہ ہے۔ اور اسی طرح دف جو دور حاضر میں تکنیک جدیدہ کے ساتھ تیار کی گئی ہے جس میں سیٹی کی آواز بھی پیدا ہوتی ہے اور گھنگرو کے جھنکار کی بھی یہ دف آلہ غنا میں شامل ہے۔ اسی لئے حضرات علمائے کرام نے دف کی تعریف میں بیان فرمایا کہ وہ "دف مباح ہے جس میں جلاجل" یعنی گھنگرو نہ ہوں۔ اگر دف کے ساتھ گھنگرو ہوں تو اس کو لغت میں "مزامیر" کہتے ہیں یعنی سیٹی والی آواز۔ لہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ دف عربی وہ ہے جو مثل نقارہ کے ہے جس کے ساتھ گھنگرو وغیرہ نہیں ہوتے۔

دوم:۔ یہ کہ ایسی دف کے ساتھ نعت میں نبی اکرم ﷺ کا اسم گرامی لینا بے ادبی وگستاخی ہے۔ چنانچہ ہمارے علمائے کرام دامت برکاتہم العالیہ کو اس نازک مسئلہ کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے اور اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تاکہ یہ غیر شرعی سلسلہ بند ہو۔

اس کے بعد ہماری خواتین ماہ رمضان میں بالخصوص اور دیگر ایام میں بالعموم نماز تسبیح باجماعت پڑھتی ہیں حالانکہ عورت کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ امام کا نمازیوں کے آگے مصلی پر کھڑا ہونا واجب ہے اور عورت جب نماز میں صف کے وسط میں کھڑی ہوگی تو ترک واجب لازم آئے گا۔ لہٰذا باجماعت نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

اس لیے متاخرین علمائے کرام نے عورت کو مساجد تو درکنار محافل میں جانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ فتنہ وفساد کا ہے۔ لہٰذا عورت کو اپنے گھر کے بند کمرہ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب عورت نماز کے نکلتی ہے تو اکثر خوشبو کا استعمال کرتی ہے جس سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ حدیث مسلم سے اور دیگر آئمہ احادیث کی احادیث سے ثابت ہے۔ اور خوبصورت اور اچھے کپڑے زیب تن کر کے نکلتی ہیں یہ دونوں چیزیں عورت کے لئے فتنہ وفساد کا موجب ہیں۔ لہٰذا علمائے کرام کو اس مسئلہ پر بھی ضرور غور وخوض کرنا ہوگا اور مقام عورت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس مسئلہ کو عوام الناس میں اجاگر کرنا ہوگا تاکہ عورت اپنے مقام وشرف کو سمجھ کر اپنے گھر کی اندھیری کوٹھری میں نماز کا اہتمام کرے۔ یہی منشائے محبوب خدا ﷺ ہے۔ اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا اور آخرت کو سنوارا جاسکتا ہے۔

سوم :۔ یہ کہ دور حاضر میں مدرسۃ البنات کا اہتمام از حد ضروری تصور کیا جاتا ہے لیکن اس میں شرعی نقائص اور کوتاہیاں ہیں۔ انہیں ملحوظ خاطر نہیں رکھا جاتا ہے۔ وہ شرعی نقائص یہ ہیں کہ جب نوجوان عورت کے ایام مخصوصہ آتے ہیں تو اس وقت جو شریعت مطہرہ کے احکام ہیں ان میں اکثر مدارس البنات میں غفلت وکوتاہی کا ارتکاب ہوتا ہے اور ہمارے مہتمم حضرات اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے، اس سوز پکار سے اکثر علماء حضرات نے اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ ہمارے مدارس البنات میں ہماری بیٹیاں اکثر ان ایام مخصوصہ میں قرآن بھی پڑھتی ہیں اور دینی کتب کا مطالعہ بھی کرتی ہیں اور یہ کام سراپا شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ قرآن وسنت سے ایسی حالت میں قرآن کا مس کرنا یا زبانی تلاوت کرنا ممنوع ہے۔ حضرات فقہائے کرام نے وہ تمام کتب خواہ نحو وصرف کی ہوں جن میں آیات قرآنیہ ہیں، انہیں عورت کا اپنے ایام مخصوصہ میں چھونا بھی جائز نہیں۔ چنانچہ ہمارے علمائے کرام کو اس مسئلہ پر نہایت سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ اور کوئی ایسا لائحہ

عمل تیار کرنا ہوگا اور کوئی ایسا ضابطہ اخلاق وضع کرنا ہوگا جس سے اس امر غیر شرعی پر قابو پایا جاسکے ،اور ہمارے مدارس البنات میں تعلیم وتربیت کو امور غیر شرعیہ سے منزہ اور پاک کیا جاسکتے اور ہماری بیٹیاں دوران تعلیم اس امر غیر شرعی سے اجتناب کر کے اپنے آپ کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی سعادت حاصل کریں۔ چنانچہ ہمارے علمائے کرام ذوالاحترام کو ان مسائل کی طرف خصوصی توجہ دینا ہوگی جو کہ حضرات علمائے کرام کی شرعاً ذمہ داری بھی ہے، تا کہ ہماری خواتین ان بدعات سے اجتناب فرمائیں اور اپنی زندگی شعائر اسلامی کے مطابق بسر کریں۔ چنانچہ ان مسائل کو نہایت تحقیق کے ساتھ رقم کیا ہے امید ہے کہ مدارس البنات کے مہتمم حضرات اس کتاب کو ضرور نصاب میں شامل فرما کر اپنی بیٹیوں کی اصلاح فرمائیں گے۔ اگر ہو سکے تو یہ کتاب ضروری طور پر دینی طالبہ کو لے کر دی جائے تا کہ وہ اس کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو غیر شرعی امور سے محفوظ و مامون بنا سکیں۔[1]

محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

---

[1] قبلہ مفتی صاحب خواتین کی تعلیم کی مخالفت نہیں کر رہے اور ایک عالم دین ایسا کر بھی کیسے سکتا ہے کہ تعلیم کا حصول عورت کا نہ صرف حق ہے، بلکہ اس کے لیے فرض بھی ہے۔ آپ اپنے فتاویٰ میں اس بات کی تاکید فرما رہے ہیں کہ حیض کی حالت میں متعلم اور معلم کو شرعی طور پر قرآن کریم کی تلاوت اور اس کا چھونا جائز نہیں اور بچیوں کے دینی مدارس میں اس شرعی مسئلہ کی طرف خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ آپ باور کراتے ہیں کہ ادب کا تقاضا ہے کہ صرف ونحو اور دوسرے فنون کی کتب کو بھی بلا طہارت ہاتھ نہ لگایا جائے۔ حضرات منتظمین کو اس بارے سنجیدگی سے توجہ کرنا ہوگی۔ ظفر اقبال کلیار

کیا عورت کا محافل میلاد وغیرہ میں ساؤنڈ سسٹم پر خوش الحانی اور ترنم کے ساتھ نعت پڑھنا و تقریر کرنا جائز ہے؟

اقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

جب عورت کے لئے مسجد میں جانا اور وعظ و نصیحت کی محافل میں شرکت کرنا ازروئے شریعت جائز نہیں تو ساؤنڈ وغیرہ پر نعت و تقریر کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

نقایۃ مختصر الوقایۃ لعبید اللہ بن مسعود ابن تاج الشریعہ کے شارح شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی سن ۹۶۲ ش اپنی کتاب جامع الرموز جس کے بارے میں حاجی خلیفہ چلپی ''کشف الظنون'' میں فرماتے ہیں:

''وھو اعظم الشروح نفعا وادقھا اشارۃ ورمزا کثیر النفع''

''یہ شرح جامع الرموز، تمام شروح میں سے ازروئے نفع کے اعظم ہے اور ازروئے اشارہ اور رمز کے نہایت دقیق اور بہت نفع والی ہے'' صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں:

''وأما فی زماننا فیکرہ حضورھا کل جماعۃ وھو المختار کما فی الاختیار وغیرہ وفیہ إشارۃ إلی أن حضور الواسطۃ أعنی الکھلۃ مکروہ فی زماننا وینبغی أن یکون کذٰلک فی زمانھم فی المسجد قالت عائشۃ للنساء حین شکون إلیھا عن عمر لنھیھن عن الخروج إلی المساجد لو علم النبی ﷺ ما علم عمر ما اذن لکن الخروج''[1]

ہمارے زمانہ میں ہر عورت کا ہر جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے (مراد پنجگانہ نماز ہے) اور یہی مختار ہے جیسا کہ اختیار (لابی الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود موصلی حنفی متوفی سنۃ ۶۸۳ھ) وغیرہ میں ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں درمیانی عمر کی عورت کا بھی مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور چاہیے کہ ان کے زمانہ (یعنی متقدمین) میں بھی اس

[1] جامع الرموز جلد اول باب الامامۃ ص ۱۷۴، مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران

طرح ہو اور محیط رضوی میں ہے (صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں جب محیط مطلق ہو تو یہ امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی محیط ہے جو متوفی سنہ ۶۷۱ھ ہیں) جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو مسجد کی طرف نکلنے سے منع فرمایا تو عورتوں نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی تو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اے عورتو! اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آج کی عورتوں کے متعلق معلوم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمہیں مسجد کی طرف جانے کی اجازت مرحمت نہ فرماتے'')۔

معلوم ہوا خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں عورتوں کے وہ حالات نہیں رہے تھے جو زمانہ نبوت میں تھے تو دور حاضرہ جو فتنہ وفساد کی تیرگی سے نہایت تاریک ہو چکا ہے عورتوں کو شریعت مطہرہ کے خلاف مساجد یا دیگر محافل میں جا کر نعت اور وعظ وتقریر کی کیسے اجازت صحیح ہو سکتی ہے اسی لئے صاحب فتح القدیر نے ارقام فرمایا:

''عمم المتاخرون المنع للعجائز والشواب فی الصلوات کلها لغلبة الفساد فی سائر الاوقات''[1]

''متاخرین علماء کرام نے تمام نمازوں میں بوڑھی اور نوجوان عورتوں کے لئے ممانعت کو عام کر دیا ہے۔ اس لئے کہ تمام اوقات میں فساد کا غلبہ ہے''۔

یہ سن ۶۸۱ھ کی بات ہے اور آج ۱۴۳۸ھ ہے جس سن ۶۸۱ھ کا یہ حال تھا تو ۷۵۷ سال بعد تو وہ فتنہ وفساد اپنی انتہا تک پہنچا ہوا ہے۔ لہٰذا دور حاضر میں تو بدرجہ اولیٰ مساجد میں جانا یا محفل میلاد میں نعت وتقریر کی آزادی کا ہونا ممنوع وحرام ہوگا۔

صاحب کفایہ علامہ جلال الدین خوارزمی فرماتے ہیں:

''والفتویٰ الیوم علی الکراھة فی الصلوٰة کلها لظهور الفساد فتی کرہ حضور المسجد للصلوٰة لان یکرہ حضور مجالس العلم''۔[2]

''آج عورت کے نمازوں میں حاضر ہونے کے بارے میں فتویٰ کراہت تحریمہ کا ہے

---

[1]۔ فتح القدیر جلد اول، باب الامامۃ، ص ۳۱۷

[2]۔ کفایہ متصل فتح القدیر جلد اول ص ۳۱۸

کیونکہ یہ زمانہ ظہور فساد کا زمانہ ہے۔ تو جب نماز کے لئے مسجد میں جانا عورت کے لئے مکروہ تحریمی ہے تو چاہیے کہ مجالس علم میں بھی عورت کا حاضر ہونا مکروہ ہو"۔

بالخصوص ان جاہلوں کے پاس جو اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ سمجھتے ہیں۔ ان کی مجالس میں جانا بدرجہ اولیٰ حرام ہے تو ان نصوص صریحہ سے جب کا اظہر من الشمس واضح وظاہر ہو گیا کہ دور حاضر میں عورت کا نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جانا یا مجالس علم میں حاضر ہونا ممنوع وحرام ہے جب کہ نماز کا تعلق عبادات سے ہے جس کے لئے اپنے گھر سے عورت کے لئے نکلنا ممنوع وحرام ہے تو یہ محافل میلاد وغیرہ جو کہ مستحبات میں سے ہیں وہاں عورتوں کا اجتماع اور ساؤنڈ پر نعت خوانی اور تقریر کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ "تدبروا وتفکروا"

دوم یہ کہ عورت کی خوش الحانی اور ترنم والی آواز عند المحققین عورت (پردہ) ہے۔ جب کسی عورت نے خوش الحانی اور ترنم سے نعت پڑھی یا تقریر کی اس نے حکم پردہ کو چاک چاک کر دیا اور حکم خدا اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ حضرات علمائے کرام کیلئے لمحہ فکریہ ہے کہ جہاں محافل میلاد مومن کی جان ہیں، ایمان ہیں، وہاں عورتوں کو اس کی اجازت دے کر جہاں محافل میلاد کی تعظیم وتوقیر کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے، وہاں مومن کی جان وایمان بھی خطرہ سے دوچار ہے۔

شارح منیۃ المصلی شیخ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی سنۃ ۹۵۶ھ المعروف بالکبیری میں ارقام فرماتے ہیں:

"صوت المرأة قال الشیخ کمال الدین بن ھمام صرح فی النوازل بأن نغمة المرأة عورة بنی علیها أن تعلمها القرآن من المرأة احب، قال لأن نغمتها عورة ولهذا قال علیه السلام التسبیح للرجال والتصفیق للنساء فلا یحسن أن یسمعها الرجل انتهی کلامه، قال وعلی هذا لوقیل إذا جهرت بالقرآن فی الصلوٰة فسدت کان متجها ولذا منعها علیه السلام عن التسبیح بالصوت لإعلام الإمام بسهوه إلی التصفیق انتهی والله اعلم"[1]

(عورت کی آواز شیخ کمال الدین بن ہمام نے کہا، نوازل (علامہ ابو اللیث سمرقندی)

---

[1] کبیری شرح منیۃ المصلی شرط ثالث ستر العورۃ ص ۲۱۵، مطبع مجتبائی دہلی ماہ اکتوبر ۱۸۹۸

میں تصریح کی گئی ہے کہ عورت کی ترنم والی آواز پردہ ہے اور صاحب نوازل کی اس صراحت پر یہ قول بنا کیا ہے کہ عورت کا عورتوں سے قرآن سیکھنا زیادہ محبوب ہے۔ صاحب نوازل نے کہا اس لئے کہ عورت کی سریلی آواز پردہ ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مردوں کے لئے تسبیح ہے اور عورتوں کے لئے تالی بجانا۔ یہاں صاحب نوازل کا کلام ختم ہوا۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر اس قول کی بنا پر یہ کہا جائے کہ جب عورت نماز میں باآواز قرآن پاک کی تلاوت کرے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: یہ قول قابل توجہ وتفکر ہے اور اسی لئے جب امام نماز میں بھول جائے تو اس کے لئے آواز کے ساتھ اعلام سے نبی اکرم ﷺ نے عورت کو منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ عورت تالی بجا کر امام کو اعلام کرے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب امام نماز میں بھول جائے تو عورت آواز سے امام کو لقمہ نہ دے (یعنی اعلام نہ کرے) کیونکہ اس کی آواز پردہ ہے جو کہ مرد سنیں گے، اس لئے صاحب فتح القدیر نے فرمایا: عورت اگر نماز میں قرآن پاک باآواز بلند پڑھے تو نماز فاسد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ آپ ہی بتائیں کیا جب یہ عورت محافل میلاد وغیرہ میں باآواز بلند ساؤنڈ پر ترنم کے ساتھ نعت پڑھے گی یا وعظ کرے گی تو جائز ہوگا؟ عورت نبی اکرم ﷺ کے فرمان عالیشان کی دھجیاں بکھیر رہی ہے اور حضرات علمائے کرام محوِ خواب غفلت ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اب صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ کی تصریح پیش خدمت ہے:

"(ف ر ع) وعلى هذا الدليل لو قيل إذا جهرت بالقرأة فى الصلوٰة فسدت كان متجها ولذا منعها عليه الصلوٰة والسلام بالتسبيح بالصوت لإعلام الإمام لسهوه إلى التصفيق" [1]

(صاحب فتح القدیر نے نوازل کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا اور فتح القدیر نے صاحب نوازل کی عبارت میں یہ اضافہ کیا ہے "أحب إلى من الأعمى" یعنی عورت کا عورتوں سے قرآن پڑھنا میرے نزدیک نابینا آدمی سے قرآن پڑھنے سے زیادہ محبوب ہے۔ صاحب فتح القدیر نے فرمایا: صاحب نوازل کے قول کی بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ جب عورت نماز میں باآواز

---

[1] فتح القدیر شرح ھدایہ باب شروط الصلوٰۃ جلد اول ص ۲۲۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

بلند قرأت کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہ قول قابل توجہ وتفکر ہے اور اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو باآواز بلند تسبیح کہنے سے منع فرمایا ہے جب کہ امام نماز میں بھول جائے تو عورت اسے بتانے کے لئے آواز بلند نہ کرے بلکہ تالی بجائے، غالباً صاحب فتح القدیر نے جب عورت نماز میں باآواز بلند قرأت کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ اگر عورت بفرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باآواز بلند تسبیح سے امام کو اعلام کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ عورت کی آواز پردہ ہے تو اس طرح جب عورت نماز میں باآواز بلند قرأت کرے گی تو وہ آواز مردوں تک پہنچے گی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

صاحب کفایہ فرماتے ہیں:

"قوله وكذلك العورة تؤذن، معناه يستحب أن يعاد لأنها إن وقعت صوتها فقد باشرت منكر الأن صوته عورة وإن لم ترتفع فقد أخلت بالإعلام الذى هو المقصود فيعاد آذانها ندبا"[1]

(صاحب ہدایہ کا قول کہ جس طرح جنبی مرد کی اذان کا اعادہ کیا جائے گا اسی طرح عورت کی اذان کا بھی اعادہ کیا جائے کیونکہ جنبی مرد کی اذان مکروہ ہے اسی طرح عورت کی اذان بھی مکروہ ہے۔ صاحب کفایہ فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ عورت کی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ اگر عورت بلند آواز سے اذان دے تو اس نے خود اچھا کام نہیں کیا اس لئے کہ عورت کی آواز پردہ ہے اور اگر عورت اذان میں آواز بلند نہ کرے تو یہ اعلام میں خلل ہے اور اذان میں اعلام مقصود ہے، چنانچہ استحباباً عورت کی اذان کا اعادہ کیا جائے)۔

اب وہ حدیث جسے صاحب نوازل، حضرت علامہ ابو اللیث سمرقندی نے نقل فرمایا وہ حدیث بھی سماعت فرمائیں:

"عن ابی سلمة عن ابی هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال التسبيح للرجال والتصفيق للنساء"[2]

---

[1] ۔کفایہ متصل فتح القدیر باب الاذان جلد اول، ص ۲۲۰

[2] ۔بخاری، وشرحہ فتح الباری، باب التصفیق للنساء، جلد سوم رقم الحدیث ۱۲۰۳ واطرافہ رقم الاحادیث ۶۸۴، ۱۲۰۴، ۱۲۱۸، ۱۲۳۴، ۲۶۹۰، ۲۶۹۳، ۷۱۹۰

(حضرت ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کے لئے تسبیح ہے اور عورتوں کے لئے تالی بجانا)۔

اس حدیث مبارک کے متعلق شارحین بخاری کیا نقل فرماتے ہیں، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وکان منع النساء من التسبیح لانہا مامورۃ بخفض صوتہا فی الصلوٰۃ مطلقا لما یخشی من الافتتان''[1]

''عورت کو نماز میں تسبیح سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ عورت کو مطلقا اپنی آواز پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ لفظ ''مطلقا'' میں عورت کا باآواز بلند قرآن پڑھنا بھی آتا ہے اور عورت کو نماز میں پست آواز سے قرأت کا حکم دیا گیا ہے اس لئے کہ عورت کو بلند آواز میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے''۔

امام قسطلانی ارشاد الساری فی شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

''والتصفیق للنساء، إذا نابهن شیئ فی صلوتهن وهذا مذهب الجمهور للأمر به فی روایة حماد بن زید فی الأحکام بلفظ فلیسبح الرجال ولتصفق النساء أما قوله والتصفیق للنساء فی شأنهن فی غیر الصلوٰة فهو علی جهة الذم له ولا ینبغی فعله فی الصلوٰة لرجل ولا إمرأة من التسبیح لأنها مامورة بحفض صوتها مطلقا لما یخشی من الافتتان ومن ثم منعت من الاذان مطلقا''[2]

(اور تالی بجانا عورتوں کے لئے ہے جب انہیں اپنی نماز میں کوئی چیز پیش آئے اور یہ جمہور کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ تصفیق کا حکم حماد بن زید کی روایت میں ہے۔ کتاب الاحکام رقم الحدیث ۷۱۹۰ میں بلفظ ''امر بہ'' (إذا نابکم أمر فلیسبح الرجال والتصفق النساء) یعنی جب تمہیں نماز میں کوئی امر لاحق ہو تو چاہیے کہ مرد تسبیح پڑھیں اور عورتیں تالی بجائیں۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول عورتوں کے لئے تالی بجانا ہے، یہ تالی بجانا نماز کے علاوہ

---

[1] ۔ فتح الباری جلد سوم، ص ۷۷، رقم الحدیث ۱۲۰۳

[2] ۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد سوم، ص ۲۹۲، رقم الحدیث ۱۲۰۳

بھی عورتوں کی ہی شان ہے اور یہ تالی بجانا نماز کے باہر بھی مرد کے لئے باعث مذمت ہے۔ اور مرد کو نماز میں تالی نہیں بجانا چاہیے اور نہ ہی عورت کو نماز میں تسبیح کہنا چاہیے۔ اور حماد بن زید کی سابقہ روایت اس کے معارض ہے۔ کیونکہ روایت حماد اس فعل میں نص ہے (یعنی عورتوں کا تالی بجانا اور مردوں کا تسبیح کہنا) گویا کہ عورت کو نماز میں تسبیح کہنے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ عورت کو مطلقاً اپنی نماز میں آہستہ آواز رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ با آواز بلند عورت کا تسبیح وقرأت وغیرہ کرنے سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہے اور اسی وجہ سے عورت کو اذان دینے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے۔

علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"وإنما كره لها التسبيح لأن صوتها فتنة ولهذا منعت من الأذان والإقامة والجهر بالقرأة في الصلوٰة"[1]

یعنی عورت کے لئے نماز میں تسبیح مکروہ ہے کیونکہ عورت کی آواز فتنہ ہے اور اسی لئے عورت کو اذان سے منع کیا گیا ہے اور اقامت سے روکا گیا ہے اور نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنے سے بھی عورت کو منع کیا گیا ہے۔

چنانچہ جس حدیث کی طرف صاحب نوازل حضرت علامہ ابواللیث سمرقندی نے اشارہ فرمایا میں نے یہ حدیث صحیح بخاری سے آپ کی خدمت میں پیش کردی۔ اس حدیث مبارک کو صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور اکثر محدثین نے روایت کیا۔

بندہ ناچیز نے اس حدیث مبارک کی شروحات بخاری سے جو نقل کیں، وہ قول بعینہ ائمہ فقہائے کرام نے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام میں احادیث مبارکہ کو جس طرح علماء فقہائے کرام سمجھ سکتے ہیں دوسرے لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لئے بعض علماء نے فرمایا" الحديث مضلة إلا للفقهاء "یعنی حدیث ائمہ فقہاء کے علاوہ دوسروں کو گمراہ کرتی ہے۔ کیونکہ آئمہ فقہاء احادیث کی جرح وتعدیل کے بعد ہی احکام کا استنباط فرماتے ہیں وہ حدیث کے تقدم وتاخر، ناسخ ومنسوخ، صحیح وضعیف، موقوف ومرفوع وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، چنانچہ عوام الناس کو

---

[1] عمدۃ القاری ج ۷، ص ۲۷۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

احکام فقیہ سے حاصل کرنے چاہیں کیونکہ فقہ بھی حدیث ہی ہے کیونکہ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو محدث علی الاطلاق ہیں حضرت علامہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب ''اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول، فعل اور تقریر حدیث کہلاتی ہے اسی طرح صحابہ کا قول وفعل اور تقریر بھی حدیث کہلاتی ہے اور اسی طرح تابعی کا قول، فعل اور تقریر حدیث کہلاتی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بالاتفاق تابعی ہیں، لہٰذا باعتبار مسائل دینیہ وشرعیہ فقہ پر ہی اعتماد کریں گے اور حدیث کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے جیسے دف پر نابالغ بچیوں کا شجاعت و بہادری کے اشعار پڑھنا جوکہ احادیث سے ثابت ہے اور انہی احادیث کو ہم نے اپنی انا کی تسکین کے لئے بطور استدلال پیش کرکے دف وغیرہ پر محافل میلاد وغیرہ میں نعت خوانی کا پیشہ اختیار کیا ہوا ہے، لہٰذا اس پر اس ضمن میں کچھ کلام کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔ لہٰذا احادیث اور شروح احادیث سے ثابت ہوگیا کہ عورت کی ترنم والی آواز پردہ ہے۔ اگر نماز میں بھی عورت بآواز بلند قرأت کرے گی بقول ائمہ فقہاء ومحدثین مکروہ ممنوع ہے ''فافهم وتدبر''

صاحب ردالمختار فرماتے ہیں:

''وصوتها على الراجح'' معطوف على المستثنى يعني أنه ليس بعورة --- مقابله ما في النوازل نغمة المرأة عورة وتعلمها القرآن من المرأة احب قال عليه الصلوٰة والسلام التسبيح للرجال والتصفيق للنساء، فلا يحسن ان يسمعها الرجل --- الخ''[1]

(اور راجح قول پر عورت کی اصل آواز (یہ عبارت درمختار کی ہے) صاحب ردالمختار فرماتے ہیں: یہ جملہ مستثنیٰ پر معطوف ہے یعنی عورت فقط اصل آواز عورت (پردہ) نہیں اور صاحب درمختار کے مقابل وہ قول ہے جو نوازل امام سمرقندی میں ہے کہ عورت کی ترنم والی آواز پردہ ہے اور عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کے لئے تسبیح ہے اور عورتوں کے لئے تالی بجانا ہے، چنانچہ اچھا نہیں ہے کہ عورت کی آواز کو مرد سنے)۔

تصفیق کا اصل معنیٰ

لغت میں تصفیق کا معنیٰ ہے عورت کا اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر

---

[1] ۔ ردالمختار، باب شروع الصلوٰۃ جلد اول: ص ۲۹۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

مارنا۔ اگر عورت دونوں ہتھیلیوں سے تالی بجائے جیسا کہ عام طور پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے تالی بجائی جاتی ہے تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، عورت اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسرے ہاتھ کی پشت پر مارے، اسے لغت میں تصفیق بولتے ہیں۔

صاحبؒ ردالمختار فرماتے ہیں: کافی امام حاکم شہید میں ہے کہ عورت حج کا تلبیہ باآواز بلند نہ پڑھے۔ اس لیے کہ عورت کی آواز پردہ ہے اور صاحب محیط باب الاذان میں اس طرف گئے ہیں کہ عورت باآواز بلند اذان نہ پڑھے کیونکہ عورت کی آواز پردہ ہے۔ اس کے بعد صاحب ردالمختار نے صاحب فتح القدیر کی نص نقل فرمائی ہے جو اس سے قبل گزر چکی ہے۔ [1]

صاحب ردالمختار فرماتے ہیں شیخ ابراہیم حلبی نے منیہ کی شرح کبری میں صاحب فتح القدیر کے قول کی تقریر فرمائی ہے اور اسی طرح امداد میں ہے۔ پھر صاحب امداد نے علامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا کہ امام ابوالعباس نے اپنی کتاب "السماع" میں ذکر کیا، جس کے پاس سمجھ بوجھ نہیں وہ یہ گمان نہ کرے جب ہم کہتے ہیں عورت کی آواز پردہ ہے ہماری مراد عورت کا فقط کلام مراد نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ ہم اجنبیوں کے لئے (بیع وشراء وغیرہ میں) عورتوں کے ساتھ کلام کو جائز سمجھتے ہیں اور حاجت کے وقت عورت کی گفتگو کرنا جائز ہے۔ ہم صرف عورتوں کی ان آوازوں کو جبکہ وہ بلند ہوں (جیسے وعظ وتقریر میں عورت بلند آواز سے تقریر کرتی ہے) اور عورت کی آواز مین نغمہ کو جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس طرح مردوں کا عورتوں کی طرف میلان ہوتا ہے اور مردوں کی اس سریلی آوز سے شہوت متحرک ہوتی ہے۔ اس وجہ سے عورت کی اذان جائز نہیں۔ صاحب ردالمختار فرماتے ہیں میں کہتا ہوں: صاحب نوازل نے نغمہ کے ساتھ اس آواز کو تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے، یعنی عورت کی مطلق آواز پردہ نہیں بلکہ وہ آواز جو بلند ہو اور سریلی ہو وہ آواز سراپا پردہ ہے۔

صاحب البحر الرائق نے نوازل، کافی، محیط اور فتح القدیر کے اقوال نقل کئے جیسا کہ یہ اقوال اس سے پہلے مذکور ہو چکے ہیں، ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"وفی شرح المنیة الأشبه أن صوتها لیس بعورة وإنما یؤدی إلی الفتنة کما علل به صاحب الهدایة وغیره فی مسئلة التلبیة ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبیح فی الصلوٰة لهذا المعنیٰ ولا یلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة [illegible] أن

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول باب شروط الصلوٰۃ ص: ۲۲۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

یکون عورۃ کما قدمنا۔۔۔ الخ'' [1]

(منیۃ المصلی کی شرح ''الحلیۃ'' میں ہے کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ عورت کی آواز بنفسہٖ پردہ نہیں ہے صرف عورت کی آواز فتنہ کی طرف پہنچانے والی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے مسئلہ تلبیہ میں اس کی علت بیان کی ہے (یعنی عورت باآواز بلند تلبیہ کہے گی یا اذان پڑھے گی تو مردوں کا اس کی طرف میلان ہوگا جو محرک شہوت ہے) شاید عورتوں کو نماز میں تسبیح کے ساتھ آواز بلند کرنے سے اسی لئے منع کیا گیا ہے اور اجنبیوں کے سامنے عورت کی آواز بلند کرنے کی حرمت سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت کی آواز بنفسہٖ پردہ ہے (جیسا کہ صاحب ردالمختار نے ابوالعباس قرطبی کی کتاب ''السماع'' سے اس کا ذکر کیا ہے) جیسا کہ ہم نے اس سے قبل بیان کردیا (یعنی عورت کی آواز موسس الی الفتنہ ہونے کی وجہ سے پردہ ہے) اس کے بعد صاحب البحر الرائق فتاوی ظہیریہ سے نقل فرماتے ہیں چھوٹی بچی عورت (پردہ) نہیں (لہٰذا اس کی آواز بھی پردہ نہیں) چھوٹی بچی کی طرف دیکھنے اور اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں اور ''سراج الوہاج'' میں ہے بچہ اور بچی اس وقت تک عورت نہیں جب تک وہ دونوں مشتہی نہیں ہوجاتے صرف قبل اور دبر پردہ ہے پھر اس کے بعد جب وہ دس سال تک پہنچ جاتے ہیں تو بالغوں کے عورت (پردہ) کی طرح ہوجاتے ہیں (اس سے معلوم ہوا بچی اور بچہ کی سریلی آواز پردہ نہیں) اس لئے کہ یہ زمانہ وہ ہے جس میں عورت کا بالغ ہونا ممکن ہے اور عورت کا ہر عضو جبکہ وہ جسم سے منقطع ہوجائے پردہ ہے کیا اس عضو کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو روایت ہیں ایک یہ کہ جیسا کہ عورت کی تھوک اور آنسو کا دیکھنا جائز ہے اس طرح اس کے عضو کا بھی دیکھنا جائز ہے اور دوسری روایت میں عورت کے عضو کا دیکھنا جائز نہیں اور یہی اصح قول ہے اور اسی طرح مرد کا مقطوع ذکر اور زیر ناف مقطوع بالوں کا بھی اصح قول کے مطابق دیکھنا جائز نہیں، چنانچہ صاحب البحر الرائق کی نص سے ثابت ہوا دس سال سے کم بچی کی آواز عورت نہیں اور صاحب البحر الرائق کا قول آپ کو ضرور ذہن نشین رکھنا ہوگا، کیونکہ یہ حدیث میں موضوع سخن ہوگا، جب وہ احادیث پیش کی جائیں گی جن سے ہماری محترم خواتین اپنے پیشہ نعت کا جواز پیش کرتی ہیں (اللہ ورسولہ اعلم بالصواب)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

''وقد یقال المراد بالنغمۃ ما فیہ تمطیط وتلیین لا مجرد الصوت وإلا لما جاز کلامها مع الرجال أصلا لا في بیع ولا غیرہ ولیس کذلك ولما کانت القراءۃ مظنۃ حصول

---

[1] البحر الرائق باب شروط الصلوۃ جز اول ص ۲۷۰، مکتبہ سعید کمپنی کراچی

النغمة معها منعت من تعلمها من الرجل ۔۔۔ وهذا يفيد أن العورة رفع الصوت الذي لايخلو غالبا عن النغمة لا مطلق الكلام فلما كانت القراءة لا تخلو عن ذلك قال أحب إلى فليتامل"[1]

(اور تحقیق کہا گیا ہے کہ نغمہ سے مراد وہ آواز ہے جسے کھینچنا اور نرم کرنا ہے (یعنی ترنم والی سریلی آواز) یہ صرف تنہا آواز نہیں ورنہ عورت کا مطلقاً مردوں سے کلام جائز نہیں ہوگا۔ نہ ہی خرید وفروخت میں اور نہ ہی کسی اور گفتگو میں اور معاملہ ایسا نہیں (یعنی صرف تنہا آواز پردہ نہیں) اور جب عورت کے ساتھ نغمہ کے حاصل ہونے کا جو کہ قرأت ہے، ظن موجود ہے تو عورت کو مرد سے قرآن سیکھنے سے منع کیا گیا، اس کے بعد علامہ ابن عابدین شامی نے ابوالعباس قرطبی کی کتاب ''السماع'' کی وہ نص پیش کی ہے جو آپ نے ان کی کتاب ردالمختار میں سماعت فرمائی پھر آپ، کتاب ''السماع'' کی نص کے متعلق فرماتے ہیں، ابوالعباس قرطبی کا یہ قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اس آواز کو بلند کرنا جو عورت (پردہ) ہے غالباً نغمہ سے خالی نہیں ہوتا نہ کہ مطلق کلام (یہ نغمہ نہیں)۔

چنانچہ جب قرأت اس نغمہ سے خالی نہیں تو صاحب نوازل نے فرمایا میرے نزدیک عورت کا عورتوں سے قرآن سیکھنا نابینا مرد سے قرآن سیکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے، چنانچہ جملہ فقہائے کرام کی نصوص سے ثابت و متحقق ہو گیا کہ عورت کی وہ آواز جس میں نغمہ پایا جاتا ہو وہ پردہ ہے اور اگر اسی نغمہ کے ساتھ عورت نماز میں باآواز بلند قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اسی پردہ کی وجہ سے ایام حج میں باآواز بلند تلبیہ اور اذان بھی جائز نہیں۔

تو نعت خوانی، اور وعظ و نصیحت ساؤنڈ پروف کے ساتھ کیسے جائز ہے۔[2]

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق جز اول ص، ۲۷۰

[2] اس پوری گفتگو کا نچوڑ یہ ہے کہ عورت کی آواز مطلقاً ایسی نہیں جس کا چھپانا شرعاً ضروری ہو بلکہ عورت کی مترنم آواز کا مردوں سے مخفی رکھنا لازمی ہو خواہ وہ ترنم سے قرآن پڑھے، شعر پڑھے یا نعت پڑھے۔ ایسی آواز کا مردوں سے مخفی رکھنا لازم ہے اس لیے عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ نماز میں یا عام حالات میں بلند آواز سے قرأت کرے یا نماز میں لقمہ دے یا آذان پڑھے یا اقامت کہے سو جب عورت کے لیے قرآن پاک پڑھنا، اقامت کہنا، اذان پڑھنا ترنم کے ساتھ جائز نہیں تو نعت پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ۔ظفر اقبال کلیار

وہ احادیث مبارکہ جن سے دف پر نعت خوانی کا جواز پیش کیا جاتا ہے، اس کا تحقیقی جواب

حدیث اول:

"عن عروۃ، عن عائشۃ، قالت دخل علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث، فاضطجع علی الفراش وحول وجھہ، ودخل أبو بکر فانتھرنی وقال مزمارۃ الشیطان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأقبل علیہ رسول اللہ علیہ السلام۔ فقال دعھما فلما غفل غمزتھما فخرجتا"[1]

"عروہ بیان کرتے ہیں: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہیں، آپ نے فرمایا: میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے درانحالیکہ میرے پاس دو بچیاں جنگ بعاث کی شجاعت و بہادری کے اشعار خوش الحانی کے ساتھ پڑھ رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر پہلو کے بل استراحت فرما ہوئے اور اپنا چہرہ اقدس دوسری جانب پھیر لیا، اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے تو آپ نے مجھے زجر و توبیخ فرمائی اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور شیطان کی آواز؟ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ آواز سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے ابوبکر! ان دونوں بچیوں کو چھوڑ دو، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توجہ ہٹی (تو ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ اب چلی جاؤ تو وہ دونوں بچیاں چلی گئیں"۔

رقم الحدیث ۹۵۲ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے اور میرے پاس انصار کی بچیوں میں سے دو بچیاں جنگ بعاث میں انصار نے جو باہم کیا، وہ اشعار گا رہی تھیں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ

---

[1] فتح الباری، شرح صحیح بخاری جلد دوم رقم الحدیث ۹۴۹، اطراف، ۹۵۲، ۹۸۷، ۲۹۰۷، ۳۵۳۰، ۳۹۳۱، دار المعرفۃ بیروت، سنن نسائی، رقم الحدیث ۱۵۹۴، ۱۵۹۸

رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''ولیستا بمغنیتین'' یعنی وہ دونوں بچیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی آوازیں؟ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ عید کا دن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر رضی اللہ عنہ، ہر قوم کے لئے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

صحیح بخاری کی ان جملہ احادیث کا مدعا یہ ہے کہ عید کے دن ام المومنین رضی اللہ عنہا کے گھر میں قبیلہ انصار کی دو بچیاں جنگ بعاث کی شجاعت و بہادری کے اشعار دف پر ترنم سے پڑھ رہی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دف کو یا بچیوں کی ترنم والی آواز کو شیطان کی مزامیر (باجا) قرار دیا، لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دف مزامیر شیطان کہنے کا جواب نہیں دیا، صرف یہی فرمایا کہ یہ ہمارا عید کا دن ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دف بجانے کی علت یوم عید قرار دیا، اور بلاشبہ یوم عید اور شادی وغیرہ پر دف کا بجانا مباح ہے۔ لیکن ہماری نعت خواں خواتین نے ان احادیث مبارکہ کو دلیل جواز بناتے ہوئے باآواز بلند ساؤنڈ پر دف کے ساتھ نعت خوانی کرنا اور صرف ساؤنڈ پر تقریر کرنا اپنا پیشہ بنالیا۔

''العیاذ باللہ من ذٰلک'' آیئے: یہ بندۂ ناچیز ان احادیث مبارکہ کے متعلق چند جوابات عرض کرتا ہے۔ فیصلہ ان کے سننے اور پڑھنے کے بعد آپ احباب پر ہے'' وماعلینا الا البلاغ وھو الموفق للصواب''

جواب اول:۔ جنگ بعاث ہجرت سے معتمد قول کے مطابق تین سال اور بعض کے قول کے مطابق ہجرت کے پانچ سال قبل ہوئی۔ یہ عرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے درمیان تقریبا ایک سو بیس سال جاری رہی اور اسلام میں یہ جنگ بعاث ان کی آخری جنگ تھی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ دونوں قبیلے باہم شیر وشکر ہو گئے اور قبیلہ انصار کی یہ دو بچیاں جنگ بعاث میں جو انہوں نے باہم ایک دوسرے کے خلاف شجاعت و بہادری کے اشعار پڑھے: عید کی خوشی میں وہ دونوں بچیاں وہ اشعار دف پر گا رہی تھیں۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث مبارک کے تحت ارقام فرمایا:

''قولہ جاریتان'' تثنیۃ جاریۃ والجاریۃ فی النساء کالغلام فی الرجال، ویقال

علی من دون البلوغ وسیجی فی الباب الذی بعدہ من جواری الانصار"[1]

(اورلفظ"جاریتان"،"جاریۃ" کی تثنیہ ہے اور جاریہ عورتوں میں ایسی ہی ہے جیسے مردوں میں غلام اور جاریہ وغلام کا اطلاق بلوغت سے کم پر ہوتا ہے یعنی جاریہ اور غلام انہیں بولتے ہیں جو ابھی جوان نہ ہوئے ہوں، عنقریب اس باب کے بعد دوسرے باب میں "عن جواری الانصار" آئے گا رقم الحدیث ۹۵۲)اور لفظ جاریۃ کی جمع جوار ہے اور ان دونوں بچیوں کے نام حمامہ اور ام بلال تھا جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا، اور بقول حافظ عسقلانی دوسری بچی کا نام زینب تھا۔

علامہ ابن منظور متوفی ۷۱۱ھ اپنی کتاب لسان العرب میں لکھتے ہیں:

" راقہ الغلام فھو مراھق اذا قارب الاحتلام، والمراھق الغلام الذی قد قارب الحلم وجاریۃ مراھقۃ ویقال جاریۃ راھقۃ وذلک ابن العشر الی إحدی عشرۃ"[2]

یعنی لڑکا جب احتلام کے قریب ہو تو اسے کو مراہق بولتے ہیں اور مراہق وہ بچہ اور مراہقہ وہ بچی ہے جو بلوغت کے قریب ہو اور بچی جو بلوغت کے قریب ہو اسے"راھقۃ" بھی کہا جاتا ہے اور یہ جو قریب البلوغ ہو اس کی عمر دس سے گیارہ سال تک ہے۔

محدث علی الاطلاق حضرت علامہ محدث دہلوی اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

بلکہ دخترگان بودند از اھل خانہ چنانچہ در خانہ ھا چیزے میگویند۔[3]

علامہ ملا علی قاری مرقاۃ فی شرح المشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"وعندھما جاریتان "أی بنتان صغیرتان او خادمتان او مملوکتان "یعنی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو بچیاں تھیں جو جنگ بعاث کی شجاعت و بہادری کے اشعار گا رہی تھیں علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ دونوں چھوٹی نابالغ بچیاں تھیں یا

---

[1] عمدۃ القاری: ج ۶، ص ۲۶۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] لسان العرب ج ۵ ص ۳۴۶ دار احیاء التراث العربی

[3] اشعۃ اللمعات باب العیدین جلد اول ص ۶۴۰

مملوکہ خادمہ تھیں یہ آزاد عورتیں نہ تھیں۔

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

"وعندی جاریتان، أی دون البلوغ من جواری الأنصار "تغنیان" ترفعان أصواتهما بإنشاد العرب وهو قریب من الحداء، وتدفان، أی تضربان بالدف۔"[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے پاس دو بچیاں تھیں یعنی ابھی بالغ نہیں ہوئی تھیں اور وہ قبیلہ انصار کی بچیوں میں سے تھیں وہ عرب کے اشعار پڑھنے کے انداز میں اپنی آواز بلند کر رہی تھیں اور یہ آواز حدی (اونٹوں کو گا کر ہانکنا) کے قریب تھی، اور وہ دونوں دف بجا رہی تھیں۔

حافظ عسقلانی فتح الباری میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"واستدل به علی جواز سماع الصوت الجاریة بالغنا ولو لم تکن مملوکة"[2]

(حضرات علمائے کرام نے بچی کی آواز ترنم کے ساتھ یا دف کے ساتھ سننے کے جواز پر استدلال کیا ہے، اگر چہ وہ بچی مملوکہ نہ ہو)

یعنی اگر بچیاں نابالغہ ہوں اگر چہ مملوکہ نہ ہوں آزاد ہوں ان کی آواز (پردہ) نہیں۔

لہٰذا شارحین حدیث بالاتفاق یہ کہہ رہے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس دف پر جنگ بعاث کی شجاعت و بہادری کے اشعار گانے والی نابالغہ بچیاں تھیں اور علماء و فقہاء کے نزدیک نابالغہ بچیوں کی آواز پردہ نہیں جیسا کہ اس سے قبل البحر الرائق کے حوالے سے مذکور ہو چکا ہے۔ ذرا انصاف سے بتائیں کیا آپ میں اور ان دونوں نابالغ بچیوں میں کچھ فرق ہے؟ اگر ہماری نعت خواں و مقرر خواتین اس فرق کو سمجھیں تو کبھی بھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مذاق نہ بنائیں۔ اور اس حدیث مبارک کو بطور ڈھال بنا کر اس پیشہ کو نہ اپنائیں، مزید برآں ستم یہ کہ نعت خوانی اور تقریر ساؤنڈ پر ہوتی ہے۔ ایسی آواز کو حضرات علمائے کرام نے باعث فتنہ و فساد قرار دیا ہے جیسا کہ معتمد فقہائے کرام کے حوالہ جات سے اظہر من الشمس ثابت و متحقق ہو چکا ہے۔

---

[1] ۔ ارشاد الساری جلد دوم، کتاب العیدین، ص ۲۰۷، دار الفکر بیروت

[2] ۔ فتح الباری جلد دوم کتاب العیدین، ص ۴۴۳، دار المعرفہ بیروت

صاحب البحر الرائق اور صاحب لسان العرب نے جاریہ اور غلام کی عمر دس سال سے گیارہ سال تک نقل کی ہے، لیکن صاحب منحۃ الخالق علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صاحب البحر الرائق کا دس سال کی قید لگانا درست نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کے بچہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے اور دس سال تک اسے زجر و توبیخ کے ساتھ نماز پڑھانے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ سات سال کے بچہ کی قبل و دبر کے علاوہ اسے چھونا جائز ہے، یعنی سات سال کی بچی کی آواز پردہ میں نہیں آتی۔ لہٰذا خواتین سے دست بستہ عرض ہے کہ لسان العرب اور البحر الرائق اور منحۃ الخالق کی نص پر غور کر کے فرمائیں آپ جیسی آزاد نوجوان خواتین کے لئے ساؤنڈ پر نعت خوانی کرنا اور تقریر سے لطف اندوز ہونا از روئے شریعت مطہرہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو شرف عورت کی پاسداری فرمائیں۔

جواب دوم: اس حدیث مبارک میں دف کا ذکر ہے لیکن میرا موضوع سخن دف نہیں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں! اگر جائز ہے تو اس میں کوئی استثناء ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اگر زندگی نے وفا کی تو اس پر ایک مفصل کتاب تحریر کروں گا یہاں صرف دف کی مختصر تعریف اور تقسیم پیش خدمت ہے۔

اسماعیل بن حماد جوہری متوفی سنہ ۳۹۳ھ الصحاح للجوہری میں فرماتے ہیں:

"الدف، الجنب ودفا البعير جنباه والدف بالضم هذا الذي تضرب به النساء وحكى ابو عبيد عن بعضهم أن الفتح فيه لغة"[1]

یعنی دف کا معنی ہے، ایک پہلو کیونکہ دف میں نقارہ کی مثل ایک جانب ہی چمڑا لگا ہوا ہوتا ہے اور اونٹ کے دونوں پہلوؤں کو دف بولتے ہیں اور دف دال کی پیش کے ساتھ ہے اور یہ وہی دف ہے جسے عورتیں بجاتی ہیں، ابوعبیدہ نے بعض سے حکایت کی ہے کہ دف میں ایک لغت زبر کے ساتھ بھی ہے (یعنی دف)

ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں:

"والدف والدف بالضم الذي يضرب به النساء وفي المحكم الذي يضرب به والجمع دفوف والدفاف صاحب الدف والمدفف مانعها والدفدف ضاربها وفي

---

[1] الصحاح للجوہری جلد ۴، ص ۱۳۶۰، دار العلم للملایین بیروت

الحدیث فصل ما بین الحرام و الحلال الصوت والدف المراد به اعلان النکاح ''[1]

(لفظ دف، زبر اور پیش کے ساتھ وہ ہے جسے عورتیں بجاتی ہیں۔ اور محکم میں ہے جس کو بجایا جاتا ہے اور اس کی جمع دفوف ہے اور صاحب دف کو دفاف بولتے ہیں اور دف کے بنانے والے کو مدفف بولتے ہیں اور دَف بجانے والے کو مدفدف بولتے ہیں۔ حدیث میں ہے حرام اور حلال کے درمیان جو فصل (جدائی) ہے وہ آواز اور دف ہے اور اس سے مراد اعلان نکاح ہے)

حافظ عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

''ولمسلم فی روایة هشام أیضا تغنیان بدف والدف بضم الدال علی الأشهر وقد تفتح ویقال الكربال بكسر الكاف وهو الذی لا جلاجل فیه فإن كانت فیه فهو المزهر''[2]

(صاحب فتح الباری فرماتے ہیں مسلم کی ہشام سے روایت میں ہے کہ دونوں بچیاں دف پر گا رہی تھیں[3]۔

اور لفظ دف مشہور قول کے مطابق دال کی پیش سے ہے اور کبھی کبھی زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے (یعنی دَف) اور صاحب فتح الباری نے دف کی دو قسمیں نقل فرمائیں ایک کربال کاف کی زیر کے ساتھ کربال وہ دف ہے جس میں گھنگرو نہیں ہوتے۔

اگر دف میں گھنگرو ہوں تو وہ باجا ہے۔

اس کے بعد صاحب فتح الباری حدیث مبارک کے اس قول ''مزمارۃ الشیطان'' کے تحت فرماتے ہیں ''مزمارۃ سے مراد یا تو ترنم سے گانا ہے یا دف مراد ہے، اور مزمارہ یا مزمار زمیر سے مشتق ہے اور زمیر اس آواز کو بولتے ہیں جس میں سیٹی ہو۔ اچھی غنا اور آواز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور دف کی شیطان کی طرف اضافت اس جہت سے ہے کہ وہ انسان کو غفلت میں ڈال دیتی ہے اور دل کو ذکر خدا سے غافل کر دیتی ہے۔

---

[1] ۔لسان العرب جلد ۴ ص ۳۷۲، دار احیاء التراث العربی

[2] ۔فتح الباری جلد دوم باب العیدین ص ۴۴۰، دار المعرفہ بیروت

[3] ۔صحیح مسلم مع نووی جلد اول کتاب العیدین ص ۲۹۱

دُف: کی تعریف اور تقسیم سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا جو دف دور حاضر میں بجائی جاتی ہے اسے جدید تکنیکی اعتبار سے ایک باجہ بنا دیا گیا ہے۔ جب یہ دف بجتی ہے تو اس سے گھنگرو کی جھنکار اور سیٹی کی آواز پیدا ہوتی ہے جو ممنوع ہے۔ اور جس دف کا خوشی کے موقع پر بجانا مباح ہے، یہ وہ دف نہیں رہی جیسا کہ بجلی کے زمانہ سے قبل مساجد میں نقارہ ہوا کرتا تھا جسے ماہِ رمضان المقدس میں افطاری اور سحری کے وقت بجایا جاتا تھا۔ لہٰذا دف کی تعریف و تقسیم سے ثابت ہوا یہ دف وہ نہیں جو مثل نقارہ ہوا کرتی تھی، اسے جدید تکنیکی اعتبار سے یک طرفہ جھنکار دار باجہ بنا دیا گیا ہے جو جائز نہیں ہے:

امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں:

"ففیہ مع قولہ ﷺ ھذا عیدنا ان ضرب دف العرب مباح فی یوم السرور، الظاھر وھو العید والعرس والختان"[1]

(اور اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان: یہ ہماری عید کا دن ہے، عرب کی دف کا خوشی کے دن میں بجانا مباح اور ظاہر ہے کہ خوشی کے دن، یوم عید ہے یا شادی کا دن یا ختنہ کرنے کا دن)۔

امام نووی شافعی کے قول سے یہ ثابت ہوا کہ دف وہ ہے جو عرب بجایا کرتے تھے جس میں سیٹی اور جھنکار کی آواز نہیں تھی، وہ صرف خوشی کے موقع پر بجاتے تھے جیسے عید، شادی اور بچے کے ختنہ کا دن۔ ہماری طرح پیشہ ورانہ پورا سال نہیں بجایا کرتے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"ولا یلزم من إباحۃ الدف فی العرس وغیرہ اباحۃ غیرہ من الآلات کالعود ونحوہ، سئل ابویوسف عن الدف اتکرھہ فی غیر العرس مثل امرأۃ فی بیتھا والصبی قال لا کراھۃ وأما الذی یجیئ منہ اللعب والغنا فانی أکرھہ"[2]

(اور لازم نہیں آتا شادی اور اس کی مثل عید وغیرہ میں دف بجانے کے مباح ہونے سے کہ دوسرے آلات غنا بھی مباح ہیں جیسے سارنگی وغیرہ، حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے دف

---

[1] ۔صحیح مسلم مع نووی کتاب العیدین ص ۲۹۱

[2] ۔عمدۃ القاری: جلد ۶، باب العیدین ص ۲۷۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا آپ شادی وغیرہ کے علاوہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں جیسے عورت اور بچے کا اپنے گھر میں دف بجانا تو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اس میں کراہت نہیں لیکن وہ دف جس سے لعب اور غنا (سریلی آواز سے پڑھنا) آئے میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں)۔

لہٰذا ان نصوص محررہ سے ہماری خواتین اندازہ لگا سکتی ہیں کہ کیا جو کام ہم کرتی ہیں یہ تابع شریعت ہے یا نہیں؟ ورنہ آپ کی مرضی ہمارا کام ہے سیدھی راہ دکھانا، ہدایت اللہ عزوجل کے دست قدرت میں ہے۔ (واللہ ورسولہ اعلم بالصواب)

جواب سوم:۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رقم الحدیث ۹۵۲ اور حدیث مسلم بروایت ہشام میں ہے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''ولیستا بمغیتین'' یعنی وہ دونوں بچیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، حدیث سے معلوم ہوا دف پر بطور پیشہ نعت خوانی کرنا جائز نہیں ہاں! اگر کوئی خاص دن ہو جو کہ باعث مسرت ہو تو یہ کام مباح ہے یعنی صرف دف کا بجانا نہ کہ عورت کی آواز جو کہ سراپا پردہ ہے جیسا کہ آئمہ فقہاء کی تصریحات سے واضح اور ثابت ہو چکا ہے۔

صاحب عمدۃ القاری فرماتے ہیں:

''قولہ ولیستا بمغنیتین'' ای لیس الغنا عادۃ لھما ولا ھما معروفتان بہ وقال القاضی عیاض ای لیستا من تغنی بعادۃ المغنیات''۔[1]

''حدیث کا یہ قول کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا وہ دونوں بچیاں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں یعنی ترنم سے گانا ان دونوں کی عادت نہیں تھی (بلکہ ان کا دف پر ترنم سے پڑھنا صرف اتفاقیہ تھا) اور نہ ہی وہ دونوں اس پیشہ کے ساتھ مشہور اور معروف تھیں اور حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ دونوں بچیاں ان میں سے نہیں تھیں جو گانے والیوں کی عادت کے ساتھ گاتی تھیں (یعنی عادتاً مغنیہ نہیں تھیں)۔

میں اپنی نعت خواں خواتین کی خدمت میں بصد عجز و نیاز عرض کرتا ہوں آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان دو بچیوں کے گانے میں اور آپ کی نعت میں کچھ فرق آپ کو معلوم ہوتا ہے؟ ہمارے پاس ساؤنڈ اپنا ہے اور نوٹ اکٹھے کرنے کیلئے دف کے آگے ایک ٹوکرا بھی رکھ دیا جاتا ہے اور جبکہ تشریف آوری سے قبل کچھ لینے دینے کا سودا بھی ہوتا ہے پھر طرفہ تماشہ یہ کہ کام

---

[1] عمدۃ القاری: جلد ۶، کتاب العیدین ص ۲۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

پورا سال چلتا ہے کہیں محفل قل ہے تو کہیں محفل چالیسواں، کہیں گیارہویں شریف کی محفل ہے تو کہیں کوئی اور محفل۔ خدارا حدیث رسول ﷺ کو بہانہ بنا کر فرمان رسول ﷺ کی تضحیک مت کرو اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے شریعت مطہرہ کی عزت وتکریم کو پارہ پارہ نہ کرو، اللہ عزوجل اور روز قیامت سے ڈرو جب ہمارے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ہمارے اعمال صالحہ ہی ہماری نجات کا سبب اور ذریعہ بنیں گے۔

صاحب فتح الباری فرماتے ہیں:

"واستدل جماعة من الصوفية بحديث الباب على أباحة الغنا وسماعه بآلة وبغير آلة ويكفى فى رد ذلك تصريح عائشة فى الحديث الذى فى الباب بعده بقوله "وليستا بمغنيتين" فقعلت عنهما من طريق المعنى ما أثبتته باللفظ"[1]

(حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صوفیہ کی ایک جماعت نے اس باب کی حدیث کے ساتھ غنا (یعنی ترنم سے پڑھنے) کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے کہ غنا اور اس کا سماع یا آلہ یا بلا آلہ مباح ہے اور اس کے رد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے ساتھ کہ وہ دونوں پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں۔ تو ام المومنین نے من طریق المعنی ان دونوں سے غنا کی نفی فرمائی جسے کو آپ نے ان دونوں کے لئے باللفظ ثابت رکھا۔ یعنی "عندها جاريتان تغنيان" کی "ليستا بمغنيتين" سے نفی فرمائی اس لئے کہ لفظ غنا کو بلند آواز پر اور ترنم پر بھی بولا جاتا ہے۔ عرب اس آواز کو "نصب" سے موسوم کرتے تھے اور اس آواز کو حدی (یعنی اونٹوں کو ہانکنے کے لئے گانا) بھی کہتے ہیں۔ اور امام قرطبی فرماتے ہیں وہ دونوں بچیاں ان بچیوں میں سے نہیں تھیں جو غنا کو پہچانتی ہوں، جیسا کہ مشہور مغنیات اس غنا کو پہچانتی ہیں۔ معلوم ہوا وہ دونوں بچیاں غنا سے مستغنی تھیں، غنا کو پہچانتی نہیں تھیں نہ غنا ان کا پیشہ تھا اتفاق سے یوم عید تھا تو انہوں نے یہ شغل کیا۔ لہٰذا ہماری نعت خواں خواتین کا اپنی نعت خوانی کو ان بچیوں کے غنا پر محمول کرنا سراپا زیادتی اور حدیث رسول ﷺ کی تکذیب وتحقیر ہے، کیونکہ دونوں بچیوں کے اتفاقی غنا میں اور ہماری پیشہ ور نعت خواں خواتین کے درمیان بعد المشرقین ہے، انہوں نے یہ کام عید کی خوشی میں اتفاقی طور پر کیا نہ کہ ہماری خواتین کی طرح بطور پیشہ۔ لہٰذا اس حدیث مبارک سے دف پر نعت خوانی کا استدلال بالکل لغو وبیہودہ ہے۔ اللہ عزوجل اس قسم کے غلط استدلال

---

[1] فتح الباری: جلد دوم ص ۴۴۲، دار المعرفة بیروت

سے ہمیں مامون ومحفوظ فرمائے۔ (آمین)

وھکذا فی ارشاد الساری فی شرح صحیح البخاری لقسطلانی۔[1]

حدیث دوم:-

حدیث دوم: عن ابی اسحاق قال سمعت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال اول من قدم علینا مصعب بن عمیر و ابن ام مکتوم وکانوا یقرءون للقرآن الناس فقدم بلال، وسعد وعمار بن یاسر ثم قدم عمر بن الخطاب فی عشرین من اصحاب النبی ﷺ ثم قدم النبی ﷺ فما رأیت اھل المدینۃ فرحوا بشیئ فرحھم برسول اللہ ﷺ حتی جعل الآماء یقلن قدم رسول ﷺ فما قدم حتیٰ قرأت "سبح اسم ربك الاعلیٰ" فی سور من المفصل۔[2]

دونوں احادیث میں فرق صرف یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے "حتی جعل الاماء یقلن قدم رسول اللہ ﷺ اور امام حاکم کی روایت میں ہے: "جعل النساء والصبیان یسعون یقولون ھذا رسول ﷺ وقال الحاکم ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ

"ابواسحاق سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے کہا سب سے پہلے جو ہمارے پاس آئے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم تھے اور وہ دونوں لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد حضرت بلال، سعد بن مالک اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے بعد نبی کریم ﷺ جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اہل مدینہ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے کسی چیز کے ملنے پر اتنی خوشی منائی ہو جتنی خوشی اہل مدینہ نے نبی

---

[1] ارشاد الساری جلد دوم کتاب العیدین ص ۲۶۷، دار الفکر بیروت

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد 8 کتاب مناقب انصار ص 260 رقم الحدیث 3925 المستدرک للحاکم جلد سوم کتاب الھجرۃ ص 533 رقم الحدیث

کریم ﷺ کی مدینہ منورہ میں آنے پر خوشی منائی۔ یہاں تک کہ لونڈیوں نے کہنا شروع کر دیا رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف نہیں لائے یہاں تک کہ میں (مفصل سورت سبح اسم ربك الاعلیٰ) پڑھ چکا تھا اور امام حاکم کی روایت کے مطابق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا عورتوں اور بچوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ کہتے تھے ''ھذا رسول اللہ ﷺ'' امام حاکم نے کہا یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور شیخین نے اس حدیث کی تخریج نہیں فرمائی''

صحیح بخاری کی حدیث میں لفظ ''اماء'' ہے اور امام حاکم کی روایت میں لفظ ''نساء'' اور ''صبیان'' ہے۔ اب اس حدیث مبارک پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ عورتیں اور بچے بآواز بلند کہہ رہے تھے یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو ہمارے پاس تشریف لائے تو اس سے ثابت ہوا عورت کی آواز پردہ نہیں۔

جواب اول: پردہ کا حکم سن 5 ہجری میں نازل ہوا جب نبی اکرم ﷺ نے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے عقد شرعی فرمایا اور یہ واقعہ ہجرت کے وقت کا ہے اور اس کے پانچ سال بعد آیت حجاب نازل ہوئی لہٰذا یہاں اعتراض کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ جس وقت نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے اس وقت تک آیت حجاب کا نزول نہیں ہوا تھا چنانچہ اس وقت آزاد عورتوں کی آواز پردہ نہ تھی۔

جواب دوم: اللہ عزوجل نے اپنی مقدس کتاب قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

''یذبحون ابناکم ویستحیون نساء کم'' سورۃ البقرہ آیت 49 اللہ عزوجل بنی اسرائیل پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے: جب ہم نے تم کو اے بنی اسرائیل! آل فرعون سے نجات دی وہ تمہیں بہت برا عذاب دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ باتفاق مفسرین فرعون نومولود بچوں کو قتل کروا دیتا تھا اور نومولود بچیوں کو چھوڑ دیتا تھا۔ لیکن یہ اعجاز قرآن ہے کہ باقاعدہ مایوول الیہ یعنی ان بچیوں نے آخر کار ''نساء'' عورت بننا تھا تو اللہ عزوجل نے بچیوں پر لفظ ''نساء'' کا اطلاق فرمایا۔ امام حاکم کی روایت کو بنظر غور توجہ فرمائیں تو معاملہ وہی ہے جو کہ اللہ عزوجل کے فرمان کا ہے۔ امام حاکم کی روایت میں پہلے لفظ ''نساء'' ہے پھر لفظ صبیان ہے لیکن لغت کے مطابق ''نساء'' اور ''رجال'' ہیں، صبیان نہیں۔

کیونکہ ''صبی'' کی ضد ''صبیہ'' ہے۔ اور اس کے بعد امام حاکم کی روایت کے جو الفاظ ہیں وہ قابل غور ہیں، وہ ہیں ''یسعون'' یعنی وہ دوڑ رہے تھے یہ صفت بچوں اور بچیوں کی ہے نہ کہ عورتوں کی۔ چنانچہ راوی حدیث نے لفظ ''نساء'' بول کر مراد بچیاں ہی لیا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے لفظ ''نساء'' بول کر مراد نولود بچیاں ہی لیا ہے۔ چنانچہ اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی اور بچیوں کی آواز بالاتفاق پردہ نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ روایت امام بخاری مقدم ہے کیونکہ صحیح بخاری کا درجہ کتب حدیث میں تمام کتب حدیث پر مقدم ہے لہٰذا روایت امام بخاری، روایت امام حاکم سے قوی ہے اور امام بخاری کی روایت میں لفظ ''اماء'' آیا ہے، یعنی لونڈیوں۔ الصحاح للجوھری میں ہے۔

الأمة خلاف الحرة والجمع أمائم وآم وتجمع ایضاً علی أموان مثل أخوان۔ [1]

یعنی ۔اَمۃ یہ آزاد حرہ کی ضد ہے اور اس کی جمع اَماء اور آم ہے اور اُموان کے وزن پر بھی اس کی جمع آتی ہے جیسے اخوان ہے۔

صاحب ہدایہ ستر عورت کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''وما کان عورۃ من الرجل فھو عورۃ من الأمة وبطنھا وظھرھا عورۃ وما سوا ذٰلك من بدنھا لیس بعورۃ لقول عمر رضی اللہ عنه ألقی عنك الخمار یا دفار اتتشبھین بالحرائر ولانھا تخرج لحاجة مولاھا فی ثیاب مھنة عادتاً فاعتبر حالھا بذوات المحارم فی حق جمیع الرجال دفعاً للحرج''۔ [2]

(اور جو ستر مرد کا ہے وہی ستر لونڈی کا ہے اور لونڈی کا بطن اور پشت بھی ستر ہیں اور اس کے سوا لونڈی کا بدن ستر نہیں۔ بوجہ فرمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اے بدبودار لونڈی! اپنے سر سے دوپٹہ اتار دے۔ کیا تو آزاد عورتوں کے مشابہ بننا چاہتی ہے۔ اور عقلاً اس لئے بھی لونڈی کا بدن ستر نہیں کہ وہ اپنے مالک کی حاجت (ضروری کام کیلئے) محنت مزدوری والے کپڑوں میں ہی عادتاً باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ دفعِ حرج کیلئے تمام مردوں کے حق میں لونڈی کے حال کو محرم والوں کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا)۔

---

[1] ۔ اخوان: صحاح للجوھری جلد 6 ص 2271 دار العلوم للملایین بیروت

[2] ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول باب شروط الصلوٰۃ ص 229 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

لہٰذا صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر کی نص سے ثابت ہوا لونڈی مثل آزاد عورت کے نہیں کیونکہ وہ بلاستر مردوں کے سامنے آسکتی ہے۔ چنانچہ روایت بخاری سے ثابت ہوتا ہے جوانہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ آمد پر اشعار پڑھے تھے وہ لونڈیاں تھیں آزاد عورتیں نہیں تھیں۔ اگر انہیں آزاد عورتیں بھی تصور کرلیا جائے تو اس وقت آیت حجاب نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ راجح قول پر آیت حجاب سن 5 ہجری میں نازل ہوئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے عقد فرمایا۔ اس اعتبار سے لفظ ''نساء'' امام حاکم کی روایت میں اور امام قسطلانیؒ کی مواہب اللدنیہ کی روایت میں ''ذات الخدور'' کو اپنے ظاہر پر محمول سمجھ لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔

اب میں وہ اشعار جو انصار بنی نجار کی بچیوں نے پڑھے بحوالہ نقل کرتا ہوں۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتح الباری میں حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے اس جملہ ''حتی جعل الاماء یقلن قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے تحت نقل فرماتے ہیں:

وأخرج الحاكم من طريق إسحاق بن ابی طلحة عن أنس رضی الله فخرجت جوار من بنی نجار يضربن بالدفوف وهن يقلن

نحن جوارٍ من بنی نجار ۔۔۔ يا حبذا محمد من جار

و أخرج ابو سعيد فی شرف المصطفى، و رويناه فی "فوائد الخلعی" من طريق عبيد الله عن عائشة منقطعا۔ ما دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدينة جعل الولائد يقلن

طلع البدر علينا ۔۔۔ من ثنية الوداع

وجب الشكر علينا ۔۔۔ ما دعا لله داعی [1]

امام حاکم نے اسحاق بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تخریج کی کہ بنی نجار کی بچیاں باہر نکل آئیں وہ دف بجا رہی تھیں اور مذکورہ شعر پڑھ رہی تھیں۔ ابوسعید نے ''شرف المصطفیٰ'' میں تخریج کی اور ہم نے اسے ''فوائد خلعی'' میں عبید اللہ عن عائشہ کے طریق سے منقطعاً روایت کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو بچیوں نے یہ کہا ''طلع البدر علینا۔۔۔۔۔ الخ'' اور علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح

[1] ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد 7 ص 261 دارالفکر بیروت

صحیح بخاری میں بھی اس طرح نقل فرمایا ہے۔[1]

اور حضرت علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں بھی یہی نقل فرمایا ہے۔[2]

علامہ عبدالباقی زرقانی علی المواہب الدنیہ میں فرماتے ہیں:

وصعدن ذوات الخدور علی الأجاجیر عند قدمہ یقلن۔ طلع البدر علینا[3]

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو پردہ والیاں چھتوں پر چڑھ گئیں اور مذکورہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

وفی شرف المصطفیٰ "لابی سعد النیسابوری۔ أخرجہ اللبیہقی۔ وشیخہ الحاکم عن انس رضی اللہ عنہ لما برکتا لناقۃ علی باب ابی ایوب خرج جوار فی الطرقات من بنی نجار فزاد الحاکم یضربن بالدفوف ویقلن

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار[4]

ابو سعد نیشاپوری (اور ایک روایت میں ابو سعید نیشاپوری ہے) کی کتاب "شرف المصطفیٰ" میں ہے اور اس حدیث کی امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں تخریج کی اور ان کے شیخ امام حاکم نے بھی اس حدیث کی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے تخریج کی کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گئی تو بنی نجار کی بچیاں راستوں پر نکل آئیں۔ امام حاکم نے یہ اضافہ کیا کہ وہ دفیں بجا رہی تھیں اور مذکورہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

چنانچہ شرف المصطفیٰ ابو سعید نیشاپوری متوفی سن 406ھ، فوائد خلعی ابو الحسن علی بن حسین موصلی، بصری متوفی 492ھ۔ دلائل النبوۃ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ، سیرت

---

[1] ۔عمدۃ القاری جلد 17 ص 60 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] ۔ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد 8 ص 453۔ دار الفکر بیروت

[3] ۔زرقانی علی المواہب جلد اول ص 359 دار المعرفہ بیروت

[4] ۔زرقانی علی المواہب جلد اول ص 360 دار المعرفہ بیروت، دلائل النبوۃ للبیہقی جلد دوم ص 508۔ دار الکتب العلمیہ بیروت۔ سیرت حلبیہ جلد دوم ص 246 دار المعرفہ بیروت

حلبیہ علی بن برہان الدین حلبی متوفی 1014ھ، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی 405ھ۔ ارشاد الساری ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی 923ھ۔ فتح الباری حافظ عسقلانی متوفی 852ھ، عمدۃ القاری علامہ بدر الدین عینی متوفی 855ھ، زرقانی علی المواہب علامہ عبد الباقی زرقانی متوفی 1122ھ ان جملہ محدثین کرام نے بنی نجار کی بچیوں کے متعلق لفظ ولائد یا جوار یا جویریات جو کہ لفظ جاریہ کی تصغیر جویرۃ کی جمع ہے، استعمال کیا ہے۔ تو اس سے قبل علامہ ابن منظور کی لسان العرب کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ ''جاریۃ مراہقہ وغلام مراہق'' وہ ہے جو قریب البلوغت ہو اور اس کی عمر انہوں نے دس گیارہ سال نقل کی ہے۔ لیکن علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں صاحب البحر الرائق کے اس قول پر کہ بچی یا بچہ دس سال کا ہو تو اس کے قبل اور دبر کو دیکھنا جائز نہیں اور ان کی آواز ستر نہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں اصح قول کے مطابق جب اس کی عمر سات سال ہو جائے تو اس کی قبل اور دبر کو دیکھنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ والدین سات سال کے بچے کو نماز پڑھنے کا حکم دیں اور دس سال کی عمر میں زبردستی نماز پڑھائیں۔ چنانچہ بچی سات یا دس سال کی ہو تو اس کے بدن کو چھونا جائز ہے اور بچی کی آواز ستر نہیں۔

علامہ ابن منظور متوفی 711 لسان العرب میں فرماتے ہیں:

والوليد المولود حين يولد والجمع ولدان - والأنثى وليدة والجمع ولائد وفي الحديث الوليد في الجنة أي الذي مات و طفل- وقد تطلق الوليدة على الجارية والامة .[1]

''اور ولید بمعنی مولود ہے جبکہ وہ پیدا ہو۔ اور ولید کی جمع ولدان ہے اور مونث کو ولیدۃ کہتے ہیں اور اس کی جمع ولائد ہے اور حدیث میں ہے کہ ولید جنت میں ہے یعنی بچہ جو وفات پا گیا جبکہ وہ چھوٹا تھا اور کبھی کبھی ولیدہ کا اطلاق بچی اور لونڈی پر بھی ہوتا ہے''۔

الصحاح للجوہری اسماعیل بن حماد متوفی 393 فرماتے ہیں:

الوليد - الصبي والعبد والجمع ولدان وولدة والوليدة - الصبية والأمة والجمع الولائد۔[2]

---

[1] ۔لسان العرب جلد 5 ص 393 دار احیاء التراث العربی

[2] ۔صحاح للجوہری جلد دوم ص 554 ۔دار العلوم للملایین بیروت

یعنی ولید بمعنی بچہ اور غلام ہے اس کی جمع ولدان اور ولدہ بھی ہے اور ولیدہ بمعنی بچی اور لونڈی ہے اور اس کی جمع ولائد ہے۔

چنانچہ کتب لغت سے ثابت ہوا کہ لفظ جوار، جاریہ، جویریات اور ولائدان سب کا معنی نوعمر بچی ہے۔ لہٰذا بچیوں کی آواز ستر نہیں اور جن روایات میں لفظ "نساء" واقع ہوا ہے یہ باعتبار "ما یؤول الیہ" کے ہے جیسا کہ قرآن اس کا شاہد ہے "یذبحون ابناء کم ویستحیون نساء کم" چنانچہ ان روایات کو جواز بنا کر ہماری نوجوان خواتین کا نعت خوانی اور تقریر کرنا بالکل غلط اور منافی حدیث مصطفی ﷺ ہے۔ کیونکہ آزاد نوجوان عورت کی آواز ستر ہے۔ اس لئے بالغہ عورت کا نماز میں باآواز بلند قرآن پڑھنا بھی مفسد نماز کے زمرہ میں آتا ہے چہ جائیکہ وہ ساونڈ پر اپنی آواز پورے گاؤں و محلہ تک پہنچائے اور یہ ستر عورت کے خلاف گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے جو حرمت کے قریب ہے۔

اگر ہماری خواتین بہ آداب محفل میلاد یا دیگر محافل کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی محفل میلاد منانا بہت بڑی سعادت ہے۔ لہٰذا خواتین کو بھی ضرور بہ آداب محفل میلاد وغیرہ منانا چاہیے۔ یہ محفل میلاد گھر کے اندر ہو جہاں آواز باہر نہ نکلے جو کہ غیر محرم کے کانوں تک پہنچے اور محفل میلاد میں آنے والی خواتین نہایت ہی باپردہ ہوں۔ خوشبو وغیرہ کا استعمال کر کے اور خوبصورت کپڑے پہنے محفل میلاد میں شرکت نہ فرمائیں۔ بلکہ بلا خوشبو لگائے اور سادہ کپڑے زیب تن کر کے شرعی حجاب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اگر محفل میلاد میں حاضر ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ عورتوں کیلئے اس طرح کی محفل کا انعقاد جائز بلکہ روح ایمان ہے اور ساؤنڈ وغیرہ کے ساتھ عورتوں کا محفل میلاد وغیرہ کا انعقاد جائز نہیں بلکہ شریعت مطہرہ کی روح کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس طرح کا میلاد منانا ستر عورت کے خلاف ہے اور ستر عورت واجب ہے اور ترک واجب گناہ کبیرہ ہے جو قریب الحرام ہے۔ اگر ہماری محترم خواتین بہ آداب مذکورہ محفل میلاد وغیرہ منائیں تو وہ خواتین کے خلاف نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم سب اپنے پیارے محبوب کریم ﷺ کی محافل میلاد سجائیں۔ مجھے اختلاف صرف محفل میلاد منانے کے طریقہ سے ہے، یعنی جس طرح ہماری خواتین پردہ شرعی کو بالائے طاق رکھ کر میلاد شریف کی محفل کا انعقاد کرتی ہیں یہ طریقہ غیر شرعی اور ناجائز ہے۔ اگر ہماری

خواتین شرعی محافل میلاد کا انعقاد کریں تو اللہ عزوجل کے حضور نہایت ہی اجر و ثواب کی مستحق ہونگی۔ اللہ تعالیٰ بوسیلہ حبیب کبریا ﷺ ہم سب کو شریعت کے مطابق دینی محفل سجانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

حدیث سوم :حدثنا خالد بن ذکوان عن الربیع بنت معوذ قالت دخل علی النبی ﷺ غداۃ بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی و جویریات یضربن بالدف یندبن من قتل من آبائھن یوم بدر حتی قالت جاریۃ وفینا نبی یعلم ما فی غد۔ فقال النبی ﷺ لا تقولی ھکذا و قولی ما کنت تقولین۔[1]

''خالد بن ذکوان سے روایت ہے کہ ربیع بنت معوذ نے کہا نبی اکرم ﷺ میرے گھر اس صبح تشریف لائے جس رات مجھ پر بنا کی گئی (یعنی پہلی رات اپنے شوہر ایاس بن بکیر سے خلوت صحیحہ کی جسے شب زفاف کہا جاتا ہے) تو آپ ﷺ میرے بستر پر اس طرح تشریف فرما ہوئے جیسا کہ تمہارا میرے سامنے بیٹھنا اور چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا رہی تھیں اور جو ان کے آباء جنگ بدر میں شہید ہوئے، ان کی خوبیاں بیان کر رہی تھیں (جنگ بدر کے دن ربیع کے باپ معوذ بن عفراء اور اس کے دو چچا معاذ اور عوف شہید ہوئے جنہیں ابو جہل نے شہید کیا تھا) تو ان بچیوں میں سے ایک بچی نے کہا: ہم میں وہ نبی ہیں جو کل کی خبر دیتے ہیں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس طرح نہ کہو اور وہی کہو جو تم کہہ رہی ہو (یعنی ان کے محاسن بیان کرو)''۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جو دف بجا رہی تھیں وہ نو عمر بچیاں تھیں کیونکہ لفظ ''جویریات'' جویرۃ کی جمع ہے اور لفظ جاریۃ کی تصغیر ہے۔ اس حدیث مبارک سے دف پر نعت خوانی کرنے کے جواز کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ وہ دف پر شہداء کے محاسن بیان کرنے والیاں نو عمر بچیاں تھیں اور ان کی آواز پردہ نہیں۔ ہماری خواتین جو نعت خوانی کرتی ہیں وہ نوجوان ہیں ان کی آواز پردہ ہے۔ دوم یہ کہ جو دف بجانا خوشی کے موقع پر مباح ہے جیسے عید، اعلان نکاح اور ختنہ وغیرہ وہ دف مثل نقارہ ہے یہ دف جو آج کل بجائی جا رہی ہے وہ مزمار کے زمرہ میں آتی ہے

---

[1] ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب المغازی جلد 7 ص 315 رقم الحدیث 4001، 5147۔ دار المعرفہ بیروت ۔ سنن ابن ماجہ ص 272۔ رقم الحدیث 1897 سنن ترمذی 262۔ رقم الحدیث 1090 ۔ سنن ابوداؤد ص 692 رقم الحدیث 4922

کیونکہ اس دف میں گھنگھروؤں کی طرح چھنکار اور سیٹی وغیرہ کی آواز پیدا ہوتی ہے اور ایسی دف کا بجانا بالاتفاق ممنوع ہے۔ لیکن اصل مسئلہ عورت کی آواز کا ہے جسے علماء کرام نے ستر عورت میں شمار کیا ہے اور اس کا ترک گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا اس حدیث مبارک سے نعت خوانی کا دف پر پھر طرفہ یہ کہ ساؤنڈ پر استدلال باطل ہے جو شارحین حدیث کی زبانی آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

و من یمنعه من العلماء یقول کان هذا و امثاله فی ابتداء الاسلام۔[1]

''اور جو علماء حضرات دف بجانے سے منع کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں یہ دف بجانا یا اس کی مثال کوئی اور دف بجانا وارد ہوا ہے یہ ابتدائے اسلام میں تھا''۔

معلوم ہوا دف پر اشعار جو کہ میت کے محاسن اور ان کی خوبیوں کے متعلق ہوں یا شہید کی جوانمردی و شجاعت و بہادری کے اشعار دف پر پڑھے جاتے تھے، یہ سب ابتدائے اسلام میں جائز تھا اور اس کے بعد اس سے منع کر دیا گیا۔ لہٰذا اس حدیث سے دف بجانے اور اس پر اشعار پڑھنے کا استدلال صحیح نہیں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کے کلام میں ابتدائے اسلام کا اطلاق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت سے دو سال بعد تک ہو رہا ہے کیونکہ جنگ بدر علی الاختلاف ہجرت کے 16 یا 17 ماہ بعد ہوئی۔ اس اعتبار سے بوقت ہجرت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی نجار کی لڑکیوں نے دف پر جو شعر پڑھے تھے، یہ ابتدائے میں تھا اور اس کے بعد اس طرح کے اشعار کی ممانعت وارد ہوئی۔ فافہم وتدبر

دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کو ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' سے کیوں منع فرمایا؟ اس میں اختلاف ہے جو شارحین حدیث کی زبانی سماعت فرمائیں۔

حافظ عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

وأغرب ابن التین فقال إنما نهاها لأن مدحه حق والمطلوب فی النکاح اللهو فلما اخلت الجد فی اللهو منعها۔[2]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 17 ص 109 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] فتح الباری جلد 9 ص 203 مکتبہ دار المعرفہ بیروت

''حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن التین نے نہایت ہی غریب بات کی اور کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کو صرف اس لئے منع فرمایا کہ آپ کی مدح حق ہے اور نکاح میں جو مطلوب ہے وہ لہو ہے تو جب اس بچی نے لہو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و مدح کو داخل کیا تو آپ نے اس بچی کو یہ کہنے سے منع فرمادیا''۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ آلات غناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لینا منع ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آپ کی مدح وفضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ اسے دف وغیرہ پر پکارنا منع ہے۔ بعض نے کہا عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مطلق و مستقل بالذات علم غیب کا اشارہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔

باقی حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن التین کے قول کو اغرب کہنا، میں اس کے متعلق عنقریب خلاصۃ الفتاویٰ کی ایک نص پیش کروں گا جس سے معلوم ہوگا ابن التین کا قول اغرب نہیں بلکہ حافظ عسقلانیؒ کا قول اغرب ہے اور ابن التین کا قول شریعت مطہرہ کے مطابق ہے۔

محدث علی الاطلاق حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بعضے گویند بجہت آن است کہ ذکر شریف وے در اثنائے لھو مناسب نہ باشد''۔

(اور بعض کہتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہت سے بچی کو (اوصاف مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کرنے سے منع فرمایا کہ لہو ولعب کے درمیان آپ کا ذکر شریف مناسب نہیں)۔

چنانچہ حضرت علامہ محدث دہلویؒ کے قول سے ثابت ہوا کہ آلات لعب ولہو پر نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف مناسب نہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ تو پھر دف وغیرہ پر نعت رسول مقبول پڑھنا عورت تو درکنار مرد کیلئے بھی جائز نہیں۔ اب خواتین کی اس طرح کی نعت خوانی میں تین چیزیں سد راہ ہیں: اول عورت کا آواز بلند کرنا اور نامحرم لوگوں کا اس کی آواز سننا۔ دوم نعت خوانی ساؤنڈ پر کرنا تو بالکل سراپا ستر عورت کے منافی ہے جو ارتکاب گناہ کبیرہ کا موجب ہے۔ سوم یہ کہ آلات لہو ولعب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرنا منصب نبوت و رسالت کے سراسر منافی اور خلاف ہے۔ اب اتنے منکرات کے باوجود خواتین کا ساؤنڈ پر دف کیساتھ نعت خوانی کرنا قابل صد افسوس بات ہے جو کہ حدود شریعت مطہرہ سے تجاوز کرنا اور شریعت مطہرہ کی بے حرمتی کا باعث وموجب ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

قولہ و یضربن بالدف ، قیل تلک البنات لم یکن بالغات حد الشھوۃ وکان دفھن غیر مصحوب بالجلاجل وفیہ دلیل علی جواز ضرب الدف عند النکاح والزفات للإعلان والحق بعضھم الختان والعیدین والقدوم من السفر و مجتمع الأحباب للسرور ، وقال المراد بہ الدف الذی کان فی زمن المتقدمین وأما ما علیہ الجلاجل و ینبغی أن یکون مکروھا بالاتفاق۔[1]

''فرمان حدیث کہ بچیاں دف بجارہی تھیں ،بعض نے کہا یہ بچیاں حد شہوت تک نہیں پہنچی ہوئی تھیں (یعنی نابالغہ تھیں) اور ان بچیوں کی دف کے ساتھ گھنگھرو وغیرہ نہیں لگائے گئے تھے (یعنی دف گھنگھرو والی نہ تھی) اور اس حدیث مبارک میں نکاح کے وقت اور عورت کی دولہا کے گھر رخصتی کے وقت اعلان کے لیے دف بجانے کے جواز پر دلیل ہے۔ اور بعض نے نکاح کے ساتھ ختنہ کے وقت عیدین میں اور کسی کے سفر سے واپسی کے وقت اور دوستوں کے اجتماع کی خوشی کے وقت بھی دف بجانے کو لاحق کیا ہے اور حضرات علمائے کرام نے فرمایا: دف سے مراد وہ دف ہے جو زمانہ متقدمین میں تھی اور جس دف پر گھنگھرو وغیرہ ہوں چاہیے کہ ایسی دف کا بجانا بالاتفاق مکروہ ہو''۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کا سن وفات 1014ھ ہے اور اب 1438ھ ہے، یعنی آج سے چار سو چوبیس سال قبل حضرت علامہ صاحب مذکور کے زمانہ میں جو دف تھی وہ گھنگھرو والی تھی اور علامہ صاحب نے فرمایا ایسی دف کا بجانا بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ اور جو دف آج کل بجائی جارہی ہے یہ بالکل مزمار (باجہ) کی طرح ہے جس میں گھنگھرو کے جھنکار کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ علامہ ملا قاری رحمہ اللہ نے آج سے تقریباً ساڑھے چار سو سال پہلے فتویٰ صادر فرمایا کہ یہ دف بجانا مکروہ تحریمی ہے۔

حضرات علمائے کرام کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری وہ قد آور اور معتمد شخصیت ہیں جن پر اہلسنت و اہل بدعت دونوں کا اتفاق ہے کہ متاخرین علماء میں سے حضرت ملا علی قاری نہایت معتمد شخصیت کے حامل ہیں۔ کاش! ہمارے علمائے گرامی حضرت ملا علی قاری کے فتویٰ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر عوام الناس کی رہنمائی فرماتے اور دعوت الی الحق کا صحیح حق ادا فرماتے اور عند اللہ اس کے اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ فاعتبروا یا

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد 6 کتاب النکاح باب اعلان النکاح ص 210 مکتبہ امدادیہ ملتان

اولی الابصار

اس کے بعد حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اس صفحہ پر ارقام فرماتے ہیں:

إنما منع القائلة مقولها فينا نبي يعلم ما في غد لكراهة نسبة الغيب إليه لأنه لا يعلم الغيب إلا الله وإنما يعلم الرسول بالغيب ما أخبره۔ أو لكراهة أن يذكر في اثناء ضرب الدف واثناء مرثية القتلى لعلو منصبه عن ذلك۔ [1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''وفينا نبي يعلم ما في غد'' کہنے والی کو اس قول سے اس لئے منع فرمایا کہ اس نے علم غیب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی اس لئے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی غیب جانتے ہیں جس کی اللہ عزوجل نے آپ کو خبر دی۔ یا اس قائلہ بچی کو ''وفينا نبي يعلم ما في غد'' کہنے سے اس لئے منع فرمایا کہ دف بجانے کے وقت یا مقتول کے مرثیہ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا مکروہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ارفع واعلیٰ اس سے کہیں بلند ہے''۔

تو حضرت علامہ ملا علی قاری کی تصریح سے ثابت ہوا کہ آلات لاہی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ آپ کا منصب رفیع اس سے نہایت ہی بلند و بالا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف دف پر پڑھی جائے۔ ہمارے حضرات علمائے کرام اور مبلغین اسلام کیلئے حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی یہ نص لمحہ فکریہ ہے جو اس نازک مسئلہ کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور محافل دینیہ میں اس کی تبلیغ نہیں فرماتے۔ اللہ عزوجل حضرات علمائے کرام اور مبلغین اسلام کو اپنی شرعی و اخلاقی ذمہ داری سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانیؒ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

دعي هذه المقالة فإن مفاتيح الغيب عند الله لا يعلم إلا هو وأيضاً تحتمل أن يكون المنع أن يوصف النبي صلى الله عليه وسلم في إثناء اللهو واللعب إذ منصبه أجل وأشرف من أن يذكر إلا في مجالس الجد۔ [2]

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی سے فرمایا، اس بات ''وفينا نبي يعلم ما في غد''

---

[1] حوالہ مذکور

[2] ارشاد الساری شرح صحیح جلد 11۔ کتاب النکاح ص 440 رقم الحدیث 5147

کو چھوڑ واس لئے کہ غیب کی کنجیاں، چابیاں صرف اللہ عزوجل کے پاس ہیں اور وہی غیب داں ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا منع کرنا اس لئے ہو کہ نبی کریم ﷺ کا دوران لہب ولہو وصف بیان کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا منصب رفیع اس بات سے اجل اور اشرف ہے کہ سوائے مجالس فضیلت و بزرگی کے آپ ﷺ کا ذکر کیا جائے'' چنانچہ امام قسطلانیؒ نے بھی دف پر نبی اکرم ﷺ کے ذکر کرنے کو منع فرمایا ہے۔ جب جملہ شارحین حدیث اس طرف گئے ہیں کہ بچی کا یہ کہنا ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' اور نبی کریم ﷺ کا بچی کو ایسے کہنے سے منع کرنا اس لئے تھا کہ آلات غنا کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مدح وتوصیف نہ کی جائے۔

اب اس دور حاضر میں ہماری خواتین کو حضرات علمائے کرام اور مبلغین اسلام نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ ساؤنڈ پر دف کیساتھ جو کہ آلہ نغنا ہے حضور نبی کریم ﷺ کی نعت شریف پڑھتی رہیں۔ بقول معتمد حضرات علمائے کرام اور شارحین حدیث نبی کریم ﷺ نے اس لڑکی کو اس لئے منع فرمایا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا ذکر دف پر کر رہی تھی اور دف بھی وہ جو مباح ہے نہ کہ ممنوع۔ تو کیا جس کام سے اللہ عزوجل نے اور نبی ﷺ نے منع فرمایا ہو کیا کسی مسلمان میں جرأت ہے کہ وہ یہ کام کرے۔ معلوم نہیں حضرات علمائے ربانی اور مفتیان کرام کیوں خواب غفلت میں مستغرق ہیں اور حساس دینی معاملہ کی طرف وہ توجہ نہیں فرماتے اور ان جیسے مسائل شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی نہیں فرماتے۔ حضرات علمائے ربانی کی زبان، قلم اور تقریر میں اتنی قوت ہے کہ اگر وہ اس کا استعمال کریں تو ضرور لوگ ان سے استفادہ فرما کر ایسے لغو وبیہودہ اور خلاف شریعت کام سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز

اب ملاحظہ فرمائیں خلاصۃ الفتاویٰ کا وہ حوالہ جو میں نے حافظ عسقلانیؒ کے ابن التین کے قول کو اغرب کہنے کے متعلق کہا تھا کہ عنقریب میں خلاصۃ الفتاویٰ کی ایک نص پیش کروں گا جس سے ثابت ہوگا کہ حافظ عسقلانیؒ کا قول اغرب ہے نہ کہ ابن التین کا، وہ نص یہ ہے:

امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری متوفی 542ھ خلاصۃ الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

وفی النصاب رجل قراء القرآن علی ضرب الدف أو القصیب یکفر لا ستخفافه بالقرآن۔[1]

---

[1] خلاصۃ الفتاویٰ جلد دوم کتاب الفاظ الکفر ص 551 مطبع حمیدیہ سلیم پریس لاہور

''اور نصاب (یہ کتاب کا نام ہے) میں ہے کوئی آدمی جس نے ضرب دف یا بانسری پر قرآن پڑھا وہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے قرآن مقدس کی تخفیف وتحقیر کی ہے''۔

جب بقول صاحب خلاصۃ الفتاوی دف پر قرآن پڑھنے والا کافر ہو جاتا ہے تو میرے نبی کریم ﷺ کی ایک صفت خلق کو قرآن کہا گیا ہے تو جب اس مجسمہ صفات حمیدہ کا ذکر خیر دف پر ہوگا تو کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس لئے حضرات علمائے کرام نے بچی کا دف پر اپنے محبوب ﷺ کی ایک صفت ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' پڑھی تو نبی رحمت ﷺ نے اس بچی کو دف پر یہ کہنے سے منع فرما دیا۔

علامہ ملا علی قاری جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں فرماتے ہیں:

وسئلت عائشۃ رضی اللہ عنہا عن خلق رسول اللہ ﷺ فقالت خلقہ القرآن۔[1]

''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق پوچھا گیا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: آپ کا خلق پورا قرآن تھا''۔

جب قرآن مقدس کا دف پر پڑھنا اس لئے باعث کفر ہے کہ اس میں قرآن مقدس کا استخفاف وتحقیر ہے تو جس مقدس ہستی کی ایک صفت خلق کو قرآن کہا جا رہا ہے کیا ایسی ذات والا صفات کا دف پر ذکر خیر کرنا باعث تحقیر نہیں ہوگا؟ اگر قرآن مقدس کا دف پر پڑھنا کفر ہے تو بالضرور صاحب قرآن جس کی ایک صف خلق کو قرآن فرمایا گیا ان کے اسم گرامی، نام نامی کا دف پر ذکر خیر کرنا بھی مکروہ تحریمی وممنوع ہوگا۔ لہٰذا حافظ عسقلانیؒ کا ابن التین کے قول کو اغرب کہنا زیادتی ہے۔ کیونکہ جملہ شارحین حدیث نے دف پر نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی لینا مکروہ وممنوع قرار دیا ہے۔ تو دف پر جو کہ ایک آلہ ملاہی بن چکی ہے اس پر نعت رسول مقبول ﷺ پھر اس مدح مصطفی ﷺ کو ساؤنڈ پر جس کی آواز پورے گاؤں اور محلہ میں جاتی ہے کیسے جائز ومباح کہا جا سکتا ہے؟ لہٰذا اس طرح کی نعت خوانی کئی منکرات کی وجہ سے جنہیں میں نے اس سے قبل بیان کر دیا ہے خلاف شریعت ہے۔

لہٰذا ہمارے حضرات علمائے کرام کو اس مسئلہ کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے تاکہ پیشہ ور خواتین استخفاف وتحقیر مصطفی ﷺ سے اجتناب کریں۔

---

[1] ۔ جمع الوسائل فی شرح الشمائل جز دوم باب خلق رسول ﷺ ص 186

لیکن صد افسوس: ہمارے اہلسنت کے اکابرین پر کہ باہمی اختلاف میں اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ انہیں دین اسلام کی ترویج و اشاعت کیلئے فرصت ہی نہیں۔ ایک ایک اینٹ پر ہم نے اپنی اپنی مساجد تعمیر کر رکھی ہیں کہ ہمارے مخالفین جو سواد اعظم کے مقابلے میں دس فیصد بھی نہیں، ان کی وفاقی وصوبائی پارلیمنٹ اور سینٹ میں نمائندگی ہے اور سواد اعظم کا یہ حال ہے کہ ہمارا ایک بھی نمائندہ موجود نہیں۔ یہ سب اہل سنت و جماعت کے باہمی اختلاف وافتراق کا نتیجہ ہے کہ اہل سنت کی بے شمار تنظیمات ہیں اور ہر تنظیم کا سربراہ تانگہ پارٹی کا ناظم اعلیٰ وصدر ہے اور وہ اسی حیثیت سے اہل سنت و جماعت کی خدمت کرنے کا دعویدار ہے۔ کاش! ہمارے اکابرین اہلسنت میں جذبہ اخوت وغیرت ہوتا اور اپنی اپنی انا بالائے طاق رکھتے ہوئے امام اہلسنت حضرت علامہ مولانا شاہ احمد نورانی صدیقیؒ اور مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالستار خاں نیازی نور اللہ مرقدھا و برد اللہ مضجعہما کی تقلید کرتے ہوئے اہلسنت و جماعت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتے تو آج اہلسنت و جماعت کی تباہی و بربادی کا یہ حال نہ ہوتا کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ خدارا اپنے باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عظمت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت ومحافظت کیلئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بلند کرتے ہوئے نجدیت کے بتوں کو پاش پاش کریں اور اپنی عظمت جس کی سرعام تخفیف وتحقیر ہو رہی ہے، کو بحال کرتے ہوئے اس کی محافظت فرمائیں اور ایسے دینی مسائل جن کی سرعام تخفیف وتحقیر کی جارہی ہے، ان کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔ ہمارے مفتیان گرام اور علمائے ربانی ایسے مسائل پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ نہایت افسوس سے دل گرفتہ ہو کر کہہ رہا ہوں کہ ہمارے مفتیان گرامی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو وہ سائل کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور کئی کئی ماہ وہ مسئلہ زیر التوار رہتا ہے اور فرماتے ہیں فرصت نہیں اور اگر کوئی سائل اپنے مسئلہ میں اشتباہ کو دور کرنے کیلئے دوبارہ قبلہ مفتی صاحب کی خدمت میں کچھ عرض کرتا ہے تو ایسے جواب سے سائل کا استقبال ہوتا ہے کہ اگر تمہیں خود ہی معلوم ہے تو مجھے زحمت کیوں دی گئی۔ سائل کو مسئلہ میں اگر کوئی شبہ ہے وہ دور کرنا چاہتا ہے تو آگے سے جواب باصواب سننے کو ملنا چاہیے۔ خدارا سائلین کو ذلیل وخوار نہ کریں اور ان کے مسائل توجہ سے سن کر باصواب ومطمئن کرنے والے جواب سے سائل کی دلجوئی فرمائیں۔ لوگ آپ سے متنفر ہو رہے ہیں۔ انہیں محبت عطا فرمائیں۔ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ اس بندہ ناچیز نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہی درست ہے، بالکل ایسا نہیں۔

''بمصداق وفوق کل ذی علم علیم'' اپنے تجرعلمی کی بنا پر اس کی طرف توجہ فرمائیں۔ کیونکہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر و گستاخی کا ایک پہلو جنم لے رہا ہے۔ اس کے خلاف جہاد فرمائیں اور اگر میں غلطی پر ہوں تو خدارا میری رہنمائی فرمائیں اور دلائل قاطعہ وساطعہ سے اس کا رد فرمائیں۔

چنانچہ اس بندۂ ناچیز نے متقدمین ومتاخرین علمائے کرام کی نصوص قاطعہ سے ثابت کیا ہے کہ کئی شرعی منکرات کی وجہ سے ہماری خواتین جو ساؤنڈ پروف کے ساتھ نعت خوانی کرتی ہیں، خلاف شریعت ہے۔ کیونکہ یہ دف وہ نہیں جس کی طرف علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اس دف میں گھنگھرو کی جھنکار اور سیٹی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اور اس دف پر نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا جس سے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، جائز نہیں۔ بلکہ مسئلہ دف کی حیثیت ثانوی ہے۔ اصل مسئلہ عورت کی آواز کا ہے جو علماء کے نزدیک چھپانے والی چیز ہے۔ اور جملہ فقہائے کرام نے عورت کی نغمہ والی سریلی آواز کو عورت قرار دیا ہے۔ اور جب کوئی عورت ساؤنڈ پر نعت خوانی کرتی ہے تو ستر عورت جو واجب ہے، کا ترک لازم آتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔ چنانچہ ہماری پیشہ ور خواتین جو ساؤنڈ پروف کے ساتھ نعت خوانی کر رہی ہیں اس میں تو منکرات شرعی کی بھرمار ہے۔ ایک ستر عورت کی حرمت کا پامال کرنا۔ دوم دف جو حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کے قول کے مطابق وہ دف نہیں جو متقدمین میں مشہور اور اعلان نکاح وغیرہ کے وقت مباح تھی بلکہ موجودہ دف کا آلات غنا میں شمار ہوتا ہے۔ تیسرا ساؤنڈ پر نعت خوانی کرنا۔ اتنی منکرات شرعیہ کے باوجود مفتیان کرام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے تو ''الامان والحفیظ''۔

آخر میں یہ فقیر' حضرات مفتیان گرامی اور علمائے ربانی کی خدمت اقدس میں دست بستہ عرض کرتا ہے، یہ میرا فتویٰ نہیں ہے۔ اس بندہ ناچیز نے حضرات فقہائے کرام اور محدثین عظام کی نصوص قاطعہ پیش کی ہیں اور جو ان حضرات گرامی نے اپنی اپنی معتمد کتب میں اس مسئلہ کے متعلق نقل فرمایا، میں نے اسے صفحہ قرطاس پر من وعن تحریر کر دیا۔

اگر میری تحریر میں کوئی غلطی ہے تو براہ کرم میری رہنمائی ودستگیری فرمائیں۔ یہ بندہ ناچیز آپ کے علمی فتاویٰ کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھے گا بلکہ سو فیصد اس کی اتباع بھی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بندہ حقیر محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

کیا حیض و نفاس والی عورت اور جنبی مرد کا قرآن مقدس کی تلاوت کرنا یا قرآن پاک کو ہاتھ سے چھونا جائز ہے؟

أقول وباللہ التوفیق ومنه الهداية إلى التحقيق

قوله تعالیٰ۔ لا یمسه إلا المطھرون[1] ''قرآن حکیم کو نہ چھوئیں مگر باوضو۔ ظاہراً اس آیت کریمہ میں حرف لا نفی کا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے حرف ''لا'' نہی کا ہے اور ''لا یمسه'' میں ضمیر کا مرجع اصح قول کے مطابق قرآن مقدس ہے۔ تو آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ عزوجل کی مقدس کتاب کو بلا وضو چھونا جائز نہیں۔

سب سے پہلے اس آیت مبارکہ کے متعلق حضرات مفسرین کرام کی تصریحات پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد ان شاء اللہ حضرات فقہائے عظام کی نصوص پیش کی جائینگی۔

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد ابراہیم المعروف بالخازن اپنی تفسیر خازن میں فرماتے ہیں:

ظاہر الآیة نفی و معناہ نہی قالو لا یجوز للجنب ولا للحائض ولا للمحدث حمل المصحف ولا مسه وھو قول عطاء، طاؤس، سالم والقاسم وأکثر أهل العلم وبه قال مالك والشافعی وأکثر الفقها یدل علیه ماروی مالك فی الموطا۔[2]

''آیت مبارکہ کا ظاہر نفی پر دلالت کرتا ہے اور اس آیت مبارکہ کا معنی نہی پر دلالت کرتا ہے۔ حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں: جائز نہیں جنبی مرد کیلئے اور نہ ہی حیض والی عورت کے لیے اور بے وضو شخص کے لیے اس کا مس کرنا، یہ قول عطاء، طاؤس، سالم، قاسم اور اکثر اہل علم

[1] ۔ سورۃ واقعہ آیت 79

[2] ۔ تفسیر خازن جلد 4 صفحہ 239 مطبوعہ حافظ کتب خانہ مسجد کوئٹہ

کا ہے۔اور یہی قول امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ کا ہے اور اکثر فقہائے کرام کا بھی یہ قول ہے۔
اور اسی بات کے قائل ہیں امام مالک اور شافعی اور اکثر فقہاء اور اس کی دلیل وہ قول ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں روایت کیا ہے''۔

موطا امام مالک کی روایت یہ ہے۔

حدثنی یحییٰ عن مالک عن عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم أن فی الکتاب الذی کتبہ رسول اللہ ﷺ لعمرو بن حزم أن لایمس القرآن إلا طاھراً[1]

عبد اللہ بن ابوبکر بن حزم سے روایت ہے اس کتاب میں جو رسول اللہ ﷺ نے (نجران میں اپنے عامل) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا اس میں یہ مکتوب تھا کہ قرآن معظم کو وہی چھوئے جو باوضو ہو''۔

یہ حدیث منقطع ہے لیکن موصول بھی آئی ہے، لہٰذا لیکن حدیث صحیح ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے:

عن حسان بن بلال عن حکیم بن حزام أن النبی ﷺ لما بعثہ والیاً إلی الیمن قال لاتمس القرآن إلا وأنت طاھر۔[2]

''حسان بن بلال حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن کا والی بنا کر بھیجا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم قرآن مقدس کو نہ چھونا مگر وضو کی حالت میں''۔

حافظ علی بن عمر دار قطنی نے سنن دار قطنی میں روایت کیا:

عن عبد اللہ بن حزم ألا تمس القرآن الا علی طھورٍ رواتہ ثقات۔[3]

''عبد اللہ اپنے باپ ابوبکر بن حزم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جو کتاب نبی اکرم ﷺ نے (نجران میں اپنے عامل) عمرو بن حزم کو بھیجی اس میں لکھا تھا: خبردار! تم

---

[1]۔شرح الزرقانی علی الموطا جلد دوم ص 7، رقم الحدیث 470 دار الفکر بیروت

[2]۔المستدرک للحاکم جلد 4 صفحہ 614 رقم الحدیث 6105 دار المعرفہ بیروت

[3]۔سنن دار قطنی جز اول ص 128 رقم الحدیث 429 دار الکتب العلمیہ بیروت

قرآن کو نہ چھونا مگر باوضو"[1]

یعنی یہ باب جنبی مرد اور حائضہ عورت کے تلاوت قرآن مقدس سے ممانعت کے بیان میں ہے۔ اس باب میں صاحب دارقطنی نے رقم الحدیث 413 سے 428 تک 16 احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔

ان میں مختلف اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے چھ احادیث ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دو احادیث، حضرت علی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے دو احادیث اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے چار احادیث اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی۔

ان تمام احادیث میں جنبی مرد اور حائضہ عورت کو تلاوت قرآن حکیم سے منع کیا گیا ہے۔

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی "معجم کبیر" میں روایت کرتے ہیں:

عن حسان بن بلال عن حکیم بن حزام قال ما بعثنی رسول اللہ ﷺ إلی الیمن قال لاتمس القرآن الا وانت طاهر۔[2]

"حسان بن بلال حکیم بن حزام سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا جب مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف والی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا، قرآن کو ہرگز نہ چھونا مگر باوضو۔"

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں ارقام فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: "لایمسه إلا المطهرون" القول الصحیح أن الضمیر راجع إلی القرآن وقد انعقد الإجماع علی أنه لایجوز مس المصحف للجنب ولاللحائض ولا للنفسا ولا للمحدث۔[3]

"صحیح قول یہی ہے کہ اللہ عزوجل کے فرمان (لایمسه) میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ تو معنی یہ ہوئے قرآن کو صرف وہی لوگ مس کریں جو احداث سے پاک ہیں۔ تو یہ بمعنی نہی ہے اور

---

[1] ۔باب فی النہی للجنب والحائض عن قرأت القرآن سنن دارقطنی جزاول ص 124

[2] ۔معجم کبیر جلد سوم ص 205 رقم الحدیث 3135 دارالاحیاالثواث عربی

[3] ۔تفسیر مظہری جلد 9 صفحہ 181 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جنبی مرد اور حائضہ اور نفاس والی عورت اور بے وضو شخص کیلئے قرآن پاک کو چھونا جائز نہیں"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

یجوز مس القرآن وحمله بغلاف متجاف عند ابی حنیفة رضی الله عنه وقال المالك والشافعی لایجوز مع الغلاف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ۔[1]

"حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسے غلاف کے ساتھ جو کہ قرآن پاک کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو (جیسے چولی) قرآن پاک کو چھونا اور اٹھانا جائز ہے اور امام مالک وشافعی رحمہما اللہ کے نزدیک غلاف کے ساتھ بھی قرآن پاک کو چھونا جائز نہیں"۔

یکره مسه بالکم أو الذیل لأنهما یابعان للید[2]

"قرآن مقدس کو آستین یا دامن کے ساتھ چھونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں یعنی آستین اور دامن ہاتھ کے تابع ہوتے ہیں"۔

ویثبت بهذا الآیة بدلالة النص أعنی بالطریق الأولی عدم جواز قراءة القران للجنب وعلیه انعقد الإجماع۔ الخ۔[3]

"بدلالت نص اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے، میری مراد ہے بطریق اولیٰ کہ جنبی مرد کیلئے (اس میں حیض نفاس والی عورت بھی داخل ہے) قرآن پاک کی زبانی تلاوت کرنا بھی جائز نہیں اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، کیونکہ جس قرآن کے اوراق پر یہ الفاظ مکتوب و منقوش ہیں اگر اس قرآن کا چھونا جائز نہیں تو بدرجہ اولی جو الفاظ اوراق میں مکتوب ہیں، ان کا پڑھنا بھی جائز نہیں"۔

کان القیاس عدم جواز قرائة القرآن للمحدث أیضاً لما ذکر لکن الاستحسان یقتضی جواز القراءة للمحدث لایسری فی الفم۔[4]

---

[1] ۔ص 182

[2] ۔ص 182۔

[3] ۔صفحہ 182 جلد 9۔

[4] ۔صفحہ مذکور یعنی 182 جلد 9

"قیاس تقاضا کرتا ہے کہ بے وضو کیلئے بھی قرآن مقدس کی زبانی تلاوت جائز نہ ہو جیسا کہ مذکور ہے، لیکن استحسان اس کا متقاضی ہے کہ بے وضو آدمی کیلئے قرآن مقدس کی زبانی تلاوت کرنا جائز ہو۔ اس لئے کہ حدث منہ میں سرایت نہیں کرتا، اسی لئے جب محدث وضو کرے تو اس کیلئے کلی کرنا واجب نہیں اور جنبی مرد کیلئے کلی کرنا واجب ہے کیونکہ اثر جنابت منہ میں سرایت کرتا ہے"۔

اختلف العلماء فی مس المصحف علی غیر وضوٴ فالجمهور علی المنع من مسه لحدیث عمرو بن حزم وهو مذهب علی وابن مسعود، و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و عطاء، والزهری، والنخعی، والحکم وحماد و جماعة من الفقهاء منهم مالك والشافعی۔[1]

"بلا وضو قرآن مقدس کو چھونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جمہور قرآن کو بلا وضو چھونے کی ممانعت پر ہیں۔ بوجہ حدیث عمرو بن حزام کے (جو اس سے قبل موطا امام مالک کے حوالہ سے گزر چکی ہے) قرآن پاک کو بلا وضو چھونا منع ہے اور یہ حضرت علی، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عطا، زھری، نخعی، حکم، حماد اور فقہاء میں سے ایک جماعت کا مذہب ہے۔ رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین۔ اور ان میں سے امام مالک وشافعی رحمہا اللہ بھی ہیں۔ چنانچہ ان سب کا یہی مذہب ہے کہ بلا وضو قرآن کو چھونا ممنوع ہے"۔

شیخ سلیمان جمل اپنے حاشیہ الجمل علی الجلالین میں فرماتے ہیں:

لا یمسه خبر بمعنی النهی إلا المطهرون أی الذین طهروا انفسهم من الأحداث قوله خبر بمعنی النهی یؤید هذا قرأة عبد الله بن مسعود مایمسه بما النافیة وحینئذ ضمة السین أعرابیة وقوله بمعنی النهی لا یمسوه أی یحرم علیهم مسه بدون الطهارة ولم یبق علی خبریته۔[2]

"صاحب تفسیر جلالین فرماتے ہیں: لا یمسه یہ خبر بمعنی نہی ہے الا لمطهرون سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو احداث سے پاک کر لیا ہو۔

---

[1] تفسیر قرطبی مجلد 9 جز 17 ص 147

[2] تفسیر جمل جلد 4 ص 281۔ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی

صاحب تفسیر جمل فرماتے ہیں۔ قولہ خبر بمعنی النھی ،یعنی صاحب جلالین کا یہ قول کہ یہاں خبر بمعنی نہی ہے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت سے ہوتی ہے۔انہوں نے مایمسہ یعنی ''ما'' نافیہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس وقت لفظ یمسہ میں ضمہ (پیش) حرف سین اعرابیہ ہے اور مفسر کا قول کہ خبر بمعنی نہی ہے یعنی لایمسہ وہ قرآن پاک کو مس نہ کریں یعنی ان پر قرآن پاک بلاطہارت چھونا حرام ہے اور نفی صراحتاً اپنی خبریت پر نہیں''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لایمسہ صیغہ نفی کا ہے جو خبر پر دلالت کرتا ہے، یعنی اللہ عزوجل خبر دے رہا ہے کہ قرآن مقدس کو صرف باوضو لوگ ہی چھوئیں گے حالانکہ اکثر لوگ اسے بلا طہارت مس کرتے ہیں تو اس طرح اللہ عزوجل کی خبر میں خلف وعدہ لازم آئے گا اور خلف وعدہ اللہ عزوجل کی خبر میں محال ہے۔ چنانچہ آئمہ مفسرین نے یہاں حرف ''لا'' جو بظاہر نفی کا تھا، اسے نہی کی طرف پھیر دیا ہے اور یہ انشاء ہے، خبر نہیں۔لہٰذا معنی یہ ہوئے اللہ عزوجل کا حکم ہے کہ بلاطہارت قرآن کو مس کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر ایسا کیا تو مکروہ ہے یا بعض کے نزدیک ممنوع ہے۔

چنانچہ بلاطہارت قرآن مقدس کو چھونے والا گنہگار ہوگا۔

لہٰذا آئمہ مفسرین کی تصریحات بینات سے روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہوگیا کہ جنبی مرد اور حیض نفاس والی عورت اور بے وضو شخص کیلئے قرآن مقدس ومکرم کو چھونا گناہ ہے جو اللہ عزوجل کے فرمان ''لایمسہ الا المطھرون'' سے ثابت ہے۔

احادیث مبارکہ سے جنبی مرد اور حیض ونفاس والی عورت کا قرآن مقدس پڑھنے سے ممانعت کا بیان

احادیث مبارکہ سے ثبوت

۱۔ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ لا یقرأ الحائض ولا الجنب شیأ من القرآن۔[1]

''نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حیض والی عورت اور جنبی مرد قرآن مقدس سے تھوڑا بھی تلاوت نہ کریں''۔

---

[1] ۔دارقطنی جز اول ص 124 ،رقم الحدیث 413 ۔دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۔ عبد الرزاق عن معمر قال سألت الزهری عن الحائض والجنب أیذکر أن اللہ قال نعم ۔ قلت یقرأن القرآن قال لا ۔ قال معمر کان الحسن و قتادۃ یقولون لایقرآن من القرآن شیأ ۔[1]

''حافظ عبدالرزاق معمر بن راشد سے روایت کرتے ہیں کہ معمر نے کہا: میں نے امام زہری سے حائضہ عورت اور جنبی مرد کے متعلق سوال کیا: کیا وہ دونوں مطلق اللہ عزوجل کا ذکر کر سکتے ہیں؟ تو امام زہری نے فرمایا: ہاں وہ مطلق ذکر کر سکتے ہیں۔ معمر بن راشد کہتے ہیں: میں نے پھر عرض کیا: کیا وہ دونوں قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے؟ تو امام زہری نے جواب دیا: نہیں، وہ دونوں قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر سکتے ۔ معمر بن راشد نے کہا کہ حضرت حسن بصری اور قتادہ بن دعامہ فرماتے تھے: حیض والی عورت اور جنبی مرد قرآن مقدس کچھ بھی تلاوت نہ کریں۔ مقصد یہ ہے کہ تھوڑا سا بھی تلاوت نہ کریں''۔

۳۔ أخبرنا عبد الرزاق قال أخبرنا ابن جریج قال قلت لعطاء ما تقرأ الحائض والجنب من القرآن فقال أما الحائض فلا تقرأ شیأ ۔[2]

''ابن جریج نے کہا: میں نے عطا بن ابی رباح سے پوچھا: حائضہ عورت اور جنبی مرد قرآن پاک سے کتنا پڑھیں؟ تو حضرت عطا بن ابی رباح نے جواب دیا: حائضہ عورت قرآن مقدس سے کچھ بھی تلاوت نہ کرے''۔

۴۔ عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیأ من القرآن ۔ قال ابو عیسیٰ وھو قول أکثر أھل العلم من أصحاب النبی ﷺ والتابعین من بعدھم مثل سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وأحمد و إسحاق قالوا لا تقرأ الحائض ولا الجنب من القرآن شیأ ۔[3]

''نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ

---

[1] ۔ دار قطنی جز اول ص 124 ، رقم الحدیث 413 ۔ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] ۔ دار قطنی جز اول ص 124 ، رقم الحدیث 413 ۔ دار الکتب العلمیہ بیروت

[3] ۔ دار قطنی جز اول ص 124 ، رقم الحدیث 413 ۔ دار الکتب العلمیہ بیروت

بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حائضہ عورت اور جنبی مرد قرآن مقدس سے کچھ بھی تلاوت نہ کریں''۔

ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: یہ نبی اکرم ﷺ کے اصحاب اور تابعین میں سے اکثر کا قول ہے اور جو ان کے بعد ہیں ان کا بھی یہی قول ہے۔ مثلاً سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک ،امام شافعی ،امام احمد اور اسحاق راہویہ ان سب نے کہا کہ حائضہ عورت اور جنبی مرد قرآن مقدس سے کچھ بھی تلاوت نہ کریں۔

ان محدثین عظام کے علاوہ بھی کئی محدثین کرام نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

مثلاً شرح السنۃ للبغوی جلد دوم ص 42 المکتب الاسلامی۔ تہذیب تاریخ دمشق لا بن عساکر جلد دوم ص 247 بیروت۔ الضعفاء للعقیلی جلد اول ص 90۔ دار الکتب العلمیہ

ان جملہ احادیث مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حائضہ عورت اور جنبی مرد کا قرآن پاک کی زبانی تلاوت کرنا بھی ممنوع ہے اور اکثر صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین وھلم جرا الی الیوم یعنی اس وقت سے لے کر آج تک تمام کا یہی قول ہے کہ حائضہ عورت اور جنبی مرد کیلئے قرآن پاک کا پڑھنا ممنوع ہے۔ جب آئمہ مفسرین ومحدثین کی تصریحات وتحقیقات وتدقیقات سے اظہر من الشمس واضح ،عیاں اور لائح ہو گیا کہ حیض والی عورت کیلئے قرآن مقدس کا چھونا اور پڑھنا ممنوع ہے تو یہ مدارس البنات کے تمام مہتمم حضرات کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ ہمارے ایک دینی جماعت کے نزدیک تو یہ بلا اختلاف جائز ہے اور اسی طرح کے کچھ شواہد حضرات علمائے کرام کی مصدقہ تحقیق کے مطابق میرے پاس بھی موجود کہ وہ اس مسئلہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور فرماتے ہیں اس میں تعلیم کا حرج ہے۔ صد افسوس! ان لوگوں کی عقل پر کہ حرج تعلیم کیلئے حائضہ عورت کا قرآن سیکھنا جائز ہے اور صاحب قرآن کے فرمان عالیشان کی کوئی پروا نہیں اور شریعت مطہرہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور مدارس البنات میں قرآن مقدس کی بے حرمتی کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے لہٰذا یہ نصوص قاطعہ وساطعہ مدارس البنات کے مہتمم حضرات کیلئے لمحہ فکریہ ہیں جو شریعت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہے۔ والعیاذ باللہ تدبروا وتفکروا ھذا من مزلۃ الاقدام

حضرات فقہائے کرام کی اس مسئلہ کے متعلق تصریحات

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

لیس للحائض والجنب والنفساء قرأة القران لقوله علیه السلام: لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیأ من القرآن ـ و هو حجة علی المالك رحمه الله وهو باطلاقه یتناول ما دون الآیة لیکون حجة علی الطحاوی فی إباحته ولیس لهم مس المصحف إلابغلافه ـ ولا أخذ درهم فیه سورة من القران إلا بصرة ـ وکذا المحدث لا یمس المصحف إلا بغلافه لقوله علیه السلام: لا یمس القران إلا طاهر ثم الحدث والجنابة حلا الید فیستویان فی حکم المس والجنابة حلت الفم دون الحدث فیفترقان فی حکم القرأة ـ وغلافه مایکون متجافیاً عنه دون ماهو متصل به کالجلد المشرز هو الصحیح ویکره مسه بالکم والصحیح لأنه تابع له بخلاف کتب الشریعة لأهلها حیث یرخص فی مسها بالکم لأن فیه ضرورة ولا بأس بدفع المصحف إلی الصبیان لأن فی النهی تضییع حفظ القران وفی الأمر بالتطهیر حرجالهم وهذا هوالصحیح ـ [1]

"صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: حائضہ اور نفاس والی عورت اور جنبی مرد کیلئے قرآن مقدس کی تلاوت کرنا جائز نہیں بوجہ فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ حائضہ عورت اور جنبی مرد قرآن مقدس سے کچھ بھی نہ پڑھیں۔ اور یہ حدیث مبارک حائضہ عورت کے حق میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کےخلاف حجت ہے۔ (کیونکہ حائضہ عورت کیلئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن مقدس کی تلاوت جائز ہے) اور یہ حدیث اپنے عموم کے ساتھ (اسلئے کہ لفظ شیئاً سیاق نفی میں نکرہ جوایک آیت سے کم کو بھی شامل ہے) امام طحاوی کے خلاف حجت ہے کیونکہ وہ ایک آیت مبارکہ سے کم کی تلاوت کرنا حیض اور نفاس والی عورت اور جنبی مرد کیلئے جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان سب (یعنی حیض ونفاس والی عورت اور جنبی مردے) کے لیے قرآن مقدس کو سوائے غلاف کے چھونا بھی جائز نہیں اور نہ ہی کسی ایسے درہم کا پکڑنا جس میں قرآن حکیم کی کوئی سورت ہو۔ ہاں اگر وہ درہم تھیلی میں ہوتو اس تھیلی کا پکڑنا جائز ہے اور اسی طرح بے وضو شخص بھی بلا غلاف قرآن مقدس

---

[1] ۔ہدایہ باب الحیض والاستحاضہ

کو مس نہ کرے بوجہ فرمان نبی کریم ﷺ کے قرآن حکیم کو صرف باوضو شخص ہی چھوئے پھر حدث (بے وضو ہونا) اور جنابت یہ دونوں ہاتھ میں حلول کرتے ہیں تو قرآن مقدس کو چھونے کے حکم میں یہ دونوں (صاحب حدث اور جنبی مرد) برابر ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ بے وضو اور جنبی شخص دونوں قرآن حکیم کو نہیں چھو سکتے کیونکہ نجاست ان کے ہاتھ میں داخل ہو چکی ہے) اور جنابت کا اثر صرف منہ میں داخل ہوتا ہے اور حدث کی وجہ سے نجاست منہ میں داخل نہیں ہوتی۔ تو اس اعتبار سے قرآن مقدس کی قرأت کے حکم میں دونوں جدا جدا ہیں (یعنی جنبی دزبانی بھی تلاوت قرآن حکیم نہیں کر سکتا اور بے وضو شخص چھوئے بغیر زبانی قرآن پاک پڑھ سکتا ہے) اور صاحب ہدایہ غلاف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: غلاف وہ ہے جو قرآن مقدس کی جلد سے دور ہو نہ کہ وہ قرآن پاک سے متصل ہو مثل جلد جو قرآن کے ساتھ باندھی گئی ہو۔ اور یہی صحیح ہے اور قرآن حکیم کا آستین کے ساتھ بھی چھونا مکروہ تحریمی ہے اسلئے کہ آستین حامل قرآن کے تابع ہے۔ بخلاف کتب شریعہ کے کہ صاحب کتب شریعہ کیلئے ضرورت کے تحت آستین کے ساتھ انہیں چھونے کی رخصت دی گئی ہے اور بچوں (جو بے وضو ہوں) قرآن پاک دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اسلئے انہیں کو قرآن نہ دینے میں حفظ قرآن کو ضائع کرنا ہے اور بچوں کو وضو کرنے کا حکم دینے میں حرج ہے (کیونکہ وہ طہارت کے مکلف نہیں) یہی قول صحیح ہے''۔

صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ، صاحب ہدایہ کے اس قول ''فیکون حجۃ علی الطحاوی فی اباحتہ'' کے تحت فرماتے ہیں:

وقالوا إذا حاضت معلمة تعلم كلمة كلمة و تقطع بين الكلمتين و على قول الطحاوى نصف الآية ـــــــــ الخ۔[1]

''حضرات علمائے ربانی فرماتے ہیں: جب بچیوں کو پڑھانے والی معلمہ حائضہ ہو جائے تو وہ بچیوں کو ایک ایک کلمہ سکھائے (مثلاً الحمد، اس کے بعد للہ کہے) اور دو کلموں کے درمیان جدائی کرے (یعنی دو کلموں کے درمیان سانس لے) یعنی ایک کلمہ پڑھانے کے بعد تھوڑا سا توقف کرے اور امام طحاوی کے قول کے مطابق حائضہ معلمہ بچے کو نصف آیت پڑھا سکتی ہے''۔

---

[1]۔ فتح القدیر جلد اول ص 148 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: خلاصہ میں ہے حرمات حیض اور حرمت قرآن کا شمار کرنا ہی جائز ہے جبکہ آیت مبارکہ بہت چھوٹی ہو اور بدقت کلام ربانی پر جاری ہو جیسے اللہ عزوجل ''ثم نظر'' اور ''لم یولد'' (اور صاحب خلاصہ کی مراد بھی ایک ہی کلمہ ہے اسی لئے اس کے بعد فرماتے ہیں) لیکن آیت سے کم پڑھنا جیسے ''بسم اللہ'' الحمد للہ۔ اگر معلمہ کا ارادہ قرأت قرآن ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

صاحب عنایہ علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقال الکرخی یمنع عن القراءۃ مادون الآیۃ أیضاً علی قصد قراءۃ القرآن کما یمنع دون قراءۃ الآیۃ لأن الکل قرآن۔[1]

''امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرأت قرآن کے ارادہ پر ایک آیت مبارکہ سے کم کی قرأت کرنا بھی ایسے ہی ممنوع ہے جیسے ایک پوری آیت مبارکہ کی تلاوت کرنا ممنوع ہے اس لئے کہ سب کا سب قرآن ہے''۔

معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کیلئے ایک آیت سے کم کی بھی تلاوت کرنا ممنوع ہے اور ایک آیت مبارکہ سے کم کی حائضہ معلمہ کو بچوں کو تعلیم دینا بھی ممنوع ہے۔ اور اگر کوئی تلاوت قرآن کا ارادہ نہیں رکھتا وہ صرف اللہ عزوجل کی نعمت کا شکر ادا کرنے کیلئے ''الحمد للہ'' پڑھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور امام حلوانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنبی مرد کیلئے ''علی وجہ الدعا'' صرف دعا کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن امام ہندوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں یہ فتویٰ نہیں دوں گا۔ اگرچہ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ صاحب عنایہ بصیغۂ تمریض (قیل) فرماتے ہیں: مختار قول جواز کا ہے۔

صاحب فتح القدیر صاحب ہدایہ کے اس قول ''وغلافہ مایکون متجافیا عنہ'' کے تحت فرماتے ہیں:

ای منفصلا وھو الخریطۃ خلافا لمن قال ھو الجلد او الکم لان الجلد الملصق

---

[1] عنایہ علی حاشیہ فتح القدیر جلد اول ص 148 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

تابع له ۔۔۔ الخ ۔[1]

''غلاف وہ ہے جو قرآن مقدس سے منفصل ہو اور وہ تھیلا ہے (جس میں قرآن مقدس کو محفوظ کرتے ہیں) یہ قول ان لوگوں کے خلاف ہے جو کہتے ہیں غلاف جلد ہی ہے (اور مصنف کا قول کہ آستین سے بھی قرآن کو چھونا جائز نہیں) یا آستین سے چھونا اس لئے کہ وہ جلد جو قرآن سے متصل ہے، وہ قرآن کے تابع ہے اسی لئے جب قرآن مقدس کو خریدا جائیگا تو اس میں جلد داخل ہوگی ۔ تو جلد کو چھونا قرآن کو چھونے کے حکم میں ہے اور آستین چھونے والے کے تابع تو آستین سے قرآن مقدس کو چھونا ایسے ہی ہے جیسے قرآن مقدس کو ہاتھ سے چھونا ہے اور مصنف کے اس قول ''یکرہ مسہ بالکم یعنی قرآن پاک آستین کے ساتھ چھونا مکروہ ہے اور یہ مکروہ، مکروہ تحریمی ہے۔

چنانچہ فتح القدیر کی صراحت سے ثابت ہوا کہ حیض ونفاس والی عورت اور جنبی مرد کیلئے قرآن مقدس کو اپنی آستین سے بھی چھونا مکروہ تحریمی ہے اور وہ چولی جو جلد پر چڑھائی جاتی ہے وہ بھی جلد کے حکم میں ہے کیونکہ وہ بھی جلد کے ساتھ متصل ہے اور غلاف وہ تھیلا ہے جس میں قرآن حکیم کو رکھ کر لپیٹ دیا جاتا ہے۔

اور صاحب ہدایہ کے اس قول کے بخلاف کتب الشریعہ کے تحت صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

یعنی کتب الحدیث والفقه حیث یرخص لاهلها فی مسها بالکم لأن فیه ضرورة وفیه اشارة إلی أن مسها بلا طهارة مکروه ۔[2]

یعنی کتب شریعت سے مراد کتب احادیث اور فقہ ہیں ۔ یہاں تک کہ کتب شریعت کے مالک کو ضرورت کے تحت آستین کے ساتھ چھونے کی رخصت دی گئی ہے ۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کتب شریعت کو بلا طہارت چھونا مکروہ ہے۔

صاحب فتح القدیر ہدایہ کے اس قول کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

قوله یقتضی انه یرخص بالکم قالوا یکره مس کتب التفسیر والفقه والسنن

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد اول ص 149 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] ۔ عنایہ علی حاشیہ فتح القدیر جلد اول ص 150

لانها لاتخلو عن آیات القرآن وهذا التحلیل یمنع مس شروح النحوایضاً۔[1]

یعنی صاحب ہدایہ کا یہ قول "حیث یرخص لاهلها فی مسها بالکم" تقاضا کرتا ہے کہ بغیر آستین کے کتب شریعت کو چھونے میں رخصت دی گئی ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: کتب تفسیر، فقہ اور سنن (احادیث) کو آستین کے ساتھ چھونا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ کتب شریعہ آیات قرآنیہ سے خالی نہیں اور یہ تعلیل (یعنی کتب شریعہ کا قرآنی آیات سے خالی نہ ہونا) کتب نحو وغیرہ کی شروح کو بھی چھونے سے منع کرتی ہے۔

چنانچہ مدارس البنات کے مہتمم حضرات گرامی قدر کو شریعت مطہرہ کے اس حکم کو ملحوظ نظر رکھنا ہوگا ورنہ کہیں یہ نہ ہو کہ اس ثواب کے ضمن میں شریعت مطہرہ کے حکم کو بالائے طاق رکھ کر گناہ کے مرتکب نہ بن جائیں اور ہماری گردن میں یہ طوقِ گناہ قیامت کے دن باعث ندامت و شرمندگی نہ بن جائے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

"ویمنع دخول مسجد" اور اس قول کے تحت صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قوله :دخول مسجد أي ولو مسجد مدرسة أو دارٍ لایمنع أهلها الناس من الصلوة فیه وکانا لوا أغلقا یکون له جماعة منهم وإلا لاتثبت له أحکام المسجد۔[2]

"صاحب درمختار کا یہ قول کہ حیض دخول مسجد سے بھی منع کرتا ہے، صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: اگرچہ مدرسہ یا گھر کی مسجد ہو اور ان دونوں (یعنی مسجد مدرسہ اور مسجد دار) کے رہنے والے اس مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع نہ کرتے ہوں اور وہ دونوں (مسجد مدرسہ و دار) ایسے ہوں کہ اگر ان دونوں کو مقفل کر دیا جائے تو اس مسجد کیلئے لوگوں کی ایک جماعت ہو ورنہ اس کے لیے مسجد کے احکام ثابت نہیں ہونگے"۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں: لکن فی وقف القنیة المدرسة إذا لم یمنع أهلها

---

[1]۔ فتح القدیر جلد اول ص 150 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2]۔ ردالمحتار جلد اول ص 213 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

الناس من الصلوۃ فیہا فہی مسجد

''لیکن قنیہ کی کتاب الوقف میں ہے، جب مدرسہ کے مہتمم حضرات مدرسہ میں لوگوں کو نماز سے منع نہ کریں تو یہ مسجد ہی ہے''۔

اس کے تحت صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قولہ لکن الخ فی ہذا الاستدراک نظر لأن کلام القنیۃ فی مسجد المدرسۃ لا فی المدرسۃ نفسہا لأنہ قال المساجد التی فی المدارس مساجد لأنہم لا یمنعون الناس من الصلوۃ فیہا وإذا غلقت یکون فیہا جماعۃ من أہلہا وفی الخانیۃ دار فیہا مسجد لا یمنعون الناس من الصلوۃ فیہا إن کانت الدار لو أغلقت کان لہ جماعۃ ممن فیہا فہو مسجد جماعۃ تثبت لہ أحکام المسجد.[1]

''صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ صاحب درمختار کا یہ قول ''لکن الخ'' اس استدراک میں نظر ہے۔ اس لئے کہ قنیہ کا کلام مدرسہ کی مسجد کے متعلق ہے نہ کہ بذات خود مدرسہ کے متعلق۔ اس لئے کہ صاحب قنیہ نے کہا جو مساجد مدرسہ میں ہیں، حقیقت میں وہی مساجد ہیں اس لئے کہ مدرسہ کے مہتمم حضرات اس مسجد میں نماز پڑھنے سے لوگوں کو نہیں روکتے اور جب اس مدرسہ کو مقفل کر دیا جائے تو مدرسہ کے رہنے والوں کی اس مسجد میں جماعت ہوتی ہے۔ اور فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ ایک گھر جس میں مسجد ہے، وہ اس گھر میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتے اگر گھر ایسا ہو کہ اگر بند کر دیا جائے تو اس گھر میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی اس مسجد میں جماعت ہو تو وہ مسجد، مسجد جماعت ہے اور اس مسجد کیلئے مسجد کے احکام ثابت ہوں گے''۔

صاحب (ردالمحتار کی عبارت جو قنیہ اور خانیہ میں) إذا أغلقت اور ولو أغلقت قابل غور ہے۔ مدارس البنات کے مہتمم حضرات گرامی کیلئے ان عبارات میں غور وخوض کی ضرورت ہے۔ کیونکہ صاحب ردالمحتار کا یہی قول جو ابحاث غسل میں ہے وہ قول باب الحیض میں حائضہ عورت کیلئے بھی ہے۔ یہ عاجز فتویٰ تو نہیں دے سکتا لیکن صاحب ضم حضرات سے اس کی تشریح توضیح کرانا ضروری ہے۔ کہیں یہ نہ ہو بچیوں کو (جو کہ آپ کی بھی بیٹیاں ہیں اور میری بھی بیٹیاں ہیں)

---

[1] ۔ ردالمحتار جلد اول مطلب فی ابحاث الغسل ص 126 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

علم دین کی تعلیم دینے کی حرص ومحبت میں ہم اپنے اعمال کو پراگندہ نہ کرلیں اور بجائے ثواب حاصل کرنے کے ہمارے نامہ اعمال میں گناہ نہ لکھا جائے۔ واللہ و رسولہ اعلم بالحال فی الدنیا والمآل

صاحب درمختار فرماتے ہیں: وقرأة قران بقصده، ومسه، ولو مکتوبا بالفارسیة فی الأصح الابغلافه المنفصل

"حیض قرأت قرآن سے بھی منع کرتا ہے اگر اسے بالقصد پڑھا جائے اور قرآن پاک کو حائضہ عورت کا چھونا بھی ممنوع ہے اگرچہ وہ قرآن مقدس بزبان فارسی لکھا گیا ہو۔ یہ قول اصح ہے۔ ہاں اس غلاف (تھیلا) کے ساتھ چھونا جو جلد قرآن سے جدا ہو، جائز ہے"۔

اس کے تحت صاحب ردالمحتار ارقام فرماتے ہیں:

قوله وقرأة القرآن أی ولو دون آیة من المرکبات لا المفردات لأنه جوز للحائض المعلمة تعلمه کلمة کلمة کما قدمنا وکالقرآن والتوراة والإنجیل والزبور وقوله بقصده فلو قرأت الفاتحة علی وجه الدعا أوشیأمن الآیات التی فیها معنی الدعاء۔۔۔۔۔الخ

"صاحب ردالمحتار کا قول "وقراءة القرآن" اگرچہ ایک آیت مبارکہ سے کم ہو اور وہ جو ایک آیت مبارکہ سے کم ہے، مرکبات سے ہو جیسے "الحمد للہ" مفردات سے نہ ہو یعنی الف۔ لام۔ حا۔ میم۔ دال، اسلئے کہ وہ حائضہ عورت جو معلمہ ہے وہ الحمد۔ للہ۔ رب۔ العالمین، یعنی ہر کلمہ میں توقف کرے پھر دوسرا کلمہ پڑھائے اور تورات اور انجیل اور زبور بھی مثل قرآن ہیں۔ (کیونکہ یہ بھی اللہ کا کلام ہے) اور صاحب درمختار کا یہ قول "بقصدہ" اگر کوئی حائضہ عورت بطور دعا سورۂ فاتحہ پڑھے یا آیات قرآنیہ میں سے کوئی آیت مبارکہ پڑھے جس میں دعا کا معنی پایا جاتا ہو تو اس آیت مبارکہ کا بطور دعا پڑھنا جائز ہے نہ کہ بہ نیت تلاوت قرآن مقدس"۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

قوله و دخول المسجد ای یمنع الحیض دخول المسجد وکذ الجنابة و خرج بالمسجد غیرہ کمصلی العید والجنائز۔ والمدرسة والرباط فلایمنعان من دخولها ولذا

قال فی الخلاصة المتخذ لصلوۃ الجنازۃ والعید إلا أنہ لیس لہ حکم المسجد ۔[1]

''صاحب البحر الرائق کا یہ قول'' و دخول المسجد ''یعنی دخول مسجد سے مانع ہے اور اس طرح جنابت بھی مسجد میں داخل ہونے سے منع کرتی ہے اور مسجد کی قید سے غیر مسجد خارج ہوگئی جیسے عیدگاہ، جنازہ گاہ، مدرسہ اور وہ جگہ جہاں لشکر اسلام حفاظت سرحد کیلئے قیام کرے یعنی (لشکر گاہ) تو حیض و جنابت ان جگہوں میں داخل ہونے سے مانع نہیں۔ اس لئے صاحب خلاصۃ الفتاوی نے فرمایا وہ جگہ جو جنازہ اور عید کیلئے تیار کی گئی ہے (جنازہ گاہ و عیدگاہ) اصح قول یہی ہے کہ اس جگہ کا حکم مسجد کا حکم نہیں۔

صاحب البحر الرائق نے ردالمحتار کی موہومہ و مبہم عبارت پر جو غبار تھا، اسے صاف کر دیا۔ یعنی مدرسہ فی نفسہا مسجد کے حکم میں نہیں لیکن پھر احتیاط بہتر ہے اور تقوی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مباح سے بھی احتراز کیا جائے۔

اور صاحب البحر الرائق، صاحب کنز الدقائق کے اس قول ''وقراءۃ القرآن'' کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

أی یمنع الحیض قراءۃ القران وکذ الجنابۃ لقولہ علیہ السلام: لا یقرء الحائض ولا الجنب شیأ من القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ ۔[2]

''یعنی حیض قرأت قرآن سے منع کرتا ہے اور اسی طرح جنابت بھی تلاوت قرآن سے منع کرتی ہے بوجہ فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم: حائضہ عورت اور جنبی مرد قرآن پاک میں سے کچھ بھی تلاوت نہ کریں۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے امام منذریؒ نے اس حدیث کو حسن کہا اور امام نوویؒ نے اس حدیث مبارک کو صحیح فرمایا۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر حال میں قرآن مقدس کی تعلیم فرماتے جب تک آپ جنبی نہ ہوتے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ رقم الحدیث 146 اور امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث مبارک کو روایت کیا ہے اور امام

---

[1] ۔ البحر الرائق جز اول باب الحیض ص 195 سعید کمپنی کراچی

[2] ۔ البحر الرائق جز اول باب الحیض ص 199 سعید کمپنی کراچی

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

صاحب البحر الرائق نے فرمایا۔ یہ دونوں احادیث جو صحیح مسلم شریف کی حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اسے خاص کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور صحیح مسلم شریف کی حدیث یہ ہے:

عن عروۃ عن عائشۃ قالت کان النبی ﷺ یذکر اللہ علی کل أحیانہ۔[1]

"یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ تمام اوقات اللہ عزوجل کا ذکر فرماتے"۔

مراد یہ ہے کہ سنن ترمذی اور ابوداؤد کی دونوں احادیث نے تمام اوقات میں بحالت جنابت ذکر خدا عزوجل کرنے یعنی تلاوت قرآن مقدس سے منع فرمادیا۔ اور حدیث ترمذی اور ابوداؤد جو حیض والی عورت اور جنبی مرد کے متعلق ہے ان کا مطلق ہونا یعنی شیئا من القران آیت مبارکہ اور آیت مبارکہ سے کم کو بھی شامل ہے۔ یہ امام کرخی کا قول ہے۔ صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "تجنیس" میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور جامع صغیر کی شرح میں قاضی خان نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور ولواجی نے اپنے فتاوی میں اسے صحیح فرمایا ہے اور "مستصفی" کے مصنف بھی اس طرف گئے ہیں اور صاحب کافی امام حاکم شہید نے اس قول کو قوی قرار دیا ہے (یعنی جملہ معتمد فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت سے کم بھی حیض والی عورت اور جنبی مرد کیلئے تلاوت کرنا جائز نہیں) اور صاحب البحر الرائق نے اس باب میں اکثر مسائل، ہدایہ، فتح القدیر سے نقل کئے ہیں جو اس عاجز نے ہدایہ اور اس کی شروح سے اس سے قبل نقل کردیئے ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تحت فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث أصل فی جواز ذکر اللہ تعالیٰ بالتسبیح والتھلیل والتکبیر والتحمید و شبھھا من الأذکار وھذا جائز باجماع المسلمین وانما اختلف العلماء فی جواز قرأۃ القرآن للجنب والحائض فالجمھور علی تحریم القراءۃ علیھما جمیعا ولا فرق

---

[1] مسلم شریف باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابۃ وغیرہ ص 160 بمعہ نووی

عندنا بین آیة وبعض آیة فان الجمیع یحرم۔[1]

''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث، تسبیح تہلیل، تکبیر، تحمید اوران کے مشابہ دیگر اذکار وغیرہ کے ساتھ اللہ عزوجل کے ذکر کے جواز میں دلیل ہے (یعنی حائضہ عورت اور جنبی مرد یہ اذکار وغیرہ کر سکتے ہیں) اور یہ باجماع المسلمین جائز ہے اور حضرات علمائے کرام کا اختلاف صرف جنبی مرد اور حائضہ عورت کی تلاوت قرآن کے جواز میں ہے اور جمہور اس پر ہیں کہ ان دونوں پر قرآن مقدس کی تلاوت کرنا حرام ہے اور ہمارے نزدیک ایک آیت مبارکہ یا آیت مبارکہ کے بعض میں کوئی فرق نہیں چنانچہ یہ سب حرام ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا شوافع میں وہی مقام ہے جو احناف میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لہٰذا امام نوویؒ کا فتویٰ شوافع کا معتمد فتویٰ شمار کیا جاتا ہے۔ وہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: جنبی مرد اور حائضہ عورت کیلئے قرآن مقدس کی بعض آیت مبارکہ کا تلاوت کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ سب کا سب قرآن ہی ہے۔

صاحب البحر الرائق، صاحب کنز الدقائق کے اس قول ''و مسہ إلا بغلافہ'' کے تحت فرماتے ہیں: حیض والی عورت قرآن کو نہ چھوئے۔ اس کی تحقیق اس سے قبل گزر چکی ہے۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

وفی الخلاصة یکرہ مس کتب الأحادیث والفقه للمحدث عندهما وعند ابی حنیفة الأصح أنه لا یکرہ۔۔۔۔۔۔۔۔وفی السراج الوهاج معزیا إلی الحواشی المستحب أن لا یاخذ کتب الشریعة بالکم أیضاً بل یجدد الوضوء کلما أحدث وهذا أقرب إلی التعظیم۔ الخ۔[2]

''اور خلاصہ میں ہے بے وضو کیلئے صاحبین (حضرت امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ) کے نزدیک کتب احادیث وفقہ کو چھونا مکروہ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اصح یہی ہے کہ کتب شریعہ کو بلا وضو چھونا مکروہ نہیں ہے صاحب السراج الوہاج حواشی کی طرف

---

[1] ۔ نووی مع صحیح مسلم ج اول ص 163 اصح المطابع دہلی

[2] ۔ البحر الرائق ج ا اول ص 202 سعید کمپنی کراچی

منسوب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مستحب یہی ہے کہ کتب شریعہ کو آستین کے ساتھ نہ پکڑے بلکہ جب بھی وہ بے وضو ہو، تازہ وضو کرے اور ایسا کرنا تعظیم کے بہت قریب ہے"۔

اور امام سرخسی رحمہ اللہ، ایک رات آپ کا پیٹ خراب ہو گیا اور آپ اپنی کتاب کے دروس کی تکریر فرما رہے تھے تو آپ نے اس رات سترہ بار وضو فرمایا۔ معلوم ہوا کتب شریعہ کو بلا وضو مت چھوئیں کیونکہ یہ تعظیم کے خلاف ہے۔ چہ جائیکہ حائضہ عورت کتب دینیہ کو پڑھے، یہ تو بالکل شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔

صاحب فتاویٰ سراجیہ فرماتے ہیں:

المعلمة فی حالة الحیض تعلم الصبیان حرفا حرفا لا آیة کاملة و مادون الایة لا باس به عند الشیخ الامام السرخسی رحمه الله وعند الشیخ الامام الاستیجاجی وقال حسام الدین رحمه الله یکره وهکذا ذکر فی التجرید لابی الفضل۔ [1]

یعنی معلمہ حالت حیض میں بچوں کو ایک ایک حرف سکھائے نہ کہ ایک پوری آیت اور ایک آیت مبارکہ سے کم بچوں کو معلمہ کا تعلیم دینا شیخ امام سرخسی اور شیخ امام استیجابی کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام حسام الدین نے فرمایا: مکروہ ہے اور اسی طرح امام ابو الفضل نے اپنی کتاب "تجرید" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یعنی آیت سے کم بھی حائضہ عورت کا بچوں کو تعلیم قرآن دینا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے فرمایا: حائضہ عورت جو کہ معلمہ ہے وہ بچوں کو ایک ایک کلمہ پڑھائے اور دونوں کلمات کے درمیان تقطیع کرے یعنی دونوں کلمات کے درمیان توقف کرے یہی قول اصح اور عند الفقہاء معتمد اور مفتی بہ ہے"۔

علامہ ملا علی قاری مختصر فتاویٰ کی شرح میں فرماتے ہیں:

ولا تقرأ أی الحائض آیة ولا دونها کجنب ونفساء أی کما لا تقرء جنب و نفساء شیئًا منه وهذا اختیار الکرخی و اختیار الطحاوی أنه لا بأس بقراءة مادون الایة ۔۔۔۔۔ الخ. [2]

"یعنی حائضہ عورت قرآن مقدس کی ایک آیت مبارکہ کی اور نہ اس سے کم کی تلاوت

---

[1] ۔فتاویٰ سراجیہ علی قاضیخان۔ جلد اول ص 36۔ حافظ کتب خانہ کوئٹہ

[2] ۔شرح النقایہ جلد اول باب الحیض ص 86 سعید کمپنی کراچی

کرے۔اور یہ امام کرخی رحمہ اللہ کا مختار ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار یہ ہے کہ ایک آیت مبارکہ سے کم پڑھنے میں کوئی حرج نہیں''۔

یہ اختلاف اولاً جو میں نے ہدایہ اور اس کی شروح میں بیان کیا ہے، وہاں دیکھیں۔ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں: ہاں! بے وضو شخص قرآن مقدس کی زبانی تلاوت کر سکتا ہے جیسا کہ سنن اربعہ میں اور امام حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت کے سوا کوئی چیز قرآن مقدس کی تلاوت سے منع نہ کرتی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اور بے وضو کیلئے تلاوت قرآن زبانی ہے اور ان سب کا یعنی حیض ونفاس والی عورت، جنبی مرد اور بے وضو شخص کیلئے قرآن مقدس کو چھونا بھی جائز نہیں مگر ایسے غلاف کے ساتھ جو کہ قرآن پاک سے منفصل ہو۔ اور قرآن مقدس کو ان تمام کیلئے قرآن پاک کو آستین سے بھی چھونا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ آستین ہاتھ کے تابع ہے۔ اور ان سب کیلئے کتب تفاسیر وسنن اور فقہ کو بھی چھونا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ جملہ کتب مع شروح کتب نحو آیات قرانیہ سے خالی نہیں۔ اور بلا اختلاف ان سب کیلئے کتب کو آستین کے ساتھ چھونے میں کوئی حرج نہیں۔

صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں:

ولا تقرء الحائض شيئًا من القرآن عند الكرخي و آية تامة عند الطحاوي الأول هو الصحيح كما في المضمرات، كجنب، فإنه لا يقرء، ومثل نفساء فإنها لا تقرأ والأولى أن يقول ولا تقرء النفساء ولا الجنب إذا لأحكام الثمانية مشتركة بين الحيض والنفاس كما في النهاية۔۔۔۔۔۔۔الخ۔[1]

''اور حائضہ عورت امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن مقدس سے کچھ بھی تلاوت نہ کرے۔ اور امام طحاوی کے نزدیک مکمل ایک آیت مبارکہ کی تلاوت نہ کرے۔ اور پہلا قول (یعنی امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول) صحیح ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے مثل جنبی مرد کے کہ وہ بھی قرآن مقدس کی تلاوت نہ کرے اور مثل نفاس والی عورت کے وہ بھی قرآن مقدس کی تلاوت نہ کرے۔ صاحب الرموز القہستانی فرماتے ہیں: صاحب نقایہ مختصر الوقایہ کیلئے بہتر تھا کہ وہ کہتے

---

[1] ۔ جامع الرموز جلد اول فصل حیض ص 89

ہیں کہ نہ ہی نفاس والی عورت اور نہ ہی جنبی مرد قرآن مقدس کی زبانی تلاوت کرے۔ جبکہ آٹھ احکام (یعنی یہ حرمت صلوۃ، صوم، دخول مسجد، طواف کعبہ، استمتاع ماتحت الازار یعنی تہبند کے نیچے نفع حاصل کرنا، قرأت قرآن، قرآن کو چھونا اور ایسے درہم کو چھونا جس پر قرآن حکیم لکھا ہو) یہ آٹھ احکام حیض ونفاس والی عورت کے درمیان مشترک ہیں جیسا کہ نہایہ میں ہے''۔

صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں: بخلاف بے وضو شخص کے کہ اس کیلئے قرآن پاک کا زبانی تلاوت کرنا جائز ہے اگرچہ مستحب ہے کہ وہ باوضو قرآن مقدس کی زبانی تلاوت کرے اور قرآن مقدس کو نہ ہی حائضہ ونفاس والی عورت اور نہ ہی جنبی مرد اور نہ ہی بے وضو شخص ہاتھ لگا سکتا ہے اور ''جواہر'' میں مذکور ہے: اگر کتب فقہ میں آیات قرانیہ ہوں تو بے وضو آدمی کیلئے ان کو اٹھانا اور پکڑنا جائز نہیں ہے اور آستین کے ساتھ ان سب کو قرآن مقدس کا پکڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر قرآن پاک پر غلاف ہو جو کہ جلد قرآن سے جدا ہو متصل نہ ہو تو ایسی صورت میں ان سب کو قرآن پاک کا چھونا جائز ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے وہ احکام جن میں حیض ونفاس مشترک ہیں، وہ آٹھ ہیں۔

ومنها حرمة قرأة القران لاتقرء الحائض والنفساء والجنب شيئًا من القرآن والآية ومادونها سواء في التحريم على الأصح إلا أن لا يقصد بما دون الآية القراءة مثل أن يقول الحمد لله يريد الشكر أو بسم الله عند الأكل فإنها لا بأس بها كما في الجوهرة النيرة۔۔۔۔۔ الخ۔[1]

''یعنی آٹھ احکام میں سے ایک حکم قرآن مقدس کی تلاوت کرنے کا ہے۔ اور حیض و نفاس والی عورت اور جنبی مرد قرآن حکیم سے کچھ بھی زبانی تلاوت نہ کریں خواہ ایک آیت مبارکہ ہو یا ایک آیت مبارکہ سے کم۔ اصح قول کے مطابق تحریم میں برابر ہیں مگر یہ کہ ایک آیت مبارکہ سے کم آیت مقدسہ کی تلاوت کا ارادہ نہ ہو مثلاً شکر کے طور پر الحمد للہ کہنا، کھانا وغیرہ کھاتے وقت بسم اللہ کہنا، اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔

اور جب معلمہ عورت حائضہ ہو جائے تو وہ بچوں کو ایک دو کلمات کی تعلیم دے اور جنبی مرد اور بے وضو شخص کیلئے قرآن مقدس کا چھونا بھی حرام ہے۔ ہاں! اگر قرآن مقدس پر غلاف چڑھا ہوا ہو جو کہ جلد کے ساتھ متصل نہ ہو بلکہ منفصل اور علیحدہ وجدا ہو (یعنی جلد کیساتھ سلا ہوا نہ

---

[1] فتاوی ہندیہ جلد اول باب الحیض الفصل الرابع ص 14 جوہرہ نیرہ باب الحیض ص 30 مطبع مجتبائی دہلی

ہو) اور اسی طرح ان سب کیلئے بغیر آستین کے کتب تفاسیر وسنن اور فقہ کو چھونا بھی مکروہ ہے۔

قارئین گرامی قدر! اس بندہ ناچیز نے اس مسئلہ کو اتنی وضاحت سے اس لئے بیان کیا ہے کہ ہماری بچیوں کے اکثر مدارس سے ان افعال کا دانستہ یا نادانستہ طور پر کرنا ثابت ہو رہا ہے اور بعض مسالک کی عورتیں علی الاعلان اسے جائز سمجھتی ہیں "والعیاذ باللہ" اس کا ثبوت بھی اس عاجز کے پاس موجود ہے۔ لہٰذا میں نے اس مسئلہ کو معتمد کتب تفاسیر اور کتب احادیث اور حضرات فقہائے کرام کی عمدہ تصریحات ونصوص سے ثابت کیا ہے کہ حیض ونفاس والی عورت اور جنبی مرد کیلئے زبانی تلاوت قرآن مقدس کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر معلمہ حائضہ ہو جائے تو زبانی ایک ایک حرف کر کے بچوں کو تعلیم دے سکتی ہے۔ ایک کامل آیت مبارکہ یا ایک آیت مقدسہ سے کم بھی حائضہ عورت کیلئے بچوں کو تعلیم دینا حرام ہے۔ اس حیض ونفاس والی عورت کیلئے بلا غلاف قرآن مقدس کو چھونا بھی حرام ہے اور اگر ایسی عورت قرآن پاک کو آستین سے پکڑے تب بھی مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح کتب تفاسیر واحادیث وفقہ اور نحو وغیرہ کو بھی حیض ونفاس والی عورت نہیں چھو سکتی۔ ہاں! اگر صرف بے وضو ہو تو آستین کے ساتھ ان کتب کو ہاتھ لگا سکتی ہے۔ تو ان مسائل شرعیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مدارس البنات کے مہتمم حضرات کو ان پر خصوصی توجہ دینا ہوگی تاکہ قرآن مقدس اور کتب دینیہ کی بے حرمتی نہ ہو۔ ورنہ تمام کا تمام گناہ مہتمم حضرات گرامی قدر کے ذمہ ہوگا اور ان کا اس کے متعلق یوم حساب میں مواخذہ ہوگا۔ کہیں یہ نہ ہو کہ عورتوں کو علوم دینیہ کے زیور سے آراستہ کرنے کا ثواب، عتاب الٰہی میں تبدیل ہو جائے۔ بلکہ مہتمم حضرات بچیوں کو تعلیم دینے کیلئے کچھ ایسے اصول وضع فرمائیں جن سے بچیوں کو ان محارم سے محفوظ رکھا جا سکے۔ بصورت دیگر خلاف شریعت ایسی دینی تعلیم دینے کا تمام کا تمام بوجھ حضرات مہتمم گرامی کی گردن پر ہوگا۔[1] واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

تفکروا وتدبروا لان ھذا من مزلۃ الاقدام

محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

---

[1] ۔ علامہ ابراہیم مدظلہ العالی بچیوں کی دینی تعلیم کے مخالف نہیں منتظمین، معلمات اور متعلمات کو یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ حیض ونفاس کی حالت میں درس میں شریک ہو کر صرف سماع کریں، کتب دینیہ کو نہ ہاتھ لگائیں اور نہ پڑھیں۔ (ظفر اقبال کلیار)

کیا عورت کی امامت جائز ہے؟

الجواب الصحیح و بیدہ ازمۃ التحقیق۔

سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی تحریر کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس کا اصل مدعا کیا ہے؟

میرے ایک شاگرد حافظ محمد اقبال صاحب جو مکوال گاؤں تحصیل کھاریاں میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے ایک فتویٰ مجھے دکھایا کہ دیکھیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔ جب میں نے یہ فتویٰ پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم آف سکھر نے تحریر فرمایا ہے اور فتویٰ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ عورت کی امامت جائز ہے اور اس فتویٰ میں چند آثار مبارکہ تھے اور قطع و برید کے ساتھ صاحب فتح القدیر کی عبارت بھی منقول تھی۔ اس فتویٰ میں جناب موصوف نے یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ عورت کی امامت احناف کے نزدیک مکروہ ہے اور اس پر اجماع ہے۔ پھر بھی صاحب فتح القدیر کی ایک موہوم اور مبہم عبارت کو بنیاد بناتے ہوئے عورت کی امامت کے جواز کا فتویٰ صادر فرما دیا۔ یہ ماہ رمضان المقدس کا مہینہ تھا۔ میں نے آپ کا فتویٰ پڑھنے کے بعد آپ سے بذریعہ فون رابطہ کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی دن رات کو تقریباً ایک بجے کے قریب آپ کا فون آ گیا۔ چنانچہ فون پر آپ سے اس فتویٰ کے متعلق گفتگو ہوئی جو تقریباً نصف گھنٹہ تک جاری رہی۔ لیکن موصوف کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ موصوف نے صرف یہی بتایا کہ میں نے لکھا ہے کہ عورت کی عدم امامت پر اجماع ہے لیکن صاحب فتح القدیر نے اسے کو جائز قرار دیا ہے۔ میں نے عرض کیا برائے مہربانی صاحب فتح القدیر کی وہ عبارت جو اس سے تقریباً آٹھ یا دس صفحات آگے تھی وہ بھی ملاحظہ فرمائیں جس عبارت کی ابتدا ''عمم المتاخرون ۔۔۔ الخ'' ہے۔ موصوف نے فرمایا دیکھوں گا۔ میں نے عرض کیا جب آپ اجماع تسلیم کر رہے ہیں تو عورتوں کی امامت کے جواز کا فتویٰ کیوں تحریر فرمایا؟ موصوف نے فرمایا: یہ اجماع حقیقی نہیں۔ میں نے عرض کیا: اجماع حقیقی تو ناممکن ہے۔ حضرات علمائے گرامی فرماتے ہیں: چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر ایک

مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو اجماع پایا گیا۔ اسی طرح جب ایک وقت کے چند علمائے کرام کسی ایک مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو اجماع ثابت ہو جاتا ہے۔ موصوف فرمانے لگے: نہیں جب تک اجماع حقیقی نہ ہو اس وقت تک اسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ میرے خیال میں موصوف نے اجماع حقیقی تو سن لیا ہوگا شاید اجماع حقیقی کی اصلی حقیقت کو نہ پہچانتے ہوں۔ بہر حال اجماع حقیقی میرا موضوع نہیں۔ چنانچہ اس ناچیز نے موصوف کے فتویٰ کا جواب تحریر کیا۔ پھر وہ جواب بطور استفتاء حضرات مفتیان گرامی کی خدمت میں بھیجا گیا۔ بحمدہٖ تعالیٰ تمام مفتیان کرام نے میرے مسئلہ کی توثیق کر دی۔ دریں اثناء میرے پاس ادیب کامل حضرت العلام مولانا ظفر اقبال کلیار دامت فیوہم العالیہ تشریف لائے تو اس مسئلہ پر آپ سے گفتگو ہوئی تو آپ نے فرمایا: یہ موصوف تو محترم المقام حضرت مفتی محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ آف واں بھچراں کے شاگرد ہیں۔ اس وقت آپ حیات تھے۔ تو محترم مولانا ظفر اقبال کلیار نے فون پر آپ سے رابطہ کرایا اور فون پر آپ سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو ہوئی تو آپ نے فرمایا: موصوف میرے شاگرد ضرور ہیں مگر میں اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں کرتا۔ بحمدہٖ تعالیٰ جناب محترم مولانا ظفر اقبال کلیار صاحب اس کے گواہ ہیں۔ پھر ایک کاپی مسئلہ مذکورہ کی حضرت العلام مفتی محمد ابراہیم واں بھچراں رحمۃ اللہ علیہ کو ارسال کر دی اور آپ نے اس تحقیق پر داد و تحسین سے نوازا۔

اللہ عزوجل آپ کی قبر پر کروڑ ہا رحمتوں کا نزول فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔ چنانچہ اس عاجز و حقیر کی اس مسئلہ پر تحقیق کو حضرات مفتیان گرامی نے بنظر تحسین دیکھا اور مجھ جیسے کم علم متعلم کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان میں سے کچھ وصال فرما چکے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی مغفرت و بخشش فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور کچھ بقید حیات موجود ہیں۔ ان میں حضرت مفتی عبد الرزاق صاحب اس وقت خانیوال میں پڑھاتے تھے، ابھی موجود ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی عمر میں برکت فرمائے۔

چنانچہ یہ بندہ ناچیز اس مسئلہ کو کچھ اضافہ کے ساتھ قارئین گرامی کی نذر کر رہا ہے۔ اللہ عزوجل ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔!

سب سے پہلے وہ آثار و احادیث جن سے عورتوں کی امامت کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے:

1 عن أم ورقة بنت نوفل أن النبي ﷺ لما غزا بدراً قالت له یا رسول اللہ

ﷺ أذن لی فی الغزو معك امرض مرضاكم لعل الله أن یرزقنی شهادة ۔ قال قری فی بیتك فان الله عزوجل یرزقك الشهادة ۔ قال فكانت تسمی شهیدة ۔ قال كانت قد قرءت القرآن فاستأذنت النبی ﷺ ان تتخذ فی دارها موذنا فأذن لها قال وكانت دبرت غلاما و جاریة فقاما إلیها باللیل فغمها بقطیفة لها حتی ماتت وذهبا فاصبح عمر رضی الله عنه فقام فی الناس فقال من عنده من هذین من علم أو من رآهما فلیجیی فأمر بهما فصلبا فكانا أول مصلوب فی المدینة:[1]

”ام ورقہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر فرمایا توام ورقہ بنت نوفل نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے اپنے ساتھ غزوہ بدر میں اجازت مرحمت فرمایئے۔ میں آپ کے مریضوں کی تیمارداری کروں گی۔ شاید کہ اللہ عزوجل مجھے شہادت کا شرف عطا فرمائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ہی ٹھہرو۔ اللہ عزوجل تمہیں شہادت کا رتبہ عطا فرمائے گا۔ حدیث کے راوی عبدالرحمن بن خلاد انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ام ورقہ بنت نوفل کا نام شہیدہ رکھ دیا گیا۔ وہ قرآن مقدس کی تلاوت فرماتیں۔ چنانچہ ام ورقہ بنت نوفل نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے گھر میں موذن رکھ لے جوان کیلئے اذان کہے۔ راوی کہتے ہیں ام ورقہ بنت نوفل نے اپنے ایک غلام اور لونڈی کو مدبر فرمادیا تھا وہ دونوں یعنی غلام اور لونڈی رات کے وقت ان کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کی چادر سے ہی ام ورقہ بنت نوفل کا منہ ڈھانپ کر انہیں ہلاک کردیا اور دونوں چلے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صبح ہوئی تو لوگوں میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: کون ہے جس کے پاس ان دونوں کے بارے علم ہو یا وہ شخص جس نے ان دونوں کو دیکھا ہو تو وہ ان دونوں کو لے کر آئے (چنانچہ ان دونوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں لایا گیا) تو آپ نے دونوں کے متعلق حکم ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو سولی پر چڑھادیا جائے۔ چنانچہ ان دونوں کو سولی چڑھادیا گیا اور یہ دونوں مدینہ منورہ میں سب سے پہلے لوگ تھے جنہیں سولی پر چڑھایا گیا“۔

---

[1] ۔ سنن ابوداؤد ص 97 رقم الحدیث 591

اسکے بعد دوسری حدیث میں ہے کہ عبدالرحمن بن خلاد نے کہا کہ رسول کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم ام ورقہ بنت نوفل کے گھر میں ان کی ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے اور آپ نے ان کیلئے ایک موذن مقرر فرمادیا اور حضرت ام ورقہ بنت نوفل کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کے رہنے والوں کی امامت کرائے۔ عبدالرحمن بن خلاد نے کہا میں نے ام ورقہ بنت ورقہ کا موذن دیکھا ہے جو کہ ایک بوڑھا شخص تھا۔

2۔ عن ليلى بنت مالك و عبد الرحمن بن خالد الأنصاری عن أم ورقة الأنصارية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انطلقوا بنا إلى الشهيدة فنزورها و أمر أن يوذن لها و تقام و تؤم أهل دارها فى الفرائض.[1]

"لیلیٰ بنت مالک اور عبدالرحمٰن بن خالد انصاری حضرت ام ورقہ بنت نوفل انصاریہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: میرے ساتھ شہیدہ کے پاس چلو کہ ہم ان سے ملاقات کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ارشاد فرمایا کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا کیلئے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کی فرائض میں امامت فرمائیں۔

3۔ عن ليث عن عطاء عن عائشة أنها كانت تؤذن و تقيم و تؤم النساء و تقوم وسطهن.[2]

"لیث بن سعد، عطا بن یسار سے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین اذان کہتیں اور اقامت کہتیں اور عورتوں کی امامت فرماتیں اور عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتیں"۔

4۔ عن رائطة الحنفية ان عائشة امت نسوة فى المكتوبة فامتهن بينهن[3]

---

[1]۔ المستدرک للحاکم جلد اول ص 425۔ رقم الحدیث 758۔ دار المعرفہ بیروت

[2]۔ مستدرک للحاکم جلد اول ص 453 رقم الحدیث 759

[3]۔ سنن الکبریٰ للبیہقی جلد سوم ص 131 نشر السنۃ بیروت، مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 141۔ رقم الحدیث 5086

''رائطہ حنفیہ سے روایت ہے کہ حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرائض میں عورتوں کی امامت فرماتیں اور عورتوں کے درمیاں کھڑی ہو کر امامت کراتیں''۔

5۔ عن لیث عن عطاء عن عائشة رضی الله عنها کانت تؤذن و تقیم و تؤم النساء و تقوم وسطهن۔[1]

''لیث بن سعد، عطا بن یسار سے وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین اذان کہتیں اور اقامت کہتیں اور عورتوں کی امامت فرماتیں اور عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتیں''۔

6۔ عن عمار الوهنی عن إمرأة من قومه یقال لها حجیرة عن أم سلمة أنها أمتهن فقامت وسطا۔[2]

''عمار وہنی اپنی قوم کی ایک عورت سے جسے حجیرہ کہا جاتا ہے، وہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی امامت فرماتیں اور آپ عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتیں''۔

7۔ عن قتادة عن أم الحسن أنها رأت أم سلمة زوج النبی ﷺ تؤم النساء و تقوم معهن فی صفهن۔[3]

''نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ کو دیکھا ہے کہ وہ عورتوں کی امامت فرماتی تھیں اور ان کی صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں''۔

چنانچہ یہ جملہ احادیث و آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عورتوں کی امامت جائز ہے۔ لیکن معتمدین علماء، فقہاء نے بالتصریح وضاحت فرمائی ہے کہ یہ جملہ آثار وغیرہ منسوخ ہیں۔ عنقریب ان شاء اللہ اس کا بیان آئے گا۔ کیونکہ یہ جملہ آثار منسوخ ہونے پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر یہ آثار منسوخ نہ ہوتے تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ان سے استدلال کرتے ہوئے

---

[1] حوالہ مذکور۔ مستدرک للحاکم جلد اول ص 453 رقم الحدیث 759

[2] حوالہ مذکور

[3] مصنف ابن ابی شیبہ جلد دوم ص 88 ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی

عورتوں کی امامت کے جواز کا فتویٰ ارشاد فرماتے۔ کیونکہ امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نزدیک ضعیف سے ضعیف تر حدیث بھی قابل عمل ہے آپ اس حدیث کو چھوڑ کر قیاس نہیں فرماتے تھے۔ آپ بالاتفاق تابعی ہیں اور احادیث و آثار کی جو معرفت انہیں حاصل تھی ہم ان سے کوسوں دور ہیں اس لئے حضرات علمائے ربانی کا فرمان ہے۔ "الحدیث مضلة إلا للفقها" حدیث سوائے فقہا کے لوگوں کو گمراہ کرتی ہے۔ اسلئے کہ عام لوگ اس کے ناسخ و منسوخ سے واقف نہیں اور نہ ہی اس کے تقدم و تاخر کا انہیں علم ہے۔ تو آثار کی موجودگی میں حضرات فقہائے کرام کا عورت کی امامت کو مکروہ تحریمی کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آثار منسوخ ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقہ بھی حدیث ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ علم حدیث میں حدیث روایت باللفظ ہوتی ہے اور فقہ میں وہی حدیث روایت بالروایت ہوتی ہے۔ لہٰذا عوام الناس کو علماء و فقہاء عظام کے اقوال پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ انہوں نے ان احادیث اور آثار کی جانچ پڑتال کے بعد ہی ہم تک علم شریعت پہنچایا ہے۔ علمائے محدثین کا کام ہے احادیث کو جمع کرنا اور حضرات علماء فقہاء کا کام ہے ان سے احکام دینیہ استنباط کر کے ہم تک پہنچانا۔ لہٰذا یہ گروہ مقدسہ اس میں کامیاب رہا۔ بحمدہ تعالیٰ اب پوری دنیا میں اسی فیصد لوگ فقہ حنفی کے پیروکار ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان کے مطابق "لا تجتمع امتی علی الضلالة"[1]

"یعنی میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہو تو مجھے یہ عطا فرمادیا گیا"۔

تو جب اسی فیصد لوگ فقہ حنفی پر متفق ہیں تو اس میں گمراہی داخل ہو ہی نہیں سکتی تو معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کا قول ہی درست ہے اور یہی قول قابل عمل ہے۔

اب جملہ آثار و احادیث کا منسوخ ہونا حضرات علماء کی تصریحات سے ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ یہدی إلی سبیل الرشاد

دلیل اول: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ویکره النساء وحدهن الجماعة لأنها لا تخلو عن ارتکاب محرم وهو قیام

---

[1] ۔المقاصد الحسنہ للسخاوی ص716 رقم الحدیث 1288

الإمام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ فان فعلن قامت الإمام وسطھن لأن عائشۃ رضی اللہ عنہا فعلت کذلک و حمل فعلہا الجماعۃ علی ابتداء الإسلام ولأن فی التقدم زیادۃ الکشف۔[1]

''اور تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ (تحریمی) ہے۔ اس لئے کہ عورتوں کی امامت ارتکاب محرم سے خالی نہیں۔اور ارتکاب محرم وہ امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ یہ قیام (یعنی امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا) مکروہ تحریمی ہے مثل برہنہ تن لوگوں کی جماعت کے (یعنی اگر سب لوگ برہنہ تن ہوں تو وہ تنہا اپنی اپنی نماز ادا کریں اگر ان میں سے کوئی صف میں کھڑا ہو کر امامت کرائے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا۔ کیونکہ امام کا آگے کھڑا ہونا واجب ہے اور اگر وہ آگے ہو کر امامت کروائے تو اس کی شرمگاہ نظر آئے چنانچہ برہنہ لوگوں کا تنہا تنہا نماز پڑھنا افضل ہے''۔

اگر عورتیں ایسا کریں یعنی باجماعت نماز پڑھیں تو امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو۔ کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح امامت فرمائی ہے جیسا کہ احادیث مذکورہ میں موجود ہے اور عورتوں کا فعل جماعت ابتدائے اسلام پر محمول ہے اور اس کی (یعنی امام کا عورتوں کی صف میں کھڑا ہونا) عقلی دلیل یہ ہے کہ جو عورت امام ہے اس کا آگے کھڑا ہونے میں کشف عورت (شرمگاہ کا کھل جانا) زیادہ ہے۔ لہٰذا جب عورت امامت کرائے تو صف میں عورتوں کے درمیان کھڑی رہے وہ عورتوں کے آگے کھڑی نہ ہو جیسے مرد امام لوگوں کے آگے کھڑا ہوتا ہے۔

کمال الدین بن ہمام صاحب ہدایہ کے اس قول '' و حمل فعلہا علی ابتداء الإسلام'' کے بارے فرماتے ہیں:

و ھکذا فی المبسوط قال السروجی فیہ بعد فانہ ﷺ أقام بمکۃ بعد النبوۃ ثلاث عشر سنۃ کما رواہ البخاری و مسلم ثم تزوج عائشۃ رضی اللہ عنہا و بنی بہا بالمدینۃ وھی بنت تسع سنین و بقیت عندہ تسع سنین و ما توم الا بعد بلوغہا فاین ذلک من ابتداء الإسلام لکن أن یقال إنہ منسوخ فعلتہ حین کانت النساء یحضرن

---

[1] ہدایہ مع فتح القدیر جلد اول ص 301 باب الامامۃ

الجماعة وفی نقل التزوج بها بعض خلل یعنی حمل قوله ابتدأ الإسلام علی أنه منسوخ ۔۔۔۔۔ الخ۔۔ [1]

''اور اسی طرح مبسوط میں ہے۔ امام سروجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں (یعنی اسے ابتدائے اسلام پر محمول کرنا) بعید ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرمایا جیسا کہ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ پھر آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نو سال کی تھیں اور نبی کریم ﷺ کے پاس بحیثیت زوجہ محترمہ نو سال باقی رہیں۔ تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بلوغت کے بعد امامت فرمائی تو کیا یہ فعل ابتدائے اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ ہرگز نہیں ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے منسوخ کیا جب عورتیں جماعت کیلئے آپ کے حضور آئیں''۔

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کو نقل کرنے میں کچھ خلل ہے۔ مراد یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کے اس فعل کو ابتدائے الاسلام پر محمول کرنے میں خلل ہے کہ یہ منسوخ ہے۔ صاحب فتح القدیر اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: لیکن جو مستدرک میں ہے (حدیث نمبر 3 دیکھیں) کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اذان کہتیں، اقامت فرماتیں اور عورتوں کی امامت فرماتیں اور عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتیں اور امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب، کتاب لآثار میں ہے کہ ہمیں حضرت امام ابوحنیفہ نے حماد بن ابی سلیمان سے خبر دی انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے خبر دی کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ماہ رمضان المقدس میں عورتوں کی امامت فرماتیں اور درمیان میں کھڑی ہوتیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز تراویح نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں با جماعت پڑھی گئی جو آج تک پڑھی جارہی ہے اور اس کے بعد صاحب فتح القدیر نے ابوداؤد کی حدیث

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد اول باب الامامۃ ص 307 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(حدیث نمبر 1 دیکھیں) جس میں ام ورقہ بنت نوفل کی امامت کا ذکر ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں یہ جملہ احادیث ثبوت نسخ کی نفی کرتی ہیں پھر خود ہی اس کا جواب باصواب بھی ارشاد فرماتے ہیں: اور تحقیق جواب دیا گیا ہے اس کے جواز کا کہ یہ خبر دینا ہے اس مواظبت کے متعلق جو قبل از نسخ تھی۔ مقصد یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کا یہ قول ''وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الاسلام'' منسوخ ہونے سے پہلے مواظبت کی خبر دیتا ہے کہ یہ فعل (عورتوں کی امامت) منسوخ ہونے سے پہلے جائز تھا اور صاحب مستدرک کا یہ قول کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ماہ رمضان میں امامت فرماتی تھیں یہ نماز تراویح کو مستلزم نہیں کہ اس سے مراد نماز تراویح ہو جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شروع ہوئی بلکہ ماہ رمضان میں نماز فرض مراد ہے اور ابوداؤد کی حدیث کہ حضرت ام ورقہ بنت نوفل کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن مقرر فرمایا اور حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کو امامت کا حکم ارشاد فرمایا: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کی امامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک ہمیشہ رہی ہو۔ اور جس حدیث کو شیخ امام بخاری محدث عبدالرزاق نے ''مصنف'' میں ابراہیم بن محمد سے انہوں نے داؤد بن حصین سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عورت عورتوں کی امامت کرائے اور وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہو، صاحب فتح القدیر جواب میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عورت کی امامت کے جائز ہونے کا علم ہو۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ناسخ مخفی ہو۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد صاحب ہدایہ نے جو دعویٰ نسخ کیا ہے اس پر کلام باقی رہ گیا ہے کہ ان احادیث کا ناسخ کون ہے اور نسخ میں کوئی متحقق نہیں مگر جو بعض حضرات محدثین نے ذکر کیا ہے اور وہ حدیث جسے ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

1 عن عبدالله عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوة المرأة فی بیتها أفضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها أفضل من صلوتها فی بیتها۔ [1]

---

[1] ابوداؤد ص 94۔ رقم الحدیث 570

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت کی اپنے گھر کے اندر نماز گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور عورت کا اپنے گھر کی اندھیری کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس کے گھر کے اندر نماز پڑھنے سے افضل ہے''

۲ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی 311ھ اپنی کتاب ''صحیح بن خزیمہ'' میں روایت کرتے ہیں:

عن أم سلمة رضی الله عنها زوج النبی ﷺ عن النبی ﷺ قال خیر مساجد النساء قعر بیوتهن[1]

''نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ عورتوں کی افضل نماز پڑھنے کی جگہ اس کے گھر کی پستی ہے، یعنی گھر کی اندھیری کوٹھڑی (اور یہ حدیث حسن) ہے''۔

۳ عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال إن المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان وأقرب ماتکون من وجه ربها وهی فی قعر البیت[2]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ عورت سراپا پردہ ہے۔ عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے، نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ اور عورت اپنے رب کے بہت قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ گھر کی اندھیری کوٹھڑی میں ہوتی ہے''۔

۴ عن عبد الله بن مسعود عن النبی ﷺ قال صلوة المرأة فی بیتها أعظم من صلوتها فی حجرتها۔[3]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے

---

[1] ۔ صحیح ابن خزیمہ جزء سوم ص 92 رقم الحدیث 1683 المکتب الاسلامی

[2] ۔ صحیح ابن خزیمہ ص 93 ۔ رقم الحدیث 1685 ۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں

[3] ۔ کتاب مذکور ص 96، رقم الحدیث 1688 ۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں

روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: عورت کی اپنے کمرے کے اندر نماز از روئے ثواب کے اعظم ہے اس کے اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے''۔

۵ عن ابن مسعود قال صلوٰة المرأة فی بیتها أفضل من صلاتها فیما سواها ثم قال إن المرأة إذا خرجت تشرف لها الشیطان.[1]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: عورت کے کسی اور جگہ میں نماز پڑھنے سے اپنے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو شیطان عورت کو اوپر سے جھانکتا ہے''

٦ عن عبد الله بن سوید الأنصاری عن عمته أم حمید إمرءة أبی حمید الأنصاری أنها جاءت النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ﷺ إنی أحب الصلوة معك قال قد علمت أنك تحبین الصلوة معی و صلاتك فی بیتك خیر من صلوتك فی حجرتك و صلوتك فی حجرتك خیر فی دارك و صلوتك فی دارك خیر من صلوتك فی مسجد قومك وصلوتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجدی قال فأمرت فبنی لها فی أقصیٰ شیئی من بیتها و أظلمه و کانت تصلی فیه حتی لقیت الله جلّ وعلا.[2]

''حضرت عبداللہ بن سوید انصاری اپنی پھوپھی ام حمید سے روایت کرتے ہیں اور ام حمید حضرت ابوحمید انصاری کی بیوی ہیں، ام حمید رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تحقیق مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کو محبوب سمجھتی ہو۔ تمہاری نماز اپنے گھر کے اندر افضل ہے تمہارے صحن میں نماز پڑھنے سے اور تمہارا اپنے حجرے میں نماز پڑھنا تمہارا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور تمہارا اپنے گھر میں نماز پڑھنا

---

[1] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 150 ۔رقم الحدیث 5116

[2] ۔صحیح ابن حبان جزء سوم ص 318 رقم الحدیث 2214 مطبوعہ دارالفکر ،صحیح ابن خزیمہ جزء سوم ص 95 رقم الحدیث 1689

تمہارے اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور تمہارا اپنی قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا تمہارا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ عبداللہ بن سوید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام حمید نے حکم دیا (کہ میرے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ بنائی جائے) چنانچہ ام حمید کیلئے ان کے اندر والے گھر کی انتہا اور آخر میں بہت اندھیرے والی کسی جگہ میں مسجد بنائی گئی اور حضرت ام حمید وہاں نماز پڑھتی رہیں یہاں تک کہ آپ نے اللہ جل وعلا سے ملاقات کی'' یعنی اپنے فوت ہونے تک ام حمید اندھیری کوٹھری میں ہی نماز پڑھتی رہیں۔

اس حدیث مبارک کی شیخ علامہ عزالدین ابوالحسن شیبانی المعروف بابن اثیر متوفی 630ھ نے بھی تخریج کی ہے۔[1]

اس حدیث مبارک کی شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی حجر عسقلانی متوفی 852ھ نے بھی تخریج کی ہے۔[2]

اس حدیث مبارک کی علامہ ابن عبدالبر عزی قرطبی متوفی 463ھ نے بھی تخریج کی ہے۔[3]

صاحب فتح القدیر نے صرف دو کتابوں کا حوالہ پیش کیا تھا ایک ابوداؤد اور دوم صحیح بن خزیمہ کا اس فقیر نے تقریباً نو احادیث نقل کی ہیں جن کے متعلق علمائے نقد الرجال نے فرمایا یہ احادیث صحیح ہیں۔ معلوم نہیں حضرت قبلہ مفتی ابراہیم دامت فیوضھم العالیہ نے دو، تین چار آثار منسوخہ نقل فرمائے اور جو عورت کی نماز کے متعلق احادیث صحیح تھیں، انہیں کیوں نظر انداز فرمایا۔

اب دوبارہ صاحب القدیر کی عبارت کی طرف رجوع کرتے ہیں: اس کے بعد صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: معلوم ہے کہ ''مخدع'' کوٹھڑی جماعت کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اس طرح اس کے گھر کی پستی اور سخت ظلمت بھی مانعِ جماعت ہے۔ اور جو ناسخ میں ہے وہ پوشیدہ

---

[1] ۔اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ مجلد 5۔ص 578۔مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ

[2] ۔الاصابہ فی تمیز الصحابہ جز 4 ص 445 ترجمہ نمبر 1237۔داراحیاء التراث العربی۔بیروت۔ لبنان

[3] ۔الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب۔جز 4۔ص 446۔علی حاشیۃ الاصابۃ

نہیں۔ اور بتقدیر تسلیم کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کے فعل جماعت کی ناسخ ہے اور وہ فعل میں کراہت تحریمہ کے ثابت کرنے کو مستلزم نہیں، یعنی اس نسخ سے فعل جماعت مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ آخر میں صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں ہم پر واجب نہیں کہ ہم اس کی طرف جائیں (یعنی مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی) کیونکہ مقصود اتباع حق ہے جہاں بھی ہو چنانچہ موصوف کو صاحب فتح القدیر کے اس قول (اور بتقدیر تسلیم کہ یہ حدیث ابتدائے اسلام میں ام المومنین رضی اللہ عنہا کے فعل جماعت کی ناسخ ہے، چنانچہ یہ صرف سنت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ فعل میں کراہت تحریمہ کے ثابت کرنے کو مستلزم نہیں، یعنی اس نسخ سے فعل جماعت مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے) نے دھوکہ دیا ہے اور مفتی صاحب نے عورتوں کی امامت کو جائز قرار دیا۔ اولاً تو یہ صاحب فتح القدیر کی اپنی رائے ہے انہوں نے اس پر کوئی نص بیان نہیں فرمائی۔ ہاں! اگر مفتی صاحب کے پاس کوئی صریح نص موجود ہو تو اسے کو نقل فرمائیں۔ فقط کسی ایک فقیہ کی رائے پر کسی مسئلہ کی تعمیر جائز نہیں۔ بلکہ صاحب فتح القدیر نے صاحب ہدایہ کے اس قول ''وحمل فعلها على ابتداء الاسلام'' سے قبل صاحب ہدایہ کے اس قول:

إن فعلن قامت الإمام وسطهن لأن ترك التقدم أسهل من زيادة الكشف ولا بد من أحدهما ولو تقدمت صح ومقتضى علم من التقدير أن تأثم به۔[1]

''صاحب ہدایہ کا قول اگر عورتیں با جماعت نماز پڑھیں تو امام عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ ترک تقدم شرمگاہ کے زیادہ کھلنے سے بہت سہل و آسان ہے'' (یعنی کشف عورت زیادہ گناہ ہے) تو ان دونوں میں سے ایک ضروری ہے (یعنی ترک تقدم اور زیادتی کشف عورت) اور اگر عورت آگے کھڑی ہوگئی تو صحیح ہے اور تقریر سے جو معلوم ہوا اس کا تقاضا یہی ہے کہ آگے کھڑے ہونے سے عورت گناہگار ہوگی''۔

تو یہاں صاحب فتح القدیر نے ترک تقدم کو گناہ قرار دیا ہے تو جب عورت ترک تقدم اختیار کرتے ہوئے عورتوں کے وسط میں کھڑی ہوگی تو ترک تقدم ہے اس کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگی اور گناہ ترک اولی سے لازم آتا ہے یا ترک واجب سے۔ معلوم ہوا امام کا آگے کھڑا ہونا

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد اول ص 306 باب الامامۃ

واجب ہے، جب ترک واجب ہوگا تو یہ مکروہ تحریمی ہے جو سراسر گناہ ہے۔

یہی صاحب فتح القدیر جن کی ایک رائے پر مفتی صاحب نے مسجد تعمیر فرمائی ہے، انہی صاحب فتح القدیر کا یہ قول بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں کراہت تحریمہ پر نص ثابت ہے:

لا تخلو صریح فی أن ترک التقدم لإمام الرجال محرم و کذا صرح الشارح و سماہ فی الکافی مکروھا وھوالحق أی کراھة تحریم واستلزم ماذکر أن جماعة النساء تکرہ کراھة تحریم۔۔۔۔۔ الخ [1]

''یعنی ہدایہ کا یہ قول کہ عورتوں کی جماعت ارتکاب محرم سے خالی نہیں اور ارتکاب محرم ہے امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا۔ چنانچہ مکروہ تحریمی ہے''۔

''صاحب فتح القدیر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ قول اس بات میں صریح ہے کہ مردوں کے امام کا آگے کھڑا نہ ہونا حرام ہے اور اسی طرح شارح نے تصریح فرمائی۔صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ ''کافی'' امام حاکم شہید میں امام حاکم نے اس ترک تقدم کو مکروہ کا نام دیا ہے اور یہی حق ہے یعنی ترک تقدم مکروہ تحریمی ہے اور جو ذکر کیا گیا اس سے لازم آتا ہے کہ عورتوں کی جماعت بھی مکروہ تحریمی ہو''۔

میرا خیال ہے جناب قبلہ مفتی صاحب قطع و برید میں نہایت مہارت رکھتے ہیں کیونکہ آپ کو صاحب فتح القدیر کا وہ قول تو نظر آ گیا جو آپ نے احادیث کے ناسخ ہونے کے جواب میں نقل فرمایا یعنی صاحب فتح القدیر نے یہی فرمایا کہ یہ حدیث صرف نسخ سنت کا فائدہ دیتی ہے تو یہاں صاحب فتح القدیر کا موضوع سخن عورتوں کی نماز نہیں بلکہ احادیث ہیں جنہیں کو قبلہ مفتی صاحب سمجھ نہیں سکے ورنہ صاحب فتح القدیر یہ کیوں نقل فرماتے کہ عورتوں کی جماعت بھی مکروہ تحریمی ہے۔

اگر سقم جناب محترم قبلہ مفتی صاحب کی تحقیق میں ہو تو صاحب فتح القدیر کو مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں۔ ان شاء اللہ اس پر آئندہ مفصل بحث آئے گی۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ آثار و احادیث جن سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد اول باب الامامة ص 306

اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کا امامت کرنا ثابت ہے وہ ان احادیث صحیح سے منسوخ ہیں اور حضرت ام ورقہ (شہیدہ) کی امامت تو فقط اپنے اہل خانہ کیلئے تھی جس میں آپ کی لونڈی، غلام اور موذن شامل ہوا کرتے تھے۔ ان کی امامت کو عموم پر محمول کرنا شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان آثار و احادیث جو کہ منسوخ ہیں، بنیاد بناتے ہوئے عورت کی امامت کا بلا کراہت جواز کا فتویٰ دینا سراسر نا انصافی اور خلاف عقل و نقل ہے۔

علامہ بابرتی صاحب عنایہ شارح ہدایہ ارقام فرماتے ہیں:

وحمل فعلها الجماعة على ابتداء الاسلام جواب عما يقال إذ كانت إمامتهن مكروهة فكيف فعلت عائشة رضى الله عنها ووجهه أنها فعلت فى ابتداء الإسلام وكانت جائزة سنة تقف الإمام وسطهن فنسخت سنيتها دون الجواز فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ۔[1]

"یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فعل جماعت ابتدائے اسلام پر محمول ہے۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے کہ کہا جائے جب عورتوں کی امامت مکروہ ہے تو پھر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امامت کیوں فرمائی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس فعل کی وجہ یہ تھی کہ وہ امامت انہوں نے ابتدائے اسلام میں فرمائی تھی اور ابتدائے اسلام میں یہ امامت جائز تھی، سنت تھی کہ امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتیں تو امامت کی سنیت منسوخ ہو گئی اور جواز باقی رہ گیا۔ چنانچہ اگر عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو بالا جماع جائز (لیکن مکروہ) امام آگے کھڑی ہو یا درمیان میں بوجہ شرائط جواز جمع ہونے کے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو۔ اس کے بعد صاحب عنایہ فرماتے ہیں: یہاں چند وجوہ سے بحث ہے، اول یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ تو صاحب ہدایہ کا یہ قول "حمل فعلها الجماعة على ابتدائے الاسلام" کیسے صحیح اور درست ہوگا۔ دوم ہمارے نزدیک مذہب یہ ہے کہ صفت وجود کی نفی کرنا صفت جواز کی نفی کو لازم کرتا ہے جیسا کہ معروف ہے۔ صاحب عنایہ

[1] عنایہ شرح ہدایہ علی حاشیہ فتح القدیر جلد اول باب الامامۃ۔ ص 306

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں: جب سنیت منسوخ ہوگئی تو جواز بھی منسوخ ہو گیا (یعنی جواز امامت) یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔اس کے بعد خود ہی صاحب عنایہ اس کا جواب دیتے ہیں، فرماتے ہیں پہلی وجہ کا جواب یہ ہے کہ جائز ہے مراد ابتدائے اسلام سے نسخ کا ماقبل لیا جائے کیونکہ ابتداء بہ نسبت مابعد کے بھی ہوتی ہے (قلت) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو پہلے دو تین سال ابتدائے اسلام کے زمرہ میں آتے ہوں جن کی طرف علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اشارہ فرمایا ہے:

و من یمنعہ من العلماء یقول کان ھذا و اثنالہ فی ابتداء الاسلام۔[1]

جنگ بدر کے بعد ربیع بنت معوذ کی ایاس بن بکیر سے شادی ہوئی تو صبح زفاف کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کچھ بچیاں جنگ بدر میں جو ربیع کے والد حضرت معوذ اور ان کے چچا معاذ اور عوف شہید ہو چکے تھے، دف پر ان کے محاسن بیان کر رہی تھیں۔تو اس دف بجانے کے متعلق علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں: جو علمائے کرام دف بجانے سے منع کرتے ہیں وہ کہتے یہ دف بجانا اور اس مثل جو کوئی اور دف بجائی گئی تھی یہ ابتدائے اسلام میں تھی۔ جنگ بدر ہجرت کے 16 یا 17 ماہ بعد رمضان مقدس میں ہوئی تو ظاہر ہے حضرت ربیع بنت معوذ کا نکاح جنگ بدر کے بعد ہوا۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہجرت کے بعد دو یا تین سال تک کے عرصہ پر ابتدائے اسلام کا اطلاق ہوتا ہے۔تو اس اعتبار سے علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ صاحب عنایہ کا یہ قول کہ ابتدائے اسلام سے مراد نسخ کا ماقبل ہے کیونکہ ابتدا بہ نسبت مابعد کے ہوتی ہے بالکل درست ہے۔

لہٰذا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت ہے تو صاحب عنایہ کا یہ کہنا جب امامت کی سنت (یعنی نماز با جماعت پڑھنا) منسوخ ہوگئی اور جواز باقی رہ گیا چنانچہ اگر عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں تو بالاجماع جائز ہے۔

علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح ہے لیکن صرف سمجھنے کی ضرورت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "صلوا خلف کل فاسق وفاجر" یعنی ہر فاسق اور فاجر کے پیچھے نماز

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔جلد 17۔ص 109 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

پڑھو۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

وفی المنتقیٰ سئل ابوحنیفة رضی الله عنه عن مذهب أهل السنة والجماعة فقال أن تفضل الشیخین وتحب الختنین۔ تری المسح علی الخفین۔ وتصلی خلف کل برو فاجر۔ وتعظیم القبلتین۔ والصلوٰة علی الجنازتین۔ وصلوٰة العیدین۔ وترک الخروج علی الأمامین۔ والإمساك علی الشهادتین۔ والرضا بالتقدیرین۔ قال رضی الله عنه سمعت استاذی رحمه الله۔ [1]

"اور منتقی (للحاکم شہید ابوالفضل محمد بن محمد بن احمد متوفی 334ھ) میں ہے: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مذہب اہل سنت و جماعت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو فضیلت اور دونوں داماد (حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا۔ موزوں پر مسح کرنا۔ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا۔ دونوں قبلوں کی تعظیم کرنا اور نیک اور بد دونوں کا جنازہ پڑھنا اور عیدین کی نماز ادا کرنا۔ امام وقت نیک ہو یا بد، اس پر خروج نہ کرنا اور شہادتیں کو مضبوطی سے پکڑنا اور اچھی و بری دونوں تقدیروں پر راضی رہنا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ میں نے اپنے استاذ گرامی سے سنا ہے"۔

تو معلوم ہوا کہ ہر فاسق و نیک کے پیچھے نماز پڑھنا مذہب اہلسنت ہے کیونکہ جماعت سنت ہے۔ جب آدمی کسی فاجر کے پیچھے نماز پڑھے گا تو جائز ہے کیونکہ جماعت سنت ہے۔ سنت پوری ہو جائیگی اور نماز واجب الاعادہ ہے، یعنی اس کو لوٹائے۔

چنانچہ علامہ برباتی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عورتوں کی جماعت بالاجماع جائز ہے، یعنی سنت پوری ہو جائیگی اور نماز واجب الاعادہ ہوگی اور علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ عنایہ شرح ہدایہ میں دوسری وجہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو جواز باقی ہے وہ کراہت کے ضمن میں باقی ہے (یعنی عورتوں کی امامت مطلق جائز نہیں بالکراہت جائز ہے) اور وہ جواز جو سنیت کے ضمن میں تھا، وہ سنیت کے ساتھ منسوخ ہو چکا ہے۔ معنی یہ ہوا کہ جماعت سنت ہے جب سنت منسوخ ہوگئی تو اس کے ساتھ ہی اس کا جواز سنت بھی منسوخ ہو گیا۔

---

[1] خلاصۃ الفتاویٰ جلد دوم۔ کتاب الفاظ الکفر۔ ص 542۔ حمیدیہ سلیم پریس لاہور

لہذا عورتوں کی امامت کا جو جواز ہے وہ کراہت تحریمہ کو متضمن ہے لہذا عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل دوم: عن یحییٰ بن سعید عن عمرة عن عائشة رضی اللہ عنھا قالت لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل - قلت لعمرة أو منعن قالت نعم۔[1]

"یحییٰ بن سعید عمرہ (بنت عبدالرحمٰن) سے روایت کرتے ہیں (اور یہ دونوں صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں) اور عمرہ بنت عبدالرحمن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ پالیتے جو عورتوں نے نیا کام شروع کیا تو ضرور نبی کریم ﷺ انہیں کو مساجد میں جانے سے منع فرماتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے کہا: کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا گیا؟ تو عمرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ہاں انہیں مساجد سے روک دیا گیا تھا۔

2 عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ أيما إمرأة أصابت بخوراً فلا تشهد معنا العشاء الآخرة۔[2]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو بھی عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نماز عشا میں حاضر نہ ہو"۔

اب شارحین حدیث سے ان احادیث کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

قولها لو أن رسول الله ﷺ رأى ما أحدث النساء لمنعهن المسجد يعني

---

[1] ۔فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد دوم ص349 ۔رقم الحدیث 869 ۔صحیح مسلم شریف مع نووی جلد اول ص183 ۔اصح المطابع دہلی ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 149 ۔5113 ۔عون المعبود شرح ابوداؤد جزء دوم ۔رقم الحدیث 194، 565 ۔نیل الاوطار جزء سوم ۔ص 149 ۔مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] ۔صحیح مسلم شریف مع نووی جلد اول ۔ص 183

من الزینة والطیب وحسن الثیاب ونحوها۔[1]

''امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے جو عورتوں نے نیا کام شروع کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع فرماتے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو عورتوں نے احداث کیا، اس سے مراد زینت، خوشبو کا استعمال، اچھے کپڑے زیب تن کرنا یا اس کی مثل اور کوئی زیب وزینت کرنا''۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم فرمایا ''باب خروج النساء الی المساجد'' اس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

''لاتمنعوا أماء الله مساجد الله'' یعنی اللہ کی بندیوں کو مساجد سے منع نہ کرو'' اس کے تحت امام نووی شافعی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں: هذا وشبيه من احاديث الباب ظاهر أنها لاتمنع المسجد لكن بشروط ذكرها العلماء ماخوذة من الأحاديث وهو أن لاتكون متطيبة ولا مزينة ولا ذات خلاخل يسمع صوتها ولاثياب فاخرة۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ۔[2]

''امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اور احادیث باب میں اس کی مشابہ دیگر احادیث اس بات میں ظاہر ہیں کہ عورت کو مسجد سے نہ روکا جائے۔ لیکن اس کی چند شروط ہیں جنہیں حضرات علمائے ربانی نے ذکر کیا اور یہ شروط بھی وہی ہیں جو احادیث مبارکہ سے اخذ کی گئی ہیں اور وہ شروط یہ ہیں کہ عورت نے خوشبو نہ لگائی ہو، زیب وزینت نہ کی ہو اور پازیب والی نہ ہو کہ جس کی آواز سنی جاتی ہو اور نہ ہی فاخرہ کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہو اور نہ ہی ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط ہو اور نہ ہی عورت نوجوان ہو جس سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو اور نہ ہی راستہ میں کوئی چیز ہو جو فتنہ وفساد برپا کرنے والی ہو اور یہ کہ ان کیلئے مسجد کی طرف نکلنے کی ممانعت مکروہ تنزیہی ہے۔ جبکہ عورت شوہر والی ہو اور لونڈی جس کا مالک ہو اور مذکورہ شروط پائی جاتی ہوں۔ اگر عورت کا شوہر نہ ہو اور لونڈی کا مالک نہ ہو تو موجودہ شرائط پائی جائیں تو انہیں مسجد کی طرف

---

[1] ۔نووی صحیح شرح مسلم جلد اول۔ ص 183

[2] ۔نووی مع صحیح مسلم جلد اول ص 183

جانے سے منع نہ کرنا حرام ہے"۔

جب مذکورہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو عورت کا مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے تو انہیں شرائط کی عدم موجودگی میں ماہ رمضان المقدس میں نماز تسبیح کیلئے نکلنا کیسے جائز ہوگا؟ اولاً ایسی عورت کا گھر سے نکلنا ہی ناجائز ہے اور پھر باجماعت نماز تسبیح پڑھنا بھی مکروہ تحریمی۔ تو بھلا اس سے بہتر نہیں کہ عورت اپنے گھر میں ظلمت والے کمرے میں تنہا نماز ادا کرے۔ ورنہ ایسی عورت کیلئے دوگنا، گناہ ہے ایک گھر سے باہر نکلنے کا اور دوسرا باجماعت نماز پڑھنے کا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تحت ارقام فرمایا:

إلا أن الفقهاء خصوه بشروط منها أن لا تتطيب وهو في بعض الروايات "وليخرجن تفلات" وهو عند ابي داؤد ابن خزيمة من حديث ابي هريرة ـ ـ ـ قال ويلحق بالطيب ما في معناه۔[1]

"مگر حضرات فقہا کرام نے عورت کا مسجد میں جانا اسے چند شروط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عورت خوشبو نہ لگائے اور یہ شرط بعض روایات میں ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں خوشبو کے ساتھ وہ چیز بھی لاحق ہے جو خوشبو کے معنی میں ہو اور وہ ہے اچھے کپڑے پہننا، زیور وزینت فاخرہ کا اظہار کرنا اور اسی طرح مردوں کے ساتھ اختلاط۔ کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو داعیہ شہوت کو متحرک کرنے والی ہیں اس لئے ان سے منع کیا گیا ہے"۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو حافظ عبدالرزاق نے موقوفاً بھی تخریج کی ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت كان نساء بني إسرائيل يتخذن أرجلاً من خشب يتشرفن للرجال في المساجد فحرم الله عليهن المساجد و سلطت عليهن الحيضة۔[2]

---

[1] ۔ فتح الباری جلد دوم ص 350-349، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

[2] ۔ مصنف عبدالرزاق جلد دوم ص 149 ۔ رقم الحدیث 5114

''ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا بنی اسرائیل کی عورتوں نے لکڑی کے پاؤں بنائے ہوئے تھے۔ وہ مساجد میں مردوں کو جھانکتی تھیں تو اللہ عزوجل نے ان پر مساجد کو حرام فرمادیا اوران پر حیض مسلط کر دیا گیا''۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ شاید اسی لئے حافظ عسقلانیؒ نے تحریر فرمایا کہ بعض علماء نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے قول کے ساتھ استدلال کیا ہے کہ عورتوں کو مطلق مسجد میں نہیں جانا چاہیے حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں، اس میں نظر ہے۔

محمد شمس الحق عظیم آبادی عون المعبود شرح ابوداؤد میں حدیث ام ورقہؓ بنت نوفل کے تحت لکھتے ہیں۔

قلت ۔ وظهرمن هذه الأحاديث أن المراة إذا توءم النساء تقوم و سطهن معهن ولا تقدمهن قال فى السبل والحديث دليل على صحة إمامة المرأة أهل دارها وان كان فيهم الرجل فإنه كان لها مؤذناً وكان شيخا كبيرا كما فى الرواية والظاهر أنها كانت تومه وغلامها وجاريتها و ذهب إلى صحة ذلك ابوثور والمزنى والطبرى وخالف ذلك الجماهير۔[1]

''میں کہتا ہوں ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عورت جب عورتوں کی امامت کرائے تو امام عورتوں کے ساتھ ان کے درمیان کھڑی ہو اوران کے آگے کھڑی نہ ہو۔ صاحب سبل نے کہا یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ عورت کے لیے اپنے اہل خانہ کی امامت کرنا صحیح ہے اگرچہ اس میں مرد ہوں کیونکہ ام ورقہ بنت نوفل کا جو موذن تھا وہ نہایت بوڑھا تھا جیسا کہ رادیت سے ظاہر ہے اور ظاہر ہے کہ ام ورقہ رضی اللہ عنہا اپنے موذن، اپنے غلام اور لونڈی کی امامت کراتی تھیں اس کی صحت کی طرف ابوثور، مزنی اور طبری گئے ہیں یعنی عورت کا مردوں کی امامت کرنا جائز ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہیں''۔ لہٰذا ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا کے فعل کو عورت کی امامت پر بطور حجت و دلیل پیش کرنا لاعلمی اور نقل کے خلاف ہے''۔

محمد بن علی بن محمد شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔

---

[1] ۔ عون المعبود جلد دوم ۔ ص 212 ۔ دار الکتب العلمیہ

وقد حصل من الأحادیث المذکورۃ فی ھذا الباب أن الإذن للنساء من الرجال إلی المساجد إذا لم یکن فی خروجھن ما یدعو إلی الفتنۃ من طیب أو حلی أو أی زینۃ واجب علی الرجال وانہ لایجب مع ما یدعو إلی ذلك ولا یجوز ویحرم علیھن الخروج۔ لقولہ فلا تشھدن وصلوتھن علی کل حال فی بیتھن أفضل من صلوتھن فی المساجد۔[1]

''اس باب میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں (یعنی عورت خوشبو وغیرہ لگا کر مسجد میں نہ جائے) ان سے یہ حاصل ہوا کہ مردوں کی طرف سے عورتوں کیلئے مساجد کی طرف اجازت جبکہ ان کے مسجد کی طرف نکلنے میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو فتنہ کی طرف دعوت دیتی ہو، خوشبو، زیور یا کسی بھی قسم کی زینت تو مردوں پر اجازت دینا واجب ہے۔ اور اگر وہ چیزیں فتنہ کی طرف دعوت دیتی ہوں تو اجازت نہ ہی واجب ہے اور نہ ہی جائز اور عورتوں کا مسجد کی طرف نکلنا حرام ہے بوجہ فرمان نبی اکرم ﷺ کہ جو عورتیں خوشبو لگا کر آئیں وہ ہمارے ساتھ نماز عشا میں حاضر نہ ہوں۔ اور ہر حال پر عورتوں کی نماز اپنے گھروں میں افضل ہے ان کے مساجد میں نماز پڑھنے سے''۔

علامہ بدر الدین عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس ترجمۃ الباب، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس کے تحت نقل فرمایا:

وللعلماء فیہ أقوال و تفاصیل قال صاحب الھدایۃ ویکرہ لھن حضور الجماعات قالت الشراح و یعنی الشوائب منھن و قولہ الجماعات یتناول الجمع والأعیاد والکسوف والاستسقاء وقال الشافعی یباح لھن الخروج قال أصحابنا لأن فی خروجھن خوف الفتنۃ وھو سبب إلی الحرام فھو حرام فعلی ھذا قولھم یکرہ مرادھم یحرم لا یسانی ھن الزمان لشیوع الفساد فی أھلہ۔[2]

''حضرات علمائے کرام کے اس حدیث کے متعلق کچھ اقوال اور تفاصیل ہیں۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا: عورتوں کیلئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ شارحین نے فرمایا: ان عورتوں میں سے نوجوان عورتیں ہیں اور صاحب ہدایہ کا یہ قول ''الجماعات'' یہ نماز جمعہ، عیدین،

---

[1] ۔ نیل الاوطار جزء سوم ۔ ص 150 ۔ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] ۔ عمدۃ القاری جلد 6 ۔ ص 156 ۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ

کسوف واستسقاء سب کو شامل ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ ان کیلئے ان تمام نمازوں کیلئے نکلنا مباح ہے ہمارے اصحاب (احناف) نے کہا کیونکہ عورتوں کے نمازوں کیلئے نکلنے میں فتنہ کا خوف ہے اور یہ حرام کا سبب ہے اور جو چیز حرام کی طرف پہنچانے والی ہو وہ بھی حرام ہے۔ تو اس بنا پر احناف کا قول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔ بالخصوص اس زمانہ میں کہ جس زمانہ میں فساد عام ہے''۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا بوڑھی عورتوں کیلئے نماز فجر، مغرب اور عشا میں نکلنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ ان اوقات میں امن حاصل ہوتا ہے اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں نکلیں کیونکہ بوجہ قلت رغبت اس میں فتنہ نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا مکمل بیان حضرات علماء وفقہائے کرام کی نصوص صریحہ کے حوالہ سے آئندہ ہوگا۔

شارحین احادیث نے عورت کیلئے مسجد میں جانے کی جو شرائط بیان فرمائیں، دور حاضر میں ان میں سے کوئی شرط بھی نہیں پائی جاتی بالخصوص دور حاضر میں جب رمضان المبارک میں خواتین نماز تسبیح کیلئے کسی مخصوص گھر وغیرہ میں جاتی ہیں تو وہ جس طرح کا لباس زیب تن کرتی ہیں اور خوشبو کا بے تحاشا استعمال ہوتا ہے اور چہرہ بالکل صاف نظر آتا ہے، پردہ کیلئے چادر برقعہ وغیرہ کا استعمال نہیں ہوتا صرف ایک دوپٹہ وہ بھی ایسا کہ جس میں سر کے بال بھی نظر آتے ہیں، ہماری خواتین ایسے سر پر سجاتی ہیں تو ان حالات میں جب مسجد میں جانا حرام ہے تو صرف نماز کی ادائیگی کیلئے کسی اور جگہ جانا کب جائز ہوگا۔

لہٰذا ثابت ہوا اولاً تو عورت کا نماز پڑھنے کیلئے گھر سے نکلنا ہی حرام ہے۔ تو پہلے حرمت کا ارتکاب، پھر نماز باجماعت جو فی نفسہا مکروہ تحریمی ہے اس کا ارتکاب تو ایسی صورت میں خواتین کا گھر سے نکلنا کب جائز ہوگا۔ چنانچہ حضرات شارحین حدیث کی شرح کی روشنی میں عورت کا امامت کے جواز کا فتویٰ غیر شرعی ہے۔ کیونکہ دور حاضر فتنہ وفساد کا زمانہ ہے جو موجب حرام ہے۔ اس لئے عورت کا باجماعت نماز پڑھنے سے اجتناب کرنا ہی شریعت مطہرہ کی عزت و تکریم کا موجب ہے۔ اللہ عزوجل اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تیسری دلیل: حضرات فقہائے کرام عورت کی امامت کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ویکرہ للنساء وحدھن الجماعة لانها لاتخلوعن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ۔[1]

''اور تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے اسلئے کہ عورتوں کی جماعت کا ارتکاب محرم سے خالی نہیں اور ارتکاب محرم امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا ہے تو یہ قیام مکروہ تحریمی ہوگا''۔

کمال الدین بن ہمام شارح ہدایہ فرماتے ہیں:

قوله لانها لا تخلو صریح فی ان ترک التقدم لامام الرجال محرم و کذا صرح الشارح وسماہ فی الکافی مکروھا وھوالحق أی کراھة تحریم لأن مقتضی المواظبة علی التقدم منه ﷺ بلا ترک الوجوب فلعدمه کراھة التحریم فاسم محرم مجاز واستلزم ماذکر أن جماعة النساء تکرہ کراھة تحریم۔[2]

''ابن ہمام فرماتے ہیں: صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ عورتوں کی جماعت ارتکاب محرم سے خالی نہیں، یہ اس بات میں صریح ہے کہ مردوں کے امام کا آگے کھڑا نہ ہونا حرام قرار دیا گیا ہے اور شارح نے اسی طرح تصریح کی ہے۔ اور صاحب کافی امام حاکم شہید متوفی سن 334ھ نے اس ترک تقدم کا نام مکروہ رکھا ہے اور یہی قول حق ہے، یعنی مکروہ تحریمی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے بلا ترک تقدم پر مواظبت کرنا وجوب کا متقاضی ہے اور عدم وجوب کا نام مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ محرم کا نام بطور مجاز ہے اور جو امام حاکم شہید سے ذکر کیا گیا اس سے لازم آتا ہے کہ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہو''۔

چنانچہ جناب قبلہ مفتی صاحب دامت فیوضہم العالیہ نے ایک حدیث کے جواب میں جو لکھا تھا، اس حدیث کے مطابق جماعت کی سنیت منسوخ ہوئی اور عورت کی جماعت مکروہ تنزیہی ہے۔ صاحب فتح القدیر نے وہاں صرف حدیث پر بحث فرمائی نہ کہ فی نفسہا عورت کی

---

[1] ۔ ہدایہ مع الفتح القدیر جلد اول باب الامامت ص 305

[2] ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ جلد اول باب الامامت ص 306 ۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

امامت پر جس پر قبلہ موصوف نے امامت کے جواز کا فتوی صادر فرمادیا۔ اب بحمدہ تعالیٰ وہی ابن ہمام صاحب کافی کی نص کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کی امامت کو مکروہ تحریمی فرمارہے ہیں۔ ابن ہمام کے جس قول سے قبلہ موصوف نے جواز امامت لیا ہے، وہ فقط ابن ہمام کی اپنی رائے تھی فتویٰ نہیں تھا اور نہ ہی مکروہ تنزیہی پر کوئی نص نقل فرمائی اور اس مقام پر ابن ہمام اپنی رائے بیان نہیں فرمارہے بلکہ ایک نص نقل کی ہے کہ عورت کی جماعت مکروہ تحریمی ہے چنانچہ فتویٰ نص پر ہوگا نہ کہ ابن ہمام کے اپنے ذاتی قول اور رائے پر۔

اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

ویکرہ للنساء ان یصلین جماعۃ لأنھن فی ذلک لا یخلون عن ارتکاب محرم أی مکروہ لأن إمامتھن أن تتقدم علی القوم أو تقف وسطھن وفی الأول زیادۃ الکشف وھی مکروھۃ وفی الثانی ترک الإمام مقامہ وھو مکروہ والجماعۃ سنۃ وترک ماھو سنۃ أولی من ارتکاب مکروہ۔ [1]

''اور عورتوں کیلئے مکروہ ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، یعنی از روئے جماعت نماز پڑھیں کیونکہ عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس میں عورتیں ارتکاب محرم (جو حرام کیا گیا ہو) سے خالی نہیں۔ اور محرم سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ ان کی امامت کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ وہ عورت جو امام ہے لوگوں کے آگے کھڑی ہوگی۔ دوم یہ کہ وہ امام عورت، عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی اور پہلی صورت میں پردہ کے کھلنے کا زیادہ امکان ہے اور عورت کا کشف عورت بھی مکروہ تحریمی ہے اور دوسری صورت میں امام کا اپنے مقام (مصلی) کو ترک کرنا ہے اور یہ بھی مکروہ تحریمی ہے (کیونکہ امام کا آگے مصلی پر کھڑا ہونا واجب ہے) اور جماعت سنت ہے معنی یہ ہوا کہ عورتوں کی امامت مکروہ ہے اور عورت کی جماعت کا ترک سنت ہے اور عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے لہٰذا مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے بچنے کیلئے عورت کے لیے باجماعت نماز پڑھنے کا ترک اولیٰ ہے''۔

حضرت علامہ جلال الدین خوارزمی کفایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ علی حاشیہ فتح القدیر۔ جلد اول باب الامامت۔ ص 305

قولہ لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو زیادۃ الکشف وحرمتھا ظاھرۃ لقولہ تعالیٰ ولا یبدین زینتھن او ترک مقام الامام وھو حرام ایضا لانہ ترک سنۃ من کل وجہ فانہ لم یعمل بہ النبی ﷺ ولا واحد من الصحابۃ۔[1]

''اور صاحب ہدایہ کا قول کہ عورتوں کی جماعت ارتکاب محرم سے خالی نہیں، یہ محرم عورت کی شرمگاہ کا زیادہ کھلنا ہے اور عورت کی شرمگاہ کھلنے کی حرمت ظاہر ہے بوجہ فرمان اللہ عزوجل کے اپنے بناؤنہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے'' (نور آیت 31) یا امام کا اپنی جگہ (یعنی مصلی) کو ترک کرنا ہے اور یہ بھی حرام ہے کیونکہ ترک مقام امام ہر وجہ سے سنت موکدہ (جو بمعنی وجوب ہے) کا ترک ہے۔ چنانچہ امام کا اپنے مقام کو ترک کرنا (یعنی مصلی کو چھوڑ کر صف کے درمیان کھڑا ہونا) اس پر نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اور نہ ہی کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) نے عمل کیا۔ ثابت ہوا کہ امام کا لوگوں کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے تو جب امام صف کے وسط میں کھڑا ہوگا تو یہ ترک واجب ہے جو کہ مکروہ تحریمی کو مستلزم ہے۔ اسی لئے علمائے ربانی نے عورتوں کی امامت کو مکروہ تحریمی فرمایا کیونکہ عورت اگر عورتوں کے آگے کھڑی ہو تو کشف ستر کا اندیشہ ہے اور یہ حرمت ہے۔ عورت کے عورتوں کی صف میں کھڑا ہو کر امامت کرانے سے کم ہے۔ چنانچہ جب وہ امام عورت عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی تو بوجہ ترک وجوب جماعت مکروہ تحریمی میں شمار ہوگی۔ لہٰذا عورتوں کو مثل برہنہ تن لوگوں کے تنہا تنہا نماز پڑھنا افضل ہے اور وہ بھی گھر کی اندھیری کوٹھڑی میں۔ اور صاحب کفایہ نے عورت کی شرمگاہ کھلنے پر جو آیت مبارکہ بطور استشہاد پیش کی اس کے تحت صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نور اللہ مرقدہٗ مفسر ترجمہ کنز الایمان حاشیہ نمبر 57 میں فرماتے ہیں:

صاحب تفسیر احمدیہ نے اس آیہ مقدسہ کے تحت لکھا ہے ''اظہر یہ ہے کہ یہ حکم نماز کا ہے نہ نظر کا کیونکہ آزاد عورت کا بدن شرمگاہ ہے شوہر اور محرم کے سوا اور کسی کیلئے اس کے کسی حصہ کا دیکھنا بے ضرورت جائز نہیں اور معالجہ وغیرہ کی غرض سے بقدر ضرورت طبیب کا دیکھنا جائز ہے''۔[2]

---

[1] کفایہ متصل فتح القدیر جلد اول باب الامامت ص 305۔306 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] تفسیر احمدیہ۔ ص 387۔ مطبوعہ حسنی

علامہ بدرالدین عینیؒ بنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"م" یعنی مصنف۔ ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ "ش" الکلام فی ھذا الموضع علی وجوہ۔

"یعنی صاحب ہدایہ کا قول کہ عورتوں کیلئے تنہا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے"۔

پھر علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس جگہ میں کلام چند وجود پر مشتمل ہے اس کے بعد علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نو وجوہ نقل فرمائیں۔ اگر ذوق رؤیت وقرأت دامن گیر ہو تو اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ کیونکہ یہ ایک طویل بحث ہے۔ پھر علاؤالدین عینی رحمہ اللہ نویں اور آخری وجہ میں لکھتے ہیں، گویا کہ آخری وجہ تمام وجوہ کا خلاصہ ہے، فرماتے ہیں:

وقال الاکمل۔ وھنا بحث من أوجہ وذکر منھا أن المذاھب عندنا أن انتفاء صفۃ الوجوب تستلزم انتفاء صفۃ الجواز ۔ ثم أجاب عنہ ما حاصلہ أن الجواز لیس بمنسوخ بالإجماع وإنما المنسوخ ھو کون جماعتھن سنۃ وفیہ نظر لأن من ادعیٰ نسخ فعلیہ البیان۔ وقال صاحب الدرایۃ الخ[1]

"اور اکمل نے کہا یہاں چند وجوہ سے بحث ہے اور اکمل نے ان وجوہ میں سے آخر میں آخری وجہ کا ذکر کیا، بے شک مذہب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ صفت وجوب کی نفی کرنا صفت جواز کی نفی کو مستلزم ہے۔ پھر خود ہی اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ جواز بالا جماع منسوخ نہیں اور منسوخ صرف عورتوں کی جماعت کا سنت ہونا ہے اور اس میں نظر ہے اس لئے کہ جو اس کے نسخ کا دعویٰ کرے تو اس کا بیان بھی اس کے ذمہ واجب ہے"۔

میں نے ابتدا میں ابن ہمام اور صاحب عنایہ کی تصریحات سے اس کا نسخ بیان کر دیا ہے اور ان کی نقل بیان نسخ کیلئے کافی ووافی ہے۔

اور صاحب روایہ فرماتے ہیں: اور اگر ان کی جماعت شروع ہوتی اس کا ترک لازم ہوتا اور البتہ وہ ایسے شائع ہوئی جیسے مردوں کی جماعت ہے اس بنا پر کہ یہ جماعت شعائر اسلام میں سے ہے چنانچہ حکم مختص ہے ساتھ آذان کے خطبوں، جمعہ اور اعیاد کے یعنی حکم مردوں کیلئے

---

[1] بنایہ شرح ہدایہ جلد دوم ص 355 تا 358 مطبوعہ دار العلمیہ بیروت

ہے اور عورتیں ان کی جماعت ارتکاب محرم (جو حرام کیا ہے) سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ اگر عورت آگے کھڑی ہو کر امامت کرائے تو ستر کشف زیادہ ہے اور اگر عورت عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہو کر امامت کرائے تو ترک تقدم (آگے کھڑی ہو کر امامت کرانا) لازم آئے گا اور یہ سب حرام ہے۔ بہر حال عورت کی شرمگاہ کا زیادہ کھلنا یہ اللہ عزوجل کے فرمان "ولا یبدین زینتھن" (نور آیت 31) کے مطابق ہے (اس کا بیان بنایہ شرح ہدایہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں) اور امام کا ترک قیام (آگے کھڑا نہ ہونا) خلاف وجوب ہے۔ اسلئے کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے جملہ صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی ترک تقدم نہیں فرمایا، یعنی نبی کریم ﷺ اور جملہ صحابہ کرام نے اپنی پوری زندگی آگے کھڑے ہو کر امامت فرمائی ہے۔

ہدایہ کی جملہ شروحات کی نصوص اس بات کا بین اور واضح ثبوت ہیں اور مثل اظہر من الشمس ظاہر و باہر ہیں کہ عورتوں کی جماعت جن میں صرف عورتیں ہی ہوں اور ایک عورت صف میں کھڑی ہو کر امامت کرائے یہ عورتوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے اور ان جملہ فقہائے کرام نے عورتوں کی امامت کو مکروہ تحریمی لکھا۔ لیکن صد افسوس: جناب قبلہ مفتی صاحب پر کہ آپ نے باوجود عورتوں کی امامت کے احناف کے نزدیک اجماع تسلیم کرتے ہوئے عورتوں کی جماعت کو جائز قرار دیا اور عورتوں کی امامت کے جواز پر صرف قول مرجوح پر فتویٰ صادر فرمایا اور راجح قول جسے آپ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس پر احناف کا اجماع ہے، پر فتویٰ نہ دینا خلاف عقل و نقل ہے اور اگر آپ کی شرط کہ اجماع حقیقی کو تسلیم کر لیا جائے تو بے شمار احکام جو خلاف شریعت ہیں، اجماع حقیقی نہ ہونے کی وجہ سے عین شریعت بن جائیں گے یہ ایک طویل بحث ہے، میں اس میں الجھنا نہیں چاہتا۔ عقل مند کیلئے اشارہ ہی کافی ہے۔

دوم۔ آپ نے فرمایا کہ کمال الدین بن ہمام نے عورتوں کی امامت کے نسخ کے متعلق فرمایا "**لا یخفی مافیہ**" یعنی نسخ میں جو ضعف و سقم ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں اور اگر نسخ کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ سنت کے منسوخ کا فائدہ دیتا ہے اور یہ نسخ کراہت تحریمہ کے ثبوت کو مستلزم نہیں فعل میں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔[1]

---

[1]۔ فتح القدیر جلد اول ص 307 باب الامامت

آپ کا اصل مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی امامت کا حکم منسوخ ہی نہیں ہوا لہٰذا عورتوں کی امامت جائز ہے۔

دوم:۔ یہ کہ اگر نسخ کو تسلیم کرلیا جائے تو سنیت کے نسخ کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا مکروہ تحریمہ نہ ہوا اور مکروہ تنزیہ کی مرجع خلاف اولیٰ ہے۔ لہٰذا عورتوں کی جماعت جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب ہدایہ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ ویکرہ لھن حضور الجماعات یعنی الشواب منھن لما فیہ من خوف الفتنة۔[1]

''یعنی عورتوں کیلئے جماعات میں حاضر ہونا مکروہ تحریمہ ہے (اور جماعت جمعہ ہے مراد جماعت، جمعہ وعیدین، کسوف اور استسقاء سب کو شامل ہے) اور مراد ان عورتوں میں سے نوجوان عورتیں ہیں۔ اس لئے کہ ان کے باہر نکلنے میں فتنہ کا خوف ہے'' اس کے ماتحت صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:

بل عمم المتاخرون المنع للعجائز والشواب فی الصلوت کلھا لغلبة الفساد فی سائر الاوقات۔[2]

''بلکہ متاخرین علمائے ربانی نے منع کو عام کیا ہے (یعنی عورت کے باہر نہ نکلنے کو) تمام نمازوں میں خواہ وہ عورتیں بوڑھی ہوں یا نوجوان بوجہ تمام اوقات میں غلبہ فساد کے''۔

جناب محترم مفتی صاحب! اگر آپ نے فتح القدیر کے امامت کے نسخ میں ضعف وسقم اور بتقدیر تسلیم یہ سنیت کا نسخ ہے لہٰذا امامت مکروہ تنزیہی ہے جس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے کے قول کو تسلیم فرمایا تو صاحب فتح القدیر کے اس قول کو بھی تسلیم فرمائیں جو علی الاعلان عورتوں کی امامت کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے کہ عورتوں کیلئے بوجہ تمام اوقات غلبہ و فساد، جماعات کیلئے نکلنا ممنوع ہوا تو عورتوں کا یہ نکلنا علی وجہ الاتم جماعت کیلئے بھی ممنوع ہوگا۔ تو جب عورتوں کا جماعت کیلئے ممنوع ہونا ثابت ہوگیا تو حد صغریٰ اور کبریٰ گرانے کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ عورتوں کی امامت بھی ممنوع ہے۔ یعنی جب اپنے گھر سے نکل کر کسی ایک مکان میں جمع ہونا

---

[1]۔ فتح القدیر جلد اول باب الامامت ص 317

[2]۔ فتح القدیر جلد اول باب الامامت ص 317

ہی ممنوع ہے تو امامت از خود ممنوع ہوگی کیونکہ سبب اور علت مشترک ہے اور وہ ہے غلبہ فساد کی بنا پر باہر نکلنا۔ لہٰذا یہ علت اور سبب عورتوں کی جماعت کو بھی مستلزم ہوگی۔

دوم یہ کہ نسخ میں سقیم وغیرہ ہونا اور امامت کا مکروہ تنزیہی ہونا یہ صاحب فتح القدیر کی اپنی رائے ہے، فتویٰ نہیں۔ فتویٰ وہ ہے جو انہوں نے صاحب ہدایہ کے اس قول "لأنها لا تخلوا عن ارتکاب محرم" کے تحت نقل فرمایا جو اس سے قبل اسی عبارت کے تحت مذکور ہو چکا ہے، وہاں اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

پھر حضرات فقہائے کرام کے نزدیک جب مکروہ تنزیہی کو بار بار دہرایا جائے، یعنی ایک فعل مکروہ تنزیہی کو جان بوجھ کر بار بار کیا جائے تو وہ فعل جو مکروہ تنزیہی تھا از خود مکروہ تحریمی میں تبدیل ہو جائیگا۔ معلوم ہوا کہ اگر عورتوں کی امامت مکروہ تحریمہ ہے تو پھر صاحب ہدایہ نے یہ کیوں فرمایا:

فإن فعلن قامت الإمام وسطهن کان عائشة رضی الله عنه فعلت کذلك و حمل فعلها الجماعة علی ابتداء الإسلام و کان فی القدم زیادة الکشف۔ [1]

"عورتوں کی تنہا جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اگر وہ ایسا کریں (یعنی تنہا جماعت سے نماز پڑھیں) تو امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسی طرح کیا کرتی تھیں۔ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فعل امامت ابتدائے اسلام پر محمول تھا اور امام کے عورتوں کے درمیان کھڑا ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت امام کے آگے کھڑا ہونے میں شرمگاہ کے زیادہ کھلنے کا اندیشہ ہے"۔

اس کے جواب میں صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

"فان فعلن" أی صلین لجماعة قامت الإمام وسطهن لما ذکر فی الکتاب من الأثر و المعقول فإن قیل تعارضت ههنا حرمتان زیادة الشکف فی التقدم و ترك مقام الإمام بالتوسط فلم رجحت رعایة جانب الکشف علی جانب ترك الإمام أجیب بأن الاحتراز عن الکشف فرض ولا حتراز عن ترك مقام الإمام سنة۔ الفرض مرجح

---

[1] ہدایہ مع فتح القدیر جلد اول باب الامامت ص306

لامحالۃ۔[1]

''اگر عورتیں ایسا کریں، یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو جیسا کہ کتاب (ہدایہ) میں مذکور ہے۔ وہ ہے اثر (ام المومنین رضی اللہ عنہا کا فعل امامت) اور معقول (عورت کے آگے کھڑی ہونے میں شرمگاہ کا زیادہ کھلنا) صاحب عنایہ فرماتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ یہاں دونوں حرمتیں ایک دوسرے کے معارض ومخالف ہیں، ایک عورت کے تقدم میں کشف ستر کا اضافہ۔ دوم بسبب عورتوں کے درمیان امام عورت کے کھڑا ہونے امام کے مقام کا ترک ہے۔ تو پھر عورت کی شرمگاہ کے کھلنے کی جانب کو ترک مقام امام پر ترجیح کیوں دی گئی؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کشف ستر سے احتراز فرض ہے اور امام کا ترک مقام سے بچنا سنت (موکدہ جو وجوب کا درجہ رکھتی ہے) تو لامحالہ فرض کو ترجیح دی جائے گا''۔

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ بھی لیں تو یہ سنت موکدہ جو واجب کے قائم مقام ہے، کا ترک لازم آئے گا اور وہ ہے عورت کا مقام امام یعنی مصلی کو چھوڑ کر عورتوں کے درمیان کھڑا ہونا جسے تمام فقہائے کرام نے محرم سے تعبیر فرمایا ہے اور صاحب کافی نے اسے مکروہ تحریمی کا نام دیا ہے۔ حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''محرم'' اپنے لغوی معنی میں منقول ہے یعنی ممنوع۔ لہٰذا اگر عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ بھی لیں تو یہ مکروہ تحریمی ہے یعنی وہ نماز واجب الاعادہ ہے جیسا کہ دارقطنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: ''صلوا خلف کل فاسق وفاجر'' یعنی بامر مجبوری ہر فاسق و فاجر کے پیچھے نماز پڑھو۔ جماعت جو سنت ہے اس کا ثواب مل جائیگا اور نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

اس لئے صاحب فتاویٰ سراجیہ نے فرمایا:

صلوۃ النساء فرادی فرادی أفضل۔[2]

''عورتوں کا تنہا تنہا نماز پڑھنا افضل ہے''۔

بندہ ناچیز نے حضرت قبلہ مفتی صاحب زیدہ مجدہٗ کے ہدایہ اور فتح القدیر کے متعلق

---

[1] عنایہ برحاشیہ فتح القدیر جلد اول باب الامامت ص 306

[2] فتاویٰ سراجیہ علی حاشیہ قاضیخان ج اول ص 85

جملہ سوالات کے جوابات نقل کر دیئے ہیں اور ارشاد باری عزوجل ''وفوق کل ذی علم علیم'' اگر میری تحریر میں کوئی غلطی ہو تو ضرور اصلاح فرمائیں کیونکہ جبلت انسان میں غلطی ونسیان کا ہونا ممکن امر ہے چنانچہ ہم سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ نسیان بھی واقع ہو سکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو صاحب علم حضرات اس غلطی کی اصلاح ضرور فرمائیں۔ اللہ عزوجل بوسیلہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہماری غلطی اور خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین

اب ہدایہ اور ان کی جملہ شروح کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

ویکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح۔[1]

''اور عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگر چہ وہ جماعت نماز تراویح میں ہو''۔

اور صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقولہ یکرہ تحریما ''صرح بہ فی الفتح والبحر'' قولہ ولو فی التراویح أفاد ان الکراھۃ فی کل ماتشرع فیہ جماعۃ الرجال فرضاً ونفلاً۔[2]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صاحب درمختار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، فتح القدیر اور البحرائق میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور صاحب درمختار کا یہ قول اگر جماعت نماز باجماعت میں جس نماز میں مردوں کی جماعت ہوتی ہو، خواہ نماز فرض ہو یا وہ نماز نفل ہو یعنی ہر وہ نماز جو باجماعت ادا کی جاتی ہو اور وہ باجماعت نماز مردوں کی ہو خواہ وہ نماز فرض ہو یا وہ نماز نفل ہو، ان نمازوں میں عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے''۔

چنانچہ صاحب ردالمحتار کی تصریح سے روز روشن کی طرح بلا غبار معلوم ہو گیا کہ عورتوں کا باجماعت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل۔ لہٰذا دور حاضر میں جو عورتیں ماہ رمضان المبارک میں نماز تسبیح باجماعت پڑھتی ہیں وہ خلاف شریعت مکروہ تحریمی ہے۔ عورت کے لیے تنہا گھر میں کسی محفوظ مقام پر نماز پڑھنا ہی جائز ہے۔ ورنہ یہ کام شریعت مطہرہ کے ساتھ مذاق ہے۔

---

1. درمختار علی حاشیہ ردالمحتار
2. ردالمحتار جلد اول باب الامامت ص 418 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

فان فعلن تقف الإمام وسطهن فلو تقدمت أثمت إلا الخنثی فیتقدمهن

''اگر عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو تو اگر وہ امام عورت آگے کھڑی ہوگی تو گنہگار ہوگی مگر خنثی اگر وہ عورتوں کے آگے کھڑا ہو تو کوئی حرج نہیں''۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قوله لو تقدمت اثمت حواله مذکور

''وہ عورت جو امام ہے آگے کھڑی ہوگی تو گنہگار ہوگی''۔

یہ قول اس کا فائدہ دیتا ہے کہ امام عورت کا عورتوں کے درمیان کھڑا ہونا واجب ہے ۔جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تصریح کی گئی اور نماز صحیح ہے اور امام عورت جب درمیان میں کھڑی ہوگی تب بھی کراہت (تحریمہ) زائل نہیں ہوگی۔اور امام عورت کے درمیان میں کھڑا ہونے سے امام عورت کے آگے کھڑا ہونے کی بہ نسبت کراہت کم ہوگی''۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

ویکره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا

''اور عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا بھی مکروہ تحریمی ہے اگرچہ وہ عورتیں نماز جمعہ یا عید کیلئے حاضر ہوں یا محفل وعظ ونصیحت میں اگرچہ بوڑھی ہوں اور رات کا وقت ہو''۔

معلوم ہوا دور حاضر میں جو عورتیں وعظ وتبلیغ کا کام کرتی ہیں اور عورتوں کو ایک جگہ جمع کر کے تقریریں جھاڑتی ہیں جیسے ہماری مدنی خواتین نے یہ کام شروع کیا ہوا ہے، یہ سراپا مکروہ تحریمی اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔صاحب درمختار فرماتے ہیں: یہ کراہت مفتی بہ مذہب پر ہے فساد زمانہ کی وجہ سے۔[1]

ابوحنیفہ ثانی المشہور با بن نجیم الشیخ زین العابدین البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

وجماعة النساء أی وکره جماعة النساء لأنها لا تخلو عن ارتکاب محرم وهو قیام الإمام وسط الصف فیکره کالعراة کذا فی الهدایة وهو یدل علی أنها کراهة تحریم

---

[1] درمختار علی حاشیہ ردالمحتار حوالہ مذکور

لأن التقدم واجب على الإمام للمواظبة من النبی ﷺ و ترک الواجب موجب لکراهة التحریم المقتضیة للإثم ویدل علی کراهة التحریم فی جماعة العراة بالأولى۔[1]

''صاحب کنز الدقائق کا یہ قول کہ عورتوں کی جماعت یعنی عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ اس لئے کہ عورتوں کی جماعت ارتکاب محرم سے خالی نہیں اور ارتکاب محرم امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا ہے پس مکروہ ہوگا جیسے برہنہ تن مردوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے۔ اور صف کے وسط میں کھڑا ہونا دلالت کرتا ہے کہ یہ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔ اسلئے کہ امام صاحب کیلئے صف سے آگے مصلّٰی امام پر کھڑا ہونا واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ ہمیشہ آگے کھڑے ہوئے اور واجب کا ترک موجب کراہت تحریمہ ہے، جو کراہت تحریمہ گناہ کا متقاضی ہے اور برہنہ تن لوگوں کی جماعت میں امام کا ترک تقدم بدرجہ اولیٰ کراہت تحریمہ پر دلالت کرتا ہے۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

قوله ولا یحضرن الجماعات لقوله تعالى وقرن فی بیوتکن وقال ﷺ صلوتها فی قعر بیتها الی ان قال المصنف فی الکافی والفتوى الیوم علی الکراهة فی الصلوة کلها لظهور الفساد ومتى کره حضور المسجد للصلوة فلأن یکره حضور مجالس الوعظ خصوصاً عند هؤلاء الجهال تحلوبحلیة العلماء أولى وذکره فخر الإسلام۔[2]

''اور کنز الدقائق کا یہ قول عورتیں جماعت میں حاضر نہ ہوں بوجہ اللہ عزوجل کے فرمان کے ''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو'' اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت کی نماز اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے اپنے گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا افضل ہے اور عورت کا اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنا افضل ہے اور عورتوں کیلئے ان کے گھر افضل ہیں اور عورتوں کا گھروں سے نکلنے میں فتنہ وفساد کے باعث امن نہیں۔ صاحب البحر الرائق فرماتے

---

[1] البحر الرائق باب الامامت جزء اول ص 351۔ سعید کمپنی کراچی

[2] البحر الرائق۔ باب الامامت جزء اول ص 358۔ بنایہ شرح ہدایہ متصل فتح القدیر۔ جلد اول۔ باب الامامت ص 318

ہیں: صاحب کنز الدقائق نے اپنے قول ''ولا یحضرن الجماعات'' کو مطلق رکھا۔ چنانچہ یہ بوڑھی اور نوجوان عورتوں اور دن اور رات کی نمازوں سب کو شامل ہے۔ مصنف نے کہا: یہ (حاکم شہید) کی کتاب کافی میں ہے۔ آج فتویٰ تمام نمازوں میں کراہت تحریمہ پر ہے بوجہ ظہور فساد کے۔ اور جب نماز کیلئے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہوگا تو پھر مجالس وعظ ونصیحت میں حاضر ہونا بھی مکروہ ہونا چاہیے۔ بالخصوص ان جاہلوں کی مجلس میں بدرجہ اولیٰ حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے جنہوں نے علماء کا لبادہ اوڑ رکھا ہے اسے فخر الاسلام نے ذکر کیا''۔

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ جب عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنے اور محافل وعظ ونصیحت کیلئے نکلنا مکروہ تو پھر وہ عورت جو کسی مخصوص مکان میں عورتوں کی محافل وعظ ونصیحت کا اہتمام کرتی ہے یا عورتوں کو نماز تسبیح کیلئے دعوت دیتی ہے اور عورتیں وہاں جاتی ہیں اور نماز تسبیح پڑھتی ہیں یہ سب مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ علت میں اشتراک ہے (وہ ہے ظہور فتنہ وفساد) تو یہ علت دونوں جگہ جاری وبرابر ہوگی۔ یعنی اگر عورت بوجہ ظہور فتنہ وفساد نماز کیلئے مسجد میں نہیں جاسکتی تو محافل وعظ اور نماز تسبیح کیلئے جانا کیسے جائز ہوگا۔ لہٰذا خواتین کا ایسی محافل وعظ یا نماز تسبیح کیلئے اپنے گھر سے باہر نکلنا جب شریعت مطہرہ نے ممنوع ومکروہ تحریمی قرار دیا ہے تو عورتوں کو ان میں شرکت سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ ارتکاب محرمات کا زیور پہن کر ایسی محافل یا نماز تسبیح کیلئے جانا کونسا ثواب ہے، یہ فعل سراپا گناہ ہے۔

حضرت علامہ محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی ''ملتقی مخلط'' کی شرح مجمع الانہر میں فرماتے ہیں:

وکذا یکرہ جماعة النساء وحدهن لأنه یلزمن إحدی المحظورین إما قیام الإمام وسط الصف أو تقدمه وهما مکروهان فی حقهن کراهة تحریم فإن فعلن أی صلین جماعة وارتکبن الکراهة تقف الامام وسطهن لأن عائشة رضی الله عنها فعلت کذلك حین کانت جماعتهن مستحبة ثم نسخ الاستحباب [1]

''اور اسی طرح تنہا عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے اس لئے کہ ان کو دو ممانعتوں میں

[1] مجمع الانہر جلد اول فصل الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ ص 108 دار احیاء التراث عربی بیروت

سے ایک ممانعت ضرور لازم آئے گی۔ یا تو امام کا صف کے درمیان ہونا یا امام کا صف کے آگے کھڑا ہونا اور یہ دونوں عورت کے حق میں مکروہ ہیں جو مکروہ تحریمی ہے پس اگر وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں تو وہ کراہت تحریمی کی مرتکب ہوں گی تو ایسی صورت میں امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو۔ کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی طرح کیا جب کہ عورتوں کی جماعت مستحب تھی پھر یہ استحباب منسوخ ہوگیا۔ اس کے بعد صاحب مجمع الانھر فرماتے ہیں: عورتیں کسی جماعت میں حاضر نہ ہوں مگر بوڑھی عورتیں نماز، مغرب، عشاء اور فجر میں۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ) کے نزدیک بوڑھی عورتیں تمام نمازوں میں حاضر ہوں۔ صاحب مجمع الانہر فرماتے ہیں: یہ اختلاف ان کے زمانہ میں تھا اور ہمارے زمانہ میں (1078ھ) مطلقا جماعات میں حاضر ہونے سے منع کیا جائے اور اسی پر فتویٰ ہے"۔

امام ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی عبادی نے جوہرہ نیرہ جو سراج الوہاج کا اختصار ہے، نقل فرمایا:

قوله ويكره للنساء أن يصلين وحدهن جماعة بغير رجال و سواء في ذلك الفرائض والنوافل والتراويح ۔قوله فإن فعلن وقفت الإمامة وسطهن وبقيامها وسطهن لاتزول الكراهة لأن في التوسط ترك مقام الإمام الخ۔[1]

"صاحب قدوری کا قول تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ صاحب جوہرہ نیرہ فرماتے ہیں: عورتوں کی وہ جماعت جس میں مرد نہ ہوں اور اس میں نماز خواہ فرائض، نوافل اور تراویح کی ہو، سب برابر ہے (یعنی عورتوں کی تنہا جماعت مکروہ تحریمی ہے خواہ یہ جماعت فرائض کی ہو، نوافل کی یا تراویح کی) اور صاحب قدوری کا یہ قول: اگر عورتیں باجماعت نماز پڑھیں تو امام عورت عورتوں کے درمیان کھڑی ہو، صاحب جوہرہ نیرہ فرماتے ہیں امام عورت کے عورتوں کے درمیان کھڑی ہونے سے کراہت زائل نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ صف کے درمیان میں کھڑا ہونا امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کا ترک ہے"۔

---

[1] جوہرہ نیرہ باب صفۃ الصلوٰۃ۔ ص 59۔ مطبع مجتبائی دہلی

جیسا کہ جملہ فقہائے کرام نے اس پر نص بیان فرمائی کہ امام کا آگے کھڑا ہونا واجب ہے یعنی ترک تقدم ہے اور ترک تقدم موجب کراہت تحریمہ ہے۔ لہٰذا عورتوں کی امامت خواہ امام کے آگے کھڑی ہو یا امام عورتوں کے وسط میں کھڑی ہو، دونوں صورتوں میں مکروہ تحریمی ہے۔

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی، جامع الرموز شرح نقایہ مختصر الوقایہ میں فرماتے ہیں:

کجماعة النساء وحدهن، والمعنی کاقتداء ئهن بامرأة فانه مکروه فان فعلن اقتدين بامرأة تقف الإمام منهن وسطهن لا شرعت جماعتهن کذلك کما فی النهاية والظاهر منه وجوبهن الوقوف لکن فی خزانة المفتين انه جاز تقديم اما مهن -- الخ۔[1]

"یعنی مثل تنہا عورتوں کی جماعت کے اور معنی یہ ہے کہ مثل اقتدا کرنا عورتوں کے ساتھ کسی عورت کے اور یہ مکروہ ہے اور اگر وہ ایسا کریں یعنی کسی عورت کے ساتھ اقتدا کریں تو ان عورتوں میں سے امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو۔ اس لئے کہ ان کی جماعت اسی طرح ہی مشروع تھی جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وقوف (یعنی امام کا عورتوں کے درمیان کھڑا ہونا) واجب ہے۔ لیکن "خزانة المفتین" میں ہے کہ عورتوں کی امام کا آگے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کے بعد صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں: نوجوان عورت کا ہر جماعت میں حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز دن کی ہو یا رات کی۔ اور اسی طرح بوڑھی عورتوں کا نماز ظہر اور عصر میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور بوڑھی عورتوں کا نماز فجر، مغرب اور عشا میں حاضر ہونا مکروہ نہیں ہے۔ جیسا کہ محیط میں ہے۔ صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں: یہ ان کے زمانہ میں تھا۔ اور ہمارے زمانہ (800ھ) میں ہر جماعت میں بوڑھی عورتوں کا حاضر ہونا مکروہ تحریمی ہے یہی قول مختار ہے جیسا کہ اختیار وغیرہ میں ہے۔

فتاوئ عالمگیریہ الملقب بہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره إمامة المرأة للنساء فی الصلوات كلها من الفرائض والنوافل إلا فی صلوة الجنازة هكذا فی النهاية فإن فعلن وقفت الإمام وسطهن وبقيامها وسطهن لا تزول الكراهة وإن تقدمت عليهن أمامهن لم تفسد صلوتهن هكذا فی الجوهرة النيرة

---

[1] جامع الرموز جلد اول ص 173۔ مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران

وصلوتهن فرادى فرادى أفضل هكذا في الخلاصة۔ [1]

''عورت کا تمام نمازوں میں خواہ نماز فرائض میں سے ہو یا نوافل میں سے، عورتوں کی امامت کرنا مکروہ ہے مگر نماز جنازہ میں، اسی طرح نہایہ میں ہے۔ اگر وہ اس طرح نماز پڑھیں تو امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہو۔ اور عورت امام کا عورتوں کے درمیان کھڑا ہونے میں کراہت زائل نہیں ہوگی۔ اور عورت امام عورتوں کے آگے کھڑی ہو گئی تو عورتوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (بلکہ مکروہ تحریمی ادا ہوگی) اسی طرح جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور عورتوں کا تنہا، تنہا نماز پڑھنا افضل ہے۔ اس طرح خلاصہ الفتاوی میں ہے۔

اور فتاوی ہندیہ نے جوہرہ نیرہ کے حوالہ سے نقل فرمایا کہ اگر عورت امام عورتوں کے آگے کھڑی ہوگی تو عورتوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ تو جوہرہ نیرہ کی عبارت یہ ہے: لكن في خزانة المفتيين انه جاز تقديم أما مهن تو اس بندہ ناچیز نے اس سے قبل کئی حضرات علماء کی تصریحات کے ضمن میں فقہائے کرام کی نص نقل کی ہے کہ یہ جواز متضمن کراہت تحریمہ ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اسی لئے تمام فقہائے عظام نے اولاً یہی نقل فرمایا ہے کہ تنہا عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس کی وجوہات بھی انہوں نے نقل کیں جو آپ ان نصوص مذکورہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

لہٰذا تصریحات ونصوص حضرات فقہائے کرام اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ عورت کی امامت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ جملہ حضرات فقہائے کرام نے فرمایا کہ عورت کی امامت دو محرمات سے خالی نہیں اولاً اگر عورت آگے کھڑی ہو کر نماز پڑھائے تو کشف عورت کے اعتبار سے حرام ہے کیونکہ ستر عورت فرض ہے۔ ثانیاً اگر عورت عورتوں کے درمیان کھڑی ہو کر نماز پڑھائے تو مکروہ تحریمی کیونکہ تقدم امام واجب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی ہے۔

چنانچہ یہ بندہ حقیر وناچیز قابل صد احترام قبلہ مفتی صاحب دامت فیوضھم العالیہ سے عرض کرتا ہے۔ حضرات فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق کہ عورت کی امامت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ان کی تصریحات ونصوص سے ظاہر ہے، چنانچہ یہ اجماع امت میں آتا ہے یا کہ نہیں؟ اگر

---

[1] فتاوی ہندیہ باب الامامۃ۔ فصل ثالث جلد اول ص 31

یہ اجماع امت ہے تو آپ کو عورت کی امامت کو مکروہ تحریمی تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیکن یہ طرز عمل نہایت ہی قابل صد افسوس ہے کہ آپ اجماع بھی تسلیم کرتے ہیں اور عورتوں کی امامت کے جواز کا فتویٰ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ اجتماع نقیضین ہے۔ لہٰذا یا تو آپ اجماع کا انکار کریں یا عورت کی امامت کا مکروہ تحریمی ہونا تسلیم فرمائیں۔ آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق یہ اجماع حقیقی نہیں تو دست بستہ عرض ہے کہ امت کے ہر فرد کا ایک مسئلہ پر مجتمع ہونا دور حاضر میں ناممکن ہے۔ تو اجماع حقیقی کہاں سے آئے گا؟ اگر آپ اجماع حقیقی کو ہی قابل فتوی سمجھتے ہیں تو پھر آپ کو "بسم اللہ" کے بالجہر پڑھنے کے جواز کا بھی فتویٰ دینا ہوگا۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے جواز کا بھی فتوی دینا ہوگا۔ آمین بالجہر کہنے اور سورۂ فاتحہ اور سورت ملانے درمیان بسم اللہ پڑھنے، جلسہ استراحت کے جواز کا بھی فتویٰ دینا ہوگا کیونکہ ان تمام مسائل پر اجماع حقیقی نہیں۔ بلکہ کچھ ایسے محرمات کو جن پر اجماع حقیقی نہیں جیسے گھوڑے کا گوشت، ضب (گوہ) کا گوشت وغیرہ کے حلال ہونے کا فتویٰ بھی دینا پڑے گا۔ اسی طرح ہمارے نزدیک حائضہ عورت کو قرآن کو مس کرنا اور چھونا جائز نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔ لہٰذا اجماع حقیقی نہ ہونے کی بنا پر آپ کو یہ فتویٰ بھی صادر فرمانا چاہیے کہ حائضہ عورت کیلئے قرآن پڑھنا جائز ہے۔ وعلی ھذا القیاس کئی اکثر ایسے مسائل ہیں جن پر اجماع حقیقی نہیں لہٰذا ان کا آپ کے فتویٰ کے مطابق جائز ہونا متحقق ہوگا اگرچہ از روئے حکم ان مسائل پر عمل کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتب میں منقول ہے کہ وقت کے اکثر علماء کا اتفاق اجماع امت میں آتا ہے۔ لہٰذا اتنے جلیل القدر فقہائے کرام جیسے صاحب ہدایہ، صاحب کافی، صاحب فتح القدیر، صاحب عنایہ و کفایہ و بنایہ، صاحب البحر الرائق، منحۃ الخالق، فتاویٰ شامیہ، قہستانی، صاحب مجمع الانہر اور فتاویٰ ہندیہ اور صاحب درمختار ان سب نے عورت کی امامت کو مکروہ تحریمی نقل فرمایا ہے۔ کیا یہ اجماع امت نہیں؟ پھر آپ کے پاس کونسی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ عورت کی امامت جائز ہے؟ فقط چند آثار منسوخہ کہ جن پر آپ نازاں ہیں اور ان آثار کا منسوخ ہونا روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ امید واثق ہے کہ آپ اس مسئلہ پر تحقیق فرما کر نظر ثانی فرمائیں گے۔ اس فقیر نے اس کی ابتدا بھی حدیث سے کی ہے اور آخر میں بھی دو آثار شیخ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف

سے پیش خدمت ہیں۔

اول۔ حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن ابن ذئب عن مولی لبنی هاشم عن علی رضی اللہ عنہ قال لاتؤم المراۃ۔ [1]

وکیع بن جراح ابن ابی ذہب (عبداللہ بن عبدالرحمٰن) سے وہ بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: عورت امامت نہ کرائے۔

دوم حدثنا عبد الوهاب بن عطاء ابن عون قال کتبت الی نافع اساله اتوم المراۃ النساء فقال لا اعلم المراۃ تؤم النساء۔ [2]

"عبدالوہاب بن عطا، عبداللہ بن عون سے روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عون نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع کو لکھا درآنحالیکہ میں ان سے سوال کر رہا تھا کہ کیا عورت عورتوں کی امامت کرائے؟ تو نافع نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں کہ عورت عورتوں کی امامت کرائے گویا کہ نافع نے عورت کی امامت کا انکار کیا۔

اس ناچیز نے ان دونوں آثار کے رواۃ کے حالات امام مزی کی کتاب تہذیب الکمال میں بغور دیکھے تو امام مزی نے ان تمام رواۃ کے ثقہ ہونے کی تصدیق فرمائی۔ لہٰذا مصنف ابن ابی شیبہ کے یہ دونوں آثار صحیح ہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

هذا ماهو عندی وفوق کل ذی علم علیم

محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

دارالعلوم کنز الایمان فیضیہ، سلطانیہ نصیرہ تحصیل کھاریاں

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد دوم ص 89۔ ادارۃ القرآن دارالعلوم الاسلامیہ کراچی

[2] حوالہ مذکور

سیہی کا گوشت حلال ہے یا حرام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین کہ سیہی کا گوشت حلال ہے یا حرام؟

السائل: قاری محمد یونس صاحب سعید مدرس مدرسہ ہذا

الجواب اقول وبتوفیقہ احول ومنہ الرجاء الی الوصول

سیہی کی تعریف

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

القنفذ الشیهم معروف والانثی قنفذة وانه لقنفذ لیلا أی لاینام کما ان القنفذ لاینام ویقال للرجل النمام قنفذ لیلا [1]

سیہی کو عربی میں قنفذ اور شیہم کہتے ہیں جو معروف جانور ہے اور مونث کو قنفذة کہتے ہیں وہ آدمی جو رات کو جاگتا ہے یعنی سوتا نہیں جیسے سیہی نہیں سوتی۔ اور جو آدمی چغل خور ہو تو کہتے ہیں یہ رات کا قنفذ ہے۔

علامہ زکریا بن محمد بن محمود قزوینی عجائب المخلوقات برحاشیہ حیاۃ الحیوان کبریٰ میں لکھتے ہیں:

قنفذة الحیوان الذی یقال له بالفارسیة خار پشت سلاحه علی ظهره وهو الشوك الذی علیه ویتقنع بحیث لایبین من أطرافه شئی۔ [2]

''سیہی وہ حیوان ہے جسے کو فارسی میں خار پشت کہا جاتا ہے اور اس کا ہتھیار اس کی پشت پر ہوتا ہے اور یہ ہتھیار وہ کانٹے ہیں جو اس کے جسم پر ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو کانٹوں میں اس طرح ڈھانپ لیتا ہے کہ اطراف سے اس کی کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ ہوا کو پسند کرتی ہے اور

---

[1] لسان العرب جلد 11۔ص 325

[2] حیاۃ الحیوان کبریٰ جلد دوم ص 304

اپنے مسکن کے دو دروازے رکھتی ہے ایک جنوب کی جانب اور ایک شمال کی جانب۔ اور سانپ کی دشمن ہوتی ہے۔ انگور کی شاخوں پر چڑھ کر انگور کے گچھے توڑ کر زمین پر پھینکتی ہے اور پھر نیچے اتر کر اسے کھاتی ہے"۔

شیخ کمال الدین دمیری لکھتے ہیں:

القنفذ: البری منه كنية ابو سفيان و ابوالشوك ولانثى أم دلدل والجمع قنافذ ويقال لها العاعس لكثرة ترددها بالليل ـــ الخ۔[1]

"بری سیہی کی کنیت ابوسفیان اور ابوشوک ہے اور مونث ام دلدل ہے اس کی جمع قنافذ ہے اسے "عاعس" رات کو شکار ڈھونڈنے والی کہتے ہیں اسلئے کہ سیہی رات کو بکثرت پھرتی ہے اس کے منہ میں پانچ دانت ہوتے ہیں اور بری مادہ سیہی جفتی کرتی ہے درآنحالیکہ مذکر سیہی کی پشت مادہ سیہی کے پیٹ سے ملی ہوئی ہوتی ہے"۔

علامہ دمیری نے سیہی کے متعلق ایک طویل حدیث نقل کی ہے، اس کا کچھ پیش خدمت ہے:

روى الطبرانى فى معجمه الكبير والحافظ ابن منير الحلبى وغيرهما عن قتادة بن نعمان قال كانت ليلة شديدة الظلمة ـــ الخ[2]

"حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک سخت بارش والی اندھیری رات تھی تو میں نے دل میں کہا آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشا میں حاضر ہونا غنیمت ہوگا۔ تو میں نے ایسا ہی کیا اور مسجد میں حاضر ہوگیا۔ جب مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: قتادہ! میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حاضر ہوں۔ پھر میں نے عرض کیا مجھے معلوم تھا کہ آج رات نماز میں حاضر ہونے والے قلیل ہونگے۔ چنانچہ میں نے پسند کیا کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم واپس جاؤ تو میرے پاس آنا۔ حضرت قتادہ بن نعمان فرماتے ہیں جب میں نماز سے فارغ ہوا تو بارگاہ نبوت

---

[1] حیاۃ الحیوان کبری للدمیر جلد دوم ص 213

[2] معجم طبرانی جلد 19 ص 9-14 دار احیاء التراث العربی۔ مسند احمد جلد سوم ص 65۔ ادارہ احیاء السنہ گھر جاکھ گوجرانوالہ

ﷺ میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے جو آپ کے دست اقدس میں کھجور کی چھڑی تھی مجھے عطا فرمائی اور فرمایا: یہ چھڑی تمہارے دس گز آگے اور دس گز پیچھے روشنی دے گی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے پیچھے تمہارے گھر میں شیطان ہے چنانچہ یہ چھڑی لے جاؤ اور اس سے روشنی حاصل کرو یہاں تک کہ تم اپنے گھر پہنچ جاؤ تو گھر کی ایک جانب تم شیطان کو پاؤ گے تو چھڑی سے اسے مارنا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں مسجد سے نکلا تو وہ چھڑی مثل شمع کے نور کی طرح روشن ہوگئی۔ اور میں اس کی روشنی میں گھر آیا تو میں نے گھر والوں کو سویا ہوا پایا۔ تو میں نے گھر کی ایک جانب دیکھا تو اچانک سیہی پائی تو میں اسے متواتر اس چھڑی سے مارتا رہا حتی کہ وہ باہر نکل گئی"۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے سیہی کو شیطان کہا ہے۔

علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال الشافعی تحل أكل القنفذ لأن العرب تستطيبه و قد أفتى ابن عمر رضی الله عنهما باحته وقال ابوحنيفة والإمام أحمد لا يحل لما روى ابوداؤد وحده ابن عمر رضی الله عنهما سئل عنه فقرء قل لا اجد فيما اوحی الی محرما الاية فقال شيخ عنده سمعت ابا هريرة رضی الله عنهما ان كان قد قال رسول الله ﷺ هذا فهو كما قال۔[1]

"امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سیہی کا کھانا حلال ہے اس لئے کہ عرب اسے لذیذ سمجھتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے مباح ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ نے فرمایا سیہی حلال نہیں اس لئے کہ جو تنہا ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے مذکورہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے حضور، سیہی کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خبائث میں سے ایک خبیث جانور ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے تو یہ اسی طرح ہے جس طرح آپ ﷺ نے فرمایا۔ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے"۔

---

[1] ابوداؤد۔ ص 542۔ رقم الحدیث 3799۔ سنن الکبریٰ للبیہقی جلد 9 ص 326 نشر السنہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

إنه قال جاءت ام حفيد رضى الله عنها بقنفذ إلى رسول الله ﷺ فوضعته بين يديه فنحتاه رسول الله ﷺ ولم يأكله فهو مرسل۔[1]

''حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت ام حفید رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ کے پاس سیہی لے کر آئیں اور نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھ دی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دور فرمادیا اور سیہی سے کچھ بھی تناول نہ فرمایا یہ حدیث مرسل ہے''۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ سیہی حرام ہے اگر حلال ہوتی تو نبی کریم ﷺ اسے شیطان، خبیث جانور نہ فرماتے اور اسے اپنے آگے سے نہ ہٹاتے۔ آیئے! دیکھتے ہیں علماء فقہاء اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

ويحرم جميع الهوام ما يكون سكناه فى الأرض كالفارة والوزغة وسام أبرص والقنفذ والحية والضفدع وكل ما لا دم له كالزنبور۔۔۔ الخ۔[2]

یعنی تمام ھوام جن کی سکونت زمین میں ہے، انہیں حشرات الارض کہتے ہیں یہ سب حرام ہیں جیسے چوہا، چھپکلی، کرلا، سیہی، سانپ، مینڈک اور ہر وہ جانور جس کا خون نہیں یہ سب حرام ہیں۔ تو بقول صاحب فتاویٰ قاضیخان سیہی حرام ہے اور احناف کا یہی مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ سیہی مطلقاً حرام ہے۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

والهوام التى سكناه فى الأرض بيانه الفارة، والوزغة، والقنفذ، والحيات ۔۔۔ الخ۔[3]

''اور ان جانوروں کا گوشت کھانا جائز نہیں جو زمین میں رہتے ہیں، اس کا بیان چوہا، چھپکلی اور سیہی وغیرہ یہ سب جانور حرام ہیں ان کا کھانا گناہ ہے۔ چنانچہ علماء فقہاء نے اس بات پر نص بیان فرمادی کہ سیہی حرام ہے حلال نہیں۔ یہی عند الاحناف معتمد قول ہے جو احادیث کے مطابق ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

---

[1] سنن الکبریٰ جلد 9 ص 326

[2] فتاویٰ قاضیخان آخرین مجلد 4۔ص 337 کتاب الصید

[3] خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الصید الفصل الخامس فیما یوکل وفیما لا یوکل جلد دوم ص 501

نماز میں آستین چڑھانا اور اُتارنا

سوال: نماز سے قبل وضو کے بعد کسی نے آستین کو اپنی کہنی تک چڑھایا ہوا ہو یا عمل قلیل سے نماز میں آستین کو اوپر چڑھایا یا آستین اوپر تھی اور عمل قلیل سے اسے نیچے اتارا ان سب صورتوں میں کیا نماز مکروہ تحریمی ادا ہوگی یا مکروہ تنزیہی؟

الجواب: أقول و من الله الوصول الی هو المقبول عند علماء الفحول

سب سے پہلے اس مسئلہ کا پس منظر بیان کرنا ضروری ہے تا کہ مسئلہ کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ جب مکتبۃ المدینہ کراچی نے صدر الشریعہ حکیم مفتی امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہٗ کی شہرہ آفاق تصنیف "بہارِ شریعت" کی روایات و حوالہ جات کی تخریج کی تو اس وقت ہمارے علاقہ کے کچھ مدنی خطباء حضرات نے خطبات جمعۃ المبارک میں بہار شریعت کے مسئلہ پر لوگوں کو یہ وعظ و نصیحت شروع کردی کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے خواہ آستین نماز سے قبل چڑھائے یا نماز میں اور آستین تھوڑی چڑھائے یا کہنیوں تک۔ جب ان مدنی خطباء حضرات سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: صاحب بہار شریعت نے ایسا ہی لکھا ہے۔

آیئے! صاحب بہار شریعت کی اس مسئلہ کے متعلق تصریح ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔ [1]

جب صاحب بہار شریعت کا مذکور درمختار کا حوالہ، امام حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب درمختار میں دیکھا تو درمختار میں یہ الفاظ جو صاحب بہار شریعت نے نقل فرمائے نہیں تھے۔ چونکہ مرکز فیضان مدینہ کراچی نے اس کتاب کے حوالہ جات کی تخریج فرمائی تھی۔ تو ضروری تھا کہ ان سے دریافت کیا جاتا کہ صاحب بہار شریعت کا حوالہ درمختار کی نص کے مطابق ہے یا نہیں۔ تو اسکی تحقیق کیلئے اس ناچیز نے ضلع جہلم کے دعوت اسلامی کے ایک نہایت ہی معتمد عالم

---

[1] درمختار۔ بہار شریعت۔ حصہ سوم۔ ص 84۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

دین جن کا دعوت اسلامی کے قد آور اور معتبر علماء میں شمار ہوتا ہے حضرت العلامہ مولانا حافظ محمد اسد عطاری زاد اللہ شرفہ جو کہ ہمارے مدرسہ دار العلوم کنز الایمان میں سے ہی مکمل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کر چکے تھے اور آپ کا دولت خانہ بھی آف سرائے عالمگیر ہے سے رابطہ کیا اور جو مرکز فیضان مدینہ کراچی کے تحت بہار شریعت کے حوالہ جات کی تخریج کی گئی اس کے متعلق اس ناچیز نے ان سے سوال کیا کہ آپ برائے مہربانی اصل کتاب دیکھیں کیا در مختار میں یہ الفاظ جو صاحب بہار شریعت نے نقل فرمائے ہیں موجود ہیں یا کہ نہیں۔ انہوں نے فرمایا: میں چند منٹ کے بعد فون کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے فون کیا اور فرمایا در مختار اور اس کی شرح رد المحتار میری نظر میں ہیں اور جو الفاظ صاحب بہار شریعت نے نقل فرمائے ہیں، وہ الفاظ در مختار میں نہیں۔ اس کے بعد میں نے علامہ صاحب سے کہا: یا تو مجھے مرکز فیضان مدینہ کا مکمل پتہ عطا فرمائیں یا میں اس کے متعلق کچھ تحریر کر کے آپ کو بھیج دیتا ہوں اور آپ ہی اپنے مرکز کراچی کو ارسال کریں۔ انہوں نے فرمایا جس طرح تم چاہتے ہو کر لو۔ چنانچہ اس بندہ ناچیز نے ایک جامع استفتاء لکھ کر حضرت العلامہ کی خدمت میں پیش کر دیا تا کہ موصوف اسے اپنے مرکز فیضان مدینہ کراچی ارسال فرمائیں۔ اس استفتاء میں اس ناچیز نے جہاں در مختار کے حوالہ کی تصحیح کے متعلق کچھ عرض کیا وہاں اس مسئلہ کے متعلق بھی سوال کیا اور دلائل جامعہ وقاطعہ کے بارے استفسار کیا کہ جو صاحب بہار شریعت نے نقل فرمایا یہ حضرات علمائے کرام فقہاء کی نصوص کے مطابق ہیں اور انہوں نے اس مسئلہ کو کف ثوب کے تحت ارقام فرمایا ہے اور کف ثوب جمہور علمائے محدثین کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں۔ اور اس ناچیز نے اس استفتاء میں یہ لکھا ہے کہ صاحب بہار شریعت کی یہ عبارت در مختار تو در کنار آپ کی کسی اور معتمد کتاب سے بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حضرت علامہ موصوف نے میرا یہ استفتاء دعوت اسلامی کے مرکز فیضان مدینہ میں ارسال فرما دیا۔ کچھ دنوں بعد اس کا جواب موصول ہوا تو عقل دنگ رہ گئی، حواس باختہ ہو گیا۔ خدایا! یہ اتنا عظیم مرکز اور یہ جواب تو پھر حضرت العلامہ مفتی شیر محمد خان صاحب دامت فیوضہم العالیہ آف بھیرہ شریف کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ ایک دن فون پر آپ سے ملاقات ہوئی عرض کیا حضور! کیا حالات ہیں؟۔ آپ نے جواباً فرمایا میں ان دنوں لاہور کے دینی مدارس کے دورہ پر ہوں اور ان مدارس کے انتظامی اور تدریسی امور کا جائزہ لے رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا اس دورہ سے آپ نے کیا محسوس فرمایا؟۔ آپ نے فرمایا: انتظامی امور کے اعتبار سے دعوت اسلامی کے مدارس پیش پیش

ہیں لیکن تدریسی امور کے اعتبار سے سب سے پیچھے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان کے مرکز میں قد آور شخصیات کا فقدان ہے، یعنی ذی علم حضرات کا قحط ہے۔ تو اس ناچیز کے ذہن میں خیال آیا جب مرکز کا یہ حال ہے تو مرکز کے ذیلی اداروں کا تو خدا حافظ ہوگا۔ چنانچہ مرکز فیضان مدینہ سے جو جواب علامیں دیکھ کر ورطۂ حیرت میں ڈوب گیا کہ وہاں تحقیق نام کی کوئی چیز نہیں۔ مرکز فیضان مدینہ کراچی والوں نے جواب میں مجھے علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح صحیح مسلم جلد اول ص 1302، 1303 کے صفحہ کی فوٹو کاپی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رضویہ کے ایک ورق کی فوٹو کاپی جس کے نیچے درج ہے (فتاویٰ رضویہ جلد 5 ص۔ 309 تا 311) اور نبیرہ صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی مدظلہ العالی کا ایک دس، بارہ صفحات پر مشتمل پمفلٹ جو مسئلہ مسئولہ کے متعلق ہے اور آخر میں مسئلہ آستین کو نقل کیا ہے، ارسال فرمادیا۔ آپ حضرات اس سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مرکز فیضان مدینہ کراچی کی علمی زبوں حالی کا کیا عالم ہے کتب سے تحقیق نہیں فرمائی اور دیگر علماء کی تحقیق کی فوٹو کاپی ارسال کر دی۔ تو حضرت علامہ مفتی شیر محمد خان صاحب آف بھیرہ شریف کا قول درست ہے کہ دعوتِ اسلامی کے ہاں مقتدر علمی شخصیات کا فقدان ہے۔ چنانچہ حضرت علام رسول سعیدی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے تو اسے اختلافی مسئلہ تحریر فرمایا۔ بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی۔ لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ چند نصوص ذکر کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

"تو لازم ہے کہ آستین اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے۔ اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے تو اعادہ کیا جائے کما ھو حکم صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ کما فی الدر وغیرہ"۔ تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں یہ فرمایا کہ جب کسی نے نماز سے پہلے آستین چڑھائی ہو تو اپنی آستین کو اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جد الممتار علی رد المختار میں اس کے خلاف نقل فرمایا ان شاء اللہ آئندہ اوراق میں اس تصریح کو نقل کروں گا۔ باقی رہا صدر الشریعہ حکیم مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت علامہ مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی مدظلہ العالی بانی دار العلوم صادق الاسلام 10/483 لیاقت باغ کراچی، تو جب میں نے ان کا رسالہ پڑھا جس میں آپ نے مسئلہ آستین کے تحت حضرت علامہ بدر الدین عینی صاحب "عمدۃ القاری شرح صحیح

بخاری کی ایک عبارت متعلق تشمیر کم نقل فرمائی اوراس کا ترجمہ نہایت ہی غلط فرمایا۔ بندہ ناچیز نےفون پرآپ سے رابطہ کیااورعرض کیا کہ حضرت: آپ نے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا ترجمہ غلط فرمایا ہے توجواباً قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اس ناچیز نے آپ کوعلامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت پڑھ کرسنائی اور عرض کیا کہ آپ نے ترجمہ غلط فرمایا ہے،فون بند ہوگیا۔ ہمارے مدرسہ کے ایک استاد قاری محمد یونس سعیدی صاحب نے آپ سے رابطہ کیااورعرض کیا کہ قبلہ مفتی صاحب: اصل مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء میں کسی نے بھی اسے مکروہ تحریمی نقل نہیں کیا صرف لفظ مکروہ مطلق سے اسے بیان کیا ہے۔ جناب قبلہ مفتی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا تم مسئلہ آستین کومع جملہ اشکال لکھ کر بھیج دوتو میں اس کا آپ کو جواب تحریر کر کے ارسال کردوں گا۔ چنانچہ اس ناچیز نے مسئلہ آستین کوبطور فتویٰ لکھ کرآپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ میں نے یہ فتویٰ 17 رمضان المقدس ماہ جون 2016ء کوتحریر کیااورقبلہ مفتی صاحب زاداللہ شرفہ کی خدمت اقدس میں ارسال کردیا۔ وہ فتویٰ یہ ہے:

مسئلہ: کیا نماز میں آستین کوکہنیوں تک چڑھانا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی۔ اقول و باللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ الحتقیق

اس مسئلہ میں ایک قاعدہ ہے جسے صاحب البحرالرائق نے نقل فرمایا:

وکرہ عبثہ بثوبہ وبدنہ والمکروہ فی ھذا الباب نوعان أحدھما ماکرہ تحریما وھو الحمل عند إطلاقھم الکراھۃ کما ذکرہ فی فتح القدیر۔۔۔ الخ۔[1]

''اس باب میں مکروہ دوقسم کے ہیں ایک تحریمی، مطلق کراہت کے وقت یہی محمل ہے'' جیسا کہ اسے صاحب فتح القدیر نے ذکرکیااورکہا کہ یہ واجب کے رتبہ میں ہے۔ اورمکروہ تحریمی اس سے ثابت ہوتا ہے جس سے واجب ثابت ہوتا ہے یعنی نہی ظنی الثبوت الدلالۃ سے۔ دوسرا مکروہ تنزیہی ہے جس کا مرجع ترک اولیٰ ہےاوربہت زیادہ علماء اسے مطلق بولتے ہیں اورمرادمکروہ تنزیہی لیتے ہیں۔ چنانچہ اگردلیل ممانعت نہ ہوبلکہ مفید ترک غیرجازم ہوتویہ مکروہ تنزیہی ہے''۔

1 نہی ظنی الثبوت کی دلیل صحاح ستہ کی معیقیب سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے

---

[1] البحرالرائق حصہ دوم۔ ص 19 سعید کمپنی کراچی

فرمایا نماز میں کنکروں کو مس نہ کرو۔ اگر ضروری ہو تو فقط ایک بار۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ میں نے جس چیز کے متعلق دریافت کیا آپ نے بیان فرما دیا حتی کہ میں نے نماز میں کنکریوں کو برابر کرنے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر رضی اللہ عنہ! ایک بار کرلو، زیادہ کرنا چھوڑ دو۔ ایسی کوئی دلیل جو کہ قوی ہے اور نہ ہی ظنی الثبوت ہو، پیش کریں جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو نماز سے قبل یا نماز میں معجّل قلیل آستین کا کہنیوں تک یا کہنیوں سے کم تک چڑھانا ممنوع ہو۔ چنانچہ جملہ فقہائے کرام نے مسئلہ تشمیر کم کو حدیث کف ثوب پر محمول و قیاس کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحاح ستہ میں فضل سجود کے تحت مروی ہے۔ اس حدیث مبارک کے متعلق حضرات علماء فقہا کی تصریحات کے بعد صحیح بخاری کے جملہ شارحین کے اقوال نقل کروں گا۔ واللہ یهدی الی سبیل الرشاد

2 صاحب البحر الرائق نے ''وکف ثوبہ'' کے ماتحت ارقام فرمایا:

للحديث السابق سواء كان بين يديه أو من خلفه عند الانحطاط للسجود والكف هو الضم والجمع ولأن فيه ترك سنة اليد۔[1]

''بمطابق حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما خواہ وہ شخص کپڑا مسجد میں جاتے وقت آگے سے اٹھائے یا پیچھے سے اور کف بمعنی ملانا اور جمع کرنا ہے اس لئے کہ کف ثوب میں ہاتھ کی سنت کا ترک ہے''۔

اور باجماع جملہ احناف سجدہ میں دونوں ہاتھوں کا رکھنا سنت ہے۔ اسی طرف صاحب البحر الرائق نے اشارہ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا ترک سنت کا مقابل ترک اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔

3 علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں فرمایا:

أيضا عن نجم الائمة و كان يرسل كميه فى الصلوة و يقول فى إمساكها كف الثوب وانه مكروه ثم رمز إلى مجد الائمة الحكيمى وغيره أنهم كانوا يسكون ذلك قال رضى الله

[1] البحر الرائق ص 24۔ سعید کمپنی کراچی

عنه وهوا الاحوط۔[1]

''نجم الائمۃ سے روایت ہے کہ وہ نماز میں اپنی آستین کو نیچے چھوڑ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ آستین کا اوپر چڑھا کر رکھنا کف ثوب ہے اور وہ مکروہ ہے۔ پھر انہوں نے مجد الائمہ حکیمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ اور جملہ مشائخ آستین کو چڑھائے ہوئے رکھتے تھے۔ مجد الائمہ فرماتے ہیں یہ احوط ہے اور یہ مکروہ تنزیہی کی دلیل ہے نہ کہ مکروہ تحریمی کی۔

4۔ منتقی الابحر شیخ ابراہیم بن محمد حلبی کی شرح مجمع الانھر شیخ محمد بن سلیمان المعروف بہ شیخ زادہ فرماتے ہیں:

كف ثوبه وهو رفعه من بين يديه أو من خلفه إذا اراد أن يسجد لأن فيه ترك السنة سواء يقصد رفعه عن التراب أولا وقيل لا بأس بصونه عن التراب۔[2]

''مصنف کا قول ''کف ثوبہ'' یہ اپنے آگے یا پیچھے سے کپڑا اٹھاتا ہے جب وہ سجدہ کا ارادہ کرے۔ اس لئے کہ اس میں ترک سنت ہے۔ خواہ وہ کپڑے کو مٹی سے اٹھانے کا ارادہ کرے۔ بعض کہتے ہیں کپڑے کو مٹی سے بچانا اس میں کوئی حرج نہیں''۔

5 صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں:

وفی المنية كان نجم الائمة الحكيمی يرسل الكم لأن فی الإمساك كف الثوب و كان غيره من المشائخ يمسكونه هوالأحوط ۔ وكفه أی ضم الثوب و رفعه من بين يديه أو من خلفه عند السجود كما فی الكرمانی وقيل لا بأس به لصونه عن التراب كما فی الزاهدی۔[3]

''منیہ میں ہے کہ نجم الائمہ حکیمی آستین کو نیچے لٹکائے رکھتے تھے اس لئے کہ امساک (یعنی آستین کو بند رکھنا مراد اوپر چڑھا ہوا رکھنا) میں کف ثوب ہے اور ان کے علاوہ جملہ مشائخ گرامی آستین کو اوپر چڑھائے ہوئے رکھتے تھے اور یہی احوط ہے اور کف کا معنی کپڑے کو اکٹھا

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق جزء دوم ص 24

[2] مجمع الانھر جلد اول ص 124

[3] جامع الرموز جز اول۔ ص 194

کرنا اور سجدہ کے وقت اسے آگے یا پیچھے سے اٹھانا ہے جیسا کہ کرمانی میں ہے اور بعض نے کہا کپڑے کو مٹی لگنے سے بچانے کیلئے اٹھانے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ زاہدی میں ہے"۔

اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جو صحاح ستہ میں مروی ہے، اس کے متعلق شارحین صحیح بخاری کی تصریحات بینات پیش خدمت ہیں:

6 حافظ ابن حجر عسقلانی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

وظاهره يقتضى ان النهى فى حال الصلوة واليه جنح داؤدى ورده عياض بأنه خلاف ما عليه الجمهور فانهم كرهوا ذلك للمصلى سواء فعله فى الصلوة أو قبل أن يدخل فيها واتفقوا على أنه لا يفسد الصلوة لكن حكى عن منذر عن الحسن وجوب الاعادة۔[1]

"اس حدیث مبارک کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ نہی "لا یکف شعرا ولا ثوبا" نماز کی حالت میں ہے اور اسی طرف داؤدی نے میلان کیا (یعنی یہ نہی ظنی الثبوت ہے جو کراہت تحریمہ پر دلالت کرتی ہے) اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے داؤدی کے اس قول کا رد فرمایا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ نہی اس چیز کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں کیونکہ وہ اسے نمازی کیلئے مکروہ (تنزیہی) سمجھتے ہیں خواہ نمازی یہ کام نماز میں کرے یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے کرے۔ اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فعل مفسد نماز نہیں۔ لیکن ابو منذر نے حسن بصری سے نماز کے اعادہ کے وجوب کی حکایت کی ہے"۔

حافظ عسقلانیؒ کا یہ استدراک اس بات کی قوی دلیل ہے کہ "فانهم كرهوا" سے مراد کراہت تنزیہی ہے ورنہ اس استدراک کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ فافہم وتدبر

7 امام قسطلانیؒ نے صحیح بخاری کی شرح ارشاد الساری میں اس حدیث کے تحت فرمایا:

ورده القاضى بانه خلاف ما عليه الجمهور فانهم كرهوا ذلك للمصلى سواء فعله فى الصلوة أو خارجها والنهى محمول على التنزيه۔[2]

"قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے داؤدی کے اس قول کا رد فرمایا (یعنی نہی ظنی الثبوت کا) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ نہی اس چیز کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک نمازی کیلئے یہ فعل مکروہ (تنزیہی) ہے خواہ نماز کے اندر کرے یا نماز سے باہر۔

---

1. فتح الباری شرح صحیح بخاری باب فضل السجود جلد دوم ص 296
2. ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد دوم۔ ص 530

اوراس حدیث میں ممانعت مکروہ تنزیہی پر محمول ہے''۔

چنانچہ حافظ ابن حجر کے استدراک واستثنا کے ابہام کو امام قسطلانیؒ نے یہ فرما کر ''ھنا النھی محمول علی التنزیہ'' رد فرمادیا۔ معلوم ہوا کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے اور جملہ فقہائے کرام نے ''آستین چڑھانے کو'' کف ثوب پر محمول وقیاس کیا ہے۔ چنانچہ کف ثوب شافعیوں اور مالکیوں کے اقوال کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے تو بالضرور آستین چڑھانا بھی مکروہ تنزیہی ہی ہوگا۔

8 علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تحت وہی نقل فرمایا جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام قسطلانیؒ نے ارقام فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وفی التلویح اتفق العلماء علی النھی عن الصلوۃ و ثوبہ شمراء کمہ أو رأسہ معقوص أو مردود شعرہ تحت عمامتہ و نحوذلک وھو کراھۃ تنزیہ ولو صلی کذلک فقد أساء و صحت صلوتہ۔ احتج الطبری بالإجماع وقال ابن التین ھذا مبنی علی الا ستحباب۔ فأما إذا فعلہ فحضرت الصلوۃ فلا بأس أن یصلی کذلک۔[1]

تلویح میں ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھنا ممنوع ہے درانحالیکہ اس نے کپڑا اوپر اٹھایا ہوا ہو یا آستین اوپر چڑھائی ہو یا سر میں نماز سے پہلے بالوں میں چوٹی بنائی گئی ہو یا نمازی نے اپنے سارے بال عمامہ کے نیچے لوٹا دیئے ہوں یا اس کی مثل کوئی اور فعل کرنا، یہ ممانعت مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر اس نے اس حالت میں نماز پڑھی تو اس نے برا کیا اور اس کی نماز صحیح ہے۔ اور امام طبری نے اس میں اجماع امت کے ساتھ حجت قائم کی ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے اور ایسا کرنا سوء ادب ہے اور نماز صحیح ہے۔ ابن التین نے کہا یہ فعل استحباب پر مبنی ہوگا جب نمازی نے ایسا کیا (یعنی آستین وغیرہ چڑھائی) اور نماز کا وقت ہوگیا تو اسی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ فرمادیا اور اس مسئلہ کے متعلق جو غبار تھا، اسے صاف فرمادیا۔

واللہ اعلم بالصواب

ھذا ما عندی وفوق کل ذی علم علیم

کتبہ محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

[1] عمدۃ القاری جلد 6۔ ص 91

کیا کہنیوں تک چڑھی آستین سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

اب قبلہ مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی مدظلہ العالی نے جو میرے اس مکتوب کا جواب تحریر فرما کر ارسال کیا ہے، وہ بھی پیش خدمت ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نحمده ونصلی و نسلم علی حبیبه الکریم وعلی آله و أصحابه المحبین الطیبین الطاهرین اجمعین۔

دار العلوم کنز الایمان فیضیہ سلطانیہ، نصیرہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے مہتمم جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب کی طرف سے دو قسم کی دستی تحریر کی فوٹو کاپی رمضان المبارک کی 27 تاریخ سن 1437ھ کو بذریعہ T.C.S. موصول ہوئی۔

ان تحریروں کے اصل جواب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمارا اور علامہ موصوف کا کف ثوب کے متعلق کیا موقف ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ کف ثوب حالت نماز میں عمل قلیل ہے، مسجد میں جاتے وقت اپنے سامنے یا پیچھے سے کپڑا اٹھایا کپڑا چڑھا کر یا موڑ کر نماز شروع کرنا یہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ آستین میں نصف کلائی تک مکروہ تنزیہی ہے اور نصف سے زائد چڑھی ہوئی ہو تو مکروہ تحریمی ہے وہ بھی اس لئے کہ جلد بازی میں امام کے ساتھ رکعت حاصل کرنے میں تھوڑی چڑھی رہ جاتی ہے۔ شامی میں ہے: لو شمر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة۔۔۔ وقید الكراهة فی الخلاصة والمنیة بان یکون رافعاً کمیه إلی المرفقین و ظاهره أنه لا یکره إلی ما دونها۔ قال فی البحر والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب علی الكل، ونحوه فی الحلیة و كذا قال فی شرح المنیة

الکبیرأن التقیید بالمرفقین اتفاق [1]

قلت: مفتی صاحب نے کف ثوب کی جو تعریف فرمائی، یہ عبارت اس کی تائید میں پیش کی جب اس کا جواب پڑھیں گے تو بالتفصیل آپ اس عبارت سے آگہی ہوگی۔

قبلہ مفتی صاحب لکھتے ہیں: علامہ موصوف نے اپنے مؤقف کی تائید میں چار فقہی عبارتیں اور تین شروح حدیث یعنی صحیح بخاری کی شروح فتح الباری، ارشاد الساری اور عمدۃ القاری کی ایک ایک عبارت نقل کی ہے۔

ان میں سے ہر ایک کا جواب بالترتیب ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ موصوف نے جو دو قسم کی تحریریں ارسال کی ہیں، ان کی دو تحریروں میں سے ایک تحریر دار العلوم کے لیٹر پیڈ پر ہے۔ جس میں انہوں نے فرمایا: مسئلہ:

کیا نماز میں آستین کا کہنیوں تک چڑھانا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی۔ اس کے بعد بطور جواب اقول باللہ التوفیق الخ۔ تحریر فرمایا اور کنز کے متن ''وکرہ عبثہ بثوبہ وبدنہ'' اور البحر کی عبارت ''والمکروہ فی ھذا الباب نوعان الخ'' نقل کر کے حوالہ البحر حصہ دوم ص 19 تحریر کیا۔ علامہ صاحب کی نقل کردہ عبارت احدھما ماکرہ تحریما وھوالمحمل عند اطلاقھم الکراھیۃ کما ذکرہ فی فتح القدیر الخ سے تو خود ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ ہمارے موقف کا ثبوت روز روشن کی طرح واضح وعیاں اور خوب ظاہر و باہر ہے۔ رہا علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ دوسرا مکروہ تنزیہی ہے جس کا مرجع ترک اولیٰ ہے اور بہت زیادہ علماء اسے مطلق بولتے ہیں مراد مکروہ تنزیہی لیتے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ مکروہ تحریمی کے متعلق آپ نے خود البحر سے نقل فرمایا ''وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھیۃ'' جس سے ظاہر ہے کہ تمام علماء فقہاء مکروہ بول کر تحریمی مراد لیتے ہیں جبکہ تنزیہی کے متعلق فرمایا ''کثیرا مایطلقونہ کما ذکرہ العلامۃ الحلبی فی مسئلۃ مسح العرق'' جس سے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے علماء مکروہ بول کر تنزیہی مراد لیتے ہیں پھر علامہ حلبی کی مسئلہ مسح لعرق میں ذکر کردہ مثال بیان کی۔ اس کے علاوہ علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی میں خاص اس آستین کے مسئلہ کے متعلق تحریر

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ مطلب فی الکراہۃ التحریمیۃ والتنزیہیۃ جلد دوم ص 35

فرماتے ہیں (و) یکرہ ایضا (أن یرفع کمہ) اے یشمرہ (إلی المرفقین) وھذا قید اتفاق فانہ لو شمر الی مادون المرفقین یکرہ أیضاہ کف للثوب وھی منھی عنہ فی الصلوٰۃ عام وھذا اذا شمرہ خارج الصلوٰۃ وشرع فی الصلوٰۃ وھو کذالک امالو شمرہ فی الصلوٰۃ تفسد لانہ عمل کثیر۔ (غنیۃ المستملی یکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ ص 348)۔ اور یہ بھی مکروہ ہے کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو اور یہ قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ کہنیوں کے نیچے تک بھی چڑھائی ہو جب بھی مکروہ ہے کہ یہ کپڑے کا موڑنا ہے حالانکہ وہ نماز میں منہی عنہ ہے۔ جیسا کہ گزر گیا اور یہ اس وقت ہے جب اس نے نماز شروع کی ہو اور اگر دوران نماز آستین چڑھائے تو نماز ہی فاسد ہو جائیگی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔

پھر صاحب البحر الرائق نے مفصلا فرمایا "فحینئذ اذا ذکروا مکروھا فلا بد من نظر فی دلیلہ فان کان نھیا ظنیا حکم بکراھۃ التحریم۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ جب فقہاء مکروہ بیان کریں تو ضروری ہے کہ اس کی دلیل میں غور وفکر کیا جائے تو اگر نہی ظنی ہے تو کراہت تحریمہ کا حکم دیا جائیگا۔ نیز فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت والمرتبت مجدد دین و ملت رحمۃ اللہ علیہ بعض احکام تکلیفیہ کی طویل بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ فقہاء بار بار مطلق بولتے اور اس سے خاص مکروہ تنزیہی اور تنزیہی وتحریمی دونوں کو عام مراد لیتے ہیں مگر یہ وہاں ہے کہ ارادہ کراہت تحریمہ سے کوئی صارف موجود ہو مثلا دلیل سے ثابت یا خارج سے معلوم ہو کہ جیسے یہاں مطلق مکروہ کہا مکروہ تحریمی نہیں یا جو افعال یہاں بیان کیے گئے، ان میں مکروہ تنزیہی بھی ہے "کما یفعلونہ فی مکروھات الصلوٰۃ"[1]

قلت: غالباً قبلہ مفتی صاحب یہاں کتاب کا نام بھول گئے ہیں اور یہ عبارت غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کی ہے جس کا حوالہ آپ نے پیش فرمایا۔ بے قیام دلیل ہمارے مذہب میں اصل وہی ارادہ کراہت تحریمہ ہے "کما ھو عن نص المحقق علی الاطلاق وکتب المذھب طافحۃ بذالک تو کراہت تنزیھہ کی طرف پھیرنا ہی محتاج دلیل ہے ورنہ استدلال نہر تام ہے۔[2]

---

[1] باب ما یکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ ص 348

[2] العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ جلد اول ص 683۔ جدید مع تخریج مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات انڈیا

اور علامہ عمر نے امام اجل قاضی خاں وغیرہ کا ترک اسراف سنت فرمانا بھی اسی طرح راجع کرنا چاہا کہ سنت سے مراد موکدہ ہے اور اس کا ترک مکروہ تحریمی۔ اعلیٰ حضرت علامہ عمر کا یہ قول بیان فرما کر یوں تائید فرماتے ہیں ''اقول'' اقوال بعض متاخرین میں اس کی تائیدوں کا پتہ چلے گا۔ البحر الرائق آخر مکروہات الصلوٰۃ پھر ردالمحتار میں ہے۔ السنۃ اذا کانت موکدۃ قویۃ لا یبعد ان یکون ترکھا مکروھا کراہۃ تحریم کترک الواجب (بحر الرائق جلد دوم ص 57 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد وما یکرہ فیھا مطلب فی بیان السنۃ والمستحب الخ ج دوم ص 368۔ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ص 368۔ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد اول ص 676-677 مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات انڈیا) یعنی سنت جب موکدہ قویہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہونا بعید نہیں جس طرح واجب کا ترک (مکروہ تحریمی ہونا بعید نہیں)

قلت: یہاں قبلہ مفتی صاحب سے لغزش واقع ہوئی ہے۔ مفتی صاحب کے قول کے مطابق ترک واجب میں کراہت تحریمہ بھی مشکوک ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ترک واجب کراہت تحریمہ کو مستلزم ہے سنت موکدہ قویہ کا مکروہ تحریمہ ہونا مشکوک ہے بلکہ سنت موکدہ کا ترک کراہت تحریمہ کے قریب ہے، دونوں برابر نہیں۔

ابوالسعود علی مسکین پھر طحطاوی علی الدر المختار۔ صدر مکروہات میں ہے۔

الفعل إذا كان واجبا أو ما في حكمه من سنة الهدى و نحوها فالترك يكره تحريما وإن كانت سنة زائدة أو ما في حكمها من الأدب ونحوه يكره تنزيها"[1]

''فعل جب واجب ہو یا واجب کے حکم میں ہو جیسے سنت موکدہ وغیرہا تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔ اگر سنت زائد ہو یا جو اس کے حکم میں ہے، جیسے ادب وغیرہ تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے''۔

غنیۃ المستملی کے مکروہات صلوٰۃ میں ہے، الفعل ان تضمن ترك واجب فهو مكروه كراهة تحريم أن تضمن ترك سنة فهو مكروه كراهة تنزيه ولكن تتفاوت في الشدة

[1] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

والقرب من التحریمة بحسب تاکد السنة[1]

''یعنی فعل اگر ترک واجب کو شامل ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر ترک سنت کو متضمن ہو تو مکروہ تنزیہی ہے مگر کراہت تحریمی شدت وقرب کے اعتبار سے مختلف ہوتی اس میں اعتبار سنت موکدہ کا ہے''۔

مزید امام اہلسنت فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: مقتضائے کلام امام زیلعی کے مطلق مکروہ سے غالباً مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے اور البحر الرائق میں اسے قضیہ کلام منتقی بتایا کہ اس میں اسراف کو منہیات سے شمار فرمایا اور ہر منہی عنہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔ بحر میں ہے، ''صرح الزیلعی بکراھته وفی المنتقی انه من المنھیات فتکون تحریمیة''[2]

(امام زیلعی نے اس کے مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی اور منتقی میں اسے منہیات سے شمار کیا تو یہ مکروہ تحریمی ہوگا)۔

منحة الخالق میں الانہر کے حوالے سے ہے، ''الظاھر أنه مکروہ تحریما إذا أطلاق الکراھة مصروف إلی التحریم فما فی المنتقی موافق لما فی السراج والمراد بالسنة الموکدة لإطلاق النھی عن الإسراف وبه یضعف جعله مندوبا''[3]

(ظاہر یہ ہے کہ اسراف مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ جب مطلق مکروہ بولا جائے تو مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے تو منتقی کا کلام سراج کے مطابق ہے اور سنت سے مراد سنت موکدہ ہے اسلئے کہ اسراف سے مطلق نہی ہے اور اسی لئے اسے مندوب کہنا ضعیف ہوجاتا ہے)۔[4]

''مزید برآں البحر کے اشکال مذکور ''یشکل علیه ما قالوہ من أن المکروہ تنزیھا مرجعه الی خلاف الاولی ''یعنی اس پر علماء کے اس قول سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے (البحر الرائق جلد دوم ص 32 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، رد المحتار کتاب

---

[1] غنیۃ المستملی کتاب الصلوۃ باب مکروہات الصلوۃ

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ

[3] منحۃ الخالق علی حاشیۃ البحر الرائق کتاب الطہارۃ، مستحب الوضوء جلد اول۔ ص 29 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[4] العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد اول 655۔656۔ مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات انڈیا

الصلوۃ باب ما یفسد و ما یکرہ فیہا قتل الحیۃ) پر منحۃ الخالق میں فرمایا "إن الكراهة لا بد لها من دليل خاص و بذلك يندفع الإشكال لأن المكروه تنزيها الذي ثبتت كراهته بالدليل يكون خلاف الاولى ولا يلزم من كون الشئ خلاف الاولى ان يكون مكروها تنزيها مالم يوجد دليل الكراهة "یعنی کراہت کیلئے دلیل خاص ضروری ہے اسی سے اشکال دفع ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ مکروہ تنزیہی جس کی کراہت دلیل سے ثابت ہے وہ خلاف اولیٰ ہے اور کسی چیز کے خلاف اولیٰ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ تنزیہی ہو جب تک کہ دلیل کراہت نہ پائی جائے"۔

قلت: محترم جناب قبلہ مفتی صاحب نے جو دلائل سنت بے ربط صفحہ قرطاس پر تحریر فرمائے یہ سب لایعنی اور لاحاصل ہیں جن میں کوئی ربط نہیں۔ کلام ہے نماز کی سنت کے متعلق وہ سنت جو نماز کی ماہیت واجزاء میں سے ہے نہ کہ وہ سنت جو خارج از نماز ہے۔ لہذا قبلہ مفتی صاحب کی سنت کے متعلق یہ بحث مطلقاً خلاف قاعدہ صلوۃ ہے اور عبارات میں کوئی ربط نہیں۔ مجھ جیسا ناچیز اس کو سمجھنے سے قاصر ہے تو اور لوگ اس سے کیا حاصل کریں گے۔ یہ ناچیز ان شاء اللہ اس کے متعلق مفتی صاحب کے مکتوب کے جواب میں سنت کے متعلق با تفصیل عرض کرے گا۔ قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں: آپ نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے منحۃ الخالق میں فرمایا "أيضا عن نجم الأئمة وكان يرسل كميه الخ" علامہ ابن عابدین شامی نے یہ عبارت قنیہ کے حوالہ سے پیش فرمائی ہے جبکہ ہم انہیں علامہ ابن عابدین شامی کے حوالہ سے اس فعل (کف ثوب وشعر) کا مکروہ تحریمی ہونا کئی بار ثابت کر چکے ہیں اور آگے بھی عبارتیں آئیں گی۔ اسی منحۃ الخالق میں آپ کی پیش کردہ عبارت سے ایک صفحہ پہلے ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تحریر فرماتے ہیں: "فقد وجد فى الامتعاء على هذا التفسير كل من الأمرين أيضاً لأن عقبة الشيطان منهي عنها أيضا كما مر فيكون الاقعاء على تفسير الكرخي مكروها تحريما سواء كان هو المراد من حديث ابي هريرة أولا إلا أن يوجد صارف للنهي عن التحريم إلى الندب"[1]

اور آپ کی پیش کردہ عبارت سے چند سطر پہلے تحریر فرماتے ہیں۔ وتكره الصلوة

---

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق جلد دوم ص 41 (المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ)

أیضا مع تشمیر الکم عن الساعد فلا مخالفة بینه و بین الخلاصة والمنیة کذا فی الشرنبلالیة تامل[1]

قلت: محترم قبلہ مفتی صاحب نے میرے سوال کا جواب ایسا ہی ارشاد فرمایا جیسے کہتے ہیں سوال چنا جواب گندم۔ میرا سوال یہ تھا کہ نجم الائمہ حکیمی جب نماز سے قبل آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھتے تو عمل قلیل سے آستین کو نیچے اتار لیتے اور ان کے علاوہ مجد الائمہ اور دیگر مشائخ آستین کو چڑھائے رکھتے اور یہی احوط ہے۔ لہٰذا علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ نص کراہت تنزیہی پر دلالت کرتی ہے۔ اگر آستین کا چڑھانا مکروہ تحریمی ہوتا تو دیگر مشائخ بھی آستین کو نیچے اتارتے اور نیچے نہ اتارنے کو علماء لفظ احوط سے تعبیر نہ کرتے۔ اور قبلہ مفتی صاحب اس کے جواب میں نماز میں کتے کی طرح چوپر بچھا کر نماز پڑھنے کا جواب ارشاد فرمارہے ہیں۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں کیا یہ میرے سوال کا جواب ہے؟ میں یہ مقدمہ حضرات علمائے کرام کی عدالت میں پیش کرتا ہوں۔ وہ فیصلہ فرمائیں کہ قبلہ مفتی صاحب کا جواب بمطابق سوال ہے یا نہیں؟ اور قبلہ مفتی صاحب نے اس کا دوسرا جواب بھی علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی منحۃ الخالق علی البحرالرائق سے تحریر فرمایا "لفظ" وتکرہ الصلوۃ ایضا مع تشمیر الکم عن الساعد الخ۔ یہاں علامہ شامی رحمہ اللہ نے صاحب البحرالرائق کی ایک نص کا جواب ارشاد فرمایا ہے۔ صاحب البحرالرائق فرماتے ہیں: فتح القدیر میں ہے کہ کف ثوب میں تشمیر الکم عن الساعد الخ ۔ یہاں علامہ شامی رحمہ اللہ نے صاحب البحرالرائق کی ایک نص کا جواب فرمایا ہے۔ صاحب البحرالرائق فرماتے ہیں: فتح القدیر میں ہے کہ کف ثوب میں تشمیر کم بھی آتا ہے۔ صاحب البحرالرائق فرماتے ہیں: اس کا ظاہر مطلق ہے اور منیۃ المصلی میں کراہت کی قید یہ ہے کہ دونوں آستینیں کہنیوں تک چڑھائی ہوں۔ صاحب البحرالرائق فرماتے ہیں: اس کا ظاہر متقاضی ہے کہ آستین کہنیوں سے کم چڑھائی ہوئی ہو تو مکروہ نہیں اور ظاہر اطلاق کف ثوب کے صدق کی وجہ سے کل پر آتا ہے تو اس اختلاف کا جواب دیتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر آستین بازو سے اوپر تک بھی چڑھائی ہو تو مکروہ ہے اس طرح صاحب

---

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق جلد دوم ص 42 مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ

البحر الرائق اور خلاصہ ومنیۃ المصلی کے درمیان مخالفت ختم ہو جائیگی ۔ چنانچہ مفتی صاحب نے تذبذب کی حالت میں دونوں عبارتوں کا ترجمہ بھی نہیں فرمایا اور قبلہ مفتی صاحب میرے سوال کا کما حقہ جواب دینے سے قاصر رہے ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں یہی علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ قول درمختار ''و عقص شعرہ'' پر رقمطراز ہیں: أی ضفیرہ وفتلہ والمراد بہ أن یجعلہ علی ھامتہ ویشدہ بصمغ أو أن یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء فی بعض الأوقات أو یجمع الشعر کلہ من قبل القفاء ویشدہ بخیط أو خرقۃ کی لایصیب الأرض إذا سجد و جمیع ذلک مکروہ لما روی الطبرانی فی الکبیر ابو سعید الطائفی عن ابی رافع رقم الحدیث 99 وقال البیہقی ورجالہ رجال الصحیح) أنہ علیہ السلام نہی أن یصلی الرجل و رأسہ معقوص'' واخرج الستۃ عنہ ﷺ أمرت أن أسجد علی سبعۃ أعضاء وأن لا أکف شعراً ولا ثوبا (البخاری 812 و مسلم 490 عن حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما) شرح المنیۃ و نقل فی الحلیۃ عن النووی إلا أن ثبت علی التنزیہ إجماع فیتعین القول بہ (ردالمختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا فی الخشوع جلد دوم ص 352 ۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

''اور مکروہ ہے مصلی کیلئے اپنے بالوں کا جوڑا بنانا، عقص شعر سے مراد یہ ہے کہ بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے چپکا دے یا اپنی چوٹیا اپنے سر کے گرد لپیٹ لے جس طرح بعض اوقات عورتیں کرتی ہیں یا تمام بالوں کو گدی کی طرف جمع کر کے دھاگہ یا کپڑے سے باندھ لے تاکہ سجدہ کرتے وقت زمین پر نہ پہنچے، یہ سب کا سب مکروہ ہے کیونکہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے مرد کو اپنے بال موڑ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور صحاح ستہ نے آپ ﷺ سے روایت کیا کہ مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں بالوں اور کپڑوں کو نہ موڑوں ۔ اسی طرح منیۃ المصلی میں ہے اور حلیہ میں امام نووی سے منقول ہے یہ مکروہ تنزیہی ہے ۔ (وہ خود شافعی المذہب ہیں یہ حکم شافعیوں کا ہے) پھر سیاق احادیث کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہو مگر جبکہ مکروہ تنزیہی ہونے پر اجماع ثابت ہو جائے، لہٰذا مکروہ تنزیہی ہونا متعین ہے''۔

قلت: جناب قبلہ مفتی صاحب اپنے ثبوت میں اتنے متحیر ومتزلزل ہیں کہ آپ کو اپنی تحریر بھی یاد نہیں۔ پہلے فرمایا یہ مکروہ تنزیہی شافعیوں کا مذہب ہے اور امام نووی بھی شافعی المسلک ہیں۔ پھر امام نووی کا یہ قول نقل فرما کر کہ سیاق احادیث کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور پھر مفتی صاحب نے ترجمہ ہی نہایت غلط فرمایا ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ امام نووی فرماتے ہیں سیاق احادیث کے زیادہ مشابہ یہی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ مگر جبکہ مکروہ تنزیہی پر اجماع ثابت ہو چکا تو قول مکروہ تنزیہی ہی متعین ہوگا۔ واللہ یھدی الی سبیل الرشاد

قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں: علامہ موصوف نے ملتقی الابحر العلامۃ الفقیہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی کی شرح مجمع الانھار محقق عبدالرحمن بن محمد کلیونی کی عبارت "کف ثوب وھو رفع ۔۔ الخ" اس کے جواب میں عرض ہے: اولا اس عبارت سے ہرگز کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ البتہ قیل سے ایک قول "لاباس بصونہ عن التراب" (مجمع الانہر باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا جلد اول ص186 مطبوعہ المکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ) بیان کیا گیا۔ قیل بیچارہ خود ہی کمزور ہے جس سے استدلال کرنا ہی درست نہیں۔ ثانیا اسی مجمع الانھار سے اسی باب میں ملاحظہ فرمائیں۔ (وکرہ عبثہ) ای لعبہ والضمیر راجع الی المصلی بقوبیۃ المحل (بثوبہ وبدنہ) لقولہ علیہ السلام ان اللہ تعالیٰ کرہ لکم ثلاثا متوالیا۔[1]

قلت: محترم جناب قبلہ مفتی صاحب کی علمی استعداد کا اندازہ لگایئے کہ آپ نے صاحب مجمع الانھار کی جو حدیث نقل فرمائی "إن اللہ کرہ لکم ثلاثا متوالیا وذکر منھا العبث فی الصلوٰۃ" اس کی تخریج میں آپ نے بخاری ومسلم اور امام احمد کی مسند کا حوالہ پیش کیا۔ اب جو حدیث قبلہ مفتی صاحب نے بیان کی وہ یہ ہے:

عن مغیرۃ ابن شعبۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ کرہ لکم ثلاثا قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال۔[2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ حدیث 53، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ حدیث 12، 13۔ مسند امام احمد جلد دوم ص 327، 360۔ جلد 4 ص 246، 249

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد سوم ص 340۔ رقم الحدیث 1476، مسلم شریف مع نووی جلد دوم کتاب الاقضیہ۔ باب النہی عن کثرۃ المسائل ص 75۔ مسند احمد جلد 4۔ ص 383، 386

اب خود ہی اندازہ فرمائیں کہ مفتی صاحب کا مبلغ علم کیا ہے۔ حدیث کوئی اور ہے اور حوالہ کسی اور حدیث کا بیان فرمار ہے ہیں جس حدیث کا اس موضوع سے دور دور تک بھی کوئی تعلق نہیں۔ ہم آپ سے کیا امید رکھ سکتے ہیں کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔ صاحب فتح القدیر نے ہدایہ کے اس قول (ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبه و بجسده لقوله علیه السلام أن الله کرہ لکم ثلاثا و ذکر منها العبث فی الصلوٰۃ کے تحت ارقام فرمایا'' وقوله عد منها العبث وهو أولها ثم قال والرفث فی الصیام والضحک علی مقابر۔ رواہ القضاعی من طریق ابن المبارک عن اسماعیل بن عیاش عن عبد الله بن دینار عن یحیی بن ابی کثیر مرسلا۔ [1]

''کمال الدین ابن ہمامؒ فرماتے ہیں صاحب ہدایہ کا یہ قول ان تین چیزوں میں سے جنہیں اللہ عزوجل نے مکروہ فرمایا، عبث یعنی کھیلنا ہے اپنے کپڑے اور بدن سے، یہ پہلا مکروہ ہے۔ دوسرا روزہ میں جماع کرنا یا عورت سے لہو ولعب کرنا، تیسرا مقابر پر ہنسنا۔ اس حدیث کو امام قضاعی نے عبداللہ بن مبارک کے طریق سے اسماعیل بن عیاش سے انہوں نے عبداللہ بن دینار سے انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے مرسلاً روایت کیا'' واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

حدیث کے حوالہ جات پیش کرنے کے بعد جناب قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

وذکر منها العبث فی الصلوٰۃ لأن العبث خارج الصلوٰۃ حرام فی ظنک فیها و کراهة تحریمیة حتی لو کثر فسدت صلوته لکونه عملا کثیرا (مجمع الأنهار باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها - فصل جلد اول ص185۔ مطبوعہ المکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ) ''اور مصنف نے ان تینوں میں سے نماز میں کھیلنے کا ذکر کیا اس لئے کہ نماز سے باہر جب عبث حرام ہے تو نماز کے اندر تمہارا کیا خیال ہے۔ اور عبث مکروہ تحریمی ہے اگر نماز میں عبث زیادہ ہو تو نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ یہ عمل کثیر ہے''۔

ثالثا: منتقی الابحر للعلامۃ الفقیہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی کے حاشیہ ''التعلیق المیسر علی منتقی الابحر کے باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیها کی فصل میں ہے۔ شروع فی بیان مایکرہ من الأعمال فی

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد اول ص 356۔ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ

الصلوٰۃ والکراھۃ إذا اطلقت أریدبھا التحریمیۃ وھی قریبۃ من الحرام ومعنی کرہ عبثہ بثوبہ یعنی بہ أو بدنہ بغیر الحاجۃ[1]

''شروع ہے بیان میں ان اعمال کے جونماز میں مکروہ ہیں اور کراہت جب مطلق ہوتو مرادتحریمی ہوتی ہے اور یہ کراہت تحریمی حرام کے قریب ہے اور کرہ عبثہ بثوبہ کا معنی یعنی کپڑے کے ساتھ یابدن کے ساتھ بلاحاجت کھیلنا ہے''۔

جامع الرموز کی آپ نے جوعبارت پیش کی اس میں بھی یہی بات ہے اس لئے اس کا جواب بھی یہی ہے لہٰذا اس کے متعلق مزید کلام کرنے کی چنداں حاجت نہیں اور اسی جامع الرموز میں ہے:(و کرہ)فی الصلوٰۃ کراھۃ تحریم أو تنزیہ فان کلامھم یدل علی أن الفعل إذاکان واجبا أو ما فی حکمہ من سنۃ الھدی و نحوھا فالترک کراھۃ تحریم وإن کان سنۃ زائدۃ أوما فی حکمھا من الأدب و نحوہ فتنزیہ ومنہ(کل ھیئۃ) یکون (فیھا ترک الخشوع) أی التواضع والتغمیض والتثاؤب والتشبیک والسدل وقلب الحصی والتمطی والعبث۔ الخ[2]

''اورنماز مکروہ ہے ہر وہ ہیئت جس میں خشوع کا ترک ہو یا وہ کراہت تحریمی ہوگی یا مکروہ تنزیہی۔ چنانچہ حضرات علماءفقہاء کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فعل جب واجب ہو یا سنت ہدیٰ میں سے واجب کے حکم میں ہوتو ترک کراہت تحریمی ہے اگر وہ فعل سنت زائدہ میں سے ہو یا سنت زائدہ کے حکم میں سے ہو جیسے ادب وغیرہ تو تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی میں سے ہے ہر وہ ہیئت جس میں ترک خشوع ہو یعنی عجز وانکساری، آنکھیں بند کرنا، جمائی لینا، انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا، سدل، کنکری کا الٹنا، انگڑائی لینا اور عبث وغیرہ''۔

اور رہا شروح حدیث کی عبارتوں کے متعلق تو سب سے پہلے شروح حدیث سے کوئی مسئلہ ثابت کرنے کی حیثیت فقہاء کے نزدیک کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد شروح

---

[1] ملتقی الابحر مع التعلیق ص100 مطبوعہ دار البیروتی دمشق

[2] جامع الرموز لامام شمس الدین محمد خراسانی القہستانی متوفی 962 یا 955ھ جلد اول ص 192 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

حدیث کی عبارت کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

کتب شروح حدیث میں مسئلہ کتب فقہ کے خلاف ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ والرضوان فاضل بریلی شریف اپنے رسالہ ''برکات السماء فی حکم اسراف الماء'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ پھر اعتبار منقول عنہ کا ہے اور شرح مصابیح شروح حدیث میں سے ہے۔ معتمدات فقہ کا مقابلہ نہ کریں گی۔ علامہ مصطفیٰ رحمتی نے شرح مشارق ابن ملک کی نص صریح کو اسی بنا پر رد کیا اور اسے اطلاقات کتب مذہب کے مقابل معارضہ کے قابل نہ مانا اور خود علامہ شامی نے اسے نقل کر کے مقرر رکھا۔ حیث قال علی قوله لكن فی شرح المشارق لابن ملك لو وطها وهی نائمة لا یحلها للاول لعدم ذوق العسيلة فيه أن هذا الكتاب ليس موضوعا لنقل المذهب وإطلاق المتون والشرح يرده وذوق العسيلة للنائمة موجود حكماً ألا يرى أن النائم إذا وجد البلل يجب عليه الغسل وكذا المغمى عليه الخ''۔[1]

''تفصیل یہ ہے کہ درمختار میں ہے لیکن ابن ملک کی شرح مشارق میں ہے کہ اگر عورت سو رہی تھی اور اس سے وطی کی گئی تو شوہر اول کیلئے حلال نہ ہوگی اسلئے کہ اس کے حق میں ذوق عسیلہ (مزہ چکھنا) کی شرط نہ پائی گئی۔ اس پر علامہ رحمتی نے یہ اعتراض کیا کہ اس میں خامی یہ ہے کہ کتاب نقل مذہب کیلئے نہ لکھی گئی اور متون وشروح کے اطلاق سے اس کی تردید ہوتی ہے اور سونے والی عورت کیلئے بھی مزہ پانے کی شرط حکما موجود ہے۔ کیا دیکھا نہیں کہ سونے والی تری پائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے اور اسی طرح وہ بھی جو بے ہوش رہا ہو''۔[2]

قلت:۔ امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے جو یہ فرمایا: پھر اعتبار منقول عنہ کا ہے چنانچہ اگر منقول عنہ معتمدات فقہ اور اطلاقات کتب مذہب کے مطابق ہو تو شروح حدیث پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ لہٰذا جس مسئلہ کے متعلق ہم بحث کر رہے ہیں اس کا

---

[1]۔ ردالمحتار کتاب الطلاق باب الرجعۃ جلد دوم ص 540 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد اول ص 710 تا 713 جدید جمع تخریج مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات انڈیا

دار و مدار ہی حدیث ہے۔ جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے فرمایا: کف ثوب تشمیر کم کو بھی متضمن ہے لہٰذا اس حدیث کی جملہ شروح نے کف ثوب کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے اور یہ روز روشن کی طرح معتمدات فقہ اور اطلاقات کتب مذہب کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ آپ نے فقہ کی کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جس میں لکھا ہو تشمیر کم مکروہ تحریمی ہے اور اکثر فقہائے کرام نے اسے ترک سنت ہاتھ لکھا ہے اور وہ سنت موکدہ تو یہ جو معیت واجزائے نماز سے ہے اس کے ترک سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔ پھر مفتی صاحب فرماتے ہیں: اولا علامہ بدرالدین عینیؒ ''باب السجود علی سبعۃ أعظم'' کی حدیث میں امرالنبی ﷺ کا معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''قولہ أمرالنبی ﷺ علی صیغۃ المجھول فی جمیع الروایات والمعنی أمراللہ تعالیٰ النبی ﷺ وقال البیضاوی عرف ذلک بالعرف وذلک یقتضی الوجوب قیل فیہ نظر لأنہ لیس فیہ صیغۃ الأمر قلت فی روایۃ ابی داؤد عن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ قال أمرت قال حماد أمرنبیکم أن یسجد علی سبعۃ ولا یکف شعرا ولا ثوبا۔

فھذا قولہ ﷺ أمرت یدل علی أن اللہ تعالیٰ أمرہ و الأمر من اللہ تعالیٰ یدل علی الوجوب[1]

''اور حدیث کا یہ قول نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا جمیع روایات میں لفظ امر صیغہ مجہول پر ہے اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے۔ اور بیضاوی نے فرمایا یہ عرف میں معروف ہے اور یہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ بعض نے کہا اس میں نظر ہے (یعنی سوچ وفکر ہے) اس لئے کہ اس حدیث میں امر کا صیغہ نہیں ہے علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں نبی کریم ﷺ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''امرت'' یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے۔ حماد نے کہا تمہارے نبی ﷺ کو حکم دیا گیا یہ کہ آپ ﷺ سات اعضاء پر سجدہ کریں۔ نہ ہی آپ ﷺ بالوں کو موڑیں اور نہ کپڑے کو۔

تو نبی کریم ﷺ کا یہ قول ''امرت'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ

---

[1] عمدہ القاری شرح صحیح بخاری جلد 6 ص 128

ﷺ کو حکم دیا اور اللہ عزوجل سے امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

علامہ عینی کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں امر سے وجوب مراد ہے جب وجوب ثابت ہو گیا تو ہمارا موقف بھی ثابت ہو گیا کہ وجوب کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔ لہذا کف ثوب اور کف شعر سے نماز مکروہ تحریمی ہے جو واجب الاعادہ ہو گی۔

پھر علامہ عینی کا تلویح کی عبارت نقل کرنے کے بعد سند جید سے ابوداؤد کی حدیث پیش کرنا جس میں سخت وعید کے کلمات ہیں، اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی کم از کم کف ثوب و شعر سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وعند ابی داؤد بسند جید - رأی ابو رافع الحسن بن علی رضی اللہ عنهما یصلی و قد غرز ضفیرته فی قفاه فحلها و قال سمعت النبی ﷺ یقول ذلك کفل الشطان أو قال مقعد الشیطان یعنی مغرز ضفیرته۔ [1]

''ابوداؤد کے نزدیک جید سند سے روایت ہے کہ حضرت ابورافع نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا وہ اپنی گدی پر جوڑا باندھے نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت ابورافع نے اسے کھول دیا اور فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ جوڑا شیطان کی سرین ہے یا فرمایا شیطان کی مقعد ہے یعنی گدی پر جوڑا بنانا''۔

اس کے بعد ایک اور حدیث نقل فرمائی۔ مزید برآں بطور نتیجہ تحریر فرماتے ہیں:

''فدل الحدیث علی کراهة الصلوٰة وهو معقوص الشعر ولو عقصه وهو فی الصلوٰة فسدت صلوته [2] پس یہ حدیث نماز کی کراہت پر دلالت کرتی ہے جبکہ وہ پہلے سے جوڑا باندھے ہو اور اگر اس نے نماز کے دوران جوڑا باندھا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی''۔

نماز کے اندر کف ثوب فساد نماز کا باعث ہے تو نماز شروع کرنے سے پہلے یا اندرون نماز عمل قلیل سے یہ عمل کرنا ضرور مکروہ تحریمی ہو گا۔

قلت: جب نماز شروع کرنے سے قبل کف ثوب و شعر مکروہ تحریمی ہے تو ظاہر ہے نماز واجب

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 6 ص 131 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 6 ص 131 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

الاعادہ ہوگی۔ برائے کرم یہ ضرور ارشاد فرمائیں کیا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے نماز کا اعادہ کیا تھا؟ اگر حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے نماز کا اعادہ فرمایا تھا تو ضرور اس کا حوالہ پیش فرمائیں تا کہ آپ کے موقف کی تائید ہو سکے۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: والحکمۃ فی ذالك انه اذا رفع ثوبه و شعره عن مباشرۃ الارض اشبه التکبر (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد دوم ص 377، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ارشاد الساری شرح صحیح بخاری لابی العباس شہاب الدین احمد قسطلانی جلد دوم ص 53 دار الفکر بیروت)

''اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جب اپنا کپڑا یا بال زمین پر گھسنے سے اٹھائے تو یہ تکبر کے زیادہ مشابہ ہے''۔

اور تکبر کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی کے سوا کچھ نہیں۔

نیز علامہ عینی نے ''باب لا یکف شعرا'' میں ایک سوال و جواب قائم فرمایا اس سے بھی ہمارا موقف بالکل صاف ظاہر ہے، ملاحظہ فرمائیں،

''فان قلت قد أخرج حدیث ھذا الباب من وجه آخر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فما وجه إدخاله بین أبواب أحکام السجود قلت له تعلق بالسجود من حیث ان الشعر یسجد مع الرأس إذا لم یکف واما حکمة النھی عن ذلك فھو ما قد ذکرنا عن ابی داؤد فإنه روی من حدیث ابی رافع أنه رأی الحسن بن علی رضی اللہ عنہما یصلی وقد غرز ضفیرته فی قفاہ فحلھا وقال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلك مقعد الشیطان[1]

''اگر تم سوال کرو کہ اس باب کی حدیث دوسرے طریقہ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی تخریج کی گئی ہے تو سجود کے احکام کے ابواب کے درمیان کیوں داخل کیا؟ میں اس کا جواب دوں گا: اس کا سجود سے اس طرح تعلق ہے کہ سر کے بال بغیر روکے سجدہ کریں اور کف ثوب سے منع کرنے کی ممانعت کی حکمت وہی ہے جو ہم نے ابوداؤد کی حدیث سند جید کے

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 6 ص 136-135 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری امام قسطلانی جلد دوم ص 537-536 دار الفکر بیروت

ساتھ بیان کی، یعنی حضرت ابورافع نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اپنے سر کی گدی پر بالوں کا جوڑا باندھے (بالوں کو موڑے) نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے جوڑا کھول دیا اور فرمایا میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: یہ شیطان کی مقعد ہے۔ تو کیا اس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ عمل بہت برا ہے جب ہی تو اسے شیطان کی مقعد سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ اور جب اتنی بری چیز سے تعبیر فرمایا تو گویا یہ انتہائی برا عمل ہے جو کم از کم مکروہ تحریمی تو ہوگا ہی۔

قلت: قارئین گرامی! سب سے پہلے آپ قبلہ مفتی صاحب دامت فیوضہم العالیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ اتنے جلیل القدر عالم دین کو لائق و مناسب نہیں کہ وہ اس طرح کا ترجمہ کریں۔

مثلاً آپ نے علامہ بدر الدین عینی کی یہ عبارت قلت، له تعلق بالسجود من حیث ان الشعر یسجد مع الراس اذا لم یکف نقل فرمائی اور ترجمہ یوں فرمایا، آپ کا ترجمہ ذرا غور سے پڑھ کر آپ کو داد و تحسین پیش کریں۔ ترجمہ یہ ہے۔ میں اس کا جواب دوں اس کا سجود سے اس طرح تعلق ہے کہ سر کے بال بغیر روکے سجدہ کریں۔ آپ اصل عبارت کو مدنظر رکھتے ہوئے قبلہ مفتی صاحب کا ترجمہ پڑھیئے اور سر دھنیئے۔ اس عبارت کا صحیح ترجمہ یوں ہے، علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں اس حدیث کا سجود کے ساتھ تعلق اس حیثیت سے ہے کہ بال سر کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں جب وہ بالوں کو نہ روکے یعنی ان کو جمع نہ کرے۔ اب مفتی صاحب سے سوال کیجئے حضرت بالوں کا سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ یہ تو ہمارے موقف کی تائید ہے کہ اللہ عزوجل نے حکم دیا اے محبوب ﷺ! بال بھی سر کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں انہیں مت اٹھایئے۔

ویسے بھی تعریض سے تصریح افضل ہے۔ کیونکہ علامہ بدر الدین عینی اور امام قسطلانی نے صریح الفاظ میں کف ثوب اور تشمیر کم کو مکروہ تنزیہی فرمادیا تو مبہم و موہوم عبارات سے اپنے موقف کی تائید حاصل کرنا محض سراب ہے حقیقت نہیں۔ کیا امام قسطلانی نے یہ نہیں لکھا ''ھنا النھی مکروہ تنزیہی'' یعنی اس حدیث میں جو نہی ہے اس سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔ لیکن بمصداق ''دروغ گو را حافظہ نہ باشد'' آپ کو ہر قول مبہم و موہوم میں اپنا موقف نظر آتا ہے اور جو دوسری حدیث آپ نے نقل فرمائی جس میں بالوں کے جوڑا کو شیطان کی مقعد کہا گیا، بقول آپ کے جب یہ عمل اتنا برا ہے تو کم از کم یہ

مکروہ تحریمی تو ہوگا ہی۔ لہٰذا اگر یہ عمل آپ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے تو آپ ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے نماز کا اعادہ فرمایا جواب آپ کے ذمہ ہے۔

علامہ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

حافظ احمد قسطلانی نے آپ کی بیان کردہ عبارت کے فوراً بعد ہی یہ بھی تو تحریر فرمایا ہے

''وھو أن یسجد ای أمرہ اللہ أن یسجد وأن لا یکف''[1]

اور وہ سجدہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرنے اور کپڑا اور بال نہ موڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کپڑا اور بال نہ موڑنا واجب ہے کہ اللہ رب العزت کا حکم ہے اور پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یہ امر وجوب کیلئے ہے۔

امام قسطلانی کی فتح الباری سے آپ نے نقل فرمایا: وظاھرہ یقتضی أن النھی عنہ فی حال الصلوۃ والیہ جنح الداؤدی وردہ عیاض بأنہ خلاف ما علیہ الجمھور فإنھم کرھوا ذلك للمصلی سواء فعلہ فی الصلوۃ أو قبل أن یدخل فیھا الخ۔[2]

جس کا ترجمہ آپ موصوف نے یہ کیا ہے اس حدیث کا ظاہر کہ کف ثوب نماز کی حالت میں ممنوع ہے، اس طرف داؤدی نے میلان کیا ہے اور قاضی عیاض نے داؤدی کا رد کیا ہے کہ یہ ممانعت جمہور کے خلاف ہے جبکہ اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ قاضی عیاض نے داؤدی کا رد کیا ہے کہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں (داؤدی کا مذہب جمہور کے مذہب کے خلاف ہے) اسلئے کہ جمہور کف ثوب کو نماز کیلئے مکروہ قرار دیتے ہیں خواہ نمازی نماز کے اندر یہ فعل کرے یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے کرے یا نماز کے دوران کرے بہر صورت مکروہ ہے جو ''کرھوا'' سے واضح ہوتا ہے۔ لیکن آپ نے زبردستی مفہوم کو توڑ مروڑ کے جمہور کا مذہب مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے جبکہ آپ کا موقف اس عبارت سے کسی صورت ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی کہیں مکروہ تنزیہی کا ذکر ہے۔

قلت: صاحب فتح الباری کی عبارت کا جواب تو ان شاء اللہ آپ کے مکتوب کے جواب میں مفصل عرض کروں گا۔ سر دست آپ فرمائیں ''والیہ جنح الداؤدی'' میں ضمیر مجرد کا مرجع کون

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد دوم ص 530 دار الفکر بیروت

[2] فتح الباری جلد دوم ص 377 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

ہے؟اور" وردہ عیاض بانہ" میں ضمیر اسم ان کا مرجع کون ہے؟ان شاء اللہ معنی واضح ہو جائیگا کہ جو ترجمہ میں نے کیا وہ درست ہے یا آپ کا قیاس درست۔ معنی بالکل واضح ہے کہ داؤدی اس کو نہی ظنی الثبوت سمجھتے ہیں جو مکروہ تحریمی ہے اور قاضی عیاض اس نہی ظنی الثبوت کا انکار فرمارہے ہیں تو قاضی عیاض کے نزدیک جمہور کا مذہب مکروہ تنزیہی ہوا۔ اگر شک ہو تو حضرات علماء سے اس عبارت کا ترجمہ معلوم فرمالیجئے ان شاء اللہ آپ کو اپنی علمی قدرو منزلت کا خود ہی اندازہ ہو جائیگا۔
اس کے بعد قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں: تمام شارحین حدیث نے ابوداؤد کی اسناد جید کے ساتھ روایت کردہ حدیث کو بطور خاص ذکر کیا جسے کو آپ موصوف نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا اس حدیث سے شارحین کف ثوب و شعر کو بہت برا عمل نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اگر نہیں تو کیونکر انہوں نے اتنے اہتمام سے ذکر کیا۔اس میں شک نہیں کہ دلیل ظنی سے یہ مسئلہ آفتاب نیمروز سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہے۔ حضور سید عالمیاں علیہ الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں۔

"امرت أن أسجد على سبعة أعضاء وأن لا أكف ثوبا ولا شعرا"[1]

آج تک جہان میں کسی عالم نے مکروہ تحریمی کو قریب بحلت نہیں بتایا۔تمام کتب مذہب موجود ہیں۔ حضرات شیخین اور امام محمد رحمہم اللہ میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک مکروہ تحریمی عین حرام ہے اور ان کے نزدیک اقرب بحرام۔ تنویر الابصار و عامہ اسفار میں ہے۔"كل مكروه حرام عند محمد وعندهما اقرب التحريم" درمختار شرح (تنویر الابصار كتاب الحظر والاباحة) امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے جبکہ امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مکروہ حرام سے قریب تر ہے اور عند التحقیق یہ بھی صرف اطلاق لفظ کا فرق ہے معنی سب کا ایک ہے۔ خود امام محمد ابو یوسف سے ناقل ہیں کہ انہوں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔"إذا قلت في شئ أكره فما رأيك فيه" یعنی آپ جب کسی چیز کو مکروہ فرمائیں

---

[1] صحیح بخاری حدیث 816، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر الخ حدیث 490-288 سنن نسائی کتاب التطبیق باب السجود علی الانف حدیث 11130-1097-1096 سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیھا باب السجود حدیث 884۔ مسند احمد۔ سند عبد اللہ بن عباس حدیث 2577-2596-2527

تو اس میں آپ کی کیا رائے ہوتی ہے۔"قال التحریم" فرمایا: حرام ٹھہراتا۔ ذکرہ فی ردالمختار عن شرح التحریر الامام ابن امیر الحاج عن مبسوط الام محمد رحمھم اللہ تعالیٰ (ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ) یعنی اس کو فتاوٰی شامی میں امام امیر الحاج کی کتاب شرح التحریر سے اور انہوں نے امام محمد کی مبسوط سے نقل فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر و باہر ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی مکروہ کا لفظ فرماتے ہیں تو اس مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں۔

قلت: محترم المقام جناب مفتی صاحب، یہاں مسئلہ گھوڑے کے گوشت کا نہیں جو آپ حلت و حرمت بیان فرما رہے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے یا نہیں یا مطلق مکروہ بولا جائے تو مکروہ تحریمی مراد لی جائے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔ یہاں بحث ہے کف ثوب پر۔ کیا یہ مکروہ تحریمہ ہے جو واجب کے مقابل ہے یا مکروہ تنزیہی جو سنت یا خلاف اولیٰ کے مقابل۔ یہ مقام حلت و حرمت نہیں۔ فافہم و تدبر

امام اہلسنت، مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت علامہ مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاوٰی رضویہ میں خاص اسی آستین کے مسئلہ میں دو سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ مع سوالات و جوابات ملاحظہ فرمائیں:

ا) مسئلہ۔ از ملک اپر برہما چھاؤنی منکینہ مرسلہ حاجی ہادی یار خاں 6 صفر سن 1314ھ کیا فرماتے ہیں علماء حامیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ہے اس کا کپڑا ابہت ہے لیکن آستین چڑھا کر کہنی سے اوپر نماز پڑھتا ہے کچھ کراہت نماز میں آتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مع حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب: مکروہ ہے۔ نماز پھیرنے کا حکم ہے۔ درمختار میں "کرہ سدل ثوبہ و کرہ کفہ أی رفعہ ولو لتراب کمشمر کم أو ذیل" (الدر المختار باب ما یفسد الصلوۃ ما یکرہ فیہا) کپڑے کا لٹکانا اسی طرح کپڑے کا اٹھانا بھی مکروہ ہے اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو جیسے کوئی آدمی آستین اور دامن اٹھالے۔ ردالمختار میں ہے۔ "حرر الخیر الرملی ما یفید أن الکراھۃ فیہ تحریمۃ" (رد المختار مطلب مکروہات صلوٰۃ) شیخ خیر الدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "أمرت أن أسجد علی

سبعة أعضا و أن لا أكف شعرا ولا ثوبا رواه السنة عن ابن عباس رضي الله عنهما'' (صحیح مسلم باب اعضاء السجود)

''مجھے سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس بات کا حکم ہے کہ بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں''

اس حدیث کو صحاح ستہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مسئلہ: از میرٹھ مرسلہ محمد حسین 2 صفر سن 1317ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آستین کہنی تک چڑھی ہوئی نماز پڑھنی مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: ضرور مکروہ ہے اور سخت وشدید مکروہ ہے۔ صحاح ستہ میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''أمرت أن أسجد على سبعة أعضاء و أن لا أكف شعرا ولا ثوبا'' (صحیح مسلم باب اعضاء السجود) ''مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس بات کا حکم ہے کہ بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں'' صحیحین میں ہے رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ ''أمرت أن لا أكف الشعر و الشياب'' (صحیح مسلم باب اعضا السجود) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بالوں اور کپڑوں کو نہ موڑوں'' تمام متون مذہب میں ہے ''كره كف ثوبه'' یعنی کپڑوں کو موڑنا مکروہ ہے۔ فتح القدیر اور البحر الرائق میں ہے۔ ''يدخل أيضا في كف الثوب تشمير كميه'' (البحر الرائق باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا جلد دوم ص 24 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) کپڑا اٹھانے میں آستینوں کا چڑھانا بھی داخل ہے۔ درمختار میں ہے: كره كف اى رفعه ولو لتراب كمشمر كم أو ذيل (باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا) ''کپڑے کا اٹھانا اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو، مکروہ ہے جیسے آستین اور دامن کا چڑھانا'' رد المحتار میں ہے ''حرر الخير الرملي ما يفيد ان الكراهة تحريمية'' شیخ خیر الدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے۔ غنیۃ میں ہے ''يكره أن يكف ثوبه وهو في الصلوٰة بعمل قليل بأن يرفعه من بين يديه أو من خلفه عند السجود أو يدخل فيها وهو مكفوف كما إذا دخل وهو مشمر الكم أو الذيل'' [1]

---

[1] غنیۃ المستملی یکرہ لعلہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ ص 348

''عمل قلیل سے نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے اس طرح کہ سامنے یا پیچھے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا کپڑا سمیٹے یا موڑے ہوئے نماز میں داخل ہو جیسے آستین یا دامن چڑھائے یا موڑے ہوئے نماز میں داخل ہو'' علامتیں، محققین، جلیلین، شارحین تحقیق فرماتے ہیں: اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔ غنیۃ میں ہے (و) یکرہ ایضا (أن یرفع کمہ) أی یشمرہ (إلی المرفقین) وھذا قید اتفاق فإنہ لو شمر إلی مادون المرفق یکرہ أیضا لأنہ کف للثوب وھی منھی عنہ فی الصلوٰۃ لما مروھذا إذا شمرہ خارج الصلوٰۃ وشرع فی الصلوٰۃ وھو کذلک أما لو شمرہ فی الصلوٰۃ تفسدہ لأنہ عمل کثیر[1]

''اور یہ بھی مکروہ ہے کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو اور یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ کہنیوں کے نیچے تک بھی چڑھائی ہو جب بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ کپڑے کا موڑنا ہے حالانکہ وہ نماز میں منہی عنہ ہے جیسا کہ گزر گیا اور یہ اس وقت ہے جب اس نے نماز سے باہر آستین چڑھائے اور اسی حال میں نماز شروع کی ہو اور اگر دوران نماز آستین چڑھائے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے''۔ حلیہ میں ہے۔ ینبغی ان یکرہ تشمیرھما الی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علیٰ ھذا۔[2]

آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک چڑھانا بھی مکروہ ہونا چاہیے کیونکہ اس پر بھی کف ثوب (کپڑا موڑنا) صادق آتا ہے۔ تو لازم ہے کہ آستین اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے۔ اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے تو اعادہ کیا جائے ''کما ھو صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ کما فی الدر وغیرہ'' جیسا کہ ہر اس نماز کا حکم ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہو جیسا کہ در رغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) مسئلہ:۔ از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ محلہ کمبوہاں مرسلہ تاج الدین حسین خاں صاحب 5 جمادی الاخری سن 1317ھ

موسم گرما میں میں ساڑھی بہت نیچی باندھتا ہوں۔ اکثر نماز مولوی صاحبوں کے ہمراہ

---

[1] غنیۃ المستملی یکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ ص 348

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

پڑھی۔ کسی نے اعتراض نہ کیا۔ ایک سید صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا جو اونچی دھوتی باندھتے ہیں ان کی کانچھ کھولنی ضروری ہے کہ ستر پوشی ہو اور تم بہت نیچی باندھتے ہو اس میں ضرر نہیں کہ ستر چھپا رہتا ہے میں نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا۔ اس پر چند آدمیوں نے اعتراض کیا کہ کھول دیا کرو ورنہ نماز میں خلل پڑتا ہے۔ پس آں مخدوم کو تکلیف دیتا ہوں حکم شرع بیان فرمایئے! اور اگر باندھنا ساڑھی کا داخل پوشاک مشرکین ہو تو میں موقوف کروں۔ کیونکہ میرا اعتقاد آپ کے قول پر ہے۔ بمقابلہ آپ کے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیتا ہوں۔ بقول مخدوم مینا صاحب قدس سرہ العزیز

همه شهر پر زخوباں منم و خیال ماہے
چکنم که چشم بدخو نکند بکس نگاہے

''تمہارا پورا شہر خوبصورت حضرات سے بھرا ہے۔ میرا ذوق اپنا ہے۔ میں کیا کروں کہ بدخو آنکھ کسی پر بھی ایک نگاہ نہیں ڈالتی'' زیادہ نیاز۔

الجواب:۔ مکرمی سلمکم اللہ! جواب مسئلہ انہی لفظوں میں ہے جو آپ نے تحریر فرمائے کہ اس عقدے کو حل فرمایئے واقعی ساڑی پیچھے سے کھولنا کراہت نماز کا موجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''أمرت أن لا أكف شعرا ولا ثوبا'' (صحیح مسلم باب اعضاء السجود والنهي عن كف الشوب) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بال نہ موڑوں اور نہ کپڑا موڑوں۔ غنیۃ شرح منیہ میں ہے: ''یکرہ ان یکف ثوبه وهو فى الصلوٰة بعمل قليل بأن يرفعه من بين يديه أو من خلفه عند السجود أو يدخل فيها وهو مكفوف كما إذا دخل وهو مشمر الكم أو الذيل'' (غنية المستملي شرح منية المصلي كراهية الصلوٰة) نماز میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا اٹھانا مکروہ ہے یوں کہ آگے یا پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھائے یا نماز میں کپڑا چڑھائے ہوئے داخل ہونا اور یہی حکم ہے جبکہ نمازی آستین یا دامن چڑھائے ہوئے ہو۔ اور ساڑھی یا دھوتی باندھنا جہاں کے شرفاء میں اس کا رواج نہ ہو جیسے ہمارے بلد وہاں شرفاء کیلئے خود بھی کراہت سے خالی نہیں کما حققناہ فی کتاب الحظر من فتاوینا اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہوں تو احتراز موکد ہے۔ حرج پیچھے گھرسنے میں ورنہ تہبند تو عین سنت ہے۔ اور گٹوں کے اوپر تک ہونا چاہئے اس لئے نیچی مکروہ ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم۔[1]

نیز موصوف نے دوسری تحریر جو غالباً آپ نے علمائے فیضان مدینہ والوں کو لکھی ہے، اس میں آپ نے میرے جد امجد صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت علامہ حکیم محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مشہور زمانہ تصنیف بہارِ شریعت جس پر دنیائے اسلام کے عظیم المرتبت مجدد اعلیٰ، حضرت مجدد دین وملت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ الرحمن کی تصدیق وتقریظ ثبت ہے، جس میں امام اہل سنت نے تحریر فرمایا: فقیر نے یہ مبارک رسالہ (بہارِ شریعت حصہ سوم جس حصہ میں وہ مسئلہ بھی ہے جس پر آپ موصوف نے اعتراض وارد کیا) مطالعہ کیا۔ الحمد للہ! مسائل صحیحہ، رجیحہ، محققہ اور منقحہ پر مشتمل پایا۔ ملخصاً اسی بہارِ شریعت کی عبارت کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی (درمختار) بہارِ شریعت جلد سوم ص 166 مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی) پر اعتراض وارد کرتے ہوئے آپ نے لکھا اولاً تو یہ عبارت جو صاحب بہارِ شریعت نے نقل فرمائی ہے بعینہا مع درمختار فقہ کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ لیجئے جناب والا حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

پھر خاص آستین کے بارے میں حلیہ فی شرح منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی میں ہے:۔

"ویدخل أیضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ لکن الذی فی الملتقط والخلاصۃ وغیرھما ومشی علیہ الصف فیما سیاتی أنہ صلی رافعا کمیہ إلی المرفق انتھی ففیہ إشارۃ إلی أنہ لایکرہ إذاکان رافعھما إلی مادون المرافق"۔[2]

"دونوں آستینوں کا چڑھانا بھی کف ثوب میں داخل ہے لیکن جو ملتقط خلاصہ اور ان دونوں کی دیگر کتب میں ہے اور جو مصنف (یعنی صاحب منیہ) کا اختیار ہے جو عنقریب آئے گا وہ یہ ہے کہ جس نے کہنیوں تک آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھی مکروہ ہے۔

تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب آستینوں کو چڑھانے والا کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائے تو مکروہ نہیں"۔

---

[1] العطایا النبویہ فی فتاوی الرضویہ جلد 7 ص 309 تا 314۔ جدید مع تخریج مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات انڈیا۔ قدیم جلد سوم ص 423 تا 424 باب مکروہات الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ مرادآباد (انڈیا)

[2] حلیہ فی شرح منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی جلد دوم ص 241 دار الکتب علمیہ بیروت

قلت: جناب قبلہ مفتی صاحب آپ کے قول اور اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خاں فاضل محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو غنیۃ المستملی سے نقل فرمایا ان دونوں میں اختلاف ہے۔ اسی طرح شارحین محققین غنیۃ المستملی اور حلیۃ المحلی کی عبارات میں بھی اختلاف ہے۔ غنیۃ المستملی کی عبارت یوں ہے۔ ''فإنه لو شمر إلى مادون المرفق يكره أيضا لأنه كف الثوب'' ۔[1]

''یعنی اگر کسی نے آستین کو کہنی سے کم تک بھی چڑھایا ہو تو وہ بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ یہ کف ثوب ہے۔ اولاً تو آپ یہ فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول معتبر ہے جس پر عمل کیا جائے یا جناب والا کا قول، اس کا جواب بھی آپ کے ذمہ ہے۔

ثانیا: حضرات علماء فقہاء کا قول ہے جب شروح میں تصحیح وفتویٰ میں اختلاف ہو تو متون پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ متون متواتر کے ضمن میں آتے ہیں۔ چنانچہ صاحب منیۃ المصلی کا متن ہے۔ وإن يرفع كمه الى المرفقين یعنی کہنیوں تک آستین اٹھانا تو یہاں مغیا غایت میں داخل جیسا کہ اللہ عزوجل کے فرمان میں ''وأيديكم إلى المرافق'' جسے آیہ مبارکہ کہنیاں دھونے میں داخل ہیں۔ اسی طرح کہنیاں آستیں چڑھانے میں بھی داخل ہیں۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے جو نقل فرمایا، وہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق نہیں۔ چونکہ مفتی صاحب نے عبارات کتب بلا ترجمہ نقل فرمائیں یہ ناچیز ان عبارات کا ترجمہ بھی آپ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ مفتی صاحب کا فرمان عالیشان ہے:

اس (حلیہ) میں عقص شعر الرأس وکف ثوب کی احادیث اور اس پر بحث کے بعد ہے۔ الأشبه بسياق هذا الأخبار ونظائرها أنه كراهة تحريمية فان ثبت على التنزيه إجماع تعين القول به وإلا فالقول بالتحريم أوجه من حيث الدليل والله تعالىٰ اعلم' وقد صرح عمر رضى الله عنه بذلك على ما فى النهاية وعن عمر رضى الله عنه انه مر على رجل ساجد عاقص راسه، كما يفعله النسار فحله حلا عنيفا وقال، اذا طول أحد كم شعره فليرسله يسجد معه ۔[2]

---

[1] غنیۃ المستملی یکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ ص 348

[2] حلیہ شرح منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی جلد دوم ص 232 دار الکتب علمیہ بیروت

''ان اخبار اور ان اخبار کی مثل دیگر اخبار کا سیاق اس کے مشابہ ہے کہ عقص شعر (قبل از دخول نماز) مکروہ تحریمی ہے۔ چنانچہ مکروہ تنزیہی پر اجماع ثابت ہوگا تو یہی قول (مکروہ تنزیہی) ہی متعین ہوگا ورنہ دلیل کے اعتبار سے قول تحریمی راجح ہے۔ اور نہایہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصریح فرمائی یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک سجدہ کرنے والے آدمی کے پاس سے گزرے اور وہ اپنے سر کے بالوں کو جوڑا بنائے نماز پڑھ رہا تھا جیسے عورتیں جوڑا بناتی ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے اس کا جوڑا کھول دیا اور فرمایا: جب تم میں سے کسی کے بال لمبے ہوں تو وہ ان بالوں کو چھوڑ دے کہ وہ بال اس کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں''۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں یہ عبارت فقہ کی بیشتر متداول کتب میں موجود ہے۔ یہ دیکھئے البحر الرائق میرے خیال میں اس کتاب پر آپ موصوف کو حد درجہ ناز ہے۔ بقول آپ موصوف کے حصہ دوم ص 19 بقول احقر جلد دوم باب ما یفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیہا ص 24۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، درمختار، ردالمحتار، غنیۃ المستملی، حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی ان تمام کتب کے حوالہ جات مع ابواب امام اہلسنت کے فتاویٰ میں درج کر دیے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔ امام اہل سنت خاص اسی آستین والے مسئلہ پر اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں۔ علامتیں، محققین، شارحین منیہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے۔ اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔

قلت: قبلہ مفتی صاحب نے فرمایا یہ عبارت (جس کا ترجمہ اس فقیر نے کیا اور یہ عبارت حلیہ شرح منیۃ المصلی کی ہے) فقہ کی بیشتر متداول کتب میں موجود ہے۔ ان کتب میں سے اولاً آپ نے فرمایا البحر الرائق دیکھئے اور آپ نے اس کا حوالہ یہ دیا جلد دوم ص 24 پہلے تو بعینہا یہ عبارت البحر الرائق میں نہیں۔ اگر آپ کا حوالہ درست ہے تو پھر برائے مہربانی عبارت البحر الرائق سے حضرات علماء کے سامنے پیش کریں۔ دوم یہ کہ مسئلہ عقص شعر البحر الرائق کی جلد دوم ص 23 پر منقول ہے۔ لہٰذا اگر آپ نے خود اس کتاب کو دیکھا ہوتا تو یہ نہ لکھتے۔ بقول آپ موصوف کے حصہ دوم ص 19 کیونکہ میرا یہ حوالہ مکروہ کی تقسیم کے حوالہ سے ہے ان شاء اللہ جو حوالہ پیش کیا وہ

درست ہے۔ آیئے یہ ناچیز یہ حوالہ آپ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ بحمدہٖ تعالیٰ میں نے کتاب کو زیرنظر رکھا ہے آپ کسی اور سے ناقل ہیں اسی لئے آپ کے حوالہ میں صحت نہیں۔

اس کے بعد قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

الشیخ الامام قدوۃ الفقہاء والمحدثین علامہ بدرالدین ابی محمد محمود العینی خود کنزالدقائق کی شرح (رمزالحقائق شرح کنزالدقائق کے باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا) میں تحریر فرماتے ہیں:

وکرہ (عبثہ) أی عبث المصلی (بثوبہ و بدنہ) لورود النہی - ویکرہ أیضا (عقص شعرہ) بأن یصلی وھو معقوص الشعر لورد النہی عن ذلک حتی لو عقصہ فی الصلوٰۃ تفسد صلوتہ لانہ عمل کثیر والعقص أن یجمع الشعر علی ھامتہ ویشدہ بخرقۃ أوخیط او بصبغ لیتلبد وقیل أن یلف ذوائبہ حول رأسہ کما یفعلہ النساء ویکرہ أیضا (کف ثوبہ) وھو رفع من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود کما یفعلہ ترک ھذا الزمان لانہ نوع تجبر (رمز الحقائق فی شرح کنزالدقائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا الجزاء الاول ص43 مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور) واللہ سبحانہ وتعالیٰ ورسولہ اعلم بالصواب وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ ''نمازی کا اپنے کپڑے اور بدن کے ساتھ کھیلنا مکروہ ہے بوجہ وارد ہونے نہی کے۔ اور بالوں کا جوڑا بنانا بھی مکروہ ہے یہ کہ وہ نماز پڑھے دوانی لیکر اس کے بالوں کو جوڑا بنایا گیا ہو بوجہ اس کے متعلق نہی وارد ہونے کے یہاں تک کہ اگر کسی نے دوران نماز بالوں کا جوڑا باندھا اس کی نماز فاسد ہوجائیگی اس لئے کہ یہ عمل کثیر ہے اور عقص کا معنی ہے سر کی چوٹی پر بالوں کا جمع کرنا اور کپڑے کے ٹکڑے یا دھاگے سے ان کو باندھنا یا بالوں کو گوند لگانا تا کہ بالوں کو چپکائے اور بعض کے نزدیک عقص یہ ہے کہ بالوں کو اپنے سر کے گرد لپیٹ لے جیسا کہ عورتیں کرتی ہیں (مراد یہ ہے کہ سر کے پیچھے گدی پر جوڑا بنالے) اور کف ثوب بھی مکروہ ہے۔ اور کف ثوب یہ ہے کہ سجود کے وقت اپنے آگے اور پیچھے سے کپڑے کو اٹھائے۔ جیسا کہ اس زمانہ کے ترک کرتے ہیں اس لئے کہ یہ تکبر کی ایک قسم ہے۔

اس کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں:

عیدالفطر کے فوراً بعد سے علالت کا سلسلہ طول پکڑ گیا جس میں آپریشن اور پھر قدر تساہل

وعدیم الفرصتی اور بے بضاعتی وکثیر موانع آپ کے علمی سوالات کا جواب دینے میں غیر معمولی تاخیر کا باعث ہوا۔ امید ہے بار خاطر نہ لاتے ہوئے عفو در گزر سے کام لیں گے۔ جزاکم اللہ خیر

احقر العباد

عطاء المصطفیٰ اعظمی

13 ذوالقعدہ 1437ھ مطابق 17 اگست 2016ء

❀❀❀❀❀

دار العلوم صادق الاسلام 10/483 لیاقت آباد کراچی

قارئین گرامی! اس ناچیز نے آستین چڑھا کر نماز پڑھنے کے متعلق جو استفتاء بطور فتویٰ کیا تھا محترم المقام حضرت علامہ نبیرہ صدر الشریعہ مولانا مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی زاد اللہ شرفہ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا اور جواب فتویٰ کی جو تاریخ آپ نے درج فرمائی، مجھے یہ جواب اس تاریخ سے کافی بعد موصول ہوا۔ غالباً آپ کا جواب ماہ ستمبر 2016ء کے اواخر میں مجھے ملا۔

اور اس ناچیز نے ماہ اکتوبر کے اوائل میں ''مالہ وما علیہ'' کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا جواب الجواب لکھ کر آپ کو ارسال کر دیا تھا۔ لیکن تا حال آپ کا جواب باصواب موصول نہیں ہوا اور بمصداق ''الانتظار أشد من الموت'' نہایت بے تابی سے جواب کا منتظر ہوں۔

اور ابن حقیر نے مفتی صاحب کے جواب میں جواب تحریر کیا وہ کچھ اضافہ کے ساتھ اپنی کتاب مستطاب ''الفتاویٰ الفیضیہ'' میں طبع کیلئے پیش کر دیا ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ مجھے حق بات کہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

الجواب الجواب، باسمہ تعالیٰ عزوجل

جناب محترم المقام حضرت العلامہ مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بتعلقہ تشمیرکم آپ کا مکتوب گرامی قدر مورخہ 30 ستمبر 2016ء بروز جمعۃ المبارک موصول ہوا۔ اللہ عزوجل آپ کا سایہ تا دیر اہلسنت پر قائم ودائم رکھے۔ بندہ ناچیز نے آپ کا مکتوب گرامی قدر ابتداء سے انتہا تک بغور مطالعہ کیا لیکن آپ کی جملہ تصریحات فقہاء میں

مطلق لفظ کراہت ملتا ہے۔ کہیں بھی کراہت تحریمہ مذکور نہیں۔ چنانچہ اس فقیر نے ارادہ کیا ہے کہ علماء فقہاء کے مطلق مکروہ پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے تاکہ مطلق لفظ مکروہ سے غبار صاف کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ایک یا دو صفحات کا متقاضی نہیں، اس پر مکمل تحقیق کی ضرورت ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف آپ کے مکتوب گرامی کے پڑھنے کے بعد جو چیز اس احقر کو سمجھ میں نہیں آئی اس کو سمجھنے کیلئے کچھ لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں امید ہے آپ سے بار خاطر تصور نہیں فرمائیں گے۔ چنانچہ قبلہ مفتی صاحب کے جواب مکتوب گرامی کے جن الفاظ پر خطوط کھینچے گئے ہیں اسی ترتیب سے ہی سوال وجواب ہوں گے۔

اولاً۔ موصوف نے مکتوب کے پہلے صفحہ پر کف ثوب کی تعریف یوں ارشاد فرمائی کہ کف ثوب یعنی حالت نماز میں عمل قلیل سے سجد میں جاتے وقت اپنے سامنے یا پیچھے سے کپڑا اٹھانا یا کپڑا چڑھا کر یا موڑ کر نماز شروع کرنا یہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔

آپ یہ فرمائیں کیا سجدہ آغاز نماز سے مقدم ہے یا مؤخر جناب کی کف ثوب کی تفسیر یہ ہے کہ حالت نماز میں سجدہ میں جاتے وقت یہ کام کرے پھر فرمایا ایسا کام کر کے نماز شروع کرنا مطلق مکروہ تحریمی ہے جب کف ثوب کا تعلق سجدہ میں حالت نماز سے ہے تو یہ کہنا کہ اس عمل سے نماز شروع کرنا مکروہ تحریمیٰ اس کی وضاحت فرمائیں۔

ثانیاً: اسی صفحہ پر آپ نے علامہ شامی کی ایک عبارت نقل فرمائی: "مالو شمر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وقيد الكراهة الخ" آپ نے یہاں صاحب ردالمحتار کی عبارت کو ترک کرتے ہوئے فرمایا "وقيد الكراهة الخ" آیئے پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام وإذا دخل في الصلوة كذلك وقلنا بالكراهة فهل الأفضل إرخاء كميه فيها بعمل قليل أوتركهما لم أره وإلا ظهر أولى بدليل قوله الآتي ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل تامل هذا فقيد الكراهة في الخلاصة المنيه الخ۔ [1]

---

[1] ردالمحتار مطلب فی المکروہات جلد اول ص 473 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

"یعنی اگر کسی نے وضو کیلئے آستین چڑھائی پھر امام کے ساتھ رکعت کو پالینے میں جلدی کی اور اسی حالت میں وہ نماز میں داخل ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں یہ مکروہ ہے۔ کیا عمل قلیل کے ساتھ دونوں آستینوں کا نماز میں نیچے اتارنا افضل ہے یا ان کا اپنی حالت پر چھوڑ دینا۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ ان کا نیچے اتارنا یا نیچے نہ اتارنا ان میں سے کون افضل ہے۔ اور پہلا قول یعنی آستین کا نیچے اتارنا بدلیل مابعد افضل ہے۔ یعنی اگر کسی نمازی کی ٹوپی گرگئی تو ٹوپی دوبارہ اٹھا کر سر پر رکھنا افضل ہے (برہنہ سر نماز پڑھنے سے) اور خلاصہ اور منیہ میں کراہت کی یہ قید کہ نمازی اپنی دونوں آستین کو کہنیوں تک چڑھائے ہوئے ہو، اس قول کا ظاہر یہی ہے کہ آستین کا دونوں کہنیوں سے کم چڑھانا مکروہ نہیں۔ اور البحر میں ہے اور ظاہر اطلاق باعتبار صادق ہونے کف ثوب کے کل پر ہے (یعنی کہنیوں کے اوپر تک آستین چڑھانا) اس کی مثل حلیۃ المحلی میں ہے اور اسی طرح صاحب کبیری (غنیۃ المستملی) نے کہا کہ دونوں کہنیوں تک کی قید لگانا اتفاقی ہے۔ اور صاحب غنیۃ المستملی نے کہا: اور یہ قید اگر نمازی نے خارج از نماز دونوں آستینوں کو اوپر چڑھایا پھر نماز میں شروع ہوا تو اسی طرح ہے لیکن اگر اس نے نماز میں آستین چڑھائی تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے"۔

چنانچہ فتاویٰ شامیہ کی یہ عبارت اس پر دلیل ہے کہ اگر کسی نے وضو کیلئے آستین چڑھائی اور رکعت کے رہ جانے کے خوف سے اسی حالت میں نماز میں داخل ہوگیا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ صاحب فتاویٰ شامیہ نے اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ عمل قلیل سے آستین کا نیچے اتارنا ایسے ہی افضل ہے جیسے نمازی کی ٹوپی گرجائے تو اس کو اٹھا کر سر پر رکھنا۔ تو کیا ٹوپی کا سر پر رکھنا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی۔ اس پر آستین کو نماز میں معجل قلیل نیچے اتارنا بھی محمول وقیاس ہو گا۔ دوسرا یہ کہ جو یہ کہتے ہیں کہ وہ پہلے اپنی آستینوں کو نیچے کرے خواہ اس کی نماز کی ایک رکعت جاتی رہے، صاحب فتاویٰ شامیہ نے اس کا بھی نہایت ہی تحقیقی جواب ارشاد فرما دیا کسی اور جواب کی اب ضرورت باقی نہیں۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے بھی ثابت ہوا بعمل قلیل آستین کا نیچے اتارنا افضل ہے اور افضل بمعنی اولیٰ ہے اور خلاف اولیٰ مکروہ تنزیہی ہوتا ہے تحریمی نہیں۔ اس سے قبلہ

مفتی صاحب کی تصریح کف ثوب بھی غلط ثابت ہوتی ہے جیسا آپ موصوف نے فرمایا حالت نماز میں عمل قلیل سے سجدہ میں جاتے وقت اپنے سامنے سے یا پیچھے سے کپڑا اٹھانا یا کپڑا چڑھا کر یا موڑ کر نماز شروع کرنا یہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ اسی عمل قلیل کے ساتھ نماز میں اپنی آستین کو نیچے اتارنا صاحب فتاویٰ شامی افضل فرما رہے ہیں۔ کیا آپ کا فرمان درست ہے یا فتاویٰ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی نص اس کا جواب بھی آپ کے ہی ذمہ ہے۔

ثالثاً:۔ پھر پہلے ہی صفحہ پر صاحب ردالمحتار نے البحر سے مکروہ کی جو دو اقسام بیان فرمائیں آپ اس کے متعلق فرماتے ہیں ''احدھما ما کرہ تحریما وھو محمل عند ہ إطلاقھم الکراھۃ کما ذکرہ فی الفتح'' اس سے تو خود ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے بلکہ ہمارے موقف کا ثبوت روز روشن کی طرح واضح وعیاں اور خوب ظاہر وباہر ہے۔ لیکن آپ نے مکروہ کی دونوں اقسام کی مکمل تشریح وتوضیح نہیں فرمائی۔ آیئے! پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

''وفی البحر من مکروھات الصلوٰۃ المکروہ فی ھذا الباب نوعان أحدھما ما کرہ تحریما وھو المحمل عند إطلاقھم الکراھۃ کما فی فتح القدیر و ذکر أنہ فی رتبۃ الواجب لا یثبت إلا بما یثبت بہ الواجب یعنی بالظنی الثبوت وثانیھما المکروہ تنزیھا و مرجعہ إلی ما ترکہ أولیٰ وکثیرا ما یطلقونہ کما فی شرح المنیۃ فحینئذ إذا ذکروا مکروھا فلا بد من النظر فی دلیلہ فإن کان نھیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم إلا لصارف للنھی عن التحریم إلی الندب فإن لم یکن الدلیل نھیاً بل کان مفیداً للترک الخیر الجازم فھی تنزیۃ۔ [1]

''البحر میں مکروہات صلوٰۃ سے ہے اس باب میں مکروہ کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک مکروہ تحریمی اور حضرات علماء فقہاء کے مطلق کراہت بولنے کے وقت مکروہ تحریمی ہی محمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور یہ مکروہ واجب کے رتبہ میں ہے، یعنی جس سے واجب ثابت ہوتا ہے اس سے مکروہ تحریمی بھی ثابت ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ دونوں ظنی الثبوت سے ثابت

[1] ردالمحتار جلد اول مطلب فی تعریف المکروہ ص 97 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ وایضاً صفحہ 472 مطلب فی مکروہات الصلوٰۃ، البحر الرائق شرح کنز الدقائق جزء دوم ص 19۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ہوتے ہیں اور دوسرا مکروہ تنزیہی ہے اور اس کا مرجع ترک اولیٰ ہے اور بہت دفعہ اس مکروہ کو مطلق بولا جاتا ہے۔ (اور مراد مکروہ تنزیہی لیتے ہیں) جیسا کہ منیہ کی شرح میں ہے۔ تو اس وقت جب (مکروہ مطلق بولا جائے) تو حضرات علماء فقہاء مکروہ کا ذکر کرتے ہیں تو مکروہ کی دلیل میں نظر کرنا ضروری ہے اگر وہ مکروہ نہی ظنی الثبوت ہو تو کراہت تحریمہ کا حکم لگایا جائیگا ہاں! اگر نہی کو تحریم سے ندب کی طرف کوئی صارف ہو (تو پھر مکروہ تنزیہی ہوگا) چنانچہ اگر نہی ظنی الثبوت کی کوئی دلیل نہ ہو بلکہ وہ دلیل غیر جازم فعل کے ترک میں مفید ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

جب آپ نے رد المحتار اور پھر البحر کی پوری عبارت مع ترجمہ ملاحظہ فرمالی تو آیئے! مفتی صاحب کیا فرماتے ہیں، اس کے بعد پھر آپ البحر کی یہ عبارت بھی نقل فرماتے ہیں۔ کثیرا مایطلونہ الخ۔ جس کا ترجمہ آپ نے یہ فرمایا بہت سے علماء مکروہ بول کر مکروہ تنزیہی مراد لیتے ہیں۔ محترم جناب قبلہ مفتی صاحب: یہ تو حضرات علماء فقہاء کرام مکروہ کی تقسیم فرمارہے ہیں نہ کہ انہوں نے آپ کے قول پر فتویٰ صادر فرمادیا ہے۔ اس لئے کہ وہ لکھتے ہیں اکثر اوقات حضرات علماء فقہاء مطلق مکروہ بول کر مکروہ تنزیہی مراد لیتے ہیں جیسا کہ منیۃ المصلی کی شرح غنیۃ المستملی میں ہے اور اسی غنیۃ المسلمی کے مطلق مکروہ کو آپ نے مکروہ تحریمی تحریر فرمایا۔ اور آپ موصوف اس قول کو نظر انداز فرماگئے۔ ارشاد باری تعالیٰ عزوجل "افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض" ایک کو مانتے ہو اور دوسرے کا انکار کرتے ہو۔ اگر آپ موصوف کو صرف "وھو المحمل عند اطلاقھم" روز روشن کی طرح واضح وعیاں، ظاہر و باہر ہوگیا تو پھر "کثیرا مایطلقونہ" کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر طرفہ یہ کہ خود صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں۔ فحینئذ اذا ذکروا مکروھا الخ۔ جیسا کہ اس سے قبل عبارت میں مذکور ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس فقیر کا یہاں یہ اشکال ہے کہ حضرات علماء و فقہاء جب مکروہ کا ذکر کرتے ہیں تو مکروہ کی دلیل میں نظر بہت ضروری ہے۔ اگر یہ دلیل ظنی الثبوت والدلالہ ہو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے تو پھر کیا آپ آستین کے اوپر چڑھانے کے متعلق کوئی دلیل ظنی الثبوت پیش کر سکتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو آستین اوپر چڑھا کر نماز نہ پڑھا کرو۔ امید ہے کبھی بھی آپ پیش نہ کر سکیں گے۔ ہاں! اس مسئلہ آستین اوپر چڑھانے کو کف ثوب پر محمول وقیاس کریں گے۔ جیسا کہ

صاحب فتح القدیر نے ارقام فرمایا۔ "ویتضمن کراھۃ کون المصلی مشمرا کمیہ" (فتح القدیر جلد اول ص 359۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) یعنی "کف ثوب نمازی کے آستینیں چڑھانے کی کراہت کو شامل ہے"۔

لہذا قیاس کی چار اقسام ہیں جن میں مرجع عندالامام قیاس موثر ہے یعنی اصل اور فرع میں معنی موثر ہو۔ جبکہ آپ کی پیش کردہ حدیث جسے کو صحاح ستہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اس میں کف ثوب کو شارحین حدیث اور اکثر حضرات علماء فقہاء نہی ظنی الثبوت تسلیم ہی نہیں کرتے تو پھر کیوں ایسی صورت میں آپ تشمیر کم کو خواہ وہ نماز سے باہر ہو مکروہ تحریمی محمول کرنے پر ضد کر رہے ہیں۔ اسی ضد کی وجہ سے اکثر آپ کے مکتوب گرامی قدر میں سہو واقع ہوا ہے جسے میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ چنانچہ آستین کو چڑھا کر نماز پڑھنے کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے آپ کو ردالمحتار کا وہی قول کافی ہے جس میں آپ نے قطع و برید فرمایا۔ باقی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل و محقق بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اور شارحین منیۃ المصلی کی نصوص کا جواب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

رابعاً:۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ردالمحتار کی اس عبارت "لکن فی القنیۃ واختلف فی من صلی وقد شمر کمیہ لعمل یعمل قبل الصلوٰۃ وھیئتہ ذلک اھ"[1]

"لیکن قنیہ امام زاہدی میں ہے: حضرات علماء فقہاء کا اختلاف ہے اس شخص کے متعلق جس نے اس حال میں نماز پڑھی کہ وہ اپنی آستینوں کو اٹھائے ہوئے ہے کسی ایسے عمل کی وجہ سے جو اس نے نماز سے پہلے اپنی آستین کو چڑھا لیا یا تشمیر کم کی ہیئت اختیار کی"۔ تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

اقول واللہ تعالیٰ اعلم بعد الاختلاف فی المذھب الذی فی الحلیۃ ص 349 (مذھب مالک فی کل من شد الوسط و تشمر الکمین یکرہ أن کان للصلوۃ لا إذا کان لأجل شغل ثم حضرتہ الصلوۃ فصلی وھو علی تلک الھیئۃ کما تقدم مثلہ فی عقص الشعر عنہ۔[2]

---

[1] ردالمحتار جلد اول باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا ص 473 مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] جد الممتار علی ردالمحتار جلد دوم ص 355 مطبوعہ مجلس المدینۃ العلمیہ دعوت اسلامی کراچی

"فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں اور اللہ عزوجل اعلم ہے:
مذہب میں اختلاف کے بعد لیکن جو حلیہ شرح منہ ص 349 میں ہے۔ کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہر اس شخص کے متعلق مذہب یہ ہے کہ جس نے کمر بند باندھا ہو اور دونوں آستینوں کو اوپر اٹھایا ہوا ہو اگر صرف نماز کیلئے ہو تو مکروہ ہے نہ یہ کہ جب اس نے کسی کام کی وجہ سے ایسا کیا ہو پھر نماز کا وقت آ گیا اور اس نے نماز پڑھی دار آنحالیکہ وہ اس شکل میں ہے (تو ایسی صورت میں آستین چڑھائے نماز پڑھنا مکروہ نہیں) جیسا کہ اس کی مثل صاحب رد المحتار سے عقص شعر میں آئے گا"۔

لیجئے! جناب قبلہ مفتی صاحب آپ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تین فتاویٰ نقل فرمائے اور مسئلہ نمبر 3 میں ہے: تو لازم ہے کہ آستین اتار کر نماز میں داخل ہو اگر چہ وہ رکعت جاتی رہے۔ لیکن رد المحتار پھر جد الممتار میں ہے کہ اگر کسی عمل کی وجہ سے آستین چڑھائی اور نماز کا وقت آ گیا تو وہ آستین چڑھائے نماز میں داخل ہو گیا تو مکروہ نہیں۔ لیکن رد المحتار میں فرماتے ہیں اگر وہ بعمل قلیل آستین کو نیچے اتارے تو افضل ہے۔

لیکن جد الممتار میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف فتویٰ صادر فرما رہے ہیں کہ اگر کسی شغل کی وجہ سے نہ کہ صرف نماز کیلئے کسی نے آستین چڑھائی اور نماز کا وقت ہو گیا تو وہ اسی حالت میں نماز میں داخل ہو جائے تو یہ فعل مکروہ نہیں۔

اصول فقہ کا قاعدہ ہے اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے لہٰذا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جو اثبات فتویٰ ہے وہ معتبر ہے ویسے بھی سوائے شارحین منیہ کے اکثر فقہاء کرام نے اسے صرف مکروہ لکھا ہے اور صاحب البحر الرائق اور جامع الرموز نے اسے ترک سنت فرمایا۔ اس اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ نفی کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو صحیح ہوگا۔ کیونکہ آپ کا فتویٰ بر تقویٰ ہے نہ کہ بمتعلق مسئلہ واللہ تعالیٰ اعلم، اب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتویٰ کی تائید کیلئے رد المحتار کی جس تصریح عقص شعر کی طرف اشارہ فرمایا ہے صاحب رد المحتار کا وہ قول بھی ملاحظہ فرمائیں تا کہ مسئلہ کی حقیقت حال واضح ہو جائے۔

وقوله وعقص شعره أن ضفره و فتله المراد به أن يجعله على هامته ويشده بضمغ أو أن يلف ذوائبه حول رأسه كما يفعله النساء في بعض الأوقات أو يجمع الشعر

كله من قبل القفا ويشده بخيط أو خرقة كي لا يصيب الأرض وجمع ذلك مكروه لما روى الطبراني أنه عليه السلام نهى أن يصلي الرجل ورأسه معقوص وأخرج الستة عنه صلى الله عليه وسلم أمرت أن أسجد على سبعة أعضاء وأن لا أكف شعرا ولا ثوبا شرح المنيه ونقل في الحلية عن النووي أنها كراهة تنزيهة ثم قال ولا شبه بسياق الحديث أنها تحريم إلا أن ثبت على التنزيه إجماع فيتعين القول به۔[1]

''صاحب درمختار کا قول ''وعقص شعره'' کا معنی یہ ہے کہ انہیں گوندھے اور بٹے اور اس کی مراد یہ ہے بالوں کو اپنے سر کی چوٹی پر جوڑا بنائے اور گوندے انہیں چمٹا دے یا اپنے بالوں کو اپنے سر کے اردگرد لپیٹے جیسے بعض اوقات عورتیں کرتی ہیں یا تمام کے تمام بال گدی کے پیچھے اکٹھے کرے اور دھاگہ یا کپڑے کے ٹکڑے سے ان کو باندھے تا کہ زمین تک نہ پہنچیں۔ اور یہ سب کا سب مکروہ ہے بمطابق روایت طبرانی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو نماز پڑھنے سے منع فرمایا درآنحالیکہ اس کے بالوں کا جوڑا باندھا گیا ہو۔ اور صحاح ستہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تخریج کی کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور نہ ہی میں اپنے بال موڑوں اور نہ ہی کپڑا موڑوں۔ شرح منیہ حلیہ میں امام نووی سے منقول ہے کہ سب امور مکروہ تنزیہی ہیں پھر امام نووی نے فرمایا سیاق حدیث کے مطابق مشابہ یہی ہے کہ یہ امور تحریمی ہیں مگر مکروہ تنزیہی پر اجماع ثابت ہو چکا چنانچہ مکروہ تنزیہی کا قول ہی متعین ہوگا''۔

اصل مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف ارشارہ فرمایا ہے کہ بالوں کا جوڑا قبل از نماز مکروہ تنزیہی ہے ایسے ہی نماز سے قبل کسی عمل کی وجہ سے اگر کوئی شخص اپنی آستین اوپر چڑھاتا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کما تقدم مثله في عقص الشعر عنه پھر آپ موصوف نے بریکٹ میں (وہ خود شافعی المسلک ہیں اور یہ حکم شافعیوں کا ہے) میرے خیال میں آپ موصوف سے یہاں سہو واقع ہوا ہے۔ درحقیقت یہ قول احناف کا ہے جس کی طرف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا۔ اور صاحب ردالمحتار پھر علامہ بدرالدین عینی، صاحب البحر الرائق اور صاحب جامع الرموز سے یہی منقول

---

[1] ردالمحتار جلد اول۔ ص 474۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ہے۔ جو ترجمہ آپ نے صاحب ردالمحتار کی اس عبارت "ولاشبہ بسیاق الحدیث الخ" کا فرمایا وہ قابل صد تحسین ہے۔ آپ موصوف کا ترجمہ یہ ہے: پھر فرمایا سیاق احادیث کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ مگر جب تنزیہی ہونے پر اجماع ثابت ہو جائے لہٰذا مکروہ تحریمی متعین ہے۔ اس عبارت کا ترجمہ جناب موصوف کی علمی استعداد کو سلام پیش کر رہا ہے۔ ابتدائی کتب نحوو صرف کا متعلم بھی اس کا ایسا ترجمہ نہیں کرے گا جو آپ موصوف نے فرمایا۔ آیئے صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ پھر فرمایا سیاق حدیث کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے مگر بے شک مکروہ تنزیہی پر اجماع ثابت ہو چکا تو مکروہ تنزیہی کے ساتھ ہی قول متعین ہے۔ بذات خود آپ نے مکتوب کے صفحہ 9 یعنی آخر میں حلیہ شرح منیہ سے کف ثوب اور تشمیر کم کے بعد صاحب حلیہ کی یہ عبارت نقل فرمائی۔ الاشبہ بسیاق الأحادیث و نظائرھا أنہ کراھۃ تحریم فإن ثبت علی التنزیہ إجماع تعین القول بہ و إلا فالقول بالتحریم اوجہ من حیث الدلیل "(حلیہ فی شرح منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی جلد دوم ص 232 دار الکتب بیروت) یعنی سیاق احادیث اوران کی مثل زیادہ مشابہ یہی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے چنانچہ تنزیہی پر اجماع ثابت ہو چکا تو قول مکروہ تنزیہی ہی متعین ہوگا ورنہ دلیل کے مطابق تحریمی کا قول اوجہ ہے۔ اب فرمائیں جو ترجمہ آپ نے صاحب ردالمحتار کی عبارت کا فرمایا وہ درست تھا؟

خامسا: آپ موصوف نے سنت کے متعلق فرمایا "السنۃ إذا کانت مؤکدۃ قویۃ لایبعد ان یکون ترکھا مکروھا کراھۃ تحریم کترک الواجب"[1]

یعنی سنت جب موکدہ قویہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہونا بعید نہیں مثل ترک واجب کے (مکروہ تحریمی ہونا بعید نہیں) آپ موصوف کو تو نہی ظنی الثبوت میں بھی شک ہے تبھی تو آپ نے ترک واجب کا مفہوم بریکٹ میں بیان فرمایا۔ قبلہ مفتی صاحب نے یہاں سنت پر لاحاصل بحث فرمائی جس کا اس سنت سے جو ہیئت واجزا نماز سے ہے، کوئی تعلق نہیں بلکہ مفتی صاحب کا جو سنت کے متعلق بیان ہے، اس کا تعلق سنن ہدی اور پنجگانہ نماز کی سنن موکدہ سے ہے جیسا کہ یہ

---

[1] البحر الرائق جلد دوم ص 57۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد و ما یکرہ فیھا مطلب فی بیان السنۃ والمستحب جلد اول ص 368 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی

ناچیز علماء فقہاء کرام کی نصوص قاطعہ سے اس کو ثابت کرے گا۔

چنانچہ یہ بندہ ناچیز پہلے سنت کی تعریف و تقسیم بیان کرے گا اس کے بعد ان شاء اللہ سنت کی تعریف و تقسیم کی تائید میں اقوال علماء و فقہاء عرض کرے گا۔ اللہ عزوجل صحیح اور درست سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

سنت کا معنی، تقسیم اور تعریف: صاحب بحر الرائق سنن وضو کے تحت فرماتے ہیں:

ھی لغۃ الطریقۃ المعتادۃ واصطلاحًا الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین الخ [1]

''لغت میں سنت کا معنی معتاد راستہ اگرچہ وہ برا ہو اور اصطلاح میں سنت کا معنی ہے دین میں جس راستہ پر چلا جائے''

اسی طرح عنایہ میں ہے اور اس معنی میں نظر ہے کیونکہ دین کا جو راستہ ہے یہ فرض اور واجب کو بھی شامل ہے۔ اس لئے صاحب کشف نے اس میں یہ اضافہ فرمایا: سنت وہ راستہ ہے جس پر دین میں چلا جائے اور اس دین کے راستے میں فرض اور واجب نہیں۔ پھر اس تعریف میں یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس میں مستحب اور مندوب بھی شامل ہے تو صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: بہتر یہ ہے کہ سنت کا معنی یہ کیا جائے کہ سنت دین میں وہ طریقہ مسلوکہ ہے جو علی سبیل مواظبت لازم نہیں تا کہ مستحب وغیرہ خارج ہو جائے۔

علامہ ابن منظور نے لسان العرب میں ارقام فرمایا:

والأصل فیہ الطریقۃ والسیرۃ وإذا أطلقت فی الشرع فإنما یراد بھا ما أمر بہ النبی ﷺ الخ [2]

''سنت کا اصل معنی طریقہ اور سیرت ہے اور جب شرع میں اسے مطلق بولا جائے تو اس سے مراد وہی چیز ہو سکتی ہے جس کا نبی کریم ﷺ نے حکم ارشاد فرمایا''۔

اور اس سے منع فرمایا اور جو چیز قرآن معظم میں نہیں فعلاً اس کی طرف بلایا۔ اسی لئے ادلہ شرعیہ کے متعلق کہا جاتا ہے قرآن و سنت۔

---

[1] البحر الرائق ج ا اول ص 16 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] لسان العرب جلد 6 ص 399 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

سنت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کے بعد اس کی تقسیم ملاحظہ فرمائیں:

۱ سنن ھدیٰ: یہ وہ سنت ہے، جو گمراہی سے ہدایت دے اور یہ سنت اعلام اسلام میں سے ہے جیسا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔ آذان کہنا، اقامت کہنا، ایک قبضہ کی مقدار ڈاڑھی رکھنا، تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھوں کا اٹھانا وغیرہ۔

۲ سنن زوائد: اصل میں اس سنت کا تعلق عادات سے ہے پھر بوجہ عادت اسے عبادت میں شمار کر دیا گیا جیسا لباس، قیام اور قعود میں نبی کریم ﷺ کی سیرت پر عمل کرنا اور اس کا ترک اساءت و کراہت کا موجب ہے۔

۳ سنن موکدہ: یعنی وہ سنت ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے بلا ترک مواظبت فرمائی ہو۔ انہیں سنن رواتب بھی کہتے ہیں۔ اور ان سنن کا شمار غالبا اوقات نماز کی سنن میں ہوتا ہے۔ جیسے نماز ظہر کی چھ سنت۔ مغرب کی دو۔ نماز عشا کی دو اور نماز فجر کی دو سنت۔ انہیں سنن موکدہ بولتے ہیں۔

۴ سنن غیر موکدہ: یہ وہ سنت ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے مواظبت نہ فرمائی ہو اور کبھی کبھی ان کا ترک بھی فرمایا ہو جیسے نماز عصر سے پہلے اور نماز عشا سے قبل چار سنتیں۔

پھر سنت موکدہ کی بھی دو قسم ہیں:

۵ سنت موکدہ عین: جس طرح نماز تراویح کیونکہ بذات خود سنت موکدہ ہے اس اعتبار سے اسے سنت موکدہ عین کہا گیا ہے۔

۶ سنت موکدہ کفایہ: یعنی نماز تراویح کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا یہ سنت موکدہ علی الکفایہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ اگر محلے میں سے چند افراد بھی نماز تراویح جماعت کے ساتھ ادا کر لیں تو سنت موکدہ کے ترک کا گناہ باقی لوگوں پر سے ساقط ہو جائیگا اور عین نماز تراویح کا ترک گناہ ہے، یعنی اگر اس نے جماعت کے ساتھ نماز تراویح نہیں پڑھی تو عین نماز تراویح ضرور پڑھے کیونکہ تراویح سنت موکدہ عین ہے اور جس کا ترک گناہ ہے۔ چنانچہ تقسیم سنن کے بعد یہ بھی جاننا نہایت ضروری ہے کہ جہاں سنت موکدہ قریب از واجب اور ترک سنت موکدہ کو قریب از مکروہ تحریمی بیان کیا گیا ہے

عموماً وہاں سنن ہدیٰ اور سنن موکدہ ہی مراد لی گئی ہیں اور گناہ میں یہ ایک دوسرے سے قریب قریب ہی ہیں۔ اس قاعدہ کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو حضرات علماء فقہاء نے جو سنت کی تعریف بیان فرمائی، اس کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

اب جو قبلہ مفتی صاحب نے بحوالہ ردالمحتار اور البحر الرائق نقل فرمایا کہ سنت موکدہ یہ ہوتو اس کا ترک مکروہ تحریمی کے قریب ہے۔ آپ موصوف نے اصل میں یہ فرمایا کہ جو البحر الرائق اور جامع الرموز کے کف ثوب کو ترک سنت قرار دیا ہے اس سے مراد یہ سنت موکدہ ہے جو مکروہ تحریمی کے قریب ہے لہٰذا نماز میں ایسی سنت کا ترک مکروہ تحریمہ ہے۔ لہٰذا نماز واجب الاداہے۔ یہ ناچیز قبلہ مفتی صاحب کے اس قول کی انہی دونوں کتابوں سے رد کرتا ہے کہ سنت موکدہ کا ترک موجب گناہ ہے جیسا کہ ارتکاب مکروہ تحریمی گناہ ہے۔

قوله (سنن) موكدة اربع قبل الظهر اى استيافا موكداً بمعنى انه طلب طلبا موكدا زيادة على بقية النوافل ولهذا كانت السنة الموكدة قريبة من الواجب فى لحق الاثم كما فى البحر ويستوجب تاركها التضليل واللوم كما فى التحرير اى على سبيل الاصرار بلاعذر كما مرشرحه۔ [1]

تطویل سے بچتے ہوئے حاصل ترجمہ پیش خدمت ہے صاحب درمختار نے فرمایا نماز ظہر سے قبل چار سنتیں موکدہ ہیں۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں، سنت موکدہ باعتبار گناہ کے لاحق ہونے کے واجب کے قریب ہیں اور ان کا تارک گمراہی اور ملامت کا مستوجب ہے جیسا کہ تحریر میں ہے۔ مطلب یہ کہ جب تارک سنت بلاعذر ترک پر مصر ہو۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

إن السنة المؤكدة بمنزلة الواجب فى الإثم بالترك كما صرحوا به كثيرا وصرح به فى المحيط هنا۔ [2]

اس سے قبل صاحب البحر الرائق نے فرمایا، تجنیس، نوازل اور محیط میں ہے: جس نے

---

[1] ردالمحتار جلد اول ص 497۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] بحرالرائق جلد دوم ص 49۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

سنن نماز کو ترک کیا وہ گنہگار ہے پھر فرمایا سنت موکدہ کا ترک گناہ میں واجب کے قائم مقام ہے۔

صاحب ردالمحتار باب العیدین میں فرماتے ہیں:

وقد ذکرنا مرارا أنها بمنزلة الواجب عندنا ولهذ أكان الأصح ان يأثم بترك المؤكدة كالواجب[1]

فرماتے ہیں ہم نے کئی بار ذکر کیا کہ سنت موکدہ واجب کے قائم مقام ہے ہمارے نزدیک، اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ سنت موکدہ کے ترک سے گنہگار ہوگا جیسے واجب کے ترک سے گنہگار ہوتا ہے۔

معلوم ہوا جس کی طرف قبلہ مفتی صاحب نے اشارہ فرمایا وہ صحیح نہیں۔ صحیح قول یہی ہے جسے صاحب ردالمحتار اور البحر الرائق نے نقل فرمایا، یعنی جب بھی ترک سنت موکدہ کو مکروہ تحریمی کے قریب سمجھا جائے تو بالاتفاق علماء یہ سنن ہدیٰ اور سنن موکدہ ہی مراد ہوں گی۔ لیکن وہ سنتیں جو نماز کے اندر ہیں جیسے واجبات نماز اسے سنن نماز کہا جاتا ہے وہ سنتیں خواہ موکدہ ہوں یا غیر موکدہ ان کے ترک سے نماز صحیح ادا ہو جائیگی وہ صرف اساءت کا مرتکب ہوگا۔ ان دلائل قاطعہ کے بعد آپ موصوف کا سنت موکدہ کے متعلق صفحات سیاہ کرنا محض لاحاصل و بے مقصد ہے۔

پھر آپ موصوف نے ردالمحتار اور البحر الرائق کے حوالہ سے جو سنت موکدہ کے متعلق عبارت تحریر فرمائی اس سے قبل صاحب البحر الرائق کی عبارت جو آپ کے مذہب کے بالکل خلاف ہے اسے ترک فرمایا اور اپنے مطلب کی عبارت کو چھوڑ دیا اور قطع و برید علماء ذی وقار کی شان ذیشان کے لائق و مناسب نہیں۔ علماء ربانی کا کام تحقیق الحق ہے نہ کہ اعراض عن الحق۔ چنانچہ صاحب البحر الرائق کی وہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے ثم اعلم أن المصنف لم يستوف ذكر المكروهات في الصلوة فمنها أن كل سنة تركها فهو مكروه تنزيها كما صرح به في منية المصلى من قوله ويكره الخ۔[2]

"صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: صاحب کنز الدقائق نے پورے مکروہات کا ذکر

---

[1] ردالمحتار جلد اول باب العیدین ص 611 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] البحر الرائق جزو دوم ص 32 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

نہیں کیا۔ چنانچہ ان مکروہات میں سے ہے کہ نماز میں ہر سنت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ صاحب منیۃ المصلی نے اس کی تصریح کی ہے کہ جب کوئی آدمی سجدہ میں جائے تو گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھوں کا زمین پر رکھنا مکروہ ہے اور رکوع میں سر کا جھکنا یا اٹھانا، بسم اللہ اور آمین کا باآواز بلند کہنا اور بغیر کسی عذر کے اپنے دونوں ہاتھوں کو ان کے مقام پر نہ رکھنا اور رکوع وسجود کی تسبیحات کا ترک اور رکوع وسجود یہ ہے کہ جب سنت موکدہ قویہ تو دور نہیں اس کا ترک مکروہ ہو جو کہ مکروہ تحریمی ہے جیسے واجب کا ترک ہے۔ اور اگر سنت غیر موکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ ان مثالوں میں جو اس سے قبل گزر چکیں صاحب البحر الرائق نماز کی تمام سنتوں کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دے رہے ہیں۔ اور جس سنت موکدہ کی وہ بات کر رہے ہیں وہ سنن ہدی اور سنن موکدہ کا ترک ہے جو کہ مکروہ تحریمی مثل ترک واجب کے۔ نہ کہ مراد وہ سنتیں جو نماز میں ہیں ورنہ نماز کی سنن کے متعلق فرمایا۔ ان کل سنة ترکھا فھو مکروھا تنزیھا یعنی نماز کی ہر سنت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ قابل صد احترام قبلہ مفتی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ جب آپ جیسا ذی علم سنن الہدی اور سنن زوائد کو بیان کرے اور اس کی تعریف بیان نہ کرے کہ سنن ہدی کیا ہیں سنن زوائد کیا ہیں کیا ان کا ترک باعتبار اثم ہے یا باعتبار اعادہ نماز تو مجھ جیسے بے علم اور آپ جیسے باعلم میں کیا فرق باقی رہ جائیگا۔ آیئے! فقہاء سے استفسار کرتے ہیں کہ سنن ہدی اور سنن زوائد کیا ہیں؟

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

والسنة نوعان سنة الهدى وتركها يوجب اساءة كراهة كالجماعة والآذان والاقامة ونحوها و سنن الزوائد تركها لا يوجب ذلك كسيرة النبي ﷺ فی لباسه و قيامه و قعوده النفل ومنه المندوب يثاب فاعله ولا يثنى تاركه وقيل هو دون سنن الزوائد الخ۔ [1]

"فرماتے ہیں سنت کی دو قسم ہیں، اول سنت ہدی، اور سنت ہدی کا ترک اساءت اور کراہت کو واجب کرتا ہے جیسا کہ جماعت، آذان، اقامت یا ان کی مثل دیگر سنن ہدی۔ دوم

---

[1] ردالمحتار جلد اول۔ سنن وضو۔ ص 76-483۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

سنت زوائد، اوران کا ترک اسائت وکراہت کوواجب نہیں کرتا جیسے نبی کریم ﷺ کے لباس، قیام اورقعود میں سیرت مبارکہ۔اور سوم نفل، اسی سے مستحب ہے۔ان کے فاعل کوثواب دیا جائیگا اور نفل وغیرہ کا تارک قابل اساءت نہیں اور بعض کہتے ہیں نفل وغیرہ سنن زوائد سے درجہ میں کم ہے۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ نفل عبادات سے ہے اور سنن زوائد عادات سے۔اور کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے۔حج نافلہ دائیں پاؤں میں جوتا پہننا اور کنگھی وغیرہ کرنے سے کم ہے(کیونکہ اول کا تعلق نفل سے ہے جو کہ عبادات سے ہے اور دوسرے کا تعلق عادات سے ہے کیونکہ یہ سیرت النبی ﷺ ہے) جیسا کہ علامہ ابن کمال نے ''تغییرالتنقیح'' اور اس کی شرح میں بیان فرمایا۔صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں میں کہتا ہوں، من حیث الحکم نفل اور سنن زوائد میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان دونوں کا ترک مکروہ نہیں ہے مگر فرق صرف اتنا ہے کہ اول عبادات سے اور دوم عادات سے ہے لیکن اس پر یہ چیز وارد ہوتی ہے کہ عبادات اور عادت میں صرف نیت کا فرق ہے جواخلاص کوشامل ہے جیسا کہ کافی وغیرہ میں ہے اور نبی کریم ﷺ کے جملہ افعال نیت پر ہی مشتمل ہیں۔جیسا کہ انہیں اپنے محل میں بیان کیا جائیگا۔صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں علماء وفقہاء نے سنن زوائد کی مثال حضور نبی کریم ﷺ کا نماز میں قرأت، رکوع اور سجود کوطویل کرنے سے دی ہے۔

چنانچہ اس وقت سنت زوائد عادتاً ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سنن زوائد پر مواظبت فرمائی یہاں تک کہ یہ سنن زوائد آپ کی عادت بن گئیں اور کبھی کبھی ان کا ترک بھی فرمایا۔اسلئے کہ سنت کا معنی دین میں طریقہ مسلوکہ ہے اور یہ سنت بذات خود عبارت ہے اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس کی وجہ سے اس کا عادت نام رکھ دیا گیا۔

آپ موصوف فرمائیں کیا کف ثوب سنن ہدیٰ میں سے ہے یا کہ سنن زوائد میں سے؟ چنانچہ صاحب ردالمحتار کی تصریح کو بغور مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ آپ کی اصابت رائے اور صلاحیت فکر پر چھوڑتا ہوں۔

علامہ ملاعلی قاری شرح النقایہ میں رقمطراز ہیں:

وقال مکحول الشامی السنة سنتان سنة أخذها هدى وتركها ضلالة وهو

ماکانت من إعلام الإسلام و شعائرها و سنة أخذها فضیلة و ترکها لا الخ۔ [1]

''مکحول شامی نے فرمایا سنت دو قسم کی ہے اول سنت جس کا پکڑنا ہدایت ہے اور اس کا ترک گمراہی ہے اور وہ سنت اسلام کے شعائر اور اعلام میں سے ہے۔ اور دوسری سنت اس کا پکڑنا فضیلت اور اس کے ترک میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ رات کی نماز نفل۔ اور مکحول شامی کے قول کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: جس کو یہ بات پسند آئے کہ وہ کل مسلمان ہونے کی حیثیت سے اللہ عزوجل سے ملاقات کرے تو اسے نمازوں (یعنی پنجگانہ نماز) پر محافظت کرنی چاہیے۔ اس لئے کہ اسے ان نمازوں کے ساتھ پکارا جائیگا۔ اللہ عزوجل نے تمہارے لئے سنن ہدیٰ کو مشروع فرمایا اور نمازیں بھی سنن ہدیٰ میں سے ہیں۔ اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نمازیں پڑھ لیں جیسا کہ یہ متخلف پڑھتا ہے تو تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا اور اگر تم نے اپنی نبی کریم ﷺ کی سنت کو ترک کیا تو گمراہ ہو گئے''۔

معلوم ہوا سنن ہدیٰ اسلام کے اعلام و شعائر میں سے ہیں اور ان کا ترک باعث ضلالت ہے۔ یہ سنن ہدیٰ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، آذان واقامت کہنا، نماز کیلئے رفع یدین کرنا اور ایک قبضہ کے مقدار ڈاڑھی وغیرہ رکھنا ہے۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قوله في الخلاصة حكى في الخلاصة أولاً خلافا قيل يأثم و قيل لا يأثم قال والمختار أن اعتاده إثم لا أن كان أحيانا الخ [2]

درمختار کا قول خلاصہ میں ہے کہ تکبیر تحریمہ کیلئے ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ اس کے تحت صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں اولاً خلاصہ میں اختلاف کی حکایت کی گئی ہے۔ بعض نے کہا گنہگار ہوگا۔ بعض نے کہا گنہگار نہیں ہوگا (یعنی اگر کسی نے عادتاً تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ نہ اٹھائے) پھر صاحب خلاصہ نے فرمایا: مختار یہی ہے اگر عادتاً ایسا کرے تو گنہگار ہوگا نہ کہ کبھی کبھی کرنے

---

[1] شرح النقایہ جلد اول ص 191 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] کبیری شرح منیہ ص 293۔ مطبع مجتبائی دہلی)۔ (ردالمحتار جلد اول ص 350 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔ البحر الرائق جزء دوم 302 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ہے۔ فیض میں اسی کے ساتھ جزم ہے اور اسی طرح منیۃ المصلی میں ہے منیہ کے شارح نے فرمایا: نفس ترک کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا بلکہ اس سنت سے لاپرواہی کرتے ہوئے جس سنت پر صاحب ردالمختار فرماتے ہیں: اس کا حاصل یہ ہے کہ جو یہ کہتا ہے ترک رفع یدین گناہ ہے وہ اس بنا پر کہتا ہے کہ یہ سنن ہدی سے ہے اور یہ سنت موکدہ ہے اور عدم گناہ کا قائل کہتا ہے: یہ رفع یدین سنن زوائد میں سے ہے، یہ مستحب کے قائم ومقام ہے۔

چنانچہ شرح منیہ ردالمختار اور البحر الرائق میں جو منقول ہے وہ یہ ہے کہ سنت موکدہ جن کو سنن ہدی بھی کہتے ہیں ان کا ترک گناہ ہے معلوم ہوا جو سنت موکدہ ہو وہ واجب کے قائم مقام ہے گناہ میں جیسے واجب کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور یہ گناہ ہے لیکن نماز کے اندر جتنی بھی سنن ہیں ان کے ترک سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

(وسننها) ترك السنة لا يوجب فسادا ولا سهوا لو عامدا غير مستخف وقالو الإساءت ادون من الكراهة"

''نماز کی سنتوں بیان: نماز میں ترک سنت اگرچہ عمداً ہو نہ کہ ان کی تحقیر کرتے ہوئے تو یہ ترک سنت نہ فساد کا موجب بنتی ہے نہ سجدہ سہو کا''۔[1]

اس کے تحت صاحب ردالمختار فرماتے ہیں:

وفى التلويح ترك السنة الموكدة قريب من الحرام وقد يوفق بأن مرادهم بالكراهة التحريمة والمراد بهائى شرح المنار التنزيهة فهي دون المكروة تحريما وفوق المكروة تنزيها۔[2]

''تلویح میں ہے ترک سنت موکدہ حرام کے قریب ہے۔ اور تحقیق موافقت دی گئی ہے اس میں کہ علماء کے نزدیک ترک سنت موکدہ تحریمی ہے اور شرح المنار میں اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے تو اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ ترک سنت موکدہ مکروہ تحریمی سے کم درجہ ہے اور مکروہ

---

[1] درمختار علی حاشیہ ردالمختار جلد اول ص 150 در المنتقی فی شرح الملتقی علی حاشیہ مجمع الانھار جلد اول ص 89

[2] ردالمختار جلد اول ص 350 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

تنزیہی سے مافوق''

اس پر دلیل یہ ہے جو''الانھار'' میں ہے کشف الکبیر سے منسوب کرتے ہوئے طرف اصول ابوالیسر کے کہ سنت کا حکم یہ ہے کہ سنت کے حصول کی طرف بلایا جائے اور ترک سنت پر ملامت کی جائے ساتھ لاحق ہونے گناہ یسیر کے۔ اسی وجہ سے صاحب البحر نے فرمایا گناہ یا تو معلق ہے ترک واجب کیساتھ یا ترک سنت موکدہ کے بوجہ صراحت کرنے حضرات علماء فقہاء کے کہ ترک سنن صلوٰۃ کا صحیح قول کے مطابق گناہ ہے (جنہیں سنن رواتب بھی کہتے ہیں) اور علمائے کرام کا اس بات کی تصریح کرنا کہ جس نے جماعت کا ترک کیا باوجود اس کے کہ یہ صحیح قول کے مطابق درست سنت ہے، یہ بھی گناہ ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بعض گناہ بعض سے سخت ہے چنانچہ تارک سنت موکدہ کا گناہ تارک واجب سے کم ہے۔ فافھم ھذا و تدبر ھذا من منزلۃ الاقدام (قولہ کراہ تنزیھا) والحاصل أن فی تثلیث التسبیح فی الرکوع والسجود ثلاثۃ اقوال۔ الخ[1]

یعنی درمختار کا یہ قول کہ رکوع اور سجود میں تین تسبیح سے کم پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور حاصل یہ ہے کہ رکوع اور سجود تین تسبیح پڑھنے کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک واجب یہ ابن ہمام کا اعتماد ہے۔ اور بحیثیت روایت ارجح قول سنت کا ہے اور مشاہیر کتب فقہ میں اس کے ساتھ تصریح کی گئی ہے۔ اور علماء نے یہ بھی تصریح فرمائی کہ تین تسبیح سے کم مکروہ ہے اور زیادہ مستحب اور سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے حصول کی طرف بلایا جائے اور سنت کے ترک پر ملامت کی جائے کیونکہ ترک سنت میں گناہ کم ہے اور یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ سنت کے ترک کی کراہت تنزیہی سے مافوق اور تحریمی سے کم درجہ ہے''۔

حضرات فقہائے کرام کے جملہ اقوال کے مطابق نماز کے اندر جو سنتیں ہیں بلا تقیید سنت موکدہ وغیر موکدہ، ان کے ترک سے نہ ہی نماز میں کوئی فساد آتا ہے اور نہ ہی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اور جن سنن کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ واجب کے قریب یا اس کا ترک مکروہ تحریمی کے قریب ہے یہ صرف سنن ہدیٰ اور سنن رواتب کے متعلق ہے نہ کہ نماز کی سنتوں کے متعلق۔

---

[1] ردالمختار جلد اول ص 365

علامہ محمد بن محمود بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

وما سوال ذلك فهو سنة - أطلق اسم السنة و فيها واجبات أطلق يعني القدوري (اسم السنة و فيها واجبات كقرأة الفاتحة) فلا يكون إطلاقا صحيحا و العذر ما ذكر بقوله و تسميتها سنة في الكتاب أي القدوري لما أنه ثبت وجود بالسنة واعلم أن المراد بالواجب ههنا ما تجوز الصلوٰة بدونه ويجب بتركه سجدتا السهو بالسنة مافعله رسول الله ﷺ بطريق المواظبة ولا لعن تارك الثناء والتعوذ و تكبيرات الركوع والسجود۔[1]

''یعنی نماز میں فرائض کے علاوہ سب سنت ہیں، یعنی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں یہ اطلاق صحیح نہیں۔ اور عذر جو صاحب ہدایہ نے اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا کہ قدوری نے اس کا نام سنت رکھا ہے صاحب عنایہ فرماتے ہیں اس لئے کہ نماز کے واجبات کا وجود سنت کے ساتھ ثابت ہے اور جان لے کہ واجب سے مراد یہاں وہ واجب ہے جس کے بغیر بھی نماز جائز ہوتی ہے اور اس کے ترک پر صرف دو سجدے سہو کے ہوتے ہیں اور سنت سے مراد وہ سنت ہے، جو نبی کریم ﷺ نے بطریق مواظبت کیا ہو اور سوائے عذر کے اس کا ترک نہ کیا ہو جیسے ثنا، تعوذ، رکوع و سجود کی تکبیرات وغیرہ۔

تو علامہ بابرتی کی تصریح سے واضح ہو گیا نماز کی سنتیں اگرچہ موکدہ ہیں لیکن ان کے ترک سے کراہت تحریمہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ چنانچہ آپ موصوف نے سنت کے متعلق جو سعی لاحاصل فرمائی ہے تاکہ آپ کے مذہب کی موید ہو وہ سنت وہ ہے جس تعلق یا تو سنت ہدی سے یا سنن رواتب سے اور جو سنتیں ہیت واجزاء نماز ہیں، بالاتفاق ان کے ترک پر اثم یسیر جسے مکروہ تنزیہی بولتے ہیں ہی ہوگا اور نماز کی تمیس سنت میں سے اگر کوئی سنت بھی رہ جائے اس سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔ ہاں ترک واجب جو کہ مکروہ تحریمی ہے، پر دو سجدے سہو کے واجب ہیں، اگر وہ رہ جائیں تو پھر نماز کا اعادہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو نماز کراہت تحریمی سے ادا ہوگی وہ واجب الاعادہ ہے۔ اللہ عزوجل اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

---

[1] ... برحاشیہ فتح القدیر جلد اول ص 241۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

سادساً: آپ نے اپنے مکتوب کے صفحہ 4 پر حدیث کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا حالانکہ حدیث کف ثوب کی وجہ سے ہی آپ تشمیر کم کے مکروہ تحریمی ہونے کی گردان سنا رہے ہیں اور شروح حدیث ہی سے کف ثوب کو امر سمجھ کر وجوب کا فتوئی ارشاد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ بفرمان اللہ عزوجل ''لم تقولون مالا تفعلون'' کے مصداق ہمیں فقہ کی تلقین فرما رہے ہیں اور خود حدیث کف ثوب پر شروح حدیث کے مطابق عمل پیرا نظر آ رہے ہیں۔ لہٰذا آپ اپنے مکتوب کے صفحہ 5 کی ابتدا اس طرح فرماتے ہیں: اولا: علامہ بدرالدین عینی ''باب السجود علی سبعة اعظم'' کی حدیث ''امر النبی ﷺ کے معنی بیان کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

امر النبی ﷺ علی صیغة المجهول فی جمیع الروایات إلی أن قال فهذا قوله ﷺ أمرت یدل علی أن الله تعالیٰ أمره والأمر من الله تعالیٰ یدل علی الوجوب۔ [1]

یعنی امر النبی ﷺ میں لفظ امر جمیع روایات مں مجہول کے صیغہ پر ہے، یہاں تک کہ علامہ بدرالدین عینی نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا قول اُمرت یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ آپ موصوف کا اس حدیث مبارک سے استدلال پر کف حسرت ملنے کو دل چاہتا ہے کہ آپ نے لفظ امر کو آغوش نہی میں رکھ کر جو استدلال فرمایا وہ کیسا ہی اچھا ہے۔ یعنی کف ثوب اور کف شعر سے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ امر تو ہے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا اور نہی ہے کف ثوب وشعر کی۔ آپ موصوف نے امر اور نہی کو ایک ہی جگہ جمع فرما دیا۔ یہ استدلال آپ کی شان کے ہی لائق ہے۔ اگر آپ موصوف علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے تھوڑا آگے چند سطور مطالعہ فرما لیتے تو آپ کبھی ایسا انوکھا استدلال نہ فرماتے۔ علامہ عینی چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

فإن قلت روایة البخاری هذه تحتمل الخصوصیة قلت روایة الأخریٰ ذکرها عقیب هذا الحدیث وهی قوله ''أمرنا'' تدل علی أنه لعموم الأمة واختلف الناس فیما فرض الله علی النبی ﷺ هل تدخل معه الأمة فقیل نعم۔ والأصح لا إلا بدلیل۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد 6 ص 89-90 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

وقیل إذا خوطب بأمر أو نهی و المراد به الأمة معه و هذا لا یثبت الا بدلیل۔ [1]

اس کا حاصل ترجمہ یہ ہے: ''علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی کہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت احتمال خصوصیت رکھتی ہے (یعنی یہ حکم خاص نبی کریم ﷺ کیلئے ہے) فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں امام بخاری کی دوسری روایت جس روایت کو اس حدیث کے بعد ذکر کیا اور یہ روایت نبی کریم ﷺ کا قول امرنا ہے یعنی صیغہ متکلم مع الغیر ماضی مجہول۔ اور یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عام امت کیلئے ہے اور لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر فرض فرمائی کیا امت بھی آپ ﷺ کے ہمراہ اس میں داخل ہے بعض نے کہا اسی طرح ہے لیکن اصح قول یہی ہے کہ اس فرض میں امت آپ کے ساتھ داخل نہیں مگر بالدلیل اور بعض نے کہا جب آپ کو امر اور نہی کے ساتھ مخاطب کیا جائے تو مراد آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی امت بھی ہوگی''۔

علامہ عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں یہ صرف دلیل سے ہی ثابت ہوگا۔ طوالت جو کہ باعث ملالت ہوتی ہے، سے اجتناب کرتے ہوئے آپ کے حضور دست بستہ عرض کروں گا کہ علامہ عینی کی اس تصریح کو غور سے پڑھیں اور امر میں نہی کو داخل فرما کر شریعت مطہرہ حقہ کا خون نہ کریں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ اس حدیث مبارک کے تحت بحوالہ مذکور ص 91 پر ارقام فرماتے ہیں:

وفیه کراهة کف الثوب والشعر و ظاهر الحدیث النهی عنه فی حال الصلوۃ و إلیه مال الداودی و رده عیاض بأنه خلاف ما علیه الجمهور فإنهم کرهوا ذلک للمصلی سواء فعله فی الصلوۃ أو قبل أن یدخل فیها و اتفقوا انه لا یفسد الصلوۃ إلا ما حکی عن الحسن البصری وجوب الإعادة فیه فی التلویح اتفق العلماء علی النهی عن الصلوۃ و ثوبه مشمر او کمه أو رأسه معقوص أو مردود شعره تحت عمامته أو نحو ذلک وهو کراهة تنزیهی ولو صلی کذلک فقد أساء و صحت صلوته واحتج الطبری فی ذلک بالإجماع۔

''اور اس حدیث میں کپڑا اور بال موڑنے کی کراہت ہے اور حدیث کا ظاہر حالت

---

[1] عمدۃ القاری حوالہ مذکورہ بالا

نماز میں کف ثوب سے نہی ہے (یعنی نہی ظنی الثبوت) اور اسی نہی ظنی الثبوت کی طرف داودی نے میلان کیا ہے۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے داوٗدی کا رد فرمایا: بے شک یہ نہی ظنی الثبوت اس چیز کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں (جب نہی ظنی الثبوت کا رد کیا جا رہا ہے تو پھر یہ کراہت تنزیہی ہے) اور جمہور نمازیوں کیلئے اسے مکروہ (تنزیہی) سمجھتے ہیں۔ نمازی کا کف ثوب وغیرہ (بالعمل القلیل) خواہ نماز کو فاسد نہیں کرتا مگر جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے اس میں نماز کے وجوب اعادہ کی حکایت کی گئی ہے۔ (اور یہ استثنا بھی جمہور کے قول مکروہ تنزیہی پر دلالت کرتی ہے اگر حدیث میں نہی ظنی الثبوت ہوتی تو یہ استثنا باطل ہوتی) اور تلویح میں ہے علماء کا نماز سے ممانعت پر اتفاق ہے درآنحالیکہ اپنا کپڑا یا آستین اوپر چڑھائی ہوئی ہے یا اس کے بالوں کا جوڑا بنایا گیا ہو یا اس کے بال اس کے عمامہ کے نیچے لوٹائے گئے ہیں یا مثل اس کے کوئی اور فعل اور یہ نہی مکروہ تنزیہی ہے اور اگر اس شخص نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو اس نے برا کیا اور اس کی نماز صحیح ہے اور امام طبری نے مکروہ تنزیہی ہونے میں اجماع کے ساتھ حجت اخذ کی ہے۔

اس احقر نے علامہ عینی کی پوری عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ جناب نے اپنے مکتوب صفحہ ۵ پر اس میں قطع و برید بھی فرمائی اور اس کے معنی بھی نہایت غلط جو کہ آپ جیسے جلیل القدر عالم دین کو زیب نہیں دیتا۔ علامہ عینی کی اس تصریح کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث میں کف ثوب و شعر مکروہ ہے اور حدیث کا ظاہر حالت نماز میں کف ثوب سے نہی ظنی الثبوت ہے اور اسی نہی کی طرف داوٗدی نے میلان کیا اور اس کے بعد جو ترجمہ آپ نے فرمایا اس پر تو رونے کو دل چاہتا ہے آپ کے مکتوب صفحہ ۶ پر قوسین میں یہ جملہ محفوظ ہے (داوٗدی کا مذہب جمہور کے مذہب کے خلاف ہے) اس لئے کہ جمہور کف ثوب نمازی کیلئے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد آپ موصوف نے فرمایا: اس سے ثابت ہوا کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ کف ثوب نماز شروع کرنے سے پہلے یا نماز کے دوران کرے، بہر صورت مکروہ ہے۔

آپ موصوف نے علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا ترجمہ نہایت ہی غلط فرمایا۔ اگر داوٗدی کا مذہب جمہور کے خلاف ہے تو داوٗدی کا مذہب کیا ہے؟ اور ضمیر مجرور ''الیہ'' کا مرجع کیا ہوگا؟ آپ کے ترجمہ کے مطابق تو اس کا مرجع جمہور ہیں۔ جو ہر اعتبار سے غلط ہے۔ اس کا صحیح

ترجمہ یوں ہے کہ "وردہ عیاض" رد کا فاعل عیاض اور ضمیر منفصل مفعول کا مرجع داؤدی ہے۔ یعنی قاضی عیاض نے داؤدی کا رد فرمایا (اور وہ رد ظاہر حدیث کا ہے جو بظاہر ظنی الثبوت ہے) جس کی طرف داؤدی کا میلان ہے یعنی قاضی عیاض داؤدی کے اس قول کو کہ یہ نہی ظنی الثبوت ہے، رد فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے فرمایا: بأنه خلاف ما عليه الجمهور اس لئے کہ وہ نہی اس چیز کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں۔ اس لئے کہ جمہور کف ثوب کو مکروہ تنزیہی سمجھتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر جمہور اسے مکروہ تحریمی سمجھتے تو علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ استثناء فرماتے کہ امام حضرت بصری رحمہ اللہ کے نزدیک کف ثوب سے نماز واجب الاعادہ ہے کیونکہ امام حضرت بصری رحمۃ اللہ نے داؤدی کا مذہب اختیار کیا ہے اور اسی طرح امام احمد قسطلانی نے (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد دوم ص 530 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) میں بھی ارشاد فرمایا: والنهي هنا محمول على التنزيهي یعنی اس حدیث مبارک میں نہی مکروہ تنزیہی پر محمول ہے۔ امام قسطلانی نے بھی آپ موصوف کے غلط ترجمہ کی قلعی کھول دی۔ چنانچہ آپ کا عبارات میں قطع و برید کرنا اظہر من الشمس ہے اور ترجمہ غلط کرنا یہ آپ کی کمزوری ہے۔ برائے مہربانی علامہ بدرالدین عینی کی عبارت کا ترجمہ اہل علم حضرات سے کروا کر دیکھ لیں۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائیگا۔ لہٰذا علما احناف و شوافع اور مالکیوں کے نزدیک حدیث کف ثوب نہی ظنی الثبوت پر محمول نہیں کہ مکروہ تحریمی ہے۔ یہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے جس کی طرف صاحب ردالمحتار نے بھی درمختار کے قول عقص شعر کے ماتحت ارقام فرمایا کہ اس حدیث میں کراہت تنزیہی پر اجماع ہے لہٰذا قول تنزیہی ہی متعین ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کف ثوب کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری رقمطراز ہیں:

(قوله لا يكف شعرا ولا ثوبا) جملة معترضة بين المجمل وهو قوله سبعة أعضا والمفسر وهو قوله الجبهة الخ وظاهره يقتضي أن النهي عنه في حال الصلوٰة وإليه جنح الداؤدي ورده عياض بأنه خلاف ما عليه الجمهور فإنهم كرهوا ذلك للمصلي سواء فعله في الصلوٰة أو قبل أن يدخل فيها واتفقوا على أنه لا يفسد الصلوٰة۔[1]

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد دوم ص 296۔ رقم الحدیث 809 دار المعرفہ بیروت

یعنی لایکف شعرا ولا ثوبا'' یہ جملہ معترضہ ہے درمیان قول مجمل سبعۃ اعضاء اور قول مفسر الجبہ الخ کے اور حدیث کا ظاہر اس بات کا متقاضی ہے کہ کف ثوب وغیرہ سے ممانعت صرف نماز کی حالت میں ہو اور اس نہی کی طرف داؤدی نے میلان کیا ہے۔ اور قاضی عیاض نے داؤدی کا رد فرمایا کہ یہ نہی (جس نہی ظنی الثبوت کے داؤدی قائل ہیں) اس چیز کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں۔ اس لئے کہ جمہور کف ثوب وغیرہ کو نمازی کیلئے مکروہ تنزیہی سمجھتے ہیں خواہ وہ یہ فعل نماز میں کرے یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے۔ اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نہی مفسد نماز نہیں۔ لیکن ابن منذر نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نماز کے وجوب اعادہ کی حکایت کی ہے۔ اور یہ استثنا اس پر شاہد ہے کہ جمہور مکروہ تنزیہی کے ہی قائل ہیں۔ ورنہ بقول داؤدی مکروہ تحریمی ہے جس سے اعادہ نماز واجب ہوتا ہے۔

امام نووی صحیح مسلم کی شرح نووی میں فرماتے ہیں:

وقوله فی روایة الأخری و رأسه معقوص اتفق العلماء علی النهی عن الصلوۃ و ثوبه مشمر أو کمه أو نحوها أو رأسه معقوص أو مردود شعرہ تحت عمامته او نحو ذلك فکل هذا منهی عنه باتفاق العلماء وهو کراهة تنزیه فلو صلی کذلك فقد أساء وصحت صلوته واحتج فی ذلك ابو جعفر محمد بن جریر الطبری باجماع العلماء۔[1]

''اور دوسری روایت ہے کہ اس کے سر کے بالوں کا جوڑا بنایا گیا ہو۔ حضرات علمائے کرام کا نماز سے ممانعت پر اتفاق ہے درآنحالیکہ اس کا کپڑا یا آستین اوپر چڑھائی گئی ہو یا اس طرح کپڑے کا کوئی حصہ اوپر چڑھایا ہوا ہو یا اس کے بال اس کے عمامہ کے نیچے موڑ دیئے گئے ہوں یا اس کی مثل کوئی اور صورت۔ چنانچہ یہ جملہ امور باتفاق علماء ان سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ ممانعت کراہت تنزیہی ہے۔ اگر اس نے اسی طرح نماز پڑھ لی تو اس نے برا کیا اور اس کی نماز صحیح ہے اور ان میں (یعنی جو امور اس سے قبل ذکر کئے گئے ہیں) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اتفاق علماء اور اجماع علماء کے ساتھ دلیل اخذ کی ہے (یعنی یہ امور مکروہ تنزیہی ہیں) اور ابن منذر نے اس نہی میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نماز کے اعادہ کی حکایت نقل کی ہے۔ پھر جمہور کا یہ مذہب ہے کہ یہ نہی مطلق ہے اس شخص کیلئے جس نے اس طرح نماز پڑھی خواہ نماز کیلئے

---

[1] صحیح مسلم مع نووی جلد اول ص 193 اصح المطابع قریب جامع مسجد دہلی

عمداً ایسا کیا یا نماز سے قبل ایسا تھا نہ کہ نماز کیلئے ایسا کیا۔ بلکہ کسی اور معنی (مقصد) کیلئے ایسا کیا اور وہ قول جو صحیح اور مختار ہے وہ پہلا ہی ہے (کہ یہ نہی مطلق ہے) اور یہ قول وہ ہے جو صحابہ اور تابعین سے ظاہر و منقول ہے۔ اور اس پر ابن عباس کا مذکور فعل دلالت کرتا ہے (کہ عبداللہ بن عباس نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو اس حال میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اپنے بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا اور آپ نے اس کا جوڑا کھول دیا)

محمد عبدالرحمن بن عبدالرحیم مبارکپوری نے جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں لکھا:

ولا یکف ای لایضم ولایجمع شعرہ وظاھرہ ان النھی عنہ فی حال الصلوٰۃ والیہ جنح الداؤدی وردہ القاضی عیاض بأنہ خلاف ما علیہ الجمھور فإنھم کرھوا ذلک للمصلی سواء فعلہ فی الصلوۃ أو قبل أن یدخل فیھا قال الحافظ واتفقوا علی أنہ لایفسد الصلوۃ لکن حکی ابن منذر عن الحسن وجوب الإعادۃ۔

”یعنی لا یکف کا معنی ہے کہ نہ ملائے اور جمع اکٹھا نہ کرے باقی عبارت کا ترجمہ اس سے قبل کئی بار گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

محمد بن علی بن محمد شوکانی منتقی الاخبار کی شرح نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:

قولہ لایکف شعرا ولاثوبا جملۃ معترضۃ بین المجمل والمبین والمراد بالشعر شعر الرأس وظاھرہ ان ترک الکف واجب حال الصلوٰۃ لاخارجھا وردہ القاضی عیاض الخ۔ [1]

”حدیث کا قول نہ اپنے بالوں کو سمیٹے اور نہ جمع کرے یہ مجمل اور مبین کے درمیان جملہ معترضہ ہے (جیسا کہ حافظ عسقلانی کی تصریح سے مذکور ہو چکا) اور بالوں سے مراد سر کے بال ہیں۔ اور اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ کپڑے کا نہ موڑنا واجب ہے درآنحالیکہ وہ نماز میں ہو نہ کہ نماز سے خارج۔ اور قاضی عیاض نے ترک کف کے واجب ہونے کا رد کیا ہے کیونکہ ترک کف کا وجوب اس کے خلاف ہے جس پر جمہور ہیں۔ کیونکہ جمہور کف ثوب وغیرہ کو نمازی کیلئے خواہ نماز میں ہو یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے اسے مکروہ (تنزیہی) سمجھتے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فعل مفسد نماز نہیں لیکن ابن منذر نے حضرت

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار جلد دوم ص 288 دار احیاء التراث العربی بیروت

امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اعادہ نماز کے وجوب کی حکایت کی ہے"۔

لیجئے قبلہ مفتی صاحب! اس ناچیز نے جو علامہ بدرالدین عینی کے ترجمہ کے متعلق عرض کیا تھا کہ آپ نے علامہ موصوف کی عبارت کا ترجمہ غلط فرمایا ہے، چنانچہ شوکانی کا یہ ترجمہ آپ موصوف کے غلط ترجمہ پر بطور استشہاد پیش کیا جاسکتا ہے۔

محمد شمس الحق عظیم آبادی سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود میں لکھتا ہے:

ولا يكف شعرا و لا ثوبا هو اما بمعنى المنع أي لا يمنعها من الاسترسال حال السجود ليقعا على الأرض أو بمعنى الجمع أي لا يجمع ثوبه ولا شعره و ظاهره يقتضي أن النهي عنه في حال الصلوة و إليه جنح الداؤدي و رده عياض بأنه خلاف ما عليه الجمهور۔ الخ۔ [1]

"یعنی ولا یکف شعرا و لا ثوبا میں لفظ کف یا تو بمعنی منع ہے یعنی ان دونوں (شعر و ثوب) کو سجدہ کی حالت میں لٹکنے سے نہ روکے تاکہ وہ دونوں زمین پر لگیں یا کف بمعنی جمع ہے یعنی اپنے بال اور کپڑے کو اکٹھا نہ کرے۔ اور باقی عبارت کا ترجمہ وہی ہے جو اس سے قبل کئی بار بار گزر چکا"۔

چنانچہ جمہور شارحین اس فعل کو نمازی کیلئے مکروہ تنزیہی سمجھتے ہیں خواہ یہ فعل بعمل قلیل بوجہ عذر نماز میں کرے یا نماز میں داخل ہونے سے پہلے کرے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ مفسد صلوٰۃ نہیں۔ لیکن ابن منذر نے امام حضرت حسن بصری سے نماز کے اعادہ کے وجوب کی حکایت نقل کی ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا حضرات علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فعل نماز سے مانع ہے۔ چوٹی پر جوڑا بنائے ہوئے ہوں یہ تمام کا تمام باتفاق علماء منہی عنہ ہے۔ اور یہ ممانعت کراہت تنزیہی ہے۔ اگر کسی نے اسی حال میں نماز پڑھی تو اس نے برا کیا اور اس کی نماز صحیح ہے۔ پھر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ مطلق ہے اس شخص کیلئے جس نے اس طرح نماز پڑھی خواہ نماز کیلئے عمداً کیا یا پہلے ہی اس طرح تھا نہ کہ نماز کیلئے کیا بلکہ کسی اور وجہ سے ایسا کیا۔ اور یہی قول مختار و صحیح ہے اور یہی وہ قول ہے جو صحابہ و تابعین سے ظاہراً منقول ہے۔

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جزء سوم ص 113 رقم الحدیث 885 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

اور اسی طرح عون المعبود کی جزء دوم باب الرجل یصلی عاقصا شعرہ اور رقم الحدیث 642 کے تحت بھی مذکور ہے۔ یہ وہی حدیث ہے جس کی طرف آپ موصوف نے اشارہ فرمایا کہ یہ جوڑا شیطان کی سرین ہے۔ یا فرمایا شیطان کی مقعد ہے۔ مکتوب ص 5 آپ موصوف نے یہاں بھی حدیث کا معنی غلط بیان فرمایا۔ درحقیقت ''معقد ہ الشیطان'' بعض رواۃ کی طرف سے ''کفل الشیطان'' کی تفسیر ہے اور آپ موصوف نے کفل کا معنی سرین فرمایا درانحالیکہ کفل بمعنی مقعد ہے۔

چنانچہ یہ بندہ ناچیز نہایت عجز وانکساری سے عرض گزار ہے کہ حوالہ جات میں جو تکریر ہے وہ صرف تائید وتاکید کیلئے ہے حالانکہ جملہ شارحین حدیث کے الفاظ ایک ہی ہیں لیکن ضرور ہر ایک کی شرح میں کچھ تفاوت ہے۔ اس لئے میں نے جملہ شارحین حدیث کی عبارات نقل کر دی ہیں جس سے روز روشن کی طرح یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں جیسا کہ شوکانی نے صاف کہہ دیا کہ بظاہر یہ حدیث ترک کف کے وجوب پر دلالت کرتی ہے لیکن جمہور کے نزدیک ایسا نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اللہ عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور نماز میں دونوں ہاتھوں سے آستین چڑھانا بالاتفاق مفسد نماز ہے۔ لیکن اگر کسی عمل کی وجہ سے نماز سے پہلے آستین چڑھائی اور نماز کا وقت ہو گیا تو اسی حالت میں وہ نماز میں داخل ہو گیا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح اگر نماز بعذر شرعی بعمل قلیل آستین کو اوپر چڑھایا تو بھی مکروہ تنزیہی ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

سابعاً:۔ آپ نے مکتوب کے صفحہ 6 پر فرمایا تمام شارحین حدیث نے ابوداؤد کی اسناد جید کیساتھ روایت کردہ حدیث کو بطور خاص ذکر کیا جس کو آپ موصوف نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا اس حدیث سے شارحین کف ثوب اور شعر کو بہت برا عمل نہیں سمجھ رہے ہیں؟ اگر نہیں تو کیونکر انہوں نے اتنے اہتمام سے ذکر کیا؟

جواباً عرض ہے کہ میں نے اپنی تحریر (جو فیضان مدینہ کراچی) کو لکھی اس میں میں نے لکھا تھا کہ میں سنن ابوداؤد کی حدیث کی جگہ حدیث صحیح مسلم نقل کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس بندہ ناچیز نے صحیح مسلم کی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن ان دونوں احادیث سے آپ موصوف کا موقف ومذہب ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں احادیث آپ کے موقف کے خلاف ہیں۔ یہ احقر ان دونوں حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد عرض کرے گا۔ دونوں احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

اول حدیث سنن ابوداؤد عن سعید بن ابی سعید المقبری یحدث عن ابیہ انہ رأی ابا رافع مولی النبی ﷺ مر بحسن بن علی علیہما السلام وھو یصلی قائما وقد غرز ضفرہ فی قفاہ فحلھا ابو رافع فالتفت حسن الیہ مغضباً فقال ابو رافع اقبل علی صلوتک ولا تغضب فانی سمعت رسول اللہ ﷺ ذلک کفل الشیطان یعنی مقعد الشیطان یعنی مغرز ضفرہ۔[1]

''سعید بن ابو سعید مقبری اپنے باپ کیسان ابو سعید مقبری سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید مقبری نے نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ امام حسن بن علی علیہما السلام کے پاس سے گزرے درآنحالیکہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور تحقیق آپ نے اپنی گدی کے پیچھے بالوں کا جوڑا باندھا ہوا تھا تو حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا کھول دیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی طرف غصہ کی حالت میں پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے کہا (اے امام حسن رضی اللہ عنہ) اپنی نماز کی طرف متوجہ رہو اور ناراض نہ ہو کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ شیطان کی مقعد ہے۔ اور ''مقعد الشیطان'' بعض رواۃ لفظ کفل کی تفسیر ہے اور ''مغرز ضفر'' ذلک مشار الیہ ہے۔ آپ موصوف کی ضیافت طبع کیلئے عرض ہے کہ علامہ بدر الدین عینی کا یہ لفظ ''اُو قال'' مدرج ہے، اصل حدیث میں نہیں۔ کاش! اصل حدیث دیکھ لیتے۔ چنانچہ آپ نے ترجمہ یہ فرمایا وہ جوڑا شیطان کی سرین ہے یا فرمایا شیطان کی مقعد ہے حالانکہ اصل حدیث میں لفظ ''کفل'' کی تفسیر کسی راوی کی طرف سے کی گئی ہے۔

حدیث دوم صحیح مسلم عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما أنہ رأی عبد اللہ بن الحارث یصلی ورأسہ معقوص من ورائہ فقال فجعل یحلہ فلما انصرف أقبل علی ابن عباس رضی اللہ عنہما فقال مالی ورأسی فقال انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول إنما مثل ھذا مثل الذی یصلی وھو مکتوف۔[2]

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ

---

[1] سنن ابوداؤد ص 104 رقم الحدیث 646

[2] صحیح مسلم مع نووی جلد اول ص 193۔ اصح المطابع دہلی

بن حارث رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا درآنحالیکہ ان کے پیچھے سے ان کے سر کے بالوں کا جوڑا بنایا گیا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے عبداللہ بن حارث کا جوڑا کھول دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن حارث نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: میرے سر کو کیا ہو گیا؟ تو حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس کی مثل (گدی پر بالوں کا جوڑا باندھنا) ایسے ہی ہے جیسے کوئی نماز پڑھے درانحالیکہ اس کے ہاتھ کندھوں کے پیچھے باندھے گئے ہوں"۔

جناب محترم! آپ موصوف کے سامنے یہ دونوں احادیث ہیں جن کا مدعا ہے کہ حضرت حسن بن علی اور حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہم عقص شعر کر کے نماز ادا کر رہے تھے، یعنی نماز پڑھتے وقت سے انہوں نے اپنے سر کے بالوں کا اپنی گدی پر جوڑا باندھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ نماز پڑھ رہے تھے تو حضرت ابورافع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے ان دونوں کے جوڑے کھول دیئے۔ اصل سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابورافع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے بفرمان مصطفی ﷺ کہ ہم نے سرکار دوعالم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ان دونوں نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا یا ان دونوں حضرات کا از خود نماز کا اعادہ ثابت ہے بلکہ حدیث اول کے یہ الفاظ "فقال ابو رافع أقبل علی صلوتك ولا تغضب" یعنی حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا نماز کی طرف متوجہ رہو اور غصہ نہ فرماؤ اور دوسری حدیث کے یہ الفاظ "أقبل علی بن عباس فقال مالی و رأسی" حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے۔ دونوں احادیث کے یہ جملے اس پر دلالت کر رہے ہیں کہ ان دونوں نے جوڑے باندھے نماز ادا کی اور اس نماز کا اعادہ نہیں فرمایا اور نہ ہی ان دونوں نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہم کو نماز کے اعادہ کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ موصوف کے نزدیک عقص شعر بھی اگر نماز سے قبل ہو تو مثل کف ثوب ہے، یعنی جس طرح کف ثوب نماز کے اندر یا خارج از نماز مکروہ تحریمی ہے اسی طرح عقص شعر بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ دونوں نماز کے اندر بعمل قلیل مفسد نماز ہیں تو بالضرور خارج از نماز مکروہ تحریمی ہونگے جو آپ موصوف کا مذہب ہے کیونکہ بقول آپ

کے یہ بہت ہی برا عمل ہے جو کہ کم از کم مکروہ تحریمی تو ہوگا ہی اور اگر سر کے بالوں کا جوڑا بنانا نماز سے پہلے مکروہ تحریمی ہوتا تو حضرت ابورافع اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ضرور حضرت حسن بن علی اور حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو اعادہ نماز کا حکم دیتے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مستطاب جد الممتار علی رد المحتار میں اسی قول کی طرف اشارہ رفرمایا تھا۔ وکذا اتقدم مثلہ فی عقص الشعر عنہ۔ (جد الممتار علی رد المحتار ص 355 مطبوعہ مجلس المدینۃ العلمیہ دعوت اسلامی) یعنی فاضل بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسی طرح اس کی مثل (یعنی اگر کسی نے عمل کی وجہ سے نماز سے پہلے آستین چڑھائے پھر نماز کا وقت ہو گیا اور اسی حالت میں وہ نماز میں داخل ہو گیا تو یہ مکروہ نہیں) صاحب رد المحتار سے عقص شعر میں آئے گا اور صاحب رد المحتار نے طبرانی کے حوالہ سے ایک حدیث روایت کی۔ مقصد یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی نماز سے پہلے کف ثوب اور عقص شعر کرنا مکروہ تحریمی نہیں اور اگر وہ اسی حالت میں نماز میں داخل ہو گئے تو مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے جس سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا جیسا کہ سنن ابوداؤد اور صحیح مسلم کی احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔

چنانچہ نہایت عجز و انکساری سے آپ موصوف کی خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ آپ ارشاد فرمائیں کیا اتنے برے عمل جو کم از کم مکروہ تحریمی ہے، اس پر ان دونوں حضرات نے نماز کا اعادہ فرمایا ہے یا حضرت ابورافع و حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے ان دونوں کو اعادہ نماز کا حکم دیا ہے؟ امید ہے کہ آپ ضرور تفصیل کے ساتھ اس پر گفتگو فرمائیں گے اور ہم جیسے کم علم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں گے۔ اللہ عزوجل اہلسنت پر آپ کا سایہ تادیر قائم و دائم فرمائے۔ آمین،

ثامناً: آخر میں آپ نے فرمایا: تم نے میرے جد امجد صدر الشریعہ، بدر الطریقہ حضرت مفتی محمد امجد علی اعظمی نور اللہ مرقدہ پر اعتراض کیا۔ حاشا و کلا باللہ و تاللہ میں آپ کے پاؤں کی خاک کے عشر عشیر کے بھی برابر نہیں جو میں آپ ذات والا صفات پر اعتراض کروں۔ ہو سکتا ہے آپ کا فتویٰ بر تقویٰ ہو۔ اس ناچیز نے صرف جو حوالہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پیش فرمایا، اس پر اعتراض کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بین العلماء والفقہاء اپنی مشہور کتاب بہار شریعت جلد ثالث مکروہات کے بیان میں ارقام فرمایا (کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی یا دامن سمیٹے نماز پڑھتا ہے مکروہ تحریمی ہے خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی ہو) در مختار تو آپ موصوف

نے اس احقر کے حوالہ سے نقل فرمایا۔ اولاً تو یہ عبارت جو صاحب بہار شریعت نے نقل فرمائی بعینہا مع درمختار فقہ کی کسی کتاب میں موجود نہیں پھر آپ موصوف نے جواباً فرمایا جوالہ پر اکتفاء فرمایا اور وہ بھی آپ نے حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی کی ایک عبارت نقل فرمائی جو آپ کے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ مسئلہ کی ترجمانی نہیں کرتی بلکہ آپ کے جد امجد کے منقولہ بعض مسئلہ کی ترجمانی کرتی ہے اور منیہ کی عبارت یہ ہے:

ویدخل أیضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ لکن الذی فی الملتقط والخلاصۃ وغیرہ ھاوشی علیہ المصنف فیما سیاتی أنہ صلی رافعا کمیہ إلی المرفق یکرہ انتھی - ففیہ إشارۃ ان أنہ لایکرہ إذا کان رافعھا إلی مادون المرافق) اس کا ترجمہ مفتی صاحب کے مکتوب کے آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔ آپ کے نقل کردہ حوالہ اور آپ کے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کی نقل میں تو اختلاف ہے اور آپ موصوف اس حوالہ سے اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ کی تاکید و توثیق بیان فرمارہے ہیں۔ آپ کے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی) یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور صاحب حلیہ فرماتے ہیں اگر آستین نصف کلائی سے زیادہ چڑھائی ہو اور کہنیوں سے کم ہو تو مکروہ نہیں۔ جو حوالہ آپ نے تاکید و تائید میں پیش فرمایا وہ تو آپ جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بالکل مختلف ہے۔

یہ بندہ ناچیز اب بھی کہتا ہے مجھے بحمدہ تعالیٰ آپ کے زہد و تقویٰ اور علمی شخصیت ہونے میں ذرا بھر بھی شبہ نہیں کالشمس الاظہر آپ کی شخصیت متقدمین کا نمونہ ہے۔ اعتراض واختلاف صرف حوالہ سے ہے۔ چنانچہ آپ موصوف کے جد امجد صدر الشریعہ، بدر الطریقہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو "درمختار" کا حوالہ نقل فرمایا ہے وہ درمختار میں نہیں۔ آپ موصوف درمختار کیا فقہ کی کسی کتاب سے بایں الفاظ یہ مسئلہ تحریر فرمادیں جو من وعن اسی طرح ہو جیسے آپ کے جد امجد رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔ میرے ادنیٰ خیال میں آپ ان شاء اللہ بایں الفاظ یہ مسئلہ کبھی بھی کسی فقہ کی کتاب سے پیش نہ کرسکیں گے۔

اور اللہ عزوجل ہم سب کو آپ کے جد امجد صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا

کیا فرماتے ہیں مفتیان مذہب دریں مسئلہ کہ مسجد کی چھت پر بلا عذر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ پھر اگر امام مسجد کی چھت پر نماز پڑھا رہا ہے تو نیچے مسجد میں اس امام کی اقتدا کیسی ہے؟

السائل قاری ذوالفقار صاحب ہنج تحصیل کھاریاں

الجواب: بعون اللہ الوہاب وھو الموفق للصواب

اللہ عزوجل کا فرمان: المساجد للہ "مساجد اللہ کی ہیں"۔

یہاں مساجد کی اضافت ونسبت اللہ کی طرف، اس کو اضافت تشریفی کہتے ہیں، یعنی یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ مساجد میں "العیاذ باللہ" قیام فرماتا ہے۔ اللہ عزوجل زمان ومکان اور جہات سے منزہ ہے۔ چونکہ مساجد زمین کے دوسرے ٹکڑوں سے اللہ عزوجل کے نزدیک زیادہ قابل احترام وتکریم وذی شرف ہیں اس وجہ سے اللہ عزوجل نے ان کو اپنی طرف منسوب فرمایا جیسا کہ کعبہ مکرمہ ہے جس کو بوجہ ذی شرف ہونے کے بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ اللہ عزوجل وہاں قیام فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیام وقعود سے منزہ ہے اور مسئلہ مرسلہ سے قبل مسجد کے متعلق ایک تحقیق کا جاننا بہت ضروری ہے جس سے اکثر لوگ بے خبر ہیں۔ وہ یہ کہ مسجد کی جگہ جو مسجد کیلئے وقف کی گئی ہے وہ اصل مسجد ہے اور چھت وغیرہ مسجد کے حکم میں ہے، اصل مسجد نہیں۔ اور نماز باجماعت کا پڑھنا اصل مسجد میں ہی جائز ہے۔ شرعی چھت پر نماز باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں اگر کوئی عذر شرعی ہو جیسے نماز جمعہ وعیدین میں اگر اصل مسجد نمازیوں سے تنگ ہو جائے اور اصل مسجد میں نماز پڑھنے کی کوئی جگہ باقی نہ رہ جائے تو حکم مسجد یعنی چھت پر پڑھنا جائز ہے ورنہ کسی طرح بھی اصل مسجد کے علاوہ نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اصل مسجد کی چھت خواہ مسقف ہو یا مسقف نہ ہو دونوں صورتوں میں اصل مسجد کی وہ چھت ہی کہلائے گی۔ اسی طرح اصل مسجد کو زمین دوز کر دیا گیا اور اس پر مسجد تعمیر کی تو یہ مسجد اصل مسجد نہیں حکم مسجد میں ہے۔ ایسی مسجد میں بھی نماز

پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اصل مسجد وہ ہے جو زمین کے نیچے ہے اور اس کی چھت پر مسجد تعمیر کرنا یہ اصل مسجد نہیں کہلائے گی بلکہ حکماً مسجد کے زمرہ میں آئے گی، تدبروا وتفکروا۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

(و) کرہ تحریماً (الوطوفوقه الخ)[1]

یعنی مسجد کی چھت پر وطی کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن چھت پر قدم رکھنا مکروہ نہیں مگر بلاعذر بوجہ حضرات علماء کے قول کے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اسکے بعد صاحب ردالمحتار حوالہ مذکور ارقام فرماتے ہیں:

ثم رأیت القهستانی نقل عن المفید کراهة الصعود علی سطح المسجد ویلزمه کراهة الصلوة أیضا فوقه فلیتأمل) ''پھر میں نے قہستانی کو دیکھا انہوں نے مفید سے نقل فرمایا کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اور یہ مسجد کی چھت پر نماز پڑھنے کی کراہت کو بھی لازم ہے معلوم ہوا بلاعذر شرعی مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے''۔

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی فرماتے ہیں:

لایکره الصعود علی سطح المسجد لکن فی المفید أنه مکروه الا اذا ضاق[2]

''مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں لیکن مفید میں ہے مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے مگر جب مسجد نمازیوں سے تنگ ہوجائے تو مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں''۔

معلوم ہوا کہ اگر اصل مسجد میں جگہ باقی نہ رہے تو پھر مسجد کی چھت پر جو کہ مسجد کے حکم میں ہے، نماز پڑھنا جائز ہے۔

مولانا محمد اجمل قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اور صورت مسئولہ میں مسجد کی چھت پر بلاضرورت نماز پڑھنا اور چڑھنا تو یہ مکروہ ہوا۔ اور اس میں ترک تعظیم مسجد کا گناہ بھی ہوگا اور اوپر دیوار بنالینے اور اس میں محراب کردینے سے اس کی کراہت نہیں اٹھ سکتی اور ترک تعظیم مسجد جائز نہیں ہوسکتی پھر اگر دوسری مساجد میں

---

[1] ردالمحتار ص 485 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] جامع الرموز جلد اول ص 199 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران

خلاف شرع کوئی فعل جاری ہوجائے تو وہ دلیل وجواز نہیں بن سکتا بلکہ ان اہل مساجد کو بھی بلا ضرورت ایسا مکروہ فعل نہیں کرنا چاہیے"۔[1]

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب مسجد دو منزلہ یا تین منزلہ ہو تو امام کو نیچے ہی نماز پڑھنی چاہیے، نیچے جگہ رہتے ہوئے اوپر دوسری یا تیسری منزل پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اسلئے کہ بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا جائز نہیں۔ ہاں! اگر نیچے جگہ نہ ہو تو اوپر نماز پڑھی جائے"۔[2]

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سقف پر بلا ضرورت نماز کی اجازت نہیں کہ سقف پر بے ضرورت نماز پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے اور بے ادبی ہے اور گرمی کا عذر مسموع نہ ہوگا۔ ہاں کثرت جماعت کہ طبقہ زیریں کے دونوں درجے (اندر اور باہر) بھر جائیں اور لوگ باقی رہیں تو سقف پر اقامت صلوٰۃ کی اجازت ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ أن یصلو بالجماعۃ فوقہ إلا إذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ۔[3]

"ہر مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے اس لئے شدید گرمی کے باوجود مسجد کی چھت پر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ مگر جب مسجد نمازیوں کیلئے تنگ پڑ گئی تو مجبوراً چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں"۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ کا معنی ممنوع کیا ہے کہ لفظ مکروہ مطلق ہو تو اکثر اس سے مراد مکروہ تحریمی لیتے ہیں۔ جیسا کہ رد المختار میں ہے۔ "لأن إطلاق الکراھۃ مصروف إلی التحریم" (رد المحتار جلد اول ص 97 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) اس لئے کہ لفظ

---

[1] فتاویٰ اجملیہ جلد دوم ص 380 مکتبہ شبیر برادرز لاہور

[2] فتاویٰ فقیہ ملت، باب احکام المسجد جلد اول ص 195 شبیر برادرز لاہور

[3] فتاویٰ عالمگیریہ جلد 5 ص 122۔ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس

مکروہ کا مطلق ہونا تحریمی کی طرف پھیرا جائیگا" چنانچہ سقف مسجد پر بے ضرورت صعود ممنوع ہے اور صورت اخیرہ میں اگر چہ نصاً ثبوت نہیں عرفاً ثبوت ہے کہ منازل میں سے زیریں منزل ہی اصل ہے اور بالا خانہ تابع کہ اس کا قیام اسی پر موقوف ہے۔ بالجملہ زیر سقف نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور چھت پر بحال ضرورت تو مطلقاً اور بلا ضرورت اس صورت میں ہے کہ باقی سے تحقیق طور پر ثابت ہو کہ مسجد صرف علو (اوپر والی منزل) ؟ اور اسے تابع رکھا۔ باقی صورتوں میں چھت پر نماز سے احتراز ہونا چاہیے۔ میں نے مجملاً نقل کیا ہے۔ تفصیلاً اصل کتاب میں دیکھیں۔

اس کا ماحاصل یہ ہے کہ اگر بانی مسجد نے بالائی منزل کو مسجد قرار دیا ہو اور زیریں منزل کو اس کے تابع قرار دیا ہو تو چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے اور باقی تمام صورتوں میں چھت پر نماز پڑھنے سے احتراز ہونا چاہیے۔[1]

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وروی الحسن عنه انه قال إذا جعل السفل مسجد أو على ظهره مسكن فهو مسجد لأن المسجد مما يتأبد و ذلك يتحقق في السفل دون العلو۔[2]

امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، جب زیریں حصہ کو مسجد بنایا اور اس کی چھت پر گھر ہے، تو وہ زیریں حصہ مسجد ہے اس لئے کہ مسجد وہ جگہ ہے جو ہمیشہ رہتی ہے اور یہ زیریں حصہ میں ہی متحقق ہو سکتا ہے نہ کہ بالائی حصہ میں۔ صاحب فتح القدیر اس کے تحت رقمطراز ہیں:

روی عن ابی حنیفة رضی الله عنه أنه فعل السفل مسجداً دون العلو جاز لأنه يتأبد بخلاف العلو وهذا تعليل للحكم بوجود الشرط فإن التأبيد شرط۔[3]

"حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی نے زیریں حصہ کو مسجد بنایا نہ کہ بالائی حصہ کو یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ مسجد کا زیریں حصہ وہ ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

---

[1] فتاویٰ رضویہ جدید مع تخریج جلد 14 ص 339۔349۔350

[2] ہدایہ مع فتح القدیر جلد 5 کتاب الوقف ص 445 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[3] فتح القدیر جلد 5 ص 445 کتاب الوقف۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

بخلاف بالائی حصہ کے کہ وہ ہمیشہ رہنے والا نہیں اور حکم کی تعلیل ہے بسبب پائے جانے شرط کے۔ چنانچہ کسی چیز کا ہمیشہ رہنا شرط ہے اور وہ زمین کا وہ حصہ ہے جو مسجد کیلئے وقف کیا گیا ہے۔ لہٰذا اعتبار علت کا ہے اور وہ مسجد کا زیریں حصہ ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

معلوم ہوا مسجد کا زیریں حصہ اصل ہے اور چھت اس کے تابع۔ نماز زیریں حصہ میں جائز ہے نہ کہ چھت پر۔ کیونکہ تابع کا قیام زیریں منزل پر موقوف ہے۔ اگر زیریں منزل نہ ہوتی تو بالائی منزل بھی نہ ہوتی چنانچہ زیر سقف نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا بوقت ضرورت ہے۔

موضع مسجد کے مؤبد ہونے کی دلیل صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

ولم یذکر المصنف حکم المسجد بعد خرابه وقد اختلف فیه الشیخان فقال محمد رحمه الله إذا خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه۔ الخ[1]

''مصنف (صاحب کنز الدقائق) نے مسجد کے خراب ہوجانے کے بعد مسجد کے حکم کا ذکر نہیں کیا اس میں شیخان کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب مسجد خراب ہوگئی اور اس کو آباد کرنے والا کوئی نہیں اور لوگ اس سے بے پرواہ ہو چکے ہیں یا تو دوسری مسجد بنانے کی وجہ سے یا گاؤں کے ختم ہوجانے کی وجہ سے یعنی گاؤں والے وہاں سے نقل مکانی کر گئے اور گاؤں وہاں سے ختم ہوگیا لیکن مسجد خراب نہیں ہوئی اور لوگوں کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مسجد واقف یا اس کے ورثاء کی طرف واپس لوٹ جائیگی ۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ قیامت تک ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، وہ میراث نہیں بنے گی کہ ورثا کے پاس واپس جائے۔ اور اس مسجد کا نقل کرنا بھی جائز نہیں اور اس مسجد کا مال وغیرہ دوسری مسجد کو نقل کر دیا جائیگا خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں اور فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ اسی طرح ''حاوی القدسی'' اور ''مجتبیٰ'' میں ہے اور اکثر مشائخ امام ابو یوسف کے قول پر ہیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کی ہر چیز حدود زمین مسجد کے تابع ہے۔ مسجد کی چھت کا

---

[1] البحر الرائق جز5 ص251 مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

میٹریل کسی دوسری مسجد کو دیا جا سکتا ہے لیکن مسجد کی زمین قیامت تک ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔لہٰذا چھت کے نیچے نماز پڑھنا ہی جائز ہے اور چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:

قوله ولو خرب حول المسجد واستغنى عنه أي استغنى عن الصلوة فيه أهل تلك المحلة أو القرية بأن كان في قرية فخربت وحولت مزارع يبقى مسجد أعلى حاله عند ابي يوسف وهو قول ابي حنيفة ومالك والشافعي الخ۔ [1]

کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں: صاحب ہدایہ کا قول کہ اگر مسجد کا ارد گرد خراب ہو گیا اور مسجد کی ضرورت باقی نہ رہی، یعنی اہل محلہ یا گاؤں والوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کی حاجت باقی نہ رہی، یہ کہ وہ مسجد کسی گاؤں میں تھی اور وہ گاؤں خراب ہو گیا (دوسری جگہ نقل مکانی کر گیا) اور وہ گاؤں کھیتی باڑی کی جگہ بن گیا تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد اپنے حال پر باقی رہے گی۔یہی قول امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے۔امام ابو یوسف اور جمہور علماء کرام نے کعبۃ المکرمہ سے دلیل اخذ کی ہے۔وہ یہ کہ کعبہ مکرمہ کی جگہ بالاجماع مسجد و قربت ہونے سے خارج نہیں ہو سکتی (معنی یہ ہے کہ اگر کعبہ مکرمہ باقی نہ رہے تو اس کی جگہ بوجہ مسجد و قربت الٰہی قیامت تک باقی رہے گی) لیکن اس مسجد کی چٹائی اور قندیل مذہب امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے مطابق اس مسجد کے بنانے والے کے پاس واپس نہیں لوٹائی جائیگی بلکہ دوسری مسجد کو دے دی جائیگی یا منتظم مسجد اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کسی دوسری مسجد میں دے دے گا۔ اور جس نے مسجد تعمیر کی کہ صرف اہل محلہ ہی اس میں نماز پڑھیں، علماء فرماتے ہیں بلکہ اس مسجد میں اہل محلہ اور دیگر لوگ بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

صاحب مجمع الانھار فرماتے ہیں:

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الشيخين وبه يفتى وعند محمد رحمه الله عاد الى الملك ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما كما في المنح وفي البحر الفتوى على قول محمد رحمه الله في آلات المسجد وعلى قول ابي يوسف في تأبيد المسجد۔ [2]

---

[1] فتح القدیر جلد 5 ص 436 کتاب الوقف مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] مجمع الانھار جلد اول ص 748۔مکتبہ دار احیاء التراث العربی بیروت

"اور مسجد کا اردگرد خراب ہو گیا اور اس کی حاجت نہ رہی تو شیخین (حضرت امام ابوحنیفہ وامام محمد یوسف رحمہم اللہ) کے نزدیک وہ مسجد ہی باقی رہے گی۔ اور یہی قول مفتی بہ ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک وہ مالک کے ملک کی طرف واپس لوٹ جائیگی۔ اور مسجد کی مثل ہی مسجد کی گھاس اور چٹائی وغیرہ کا حکم ہے جب ان دونوں کی حاجت باقی نہ رہے۔ جیسا کہ "المنح" میں ہے اور البحر میں ہے کہ مسجد کے آلات کے متعلق فتوی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اور مسجد کے قیامت تک ہمیشہ رہنے میں فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے"۔

صاحب فتاویٰ قاضی فرماتے ہیں:

وعند ابی یوسف یبقی المسجد بعد خراب ماحولہ فیکون مؤبداً۔ الخ

(فتاوی قاضی خاں آخرین مجلد ثالث کتاب الوقف ص 295۔ حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ)

میں نے بوجہ طوالت فتاوی قاضی خاں کی پوری عبارت نقل نہیں کی اور اس کا ماحاصل یہ ہے کہ کوئی چیز وقف، مسجد کی عمارت پر وقف ہوگی اور مسجد بغیر تعمیر کے بھی مسجد ہے چنانچہ عمارت مسجد اس میں نہیں جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے اگرچہ مسجد نہیں لیکن مسجد کے تابع ہوگی اور بوقت اتصال (مسجد کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے) حکماً مسجد ہوگی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ میٹریل مسجد (اینٹ، سریا، سیمنٹ وغیرہ) حقیقتاً مسجد نہیں وہ مسجد کے حکم میں ہیں۔ لہٰذا جب مسجد ویران ہو جائے اور اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہے تو مسجد کی زمین قیامت تک مسجد ہے اور اس کا سامان وغیرہ دوسری مسجد کو دیا جاسکتا ہے یا فروخت کر کے اس کی رقم کسی دوسری مسجد میں دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ مسجد کی چھت میٹریل ہے، اصل مسجد کی زمین نہیں۔ اور چھت مسجد کے حکم میں ہے اور اصل تابع ہے۔ وہ چھت حقیقتاً مسجد نہیں۔ اس لئے چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں کی عبارت سے ظاہر اُواضح ہے۔ اسی طرح جو لوگ مسجد کے نیچے تہ خانہ بناتے ہیں اور اس پر مسجد تعمیر کرتے ہیں تو یہ مسجد اصل پر موقوف ہے۔ لہٰذا اصل مسجد تہہ خانہ ہے اور اس پر مسجد کی تعمیر بالا خانہ کے حکم میں ہے جو کہ اصل کے تابع ہے اور تاقیامت رہنے والی جگہ تہہ خانہ کی زمین ہے۔ لہٰذا جو لوگ مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنا کر اس کے اوپر مسجد تعمیر کرتے ہیں اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے جس پر جملہ علماء کرام کے فرمودات شاہد ہیں۔

صاحب خلاصۃ الفتاوی فرماتے ہیں:

الفصل الرابع فی المسجد و أوقافہ و مسائلہ۔ جنس آخر اذا خرب المسجد و فی الفتاویٰ و إذا خربت القریۃ التی فیھا المسجد و جعل مزارع و خرب المسجد ولا

یصلی فیہ أحد فلا بأس بأن یاخذہ صاحبہ ویبیعہ وھو قول محمد و عن ابی یوسف لا یعود الی ملک البانی ولا الی ملک ورثتہ وھو مسجد أبدا۔[1]

''جب مسجد ویران ہوگئی اور فتاویٰ میں ہے جب وہ گاؤں جس میں مسجد تھی وہ ویران ہوگیا اور وہ ویران قریہ جائے زراعت بن گیا اور مسجد ویران ہوگئی اور اس میں کوئی نماز نہیں پڑھتا تو کوئی حرج نہیں کہ اس مسجد کا بانی اسے لے لے۔ اور فروخت کردے۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اور حضرت امام یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد، بانی کے ملک کی طرف واپس نہیں لوٹے گی اور ہمیشہ کیلئے مسجد ہی رہے گی''۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اس بنا پر ہے کہ امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے مسجد ہونے کیلئے اس میں نماز پڑھنا شرط نہیں۔ چنانچہ مسجد کی بقا کیلئے بھی نماز پڑھنا شرط نہیں۔ کیونکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک محض واقف کے قول سے ہی اس کا ملک زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وقف جائز ہے خواہ مشاع ہو (قابل تقسیم نہ ہو) یا مقسوم ہو (اس کی تقسیم کردی گئی ہو) خواہ وہ متولی کے سپرد کرے یا نہ کرے۔ خواہ وہ اس کی تابید کی شرط لگائے یا نہ لگائے۔ ہر صورت میں وقف جائز ہے اور اس کا قیامت تک ہمیشہ مسجد رہنا اور مالک کے ملک کی طرف واپس نہ لوٹنا۔ اور اسکے آلات وسامان وغیرہ کسی دوسری مسجد کو دے دینا یا متولی کا مسجد کیلئے فروخت کرنا یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی وجہ ہے۔ لہٰذا جب حضرات علماء فقہاء کرام کے راجح اور مفتی بہ اقوال سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کی چھت یا مسجد کے تہہ خانہ کی چھت اصل جو مسجد کی زمین ہے اس کے تابع ہے اور اس کے حکم میں ہے تو بلا ضرورت اصل کو چھوڑ کر تابع پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا کسی غیر شرعی مسجد کی تعمیر کی بنا پر ایسا کرنا بھی غیر شرعی ہے جیسے کوئی شراب کے جواز میں یہ کہے کہ فلاں اور فلاں بھی تو شراب نوشی کرتا ہے اور فلاں، فلاں اس کی فروخت کرتا ہے تو یہ چیزیں شراب کی حلت کا سبب نہیں بن سکتیں۔ اسی طرح اگر کسی نے غیر شرعی مسجد تعمیر کی ہو یا وہ غیر شرعی نمازیں ادا کرتا ہو اس کی اقتداء کرتے ہوئے ایسا کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ احکام کا مرجع شریعت مطہرہ ہے لوگوں کے افعال نہیں۔ جب شریعت ہی تہہ خانہ کے اوپر چھت یا زیریں منزل کی اوپر والی چھت پر نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی کہتی ہے تو ہمیں اس پر عمل کرنا ہوگا۔

---

[1] خلاصۃ الفتاویٰ جلد دوم کتاب الوقف ص574

کن لوگوں کی اقتداء کرنا جائز ہے؟

ہمارے ہاں بعض مساجد میں یہ رواج طول پکڑ رہا ہے کہ مسجد کی بالائی منزل میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں پڑھائی جاتی ہیں اور جب اوپر والی منزل پر ہو جائے اور کوئی جگہ باقی نہ رہے تو لوگ مسجد کی زیریں منزل میں اوپر والی منزل کے امام کی اقتداء کرتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جب نماز وعیدین مسجد کی زیریں منزل میں پڑھائی جائیں اور مسجد زیریں لوگوں سے تنگ ہو جائے تو لوگوں کو بالائی منزل میں جانے کی دقت ہوتی ہے لہٰذا اس عذر کی بنا پر ہم نماز جمع وعیدین مسجد کی بالائی منزل میں پڑھتے ہیں کیونکہ جب بالائی منزل نمازیوں سے پر ہو جائے تو اس وقت تکلیف سے بچنے کیلئے وہ مسجد کی زیریں منزل میں امام کے ساتھ بآسانی نماز باجماعت ادا کر سکیں۔ ''الامان والحفیظ''

اس عقلی دلیل پر کہ جس سے احکام شریعت مطہرہ پارہ پارہ ہو کر رہ جائیں۔ اور لوگوں کی نمازیں فساد کا شکار ہو جائیں تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ ظاہراً تو اس کے ذمہ دار وہی علماء کرام ہیں جو ایسا کرتے ہیں اور وہ لوگ جو مسجد کی زیریں منزل میں ان کی اقتدائے باطل کر رہے ہیں ان سب لوگوں کے فساد نماز کا گناہ ان حضرات علمائے کرام کی گردن پر ہی ہوگا۔ کیا قیامت کے دن وہ ان لوگوں کی فساد نماز کا بوجھ اٹھا سکیں گے؟ خدارا احکام شریعت کو دلیل عقلی کے تابع نہ کرو اور خدا اور اس کے رسول ﷺ سے ڈرو۔ اس میں ہماری اور تمہاری دنیاوی اور اخروی کامیابی وکامرانی ہے۔ اب اس مسئلہ کے متعلق حضرات علماء فقہائے کرام کے اقوال اور فرمودات ملاحظہ فرمائیں کہ کیا ایسا کرنا شریعت مطہرہ کے خلاف ہے یا نہیں؟

الامام الشیخ محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی فرماتے ہیں:

وانفراده على الدكان وهو المكان المرتفع والقوم على الأرض ثم قد رأه ارتفاع قامة الرجل ولا بأس بما دونها لكن إطلاقه شامل لما دونها وهو ظاهر الرواية لإطلاق النهي و قيل ذرع وعليه الاعتماد و في الغاية هوالصحيح و في فتح القدير هوالمختار۔[1]

---

[1] مجمع الانہار جلد اول ص 125۔ دار احیاء التراث العربی بیروت

''اور امام کا تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا اور لوگوں کا زمین پر (یہ مکروہ تحریمی اور مفسد نماز ہے) پھر جگہ کی بلندی کی مقدار آدمی کا قدوقامت ہے اور اس قدوقامت سے اگر کم بلند جگہ پر امام کھڑا ہو تو کوئی حرج نہیں، اس کی اقتدا جائز ہے۔ لیکن لفظ ''رجل'' کا اطلاق اس کے کم قدوقامت کو بھی شامل ہے۔ اور یہ ظاہر روایت ہے بوجہ مطلق ہونے نہی کے۔ بعض نے کہا ایک بازو کی مقدار (لفظ ذراع کا اطلاق ہاتھ کی وسطی انگلی کے سرے سے لیکر کہنیوں تک ہے) امام قوم سے بلند ہو تو مقتدی کی اقتداء جائز نہیں اور اسی قول پر اعتماد ہے اور غایہ میں ہے: یہی قول صحیح ہے اور فتح القدیر میں ہے یہی قول مختار ہے۔

صاحب فتح القدیر اور صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

ویکرہ أن یکون الإمام وحدہ علی الدکان لما قلنا واختلف فی مقدار إلارتفاع الذی تتعلق بہ الکراھة فقیل قدر القامة وقیل مایقع بہ الامتیاز و قیل ذراع وھوالمختار۔[1]

''اور امام کا تنہا دکان پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: صاحب ہدایہ کا لفظ ''وحدہ'' کہنا یہ احتراز ہے اس بات سے کہ جب امام کے ساتھ کچھ لوگ کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں ہے۔ یہ صرف امام کے حق میں ہے۔ اس کی اقتدا کے متعلق نہیں۔ اس لئے کہ جو ہم نے کہا (وہ اہل کتاب سے تشبیہ ہے کہ وہ امام کو بلند مکان پر کھڑا کر کے اس کو امامت کیلئے خاص کرتے تھے) صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: اس بلندی کی مقدار میں اختلاف ہے جس ارتفاع کے ساتھ کراہت متعلق ہے۔ بعض کے نزدیک آدمی کے قدوقامت کی مقدار بعض کے نزدیک جس ارتفاع سے امام اور قوم کے درمیان امتیاز واقع ہو (اس قول کے مطابق ایک بالشت بھی مانع اقتدا ہے) اور بعض کے نزدیک ایک بازو مثل نماز کے سترہ کے (کیونکہ اس کیلئے سترہ کی مقدار بھی ایک بازو ہے) صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں یہی قول مختار ہے اور صاحب عنایہ فرماتے ہیں اس پر اعتماد ہے۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

---

[1] فتح القدیر مع عنایہ جلد اول ص 360 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

"والانفراد الإمام علی الدکان" للنھی۔ وقدر الارتفاع بذراع ولا بأس بما دونه وقیل مایقع به الامتیاز وھو الأوجه ذکرہ الکمال۔ وکرہ عکسه فی الأصح وھذا کله عند عدم العذر کجمعة وعید فلو قاموا علی رفرف والإمام علی الأرض أو فی المحراب وضیق المکان لم یکرہ لوکان معه بعض القوم فی الاصح۔ ھذا لفظ الدر۔ وفی ردالمحتار لابن العابدین الشامی۔ قوله للنھی وھوما أخرجه الحاکم أنه ﷺ نھی أن یقوم الإمام فوقه ویبقی الناس خلفه وعللوہ بأنه تشبه بأھل الکتاب فإنھم یتخذون لإمامھم۔ [1]

"اور تنہا امام کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے بوجہ نبی کریم ﷺ کی اس کی ممانعت کے اور بلندی کی مقدار ایک بازو ہے۔ ایک بازو سے کم مقدار میں بلند جگہ پر امام کا کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔ اور بعض کے ہاں وہ بلندی جس سے امام اور مقتدی کے درمیان امتیاز واقع ہو۔ اور یہ قول اوجہ ہے۔ اس کو کمال نے ذکر کیا۔ اور اصح روایت کے مطابق اس کے برعکس (امام کے نیچے اور لوگوں کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا) بھی مکروہ ہے۔ اور ان تینوں مسائل میں کراہت عدم عذر کے وقت ہے جیسا کہ نماز جمعہ وعید یعنی اگر لوگ بالکونی پر ہوں (یہ بالکونی چھت سے نیچے ہوتی ہے) اور امام زمین پر یا محراب میں بوجہ تنگ ہونے جگہ کے یہ مکروہ نہیں (اور امام کا زمین پر کھڑا ہونا اس وقت ہے) اگر اصح قول کے مطابق امام کے ساتھ کچھ لوگ کھڑے ہوں یہ لفظ در مختار کا ہے اور صاحب ردالمحتار، درمختار کے قول "للنھی" کے تحت رقمطراز ہیں" یہ نہی وہ ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں تخریج کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے امام کو اوپر کھڑا ہونے سے منع فرمایا درآنحالیکہ لوگ امام کے پیچھے نیچے کھڑے ہوں" (اس حدیث کو مع اسناد انشاءاللہ آخر میں نقل کروں گا)۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: حضرات علماء ربانیین نے امام کے بلند جگہ پر کھڑا نہ ہونے کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ کام اہل کتاب کے مشابہ ہے۔ کیونکہ وہ اپنے امام کیلئے بلند جگہ بناتے ہیں تا کہ امام لوگوں سے ممتاز ہو۔ البحر۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: یہ تعلیل کراہت تنزیہی کی متقاضی ہے اور حدیث کراہت تحریمی کی۔ ہاں اگر کوئی کراہت تنزیہی کا صارف پایا

---

[1] فتاوئ شامیہ جلد اول ص 478 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جائے اور یہ قول علامہ خیر الدین رملی (استاذ گرامی صاحب درمختار) کا ہے۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ہوسکتا ہے یہی نہی صارف ہو جو نہی مکروہ تحریمی کا سبب ہو۔ لہٰذا امام کا تنہا بلند جگہ پر جو کہ ایک بازو کے مقدار ہو کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

چنانچہ دور ہذا میں کئی مساجد میں جمعہ کی نماز مسجد کی بالائی منزل پر ہوتی ہے اور لوگ مسجد کی زیریں منزل میں امام کی اقتداء کرتے ہیں۔ گویا یوں سمجھ لیجئے امام صاحب آسمان سے معلق ہیں اور نمازی زمین پر ان کی اقتداء کر رہے ہیں۔ معتمد اور مختار و احوط قول کے مطابق امام صاحب اگر ایک بازو کی مقدار نمازیوں سے بلند مقام پر کھڑا ہوں تو نمازیوں کی نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ تو اگر امام صاحب آسمان سے معلق ہوں اور نمازی زمین پر کھڑے ہوں تو بدرجہ اولیٰ اقتداء کرنے والوں کی نماز فاسد ہے۔ گویا کہ ہمارے ماڈرن علماء عقلی دلیل کو شرعی دلیل پر فوقیت دے کر نمازیوں کی نماز فاسد کروا رہے ہیں اور ان نمازیوں کے نماز کے فساد کے ذمہ دار حضرات علماء کرام ہیں جنہوں نے دلیل عقلی کو دلیل شرعی پر ترجیح دی۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نقایہ مختصر الوقایہ کی شرح میں رقمطراز ہیں:

(و) کرہ تخصیص الإمام بأن یکون وحدہ علی مکان مرتفع والقوم تحتہ وقدر بقامۃ الرجل وقیل بذراع وقیل مایقع بہ الامتیاز وذلک لما روی ابوداؤد أن عمار بن یاسر أم الناس بالمدائن وھو علی مکان مرتفع والناس أسفل منہ فتقدم حذیفۃ رضی اللہ عنہ وأخذ بیدہ فاتبعہ عمار حتی أنزلہ حذیفۃ فلما فرغ عمار من صلوتہ قال لہ حذیفۃ ألم تسمع رسول اللہ ﷺ قال إذا أم الرجل القوم فلا یقم فی مکان أرفع من مکانھم قال عمار ولذلک اتبعتک حین أخذت علی یدی۔ وفی ظاھر الروایۃ یکرہ عکسہ أیضاً۔ (شرح النقایہ جلد اول ص 217-216 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

"اور امام کا مخصوص جگہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ یہ کہ امام تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے نیچے کھڑے ہوں۔ اور بلندی کا آدمی کے قد و قامت کے برابر اندازہ لگایا گیا ہے اور بعض کے نزدیک ایک بازو امام کا لوگوں سے بلند کھڑا ہونا اور بعض کے نزدیک امام لوگوں سے

اتنا بلند کھڑا ہو، جس سے امام اور مقتدی کے درمیان امتیاز ہوسکے اور یہ اس لئے کہ سنن ابوداؤد نے روایت کیا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما مدائن میں لوگوں کی امامت فرمارہے تھے درآنحالیکہ وہ بلند جگہ پر تھے اور لوگ ان کے نیچے تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا۔ حضرت عمار بن یاسر حضرت حذیفہ کے پیچھے ہوا یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو نیچے اتار لیا جب حضرت عمار بن یاسر نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت حذیفہ نے ان سے کہا: کیا تم نے رسول کریم ﷺ سے یہ بات نہیں سنی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی لوگوں کی امامت کرائے تو اس آدمی کو لوگوں سے زیادہ بلند جگہ پر کھڑا نہیں ہونا چاہیے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا اسی لئے میں نے تمہاری اتباع کی جب تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر نیچے اتارا (اس حدیث مبارک کو مع سند ان شاء اللہ آخر میں بیان کروں گا) ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں اور ظاہر روایت میں اس کے برعکس بھی مکروہ ہے۔

یعنی لوگ اوپر ہوں اور امام نیچے ہوں اگر مسجد کی زیریں منزل نمازیوں کیلئے تنگ ہو جائے تو نمازیوں کا دوسری منزل میں امام کی اقتداء اس طرح جائز ہے کہ چھت پر کوئی دروازہ وغیرہ ہو اور امام مقتدی پر مشتبہ نہ ہو جیسا کہ جب مسجد کی بالائی منزل تعمیر کی جاتی ہے تو محراب کے مساوی چھت میں ایک لمبا چوڑا شگاف رکھ دیا جاتا ہے کہ جب مسجد کا زیریں حصہ نمازیوں سے تنگ ہو جائے تو لوگ چھت پر امام کی اقتداء کریں تو اس شگاف کے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ مقتدی سے امام مشتبہ نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ مقتدی امام سے آگے بڑھ کر کھڑا نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں تو بالضرورت امام کی اقتداء جائز ہے۔ ہاں! اگر مسجد کے زیریں حصہ میں کافی گنجائش موجود ہے کہ آدمی امام کی اقتداء کرسکتا ہے تو پھر بالائی منزل میں مقتدی کی امام کی اقتداء بلا ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ لیکن صورت اول میں کہ امام صاحب مسجد کی بالائی منزل پر ہوں۔ اگر ان کے ساتھ نمازی بھی ہوں تو امام کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے اور مسجد کے زیریں حصہ میں نمازیوں کی اقتداء مکروہ ہے۔ اور اگر امام صاحب بلندی پر تنہا کھڑے ہوں تو یہ بذات خود مکروہ تحریمی ہے اور اس امام کی اقتداء میں جو نماز ہوگی وہ بھی مکروہ تحریمی ہوگی بلکہ بعض

کے نزدیک تو نماز فاسد ہوگی۔

یہ تو صورت اول کی حکایت ہے نہ کہ حقیقت۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسجد کی چھت پر فقط چڑھنا ہی مکروہ ہے تو مسجد کی بالائی منزل میں بلاضرورت نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ گزر چکا ہے کہ بلاضرورت مسجد کی چھت پر نماز مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ بالائی منزل اصل نہیں حکم میں اصل کے تابع ہے تو جب اصل موجود ہو تو تابع میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا۔

محمود بن الیاس رومی کی شرح، شرح نقایہ مختصر الوقایہ

خلیفہ چلپی صاحب کشف الظنون۔ اس شرح کے متعلق فرماتے ہیں:

شرحہ شرحاً مفیدا اتمہ فی ذی الحجۃ سنۃ 851ھ۔ [1]

"خلیفہ چلپی فرماتے ہیں: محمود بن الیاس رومی نے جو نقایہ مختصر وقایہ کی شرح کی ہے وہ نہایت ہی مفید ہے اور انہوں نے اس شرح کو ذوالحجہ سن 851 میں مکمل کیا۔ وہ محمود بن الیاس رومی فرماتے ہیں:

وتخصیص الإمام بمکان مثل أن یقوم الإمام وحدہ فی محراب کبیر ویقوم وحدہ علی دکان والقوم علی الأرض أو علی العکس وارتفاع الدکان قدر بمقدار قامۃ الرجل وقیل بمقدار مایقع بہ الامتیاز وقیل بمقدار ذراع اعتبارا بالسترۃ وعلیہ الاعتماد وفی الکافی انما یکرہ الانفراد بمکان أعلی من القوم أو أسفل إذا لم یکن معہ أحد فإن کان بعض القوم معہ لایکرہ وبہ جرت العادۃ فی الجوامع۔۔۔ الخ۔ [2]

"اور امام کا مخصوص مکان میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ مثل محراب میں امام کے تنہا کھڑا ہونے کے یا امام تنہا دکان پر کھڑا ہو اور لوگ نیچے زمین پر یا اس کے برعکس۔ اور دکان کے ارتفاع کا آدمی کے قد کی مقدار اندازہ لگایا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں ارتفاع کی وہ مقدار جس سے امام اور مقتدی کے درمیان امتیاز واقع ہو جائے اور بعض نے سترہ نماز کا اعتبار کرتے ہوئے ارتفاع کی

---

[1] کشف الظنون ص 1971

[2] علی حاشیہ شرح النقایہ لملا علی قاری شرح الیاس جلد اول ص 217

مقدار ایک بازو بیان کی ہے اور اسی قول پر اعتماد ہے اور کافی امام حاکم شہید میں ہے کہ صرف امام کا تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہونا یا نیچے کھڑا ہونا اس وقت ہے جب امام کے ساتھ اور لوگ کھڑے نہ ہوں ۔جب امام کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں اور جوامع میں یہی عادت جاری ہے۔اور بعض نے کہا لوگوں کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جب اس میں کوئی عذر نہ ہو اور اگر عذر ہو تو مکروہ نہیں جیسا کہ جمعہ وغیرہ۔

قلت: صاحب ردالمحتار اور صاحب شرح الیاس کا یہ قول کہ اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ کھڑے ہوں تو امام کا بلند جگہ کھڑا ہونا مکروہ نہیں، یہ قول مسجد کی چھت اور بالائی منزل پر امام کا مع لوگوں کے نماز پڑھنے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔کیونکہ جو بلندی امام کیلئے مکروہ ہے وہ مختار او رمعتمد قول کے مطابق ایک بازو ہے۔اس صورت میں نیچے والے لوگوں کی اقتداء اس لئے مکروہ نہیں یا امام کا کھڑا ہونا اس لئے مکروہ نہیں کہ امام لوگوں پر مشتبہ نہیں لیکن مسجد کی چھت کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔کیونکہ علماء کے نزدیک مسجد کی چھت پر بلا عذر اور بلا ضرورت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔لہٰذا مسجد کی چھت اور امام کا نمازیوں سے ایک بازو بلند کھڑا ہونے کے درمیان بعد المشرقین ہے۔چنانچہ ان دونوں حضرات کے اس قول کو اگر بلندی پر امام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں تو امام کا کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔یہ صرف اہل کتاب کی مشابہت کی وجہ سے ہے یعنی اگر امام بلند جگہ پر کھڑا ہو اور اس کے ساتھ کچھ لوگ اور بھی ہوں تو امام کا کھڑا ہونا مکروہ نہیں اور مسئلہ مسجد کی بالائی منزل، یعنی چھت کا تو اس مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔فافہم وتدبر

امام اجل جلال الدین خوارزمی صاحب کفایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

قوله ویکره أن یکون الامام وحده علی الدکان ، إنما قید به لأنه إن کان معه بعض القوم فلایکره۔ قوله وکذلك علی القول فی ظاهرالروایة وذکر الطحاوی رحمه الله أنه لایکره لزوال المعنی الأول ۔ وهو تشبه بصنیع أهل الکتاب فإنهم لایفعلون هکذا ولم یذکر فی الکتاب له مقدار ارتفاع الدکان الذی یکره۔ الخ۔[1]

''اور صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ تنہا امام کا بلند جگہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔صاحب کفایہ

---

[1] کفایہ شرح ہدایہ متصل فتح القدیر جلد اول ص 360 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

فرماتے ہیں: امام کے تنہاء ہونے کی قید اس لیے ہے کہ اگر امام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں تو مکروہ نہیں اور صاحب ہدایہ کا قول کہ اس طرح اس کے برعکس ہے (یعنی امام نیچے ہو اور لوگ اوپر) اور یہ قول ظاہر روایت کا ہے۔ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ یہ (یعنی امام نیچے ہو اور لوگ بلند جگہ پر) مکروہ نہیں۔ اسلئے کہ پہلی صورت کا معنی زائل ہے (اور پہلی صورت کا معنی یہ ہے) کہ یہ اہل کتاب کے فعل کے ساتھ مشابہت ہے۔ اسلئے کہ اہل کتاب اس طرح کرتے تھے۔ (یعنی امام کیلئے مخصوص مکان بناتے تھے) لہٰذا دوسری صورت یعنی امام نیچے ہو اور لوگ بلند جگہ پر یہاں پہلی صورت والا معنی نہیں پایا جا رہا۔ لہٰذا امام طحاوی کے نزدیک دوسری حدیث میں امام کا تنہا نیچے کھڑا ہونا مکروہ نہیں"۔

اسکے جواب میں امام کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

والجواب أن الكراهة هنا لمعنى آخر وهو ما ذكر في الكتاب۔ (حوالہ مذکور)

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: امام طحاوی رحمہ اللہ کے قول کا جواب یہ ہے کہ یہاں کراہت کسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے اور وہ معنی کتاب میں مذکور ہے (وہ ہے امام کا تنہا کھڑا ہونا) چنانچہ صاحب ردالمحتار کے قول سے ثابت یہ ہوا کہ امام کے ساتھ کچھ لوگوں کے کھڑا ہونے سے جو کراہت زائل ہوئی وہ صرف کراہت مشابہت اھل کتاب ہے اور تنہا کھڑے ہونے کی کراہت اپنی جگہ موجود ہے۔

اس کے بعد علامہ جلال الدین خوارزمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صاحب ہدایہ نے ارتفاع کی مقدار بیان نہیں فرمائی۔ بعض نے کہا وہ ارتفاع اتنا ہو کہ امام اور مقتدی کے درمیان واقع ہو جائے اور بعض نے نماز میں سترہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے ارتفاع کی مقدار ایک بازو بیان کی ہے اور اسی قول پر اعتماد ہے۔ اور قاضی خاں رحمہ اللہ کی جامع صغیر میں بھی اس طرح ہے اور شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جامع مسجد کی بالکونی میں بلاضرورت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بالضرورت کہ جامع نمازیوں سے بھر جائے اور زیریں حصہ میں جگہ باقی نہ رہے تو بالکونی میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ بنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

ویکرہ أن یکون الإمام وحدہ علی الدکان وقد ذکرنا من الدکان الموضع والموضع مبتنی یجلس علیه مثل الدکة۔ وقیل بقوله وحدہ لأنه لو کان معه بعض القوم لا یکرہ وبه قال مالك وأحمد والأوزاعی فإن فعل بطل صلوته عند الأوزاعی وهو قول ابی حامد من الحنابلة وقال ابو حنیفة و مالك لا یجوز ویجوز من سطح المسجد ورفه وبه قال الشافعی وأحمد وفی المغنی صلی ابوهریرة رضی الله عنه علی سطح المسجد بصلوۃ القوم وفعله سالم [1]

علامہ بدر الدین فرماتے ہیں صاحب ہدایہ کا قول: تنہا بلند جگہ پر امام کا نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ فرماتے ہیں: ہم نے ذکر کیا کہ مراد دکان سے جگہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جو اس لئے بنائی گئی ہو کہ اس پر بیٹھا جائے۔ مثل چبوترہ (یعنی کرسی وغیرہ رکھنے کیلئے جگہ بنانا) اور بعض نے کہا کہ صاحب ہدایہ کا یہ قول ''وحدہ'' اس لئے ہے کہ اگر کچھ لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں۔ یہی قول امام احمد و امام مالک و امام اوزاعی رحمہم اللہ کا ہے۔ اگر امام نے ایسا کیا تو امام کا فعل نماز باطل ہوگا امام اوزاعی کے نزدیک اور حنابلہ میں سے ابو حامد کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور مالک رحمہما اللہ نے فرمایا مقتدی اگر نیچے ہو اور امام دکان پر ہو تو مقتدی کی اقتداء جائز نہیں اور سطح مسجد یا مسجد کی بالکونی سے امام کی اقتداء جائز ہے۔ (یعنی یہ اقتداء بالضرورت ہے) امام شافعی اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور ''مغنی'' میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سطح مسجد پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی ایسا ہی کیا۔

قلت: علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے دیگر علماء وفقہاء کرام کی عبارتوں میں جو ابہام واوہام تھے، وہ سب دور کر دیے۔ وہ اس طرح کہ اگر امام تنہا دکان پر نماز پڑھے تو مکروہ یا باطل وفاسد ہے۔ اگر چند لوگ امام کے ساتھ ہوں تو صرف امام کی نماز کی کراہت میں اختلاف ہے لیکن اس کے نیچے جتنے مقتدی ہیں، ان کی نماز ہر حال میں مکروہ تحریمہ اور فاسد ہے۔ دوم یہ کہ کوئی ایسی جگہ بنائی جائے جیسے چبوترہ وغیرہ اور لفظ ''دکۃ'' کا معنی ہے کرسی وغیرہ رکھنے کیلئے اونچی

---

[1] البنایہ شرح ہدایہ جلد دوم ص 453-452 دار الکتب العلمیہ بیروت

جگہ بنانا تو لفظ ''دکۃ'' سے مسجد خارج ہوگئی۔ اب ان جملہ فرمودات کا معنی یہ ہوئے کہ اگر امام تنہا بلند جگہ پر کھڑا ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اگر چہ چند لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوں تو امام کی کراہت تو بعض کے نزدیک زائل ہوگئی لیکن نیچے والے لوگوں کی اقتداء کرنا بہر صورت مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا جملہ غبار صاف ہوگیا اور معنی واضح ہوگئے۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

''قوله وانفراد الامام علی الدکان وعکسه ''أما الأول فلحديث الحاكم مرفوعاً نهى رسول الله ﷺ أن يقوم الإمام فوق و يبقى الناس خلفه و عللوه بانه تشبه باهل الكتاب فانهم يتخذون لا مامهم دكان۔ أطلقه فشمل ما إذا كان الدكان قدر قامة الرجل أو دون ذلك وهو ظاهر الرواية ۔ وصححه فى البدائع لإطلاق النهى و قيده الطحاوى بقدر القامة ونفى الكراهة فيما دونه وقال قاضيخان فى شرح الجامع الصغير أنه قدر بذراع اعتباراً بالسترة و عليه الاعتماد وفى غاية البيان هو الصحيح وفى فتح القدير هو المختار لكن قال الا وجه الاطلاق وهو مايقع به الامتياز ۔۔۔۔ الأولى العمل بظاهر الرواية وإطلاق الحديث و أما عكسه وهو انفراد القوم على الدكان بأن يكون الإمام أسفل فهو مكروه أيضا فى ظاهر الرواية۔[1]

''صاحب کنز الدقائق کا یہ قول کہ امام کا تنہا چبوترے پر کھڑا ہونا اور اس کے برعکس مکروہ ہے۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں (بہر حال اول یعنی تنہا امام کا چبوترے پر کھڑا ہونا) امام حاکم کی مرفوع حدیث کی وجہ سے ہے کہ رسول کریم ﷺ نے امام کو اوپر کھڑے ہونے سے منع فرمایا درآنحالیکہ لوگ اس کے پیچھے نیچے باقی ہوں۔ اور حضرات علمائے کرام نے اس کی علت یہ بیان کی کہ یہ کام اہل کتاب کے مشابہ ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے امام کیلئے چبوترہ بناتے ہیں۔ اور حدیث میں لفظ ''فوق'' مطلق ہے۔ چنانچہ یہ اطلاق شامل ہے اس کو کہ جب چبوترہ آدمی کے قد کے مقدار ہو یا اس سے کم ہو۔ اور یہ ظاہر روایت ہے۔ اور صاحب بدائع نے اس کی تصحیح فرمائی ہے کیونکہ مطلق ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس مطلق کو بقدر قامت مقید کیا ہے اور

---

[1] البحر الرائق شرح کنز الدقائق جز دوم ص 26 مکتبہ رشیدیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

کراہت کی نفی قد وقامت کے کم میں بھی ہے اور قاضی خاں رحمہ اللہ نے جامع صغیر کی شرح میں فرمایا کہ یہ قد ایک بازو کیساتھ مقدر ہے نماز کے سترہ پر اعتبار کرتے ہوئے اور اسی پر اعتماد ہے اور غایۃ البیان میں ہے یہی صحیح ہے اور فتح القدیر میں ہے یہی مختار ہے لیکن صاحب فتح القدیر نے فرمایا اس مقدار کا مطلق ہونا اوجع ہے اور مطلق ہونا یہ ہے کہ جس کے ساتھ امام اور مقتدی کے درمیان اطلاق حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے (چونکہ لفظ حدیث ''فوق'' مطلق ہے جو آدمی کے قد وقامت اور اس سے کم دونوں کو شامل ہے اور یہی ظاہر و درست ہے) دوم: وہ اول کا عکس ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ تنہا چبوترہ پر ہوں اور امام نیچے ہو ظاہر روایت کے مطابق یہ بھی مکروہ ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

یکرہ أن یکون الإمام وحدہ علی الدکان وکذا القلب فی ظاهر الروایة۔ کذا فی الهدایة إن کان بعض القوم معه والأصح لایکرہ کذا فی محیط السرخسی۔[1]

''یعنی تنہا امام کا چبوترے پر کھڑا ہونا اور اسی طرح اس کے برعکس ظاہر روایت کے مطابق مکروہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ اور اگر کچھ لوگ امام کے ساتھ ہوں تو اصح قول کے مطابق یہ مکروہ نہیں۔ اور اسی طرح محیط سرخسی میں ہے۔ اور خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں کعبۃ المکرمہ کی ترک تعظیم ہے۔ باقی چبوترہ کی ارتفاع مقدار وہی ہے جو دیگر کتب میں منقول ہے''۔

صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں:

وتخصیص الإمام أی انفرادہ بمکان إمام بأن یکون مکانه أعلی أو أسفل من المقام القوم بمقدار مایقع به الامتیاز وقیل بمقدار الزراع وعلیه الاعتماد کما فی الخانیة[2]

''یعنی امام کا ایک تنہا مکان مخصوص کرنا یا تو وہ مکان بلند ہوگا یا نیچے ہوگا لوگوں کے کھڑا ہونے کی جگہ سے۔ اور اتنی مقدار میں لوگوں سے امام بلند جگہ پر کھڑا ہو کہ امام اور لوگوں کے

---

[1] فتاویٰ جلد اول فصل ثانی مکروہات نماز ص 38

[2] جامع الرموز جلد اول ص 194 مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران

درمیان امتیاز واقع ہو جائے۔ اور بعض نے کہا مقدار ایک بازو کے برابر ہے۔ اور یہی معتمد قول ہے۔ جیسا کہ خانیہ میں موجود ہے"۔

شیخ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

ویکرہ أیضا أن ینفرد الإمام عن القوم فی مکان أعلی من القوم إذا لم یکن بعض القوم معه لأن فیه تشبیه أهل الکتاب علی ما تقدم أنهم یخصون إمامهم بمکان المرتفع ولذا إذا کان بعض القوم مع الإمام لا یکرہ الخ۔ [1]

"یعنی امام کا لوگوں سے الگ ایک اعلیٰ مکان پر کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے جبکہ لوگ نیچے والی جگہ میں ہوں اور امام کے ساتھ کچھ لوگ بھی نہ ہوں۔ اس لئے کہ اہل کتاب سے مشابہت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اہل کتاب اپنے امام کیلئے بلند مکان خاص کرتے تھے۔ اسلئے جب امام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں تو کراہت ختم ہو جائیگی۔ شمس الآئمہ حلوانی سے مذکور ہے کہ جامع مسجد کی بالکونی میں بلا ضرورت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ضرورت کے وقت کہ مسجد بھر جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور مکان کی بلندی نمازی کیلئے سترہ کا اعتبار کرتے ہوئے ایک بازو ہے اور صاحب کفایہ نے قاضی خاں کی جامع صغیر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا یہی معتمد ہے۔ لہٰذا معتمد حضرات فقہائے کرام کی تصریحات واضحہ وبینہ سے روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو گیا کہ اگر امام بقول ظاہر روایت آدمی کے قد کے برابر اور اصح، معتمد اور مختار قول کے مطابق ایک بازو تقریباً دو فٹ مقتدیوں سے بلند مقام پر کھڑا ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور بعض کے قول کے مطابق اگر کچھ لوگ امام کے ساتھ کھڑے ہوں تو مکروہ نہیں اور بعض کے نزدیک اگرچہ کچھ لوگ امام کے ساتھ کھڑے ہوں پھر بھی یہ مکروہ ہے۔ لیکن جب امام بقول ظاہر روایت یا اصح، معتمد اور مختار روایت کے اس مقدار سے اوپر کھڑا ہو اگرچہ اس کے ساتھ لوگ بھی ہوں تو بالاتفاق نیچے کھڑے نمازیوں کی اوپر والے امام کے ساتھ اقتداء فاسد ہے۔ جیسے دو منزلہ مسجد تو اس میں باتفاق جمہور فقہائے کرام اگر امام اوپر والی منزل میں نماز پڑھا رہا ہو جو کہ بذات مکروہ تحریمی ہے اور زیریں منزل میں مقتدی کا اوپر والے امام کی اقتداء ہی فاسد ہے۔ صاحب فتاویٰ قاضی خاں فرتے ہیں:

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی۔ فصل مکروہات نماز ص 348

ویکرہ أن یکون الإمام فی مکان أعلیٰ من القوم وعلی العکس لایکرہ وذکر فی النوادر وعلیہ عامۃ المشائخ والارتفاع المکروہ بقامۃ الوسط ذکرہ الکرخی۔ [1]

''مکروہ ہے کہ امام لوگوں سے بلند مقام پر کھڑا ہو اور اس کے برعکس مکروہ نہیں۔ یعنی امام نیچے کھڑا ہو اور مقتدی بلند مقام پر بوجہ ضرورت وعذر۔ اور کتب نوادر (یہ کتب ظاہر روایت کے خلاف ہیں) میں مذکور ہے اور عامۂ مشائخ اسی پر ہیں۔ اور وہ بلندی جو مکروہ ہے وہ درمیانے قد کے برابر ہے۔ اس کو امام کرخی نے ذکر کیا''۔

اور مسئلہ اول میں فتاویٰ ہندیہ سے گزر چکا (یعنی امام کا بلند جگہ پر کھڑا ہونا) اور مسئلہ دوم میں درمختار اور کبیری شرح منیہ کے حوالے سے مذکور ہو چکا (یعنی امام کے نیچے کھڑا ہونا اور مقتدی کا اوپر) معلوم ہوا اگر امام مسجد کی چھت پر ہو اور مقتدی نیچے مسجد کی اصل زمین پر کھڑا ہو کر اوپر چھت پر کھڑے امام کی اقتداء کرے تو یہ اقتداء فاسد ہے یعنی اس مقتدی کی نماز ہی نہیں ہوگی۔ لہٰذا جس بانی مسجد نے یا جن اہل محلہ نے یا جن متولیوں نے ایسا کام کیا کہ نمازیں، جمعہ اور عیدین وغیرہ مسجد کی چھت پر پڑھی اور پڑھائی جائیں تو اگر کوئی اہل علم اس کو حضرات فقہائے کرام کا فتویٰ پیش کرے کہ یہ کام خلاف شریعت ہے تو بانی مسجد یا اہل محلہ یا متولی اگر وفات پا گیا ہو تو اس کے ورثاء یا متولیان مسجد نے اپنی خواہش کی تکمیل کیلئے اس فتویٰ کو جھٹلایا یا مسترد کر دیا یا اس فتویٰ کا مذاق اڑایا تو شریعت مطہرہ کے مطابق ان پر تعزیر (سزا) واجب ہے۔ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

رجلان وقعت بینھما خصومۃ فأخذ أحدھما خطوط المفتیین فقال الآخر لیس کما کتبوا أولا نعمل یجب علیہ التعزیر۔ الخ [2]

''دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تو ان میں سے ایک نے مفتیان کرام کے خطوط (فتاویٰ جات) پیش کر دیئے۔ تو دوسرے نے کہا جیسا مفتیان کرام نے لکھا ہے ایسا نہیں یا دوسرے شخص نے یہ کہا ہم مفتیوں کے ان فتاویٰ پر عمل نہیں کریں گے تو ایسے شخص پر تعزیر (سزا)

---

[1] فتاوی قاضی خاں اولین جزء اول ص 45 مکتبہ حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ

[2] خلاصۃ الفتاویٰ جلد دوم کتاب اکراہت ص 518

واجب ہے جو فتاوی کا انکار کر رہا ہے"۔

چنانچہ ایسے بانیان مساجد یا ان کے ورثاء، یا اہل محلہ یا متولیان' اللہ عز وجل کے قرآن، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان، اجماع امت اور قیاس کے منکر ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق حضرات مفتیان کرام سے رجوع فرمائیں اور ان سے پوچھیں یہ لوگ کیسے ہیں اور از روئے شریعت ان کی سزا کیا ہے۔ اب یہ بندہ ناچیز شریعت مطہرہ کے ان چار ماخذ کو ترتیب وار عرض کرتا ہے۔ واللہ یہدی الی سبلیل الرشاد۔

اول قرآن۔ ومن اظلم ممن منع مسجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها اولئك ماكان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم فی الدنيا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم۔ [1]

"اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ ان کو نہ پہنچتا تھا کہ وہ مسجدوں میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کیلئے آخرت میں بڑا عذاب"۔

صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں:

وذكر ابن العربی فی أحكام القرآن قولاً ثالثاً وهو أنه كل مسجد قال وهو الصحيح لأن اللفظ عام ورد بصيغة الجمع فتخصيصه ببعض المساجد أو ببعض الأزمنة محال۔ [2]

"ابن عربی نے احکام القرآن میں تیسرا قول بھی نقل کیا ہے (یعنی پہلے دو قول یہ ہیں کہ مساجد سے مراد یا تو بیت المقدس یا مسجد حرام ہے) وہ یہ کہ مراد ہر مسجد ہے اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ لفظ مساجد عام ہے اور بصیغہ جمع وارد ہوا ہے تو اس کو بعض مسجد اور بعض زمانہ کے ساتھ خاص کرنا محال ہے"۔

اب اس آیت مبارکہ کے معنی یہ ہیں جو بھی اللہ کی مسجد سے روکے کہ کوئی اس میں نماز

---

[1] سورۃ بقرۃ آیت 114

[2] تفسیر خازن جلد اول ص 82 حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ

پڑھے وہ ظالم ہے۔ اور مساجد کی تعمیر اس طرح کرنا جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہو اور جس میں امام کی اقتداء فاسد ہو تو مسجد میں نماز سے روکنے کے معنی میں آتا ہے۔ اگر لوگ دور حاضر میں ان مسائل پر آگہی رکھتے تو کوئی مسلمان بھی ایسی مسجد میں نماز ادا نہ کرتا تو یہی مسجد میں نماز سے روکنا ہے اور ایسا کرنے والا ظالم ہے۔

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ ''ترجمہ کنز الایمان'' کے حاشیہ نمبر 204 کے تحت فرماتے ہیں: مسجد کی ویرانی جیسے ذکر و نماز سے ہوتی ہے ایسے ہی اس کی عمارت کو نقصان پہنچانے اور بے حرمتی کرنے سے بھی ہوتی ہے۔ ذرا غور فرمائیں کیا مسجد کی عمارت ایسی طرز پر بنانا جس میں نماز مکروہ تحریمی ہو اس سے بڑھ کر مسجد کا اور کوئی بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسی طرز عمارت پر کہ اصل مسجد کی جگہ کو چھوڑ کر جو جگہ مسجد کے حکم میں ہے اور مسجد کے تابع ہے اور اس میں بلا ضرورت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ہاں مع جمعہ و عیدین سب نمازیں پڑھی جائیں اور اصل مسجد میں مقتدی تابع مسجد کے امام کی فاسد اقتداء کرے اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ اور اس شخص سے بڑھ کر کون مسجد کی ویرانی میں کوشش کرنے والا ہے۔

دوم حدیث: علماء محدثین کے نزدیک جب متن حدیث ایک ہی ہو اور اس کے کسی راوی سے اس حدیث کو روایت کرنے والے بکثرت ہوں تو اس حدیث کو حدیث مشہور کہتے ہیں اس اعتبار سے وہ علماء محدثین اس حدیث جملہ رواۃ سے نقل کرتے ہیں متن کے اعتبار سے وہ ایک ہی حدیث ہے اور رواۃ کے اعتبار سے مختلف۔

ا عن یعلی بن عبید ثنا الأعمش عن إبراهیم عن همام أن حذیفة أمّ الناس فی المدائن علی دکان فأخذ ابو مسعود بقمیصه فجبذه فلما فرغ من صلوته قال ألم تعلم أنهم کانوا ینهون عن ذلك أوقال ألم تعلم أنه کان نهی عن ذلك قال بلی قد ذکرت حین مددتنی۔

''یعلیٰ بن عبید سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان اعمش نے ابراہیم بن یزید نخعی سے حدیث بیان کی انہوں نے ہمام بن حارث نخعی سے روایت کیا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے مدائن میں لوگوں کی امامت کروائی چبوترہ پر کھڑے ہو کر تو حضرت ابو مسعود

(عقبہ بن ثعلبہ بن عمرو صاحب رسول ﷺ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قمیص پکڑی اور ان کو کھینچا۔ جب نماز سے فارغ تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) اس سے منع کیا جاتا تھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہاہاں جب تم نے مجھے کھینچا تو مجھے یاد آگیا۔

۲ عن زيادة بن عبد الله عن الأعمش عن إبراهيم عن همام قال صلى حذيفة بالناس بالمدائن فتقدم فوق دكان فأخذ ابو مسعود لمجامع ثيابه فمده فرجع فلماقضى الصلوة قال له ابو مسعود ألم تعلم أن رسول الله ﷺ نهى أن يقوم الإمام فوق ويبقى الناس خلفه۔ قال فلم ترني اجبتك حين مددتني۔[1]

"زیادہ بن عبد اللہ نے اعمش سے انہوں نے ہمام سے روایت کیا، ہمام نے کہا: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں لوگوں کو نماز پڑھائی تو چبوترہ پر آگے بڑھے تو حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کے کپڑے کو پکڑا اور ان کو پیچھے کھینچا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چبوترہ سے واپس لوٹ آئے۔ جب انہوں نے نماز پڑھ لی تو ان سے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امام کو بلند مقام پر کھڑا ہونے سے منع فرمایا۔ درآنحالیکہ نمازی اس کے پیچھے نیچے باقی رہ جائیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیا آپ نے مجھے نہیں دیکھا جب تم نے مجھے کھینچا تو میں نے تمہارے کھینچنے کو قبول کیا"۔

۳ عن عدی بن ثابت الانصاری حدثنی رجل أنه كان مع عمار بن ياسر بالمدائن فأقيمت الصلوة فتقدم عمار وقام على دكان يصلى والناس أسفل منه فتقدم حذيفة فأخذ على يديه فاتبعه عمار حتى أنزله حذيفة قال له حذيفة الم تسمع رسول الله ﷺ يقول إذا أم الرجل القوم فلايقم فی مكان أرفع من مقامهم أونحوذلك ۔ قال عمار لذلك اتبعتك حين أخذت

---

[1] مستدرک للحاکم جلد اول ص 464، احادیث 788-789

علی یدی۔[1]

عدی بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ ایک مرد کے حوالے سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ مرد مدائن میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا۔ نماز کی اقامت کہی گئی تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور نماز پڑھنے کیلئے چبوترہ پر کھڑے ہو گئے اور لوگ ان کے نیچے تھے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر نیچے کھینچا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کی اتباع کی یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کو نیچے اتار لائے۔ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: کیا تم نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا جب کوئی شخص لوگوں کی امامت کرائے تو نمازیوں کی جگہ سے امام بلند مقام پر کھڑا نہ ہو؟ یا اس کی مثل کوئی اور کلام فرمایا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اس لئے جب تم نے میرا ہاتھ پکڑا تو میں نے تمہاری اتباع کی"

ان احادیث مبارکہ کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں جب جمعہ یا عیدین کی نماز مسجد کی بالائی منزل پر ہو رہی ہے جو بذات خود مکروہ تحریمی ہے اب وہ نمازی زیریں منزل میں امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں تو کیا ایسے آئمہ مساجد و خطباء حضرات اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر رہے؟ کیونکہ آپ ﷺ نے ایسے فعل سے منع فرمایا ہے اور آپ لوگ وہ فعل کر رہے ہیں، کیا امتی کی یہی شان ہے"۔

۴ عن الشافعی قال أخبرنا سفیان عن الأعمش عن إبراهیم عن همام قال صلی بنا الحذیفة علی دکان مرتفع فسجد علیه فجبذه ابو مسعود فتابعه حذیفة فلما قضی الصلوة قال ابو مسعود ألیس قد نهی عن ذلك فقال له الحذیفة ألم ترنی قد اتبعتك[2]

"امام شافعی رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہمیں سفیان (بن سعید بن مسروق ثوری) نے سلیمان الاعمش سے خبر دی انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے ہمام سے خبر دی۔ ہمام

---

[1] سنن ابوداؤد۔ رقم الحدیث۔ 597-598

[2] صحیح ابن حبان ج سوم ص 290 رقم الحدیث 2140 دار الفکر بیروت

بن حارث نخعی نے کہا: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ پر سجدہ کیا تو حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے ان کو کھینچا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی اتباع کی سو جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ چکے تو حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ میں نے آپ کی اتباع کی؟

۵ عن مجاهد قال رأى سليمان حذيفة يأمهم على دكان من جص فقال تأخر فإنما أنت رجل من القوم فلا ترفع نفسك عليهم فقال صدقت۔

"مجاہد سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ سلیمان نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کی سیمنٹ کی بلند جگہ امامت کرا رہے تھے تو سلیمان نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا پیچھے ہو تم بھی تو لوگوں میں سے ایک مرد ہی ہو۔ اپنے آپ کو لوگوں پر بلند نہ کیجئے۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔

۶ عن الأعمش عن مجاهد أو غيره شك ابوبكر أن ابن مسعود أو قال ابا مسعود أنا أشك وسليمان و حذيفة صلى بهم أحدهم فذهب يصلى على دكان فجذبه صاحباه وقالا أنزل عنه۔[1]

سلیمان الاعمش نے مجاہد سے یا کسی دوسرے سے یہ ابوبکر کا شک ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کہا حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ (راوی کہتا ہے مجھے اس میں شک ہے) اور سلیمان اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما ان میں سے ایک نے ان کو نماز پڑھائی تو چبوترہ پر چلے گئے کہ نماز پڑھیں تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے دونوں ساتھیوں نے کھینچ لیا اور کہا اس چبوترہ سے نیچے اترو۔

۷ عن يعلى بن عبيد ثنا الأعمش عن إبراهيم عن همام أن حذيفة رضى الله عنه أم الناس بالمدائن على دكان فأخذ ابو مسعود بقميصه فجبذه فلما فرغ من

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد دوم ص413 رقم الحدیث 3905-3904

صلوته قال ألم تعلم أنهم كانوا ينهون عن ذلك أوقال أولم تعلم أنه كان ينهى عن ذلك قال بلى قد ذكرت حين مددتني و رواه زيادة بن عبد الله عن الأعمش قال ابو مسعود ألم تعلم أن رسول الله ﷺ نهى أن يقوم الإمام فوق ويبقى الناس خلفه۔

ان دونوں احادیث کا ترجمہ حدیث نمبر اول اور دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

۸ عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه أن حذيفة بن يمان أمهم بالمدائن على دكان فجبذه سلمان ثم قال له ما أدري أطال بك العهد أم نسيت اما سمعت رسول الله ﷺ يقول لا يصلى الإمام على نشز مما عليه أصحابه۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے مدائن میں بلند جگہ پر ان کی امامت فرمائی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کو کھینچا۔ پھر کہا مجھے معلوم نہیں تمہارا عہد (زمانہ) لمبا ہوگیا ہے یا تم بھول گئے۔ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ امام بلند جگہ پر نماز نہ پڑھے اس جگہ سے جس پر اس کے اصحاب ہیں؟۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب ایسا نہیں کرتے تھے۔ یا وہ بلند جگہ مراد ہے جس پر اس کے ساتھی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۹ عن عدي بن ثابت الأنصاري قال حدثني رجل أنه كان مع عمار بن ياسر بالمدائن فأقيمت الصلوة فتقدم عمار و قام على دكان وكان يصلي والناس اسفل منه فتقدم حذيفة فاخذ على يديه فاتبعه عمار حتى أنزله حذيفة فلما فرغ عمار من صلوته۔ قال له الحذيفة ألم تسمع رسول الله ﷺ يقول إذا أم الرجل القوم فلا يقوم في مقام أرفع من مقامهم أو نحو ذلك قال عمار لذلك اتبعتك حين أخذت على يدي۔

اس کا ترجمہ حدیث نمبر 4 میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰ ان تینوں احادیث کو امام بیہقی نے سنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔[1]

---

[1] سنن الکبریٰ للبیہقی جلد سوم ص 108۔109 نشر السنہ بیرون گیٹ ملتان

عن الشافعی أخبرنا سفیان أخبرنا أعمش عن إبراهیم عن همام قال صلی بنا الحذیفة علی دکان مرتفع فسجد علیه فجبذهٔ بو مسعود فتابعه حذیفة فلما قضی الصلوة قال ابو مسعود ألیس قد نهی عن هذا فقال له حذیفة ألم ترنی قد تابعتك۔

حدیث نمبر 5 میں اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

11 حدثنا وکیع عن بن عون عن إبراهیم قال صلی حذیفة علی دکان بالمدائن أرفع من أصحابه فمده ابو مسعود قال له أما علمت أن هذا یکره قال الم ترانك لما ذکرتنی ذکرت۔[1]

''وکیع بن جراح نے ابن عون سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں بلند جگہ پر نماز پڑھی جو جگہ ان کے ساتھیوں سے بلند تھی تو حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو کھینچا اور ان سے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں یہ مکروہ ہے؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کیا تم نے نہیں دیکھا جب تم نے مجھے یاد کرایا تو مجھے یاد آگیا؟ کہ یہ فعل مکروہ ہے''۔

چنانچہ یہ جملہ احادیث وآثار اس بات پر شاہد عادل ہیں کہ امام اگر اوپر کھڑا ہو تو اس کی اقتداء جائز نہیں اور امام کے بلند جگہ پر کھڑا ہونے کی مقدار زیادہ سے زیادہ آدمی کے قدوقامت کے برابر لیکن معتمد اور اصح ومختار قول پر صرف ایک بازو یعنی تقریباً دوفٹ۔ اگر امام اس مقدار علو سے بلند ہو تو بالاتفاق اقتداء فاسد ہے خواہ اس کے ساتھ کچھ لوگ کھڑے ہوں یا نہ کھڑے ہوں۔ لیکن موضوع سخن عام مواضع نہیں جو اونچے ہوں۔ میرا موضوع ہے مسجد کے نیچے تہہ خانہ بنانا یا سطح زمین پر مسجد کے اور بالائی منزل ان دونوں صورتوں میں وہاں نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر کوئی نماز ی نیچے تہہ خانہ میں یا زیر زمین منزل میں چھت پر امام کی اقتداء کرتا ہے تو یہ اقتداء فاسد ہے۔

سوم اجماع: یعنی کسی ایک مسئلہ پر وقت کے علماء کا اتفاق یہ اجماع امت ہے۔ چنانچہ جملہ حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے چھت پر بلاضرورت نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے کیونکہ چھت تابع مسجد ہے اور اصل مسجد وہ چھت کے نیچے جو جگہ محدود ہے وہ مسجد جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ لہٰذا چھت پر نماز اس وقت جائز جب مسجد کا زیریں حصہ اندر اور باہر بھر جائے اور مسجد نمازیوں

---

[1] مصنف بن ابی شیبہ جلد دوم ص 263 ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی

ے تنگ ہو جائے تو بالضرورت علماء کرام نے چھت پر امام کی اقتداء کی اجازت دی ہے۔ اگر مسجد میں جگہ ہو اور کوئی آدمی چھت پر امام کی اقتداء کرے تو اس آدمی کی نماز مکروہ تحریمی ہے۔

چہارم قیاس: چونکہ امام پیشوا و مقتدیٰ ہوتا ہے وہ آگے ہی ہوتا ہے نہ کہ اوپر یا نیچے اور مقتدی کا اس کے پیچھے کھڑا ہونا ہی صحت نماز کیلئے صحیح اور درست ہے تو جب آدمی مسجد کے زیریں حصہ میں نماز پڑھے گا تو مفہوم امام فتح ہو جائے گا اور اس مقتدی کا چھت پر کھڑے امام کی اقتداء جائز نہیں اور اس کی نماز فاسد ہوگی۔ اور اب جو لوگ جمعہ یا عیدین کی نماز میں زیریں چھت پر کھڑے ہوتے ہیں اور مسجد کی چھت پر کھڑے امام کی اقتداء کر رہے ہیں کیا ان لوگوں کی نمازیں بفرمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمودات حضرات علماء و فقہاء کے مطابق صحیح و درست ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ اقتداء ہی فاسد ہے۔ نماز کہاں صحیح ہوگی۔ اور ان لوگوں کی نماز کو فاسد و برباد کرنے میں جہاں بانیان و متولیان مساجد شریک ہیں وہاں اس مسجد کے امام و خطیب بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ معلوم ہوا مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور نمازی کا نیچے مسجد کی زمین پر کھڑے ہو کر چھت پر کھڑے امام کی اقتداء فاسد ہے تو وہ امام و خطیب صرف دنیا کی چند کوڑیوں کے عوض شریعت مطہرہ کو فروخت کر رہا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیشان کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ لہٰذا خلاف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عذاب خدا کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور شریعت مطہرہ کی سراسر تضحیک ہے۔

لہٰذا قرآن و سنت اور اجماع امت و قیاس سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ ایسی مساجد میں نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ تحریمی ہے اور جو لوگ اس مکروہ تحریمی کے متعلق فتاویٰ جات کا انکار کرتے ہیں وہ لوگ واجب التعزیر ہیں اور ایسا کرنے والے شریعت کے ماخذ اربعہ کی تضحیک کر کے اپنے آپ کو دعوت عذاب دے رہے ہیں اور قیامت کے دن ان لوگوں کا سخت محاسبہ ہوگا۔ تو بہتر یہی ہے کل کی ندامت سے بچنے کیلئے آج ہی اصول شریعت کے مطابق مساجد کی عزت و حرمت کا حق ادا کریں اور اللہ عزوجل اور اس کے پیارے رسول سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی حاصل کریں۔

اللہ عزوجل بوسیلہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ھذا ما ھو عندی و فوق کل ذی علم علیم

احقر العباد: محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

قبروں پر قرآن مقدس پڑھنے کے حکم کے بیان میں

قبر پر قرآن مقدس پڑھنے کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ اجرت پر کسی قاری کو مقرر کیا جائے کہ وہ قبر پر قرآن پڑھے اور اس کی اجرت کا تعین کر دیا جائے۔

دوم یہ کہ بلا اجرت کسی ایک آدمی کا یا چند افراد کا صاحب قبر کو جو قرآن پاک وہ پڑھیں اس کا جو ثواب پڑھنے والے کو ملے گا وہ یہ صاحب قبر کو ایصال ثواب کر دیں تاکہ اللہ عزوجل قرآن پاک کی برکت سے اس پر رحم فرمائے۔

ان دونوں صورتوں کے متعلق کچھ وضاحت سے قبل ایک مقدمہ کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ کیا طاعات وعبادات کیلئے کسی شخص کو اجرت پر لینا جائز یا نہیں۔

اقول وباللہ التوفیق ومنہ الھدیۃ إلی الحتقیق

صاحب مجمع الانہار شیخ محمد بن سلیمان فرماتے ہیں۔

ولا یجوز أخذ الأجرۃ عند المتقدمین علی الطاعات وفی شرح الوافی والمذھب عند نا کل طاعۃ یختص بھا المسلم فالا ستیجار علیھا باطل کآذان والحج والإقامۃ والتذکیر والتدریس والغزو وتعلیم القرآن والفقہ وقراء تھا لأن القربہ تقع علی العامل ولقولہ علیہ السلام اقرأ والقران أی علموا ولا تأکلوابہ۔ الخ۔[1]

”متقدمین کے نزدیک طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں اور وافی کی شرح میں ہے کہ ہمارے نزدیک مذہب یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جس کے ساتھ مسلمان کو خاص کیا گیا ہے ان طاعات پر اجرت لینا باطل ہے، مثل اذان، حج اور اقامت کے۔ اس میں وعظ ونصیحت، درس و تدریس اور جنگ کرنا بھی داخل ہے۔ اور تعلیم قرآن وفقہ اور ان دونوں کی تعلیم کیلئے بھی اجرت پر کوئی آدمی رکھنا جائز نہیں اسلئے کہ جو قربت ہے وہ عامل پر واقع ہوگی (یعنی ثواب عامل کو ملے گا)

---

[1] کتاب الاجارت فصل باب الاجارۃ الفاسدۃ جلد دوم ص384۔ دار احیاء التراث العربی

بوجہ فرمان نبی کریم ﷺ کے قرآن سکھاؤ اور قرآن کو ذریعہ معاش نہ بناؤ"۔

غلاف مسجد کی تعمیر، ادائے زکوۃ، کتابت مصحف اور فقہ اور تعلیم کتابت، نجوم، طب تعبیر اور علوم ادبیہ ان سب میں اجرت لینے پر فتویٰ ہے۔ جیسا عامہ معتبر کتب میں اور یہ مشائخ بلخ کے متاخرین کے مذہب پر ہے وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔

صاحب درمختار امام حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) و يفتي اليوم صحتها تعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان۔

"اور نہ ہی طاعات کیلئے اجرت لینا جائز ہے مثل اذان، حج، امامت، تعلیم قرآن اور فقہ کے اور آج تعلیم قرآن وفقہ اور امامت و آذان پر اجرت لینا صحیح ہے"۔

اس کے تحت صاحب رد المختار علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وقوله لا لأجل الطاعات) الأصل إن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستيجار عليها عندنا لقوله عليه السلام اقرؤ القرآن ولاتأكلوا به وفي آخر ماعهد رسول الله ﷺ إلى عمرو بن العاص وأن اتخذت مؤذنا ولاتأخذ على الأذان أجرا ولأن القربة متى حصلت وقعت عن العامل وهذا تتعين أهليته ولايجوز أخذ الأجرة من غيره كما في الصوم والصلوة۔ قوله ويفتي اليوم بصحتها للتعليم القرآن۔ الخ۔ [1]

اور صاحب ردالمختار و علی حاشہ درمختار کا قول کہ طاعت کیلئے اجرت لینا جائز نہیں اس میں اصل یہ ہے کہ ہر طاعت جس کے ساتھ مسلمان کو خاص کیا گیا ہے ہمارے نزدیک اس پر استیجار جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: قرآن سیکھو اور اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور نبی کریم ﷺ کا آخری عہد جو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کیا وہ یہ تھا کہ جب تمہیں موذن بنایا جائے تو اذان پر اجرت نہ لینا۔ اس لئے کہ قربت جب بھی حاصل ہوگی وہ عامل کی طرف سے واقع ہوگی۔ اسلئے عامل کی اہلیت کا تعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ عامل کیلئے دوسرے سے اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسا کہ نماز روزہ میں ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا: ہمارے بعض

---

[1] ردالمختار علی حاشیہ ردالمختار کتاب الاجارۃ باب الارجارۃ الفاسدۃ جلد دوم ص 38

مشائخ رحمہ اللہ نے آج تعلیم قرآن پر اجرت پر کسی معلم وقاری کو رکھنا مستحسن سمجھا ہے۔ بوجہ ظاہر ہونے سستی وکاہلی کے امور دینیہ میں اور "امتناع" میں ہے لفظ قرآن کے ضائع ہونے کی وجہ سے اور اسی پر فتویٰ ہے"۔

صاحب ردالمختار فرماتے ہیں، کنز کے متن اور مواہب الرحمن کے متن اور اکثر کتب کے متن میں صرف تعلیم قرآن کی استثناء پر کفایت کیا گیا ہے اور مختصر وقایہ اور "اصلاح" کے متن میں تعلیم فقہ بھی ہے (یعنی تعلیم فقہ پر بھی اجرت لینا جائز ہے) اور مجمع الانھار کے متن میں امامت کا بھی اضافہ ہے اور اس کی مثل ملتقی اور ردالبحار میں بھی ہے اور بعض نے اذان، اقامت، وعظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

صاحب البحر الرائق ابن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(والأذان والحج والإمامة و تعليم القرآن) يعني لايجوز استجار هذه الأشياء وقال الإمام الشافعي يجوز لأنه استجار على عمل غيره متعين عليه وكونه عبادة لاينافى ذلك ألاترى أنه يجوز الاستجار على بناء المسجد وإداء الزكوة وكتابة المصحف والفقه ـ ولنا قوله عليه السلام اقرأوا القرآن ولاتأكلوابه ـ الخ۔ [1]

"صاحب کنز الدقائق کا یہ قول (اذان، حج، اقامت، امامت، تعلیم قرآن وفقہ) یعنی ان چیزوں کیلئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جائز ہے۔ اسلئے کہ ایسے عمل پر کسی شخص کو اجرت پر رکھنا جو عمل اس کے ساتھ متعین ہو جائز ہے۔ اور اس عمل کا عبادت ہونا استجار کے منافی نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے مسجد کی تعمیر کیلئے اور ادائے زکوۃ کیلئے اور مصحف وفقہ کی کتابت کیلئے اجرت پر کسی شخص کو رکھنا جائز ہے۔ اور ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے "قرآن سکھاؤ اور اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ"۔

اور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا اذان پر اجرت نہ لو۔ اسلئے کہ قربت عامل کیلئے واقع ہوگی۔ چنانچہ ایسے عمل پر اجرت لینا جائز نہیں جو عامل کیلئے واقع ہو۔ جیسا کہ نماز اور روزہ میں کسی شخص کو اجرت پر رکھنا (صاحب البحر الرائق امام شافعی کے

---

[1] البحر الرائق۔ کتاب الاجارۃ الفاسدہ جلد 8 صفحہ 19

سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) اس لئے کہ تعلیم ان چیزوں میں سے ہے جس پر معلم قادر نہیں ہوسکتا مگر متعلم کی جہت کے معنی کے اعتبار سے چنانچہ تعلیم اس چیز کو لازکرنے والی ہوگی جس کے تسلیم پر وہ خود قادر نہیں۔ لہٰذا تعلیم قرآن پر اجرت جائز نہیں۔ بخلاف مسجد کی تعمیر، ادائے زکوۃ اور کتابت مصحف وفقہ کے اس لئے کہ وہ ان سب چیزوں پر اجرت لینے پر از خود قدرت رکھتا ہے لہٰذا ان میں اجرت پر کسی کو رکھنا جائز ہے۔

اس کے بعد صاحب کنز الدقائق فرماتے ہیں:

(والفتوی الیوم علی جواز الاستجار لتعلیم القرآن) وھذ مذاھب المتاخرین من مشائخ بلخ استحسنوا ذلك۔ الخ۔ (حوالہ مذکور)

صاحب کنز الدقائق فرماتے ہیں: آج قرآن مقدس کی تعلیم کیلئے اجرت پر کسی کو رکھنے کے جواز پر فتویٰ ہے۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: یہ مشائخ بلخ میں سے بعض متاخرین کا مذہب ہے اور وہ اس کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس لئے متقدمین کے زمانہ میں حفاظ اور معلمین کیلئے بیت المال سے عطیات تھے اور متعلمین بلاشرط تعلیم کی نعمتوں میں منہمک تھے اور اس زمانہ میں اس کی قلت اور حفاظ کرام اپنی معاش میں مشغول ہیں۔ اگر اس دور میں اجرت کے سبب ان کیلئے تعلیم کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو قرآن معظم ہم سے جاتا رہتا۔ چنانچہ متاخرین نے تعلیم قرآن کی اجرت پر فتویٰ دیا اور احکام زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں"۔

صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی ابن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی سن 593ھ فرماتے ہیں:

قال (والاستجار علی الاذان والحج وکذ الامامة و تعلیم القرآن والفقه)

والاصل ان کل طاعة یختص بها المسلم لا یجوز الاستجار علیه عند نا وعند الشافعی رحمه الله یصح فی کل مالا یتعین علی الاجیر لانه استجار علی عمل معلوم غیره متعین۔ ولنا قوله علیه الصلوة والسلام اقرء القرآن ولا تاکلوا به۔ وفی آخر ماعهد رسول الله ﷺ الی عثمان بن ابی العاص۔ الخ۔[1]

صاحب قدوری کا قول اذان اور حج کیلئے اجرت پر کسی شخص کو رکھنا جائز نہیں۔ اسی

---

[1] ہدایہ کتاب الاجارات۔ باب الاجارۃ الفاسدہ جلد 8 ص 39۔40

طرح امامت اور تعلیم فقہ پر بھی اجرت کیلئے کسی کو رکھنا جائز نہیں (صاحب ہدایہ فرماتے ہیں) اس میں اصل یہ ہے کہ ہر طاعت جس کے ساتھ مسلمان کو مختص کر دیا گیا ہے اس پر ہمارے نزدیک اجرت پر کسی کو رکھنا جائز نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ عمل جس میں اجیر پر کوئی اجرت متعین نہیں جائز ہے۔ کیونکہ عمل معلوم پر کسی کو اجرت پر رکھنا ہے نہ کہ جو عمل پر متعین ہے اور ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے قرآن سکھاؤ اور اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور آخری عہد جو حضرت عثمان بن ابی العاص سے فرمایا اگر تم موذن بنو تو اذان پر اجرت نہ لو۔ اس لئے کہ قربت جب بھی حاصل ہوگی وہ عامل کی طرف سے واقع ہوگی۔ اسی لئے عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لہٰذا عامل کیلئے دوسرے سے اجرت لینا جائز نہیں۔ جیسا کہ روزہ و نماز میں ہے۔ اور صاحب ہدایہ امام شافعی کے سوال پر فرماتے ہیں کیونکہ تعلیم ان چیزوں میں سے ہے جس پر معلم قادر نہیں ہو سکتا مگر ساتھ ایسے معنی کے جو متعلم کی طرف سے ہے۔ چنانچہ تعلیم اس چیز کو لازم کرنے والی ہوگی کہ بغیر متعلم کے دوسرے کو سپرد کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ چنانچہ تعلیم پر اجرت صحیح نہیں۔ اور ہمارے بعض مشائخ نے آج تعلیم قرآن پر اجرت لینا اچھا سمجھا ہے۔ اس لئے کہ امور دینیہ میں سستی و کاہلی واقع ہو چکی ہے۔ اور "امتناع" میں ہے کہ اگر تعلیم قرآن پر کسی کو اجرت پر نہ رکھا جائے تو یہ حفظ قرآن کا ضائع کرنا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحب فتح القدیر کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

(قوله ولان القربة فی متی حصلت وقعت علی العامل الخ) اقول ینتقض هذا بما ذكره المصنف فی باب الحج عن الغیر من كتاب الحج۔ الخ۔[1]

صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ قربت جب بھی حاصل ہوتی ہے وہ عامل کی طرف سے واقع ہوتی ہے صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں میں کہتا ہوں یہ قول مصنف (یعنی صاحب ہدایہ) نے کتاب الحج میں غیر کی طرف سے حج کرنے کے باب میں جو ذکر کیا اس کے خلاف ہے۔ وہاں مصنف نے فرمایا پھر ظاہر مذہب یہ ہے کہ حج جس کی طرف سے کیا گیا اس کی طرف سے واقع ہوگا۔ اور اخبار اس کی شاہد ہیں جو اس باب میں وارد ہیں۔ مثل حدیث خثعمیہ کے کہ آپ

---

[1] فتح القدیر مع ہدایہ جلد 8 ص 40 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ کرو۔ چنانچہ یہ حدیث صریح ہے کہ غیر عامل کی طرف سے قربت واقع ہوتی ہے۔ صاحب کافی فرماتے ہیں اس دلیل کی تقریر یہ ہے کہ قربت جب بھی واقع ہوگی تو اس قربت کا ثواب فاعل کو ملے گا نہ کہ دوسرے کو۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں جس کی مصنف صاحب کافی نے صراحت کی ہے وہ اس قول کے مخالف ہے کہ باب الحج عین الغیر کے اولی میں ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے خواہ وہ نماز ہو روزہ ہو یا صدقہ وغیرہ ہو۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک اس کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے۔ صاحب عنایہ امام بابرتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(لأنه ظهر التواني في الامور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن) وقالوا إنما كره المتقدمون ذلك لأنه كان للمعلمين عطيات من بيت المال فكانوا مستغنين عمالا بد لهم من أمر معاشهم وقد كان في الناس رغبة في التعليم بطريق الحسبة لم يبق ذلك۔ وقال ابو عبد الله الخير الخرمي يجوز في زماننا للإمام والموذن والمعلم أخذ الأجرة ذكره في الذخيرة۔ [1]

صاحب عنایہ فرماتے ہیں: صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ امور دینیہ میں کوتاہی ظاہر ہوتی (تو بعض مشائخ نے تعلیم قرآن پر اجرت کی اجازت فرمائی) اور امتناع میں حفظ قرآن کے ضائع ہونے کی وجہ سے اجازت فرمائی۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: علمائے متقدمین نے اس کو اسلئے مکروہ سمجھا کہ معلمین کے بیت المال میں وظائف تھے اور اپنے امر معاش میں جو ان کیلئے ضروری تھا وہ اس سے بے پروا تھے اور لوگوں کی تعلیم قرآن میں رغبت بھی تھی بطریق حصول ثواب اور یہ معاملہ اب باقی نہیں رہا۔ ابوعبداللہ خیر خرمی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس زمانہ میں امام و موذن اور معلم کیلئے اجرت لینا جائز ہے، اس کو صاحب ذخیرہ نے ذکر کیا ہے۔

صاحب کفایہ علامہ شیخ جلال الدین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله وبعض مشائخنا استحسنوا الاستجار على تعليم القرآن لأنه ظهر التواني في الامور الدنية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن و عليه الفتوىٰ ۔ وهم آئمة البلخ

---

[1] عنایہ علی ہامش فتح القدیر جلد 8 ص 40

فانهم اختاروا قول اهل المدينة وقالوا إن المتقدمين من أصحابنا بنوا هذا الجواب۔ الخ[1]

یعنی صاحب ہدایہ کا قول: ہمارے بعض مشائخ نے آج تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو مستحسن جانا اس لئے کہ امور دینیہ میں کوتاہی وسستی ظاہر ہوچکی اور امتناع میں حفظ قرآن ضائع ہونے کیلئے تعلیم قرآن کی اجرت کی اجازت فرمائی وہ آئمہ بلخ ہیں۔ اسلئے کہ انہوں نے اہل مدینہ کے قول کو اختیار فرمایا اور کہا ہمارے اصحاب میں سے متقدمین نے اس پر اس جواب کی بنیاد رکھی جوانہوں نے اپنے زمانہ میں مشاہدہ فرمایا کہ لوگوں کی بطریق ثواب تعلیم قرآن میں رغبت تھی اور متعلمین بلا شرط احسان کے بدلہ میں احسان کرنے میں صاحب مروت تھے اور ہمارے اس زمانہ میں دونوں چیزیں معدوم ہوچکی ہے۔ چنانچہ ہم اجرت پر کسی معلم کو رکھنے کے جواز کے متعلق کہتے ہیں تاکہ یہ باب معطل نہ ہو۔ اور یہ بھی دور نہیں کہ اختلاف اوقات کی وجہ سے حکم بھی مختلف ہوجائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے عورتیں نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کیلئے گھروں سے نکلتی تھیں۔ یہاں ان کو اس کام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا وہ درست تھا۔ اور اسی طرح تعلیم فقہ پر بھی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے اور امام خیر الخری فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں امام موذن اور معلم کو اجرت لینا جائز ہے اسی طرح روضہ میں ہے۔

صاحب فتاویٰ قاضی خاں امام فخر الدین بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی 592ھ فرماتے ہیں:

وإن استاجر رجلا لتعليم القرآن لا تصح الإجارة عند المتقدمين ولا أجر له بين لذالك وقتاً أو لم يبين ومشائخ بلخ جوزوا هذا الاجارة حتى حكى عن محمد بن سلام رحمه أنه اقضى بتسمير باب الوالد بأجرة المعلم وقال الشيخ الإمام ابوبكر محمد بن الفضل رحمه الله إنما كره المتقدمون الاستجار لتعليم القرآن وكرهوا أخذ الاجر على ذلك لأنه كان للمعلين عطيات فى بيت المال فى ذلك الزمان وكان لهم زيادة رغبة فى

---

[1] کفایہ مع فتح القدیر جلد 8۔ ص 41-40

أمر الدين وإقامة الحسبة۔ الخ[1]

''اگر کسی شخص نے تعلیم قرآن کیلئے کسی آدمی کو اجرت پر رکھ لیا تو متقدمین کے نزدیک یہ اجرت جائز نہیں، اور اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ خواہ اس اجرت کا وقت بیان کرے یا نہ بیان کرے۔ اور مشائخ بلخ رحمہم اللہ اس اجرت لینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ محمد بن سلام رحمہ اللہ سے حکایت ہے، انہوں نے کہا: میں معلم کی اجرت کے ساتھ والد کے دروازے کو میخ لگانے کا فیصلہ کرتا تھا۔ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ نے فرمایا: متقدمین تعلیم قرآن کیلئے اجرت پر قاری رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس پر اجرت کو بھی مکروہ گردانتے تھے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں معلمین کیلئے بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور ان کی امر دین میں رغبت بہت زیادہ تھی اور اقامت اجر وثواب بھی تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں ان کے وظائف منقطع ہو چکے ہیں اور امر آخرت میں لوگوں کی رغبتیں ختم ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اگر معلمین باوجود حاجت کے اصلاح معاش میں تعلیم کے ساتھ مشغول ہوں تو ان کی معاش میں خلل پڑتا ہے تو ہم نے معلم کی اجرت کے وجوب اور اجارہ کی صحت کے متعلق کہہ دیا۔ بخلاف مؤذن اور امام کے اس لئے کہ یہ فعل امام اور موذن کو امر معاش سے مشغول نہیں کرسکتا۔ شیخ امام شمس الآئمہ سرخسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: مشائخ بلخ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے اس میں اہل مدینہ کا قول اختیار کیا۔ امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں اجرت پر معلم رکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں اور علماء کا اجماع ہے کہ فقہ پر اجرت لینا باطل ہے۔ صاحب جوہرہ نیرہ امام ابوبکر ابن علی المعروف بالحدادی العبادی متوفی فی حدود 800ھ۔

ضروری نوٹ: امام ابوبکر ابن علی نے سب سے پہلے قدوری کی ایک شرح لکھی جس کا نام ''سراج الوہاج'' رکھا اور مولیٰ المعروف برکلی نے کتاب سراج الوہاج کو کتب ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اور امام ابوبکر بن علی نے اس کے بعد قدوری کا قول اذان، اقامت اور حج کے لیے اجرت پر کسی آدمی کا رکھنا جائز نہیں۔ صاحب جوہرہ نیرہ فرماتے ہیں اسی طرح امامت تعلیم قرآن اور فقہ کیلئے بھی اجرت پر کوئی آدمی رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ جملہ اشیاء فاعل کیلئے قربت ہیں اور ان پر اجرت

---

[1] فتاویٰ قاضی خاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدہ مجلد سوم ص 19

لینا جائز نہیں جیسے نماز اور روزہ کیلئے استجار جائز نہیں اور جب میت کی طرف سے حج پر کوئی آدمی بطور اجرت لیا گیا تو میت کی طرف سے جائز ہے اور جس کو اجرت پر لیا ہے اس کی اجرت اسکے جانے، آنے کے خرچہ کے مقدار ہوگی۔ اگر جانے، آنے کے خرچہ سے مال زائد ہوگا تو اس کو میت کے ورثاء کی طرف واپس لوٹا دیا جائیگا۔ کیونکہ زائد پر اس کا اجرت لینا جائز نہیں۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا: ہمارے بعض مشائخ نے تعلیم قرآن پر اجرت پر معلم رکھنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: اس لئے کہ امور دینیہ میں کوتاہی وسستی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور "امتناع" میں آیا ہے (کہ آج معلم کے اجرت پر نہ رکھنے میں) قرآن کا ضائع کرنا ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا: اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحب جامع الرموز امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی 950ھ یا 962ھ فرماتے ہیں:

"ولا تصح" يبطل الإجارة عند المتقدمين (للعبادات) أي لكل عبادة غير واجبة ولو كانت على أمر مباح كتعليم الكتابة والنجوم والطب و التعبير جازت بالاتفاق۔ لوكانت على أمر واجب كما إذا كان المعلم أوالإمام أوالمفتي واحد فإنها لاتصح بالإجماع كما في كرماني وغيره (كالأذان والإقامة) والتذكير والتدريس والحج والغزو (و تعلم القرآن) والفقه وقرأتهما وإنما لا تصح لقوة الرغبات والاستغناء بالعطيات من بيت المال (ويفتي اليوم) أي يفتي المتاخرون (بصحتها) أي الإجارة لهذا العبادات لفتور الرغبات ولأنه لايكون لهم حظ من بيت المال۔ [1]

اور اجرت لینا صحیح نہیں یعنی متقدمین کے نزدیک اجارہ باطل ہو جاتا ہے عبادات کیلئے ہر اس عبادت کیلئے جو واجب نہیں۔ اگر اجارت امر مباح پر ہو جیسے کتابت کا سکھانا، علم نجوم، طب اور علم تعبیر خواب وغیرہ تو بالاتفاق اجرت لینا جائز ہے۔ اگر اجرت لینا یا اجرت پر کسی کو رکھنا امر واجب پر ہو۔ جیسا کہ معلم یا امام یا مفتی ایک ہی ہو تو بالاجماع اجارہ صحیح نہیں۔ جیسا کہ کرمانی وغیرہ میں ہے (اور عبادات) مثل اذان اور اقامت، وعظ ونصیحت، درس وتدریس، حج اور غزوہ

---

[1] جامع الرموز جزء سوم کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدہ ص 138

اور تعلیم قرآن اور فقہ اور ان دونوں کا سکھانا اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا اس لئے صحیح نہیں کہ اس زمانہ میں رغبتوں میں قوت تھی اور بیت المال سے وظائف کی وجہ سے بے پرواہی تھی اور آج فتویٰ دیا گیا ہے یعنی متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ ان عبادات (اذان، تعلیم قرآن اور امامت) پر اجرت لینا جائز ہے اس لئے کہ رغبتوں میں فتور ہے اور اسلئے بھی کہ ان کیلئے بیت المال سے کوئی حصہ نہیں۔

"ولا تصح" الإجارة (للعبادات) فی شرح الوافی المذهب عندنا أن کل طاعة یختص بها المسلم فالا ستیجار علیها باطل (کالآذان) والحج (والامامة و تعلیم القرآن) وتعلیم الفقه۔ وهو نص احمد وقول عطاء الخ۔[1]

یعنی عبادات کیلئے اجارہ صحیح نہیں ہے اور شرح وافی میں ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جس کے ساتھ مسلمان کو خاص کیا گیا ہے اس پر اجرت پر کسی کو رکھنا باطل ہے۔ مثل اذان اور حج، امامت اور تعلیم القرآن اور تعلیم فقہ۔ اور یہ نص ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی اور یہی قول ہے امام عطاء، ضحاک، زہری، حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، نخعی اور امام شعبی کا رحمہم اللہ اجمعین کا اور آج اذان، امامت اور تعلیم قرآن کیلئے اجرت پر کسی کو رکھنے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ متقدمین صرف اس لئے ان سے منع کرتے تھے کہ ان کے زمانہ میں ان عبادات کو بطور ثواب کرنے میں لوگوں میں رغبت تھی اور ان عبادات کے کرنے والوں کو احسان کے ساتھ بدلہ دیا جاتا تھا اور اس زمانہ میں یہ دونوں معنی زائل ہو چکے اور اگر آج ان عبادات پر اجرت دینا صحیح نہ ہو تو یہ ان عبادات کا ضائع کرنا ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے حکم مختلف ہو جائے۔

قارئین گرامی! اس بندہ ناچیز نے بطور مقدمہ کتب مذہب کی چند منقولات آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ دور حاضرہ میں حضرات علماء متاخرین نے اذان، امامت اور تعلیم قرآن کیلئے کسی آدمی کو اجرت پر رکھنے کی اجازت فرمائی اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے یعنی دور حاضرہ میں تعلیم قرآن کیلئے معلم اور اذان

---

[1] شرح النقایہ۔ جلد دوم کتاب الاجارۃ۔ فصل فی الاجارۃ الفاسدۃ۔ ص 112۔113

دینے کیلئے موذن اور لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے امام کو بعوض اجرت رکھنا جائز ہے اور یہی قول عند المتاخرین مفتی بہ ہے۔ اس مقدمہ سے ثابت ہو گیا کہ عبادات میں سے صرف تین عبادتوں کو استثناء حاصل ہے۔ ان کے علاوہ کسی عبادت کے عوض اجرت دینا اور کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔ جب عبادت میں سے بطور اجارہ استثناء آپ کو معلوم ہو گیا تو اب اصل مسئلہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

کیا قبر پر قرآن مقدس پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس عاجز نے اس کی دو صورتیں بیان کیں اول یہ کہ قبر پر قرآن خوانی کیلئے کسی کو اجرت پر بٹھایا جائے اور قرآن خوانی کے عوض اس کو پیسے وغیرہ دیئے جائیں جس کا تعین و تقرر پہلے سے ہو چکا ہو۔ دوم یہ کہ کوئی ایک آدمی یا چند لوگ قبر پر بلا معاوضہ قرآن خوانی کریں اور جو قرآن مقدس انہوں نے تلاوت کیا، اس کا ثواب میت کی روح کو ایصال کریں۔

صورت اول میں حضرات علماء وفقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک قبر پر قرآن پاک کو بعوض اجرت پڑھانا جائز ہے اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ اور صورت دوم میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے اور جمیع فقہاء نے فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر دیا ہے اور یہی قول معتمد ہے کہ قبر پر قرآن حکیم پڑھنا نزول رحمت کا سبب ہے اور اس کا ثواب میت کو ایصال کرنا جائز ہے۔ یہ احقر ان دونوں صورتوں کو منقولات فقہاء و محدثین سے عرض کرے گا۔ لیکن ان کی تفصیل سے پہلے حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہے قرآن پاک کو دنیا کے مال کے عوض پڑھنا جائز نہیں۔ حدیث مبارک:

حدثنا وکیع قال حدثنا ھشام الدستوائی عن یحیی بن ابی کثیر عن ابی راشد عن عبد الرحمٰن بن شبل قال قال رسول اللہ ﷺ اقرءوا القرآن ولا تأکلوا بہ ولا تستکثروا بہ ولا تجفوا عنہ ولا تغلوا فیہ۔ [1]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ۔ جلد دوم کتاب الصلوٰۃ۔ ص 400 مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
مسند امام احمد جلد 4 ترجمہ عبد الرحمن بن شبل۔ ص 48 مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ شارع گرجاکھر گوجرانوالہ

''حضرت عبدالرحمن بن شبل سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن پڑھو، اس کے سبب دنیا کا مال نہ کھاؤ (یعنی قرآن کو ذریعہ معاش نہ بناؤ) قرآن کے سبب دنیا کی خواہش ورغبت نہ کرو اور نہ ہی قرآن سے اعراض کرو اور نہ ہی اس میں خیانت کرو''۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ قرآن مقدس کو بطور ذریعہ معاش نہیں پڑھنا چاہیے تو جب کسی قاری کو اجرت دے کر قبر پر قرآن پڑھایا جائیگا تو اس کا ثواب میت کو کیسے پہنچے گا۔ کیونکہ میت کو تو نیک اور صالح عمل ہی نفع پہنچا سکتا ہے۔ جب قاری کی نیت میں اخلاص نہیں وہ صرف دنیاوی مال کے عوض قبر پر قرآن پڑھ رہا ہے تو یہ عمل صالح نہیں۔ تو جب قاری کا یہ عمل ہی صالح نہیں تو میت کو کیا ثواب ملے گا۔ اس کے متعلق چند معتمدات ومنقولات کتب مذہب پیش خدمت ہیں۔ اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء ﷺ اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

قبر پر قرآن مقدس پڑھنے کی تحقیق انیق

محترم قارئین گرامی قدر! اس بندہ ناچیز نے اس مسئلہ کی توضیح وتشریح سے قبل ایک مقدمہ تحریر کیا جس میں اس فقیر نے کتب مذہب کی معتبرات سے نقل کیا کہ جملہ عبادات میں اجرت لینا اور اجرت دینا ناجائز ہے اور اس عاجز نے جو مقدمہ تحریر کیا اس کے متعلق صاحب ردالمحتار کیا فرماتے ہیں، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

وقد اتفقت کلمتھم جمیعا علی التصریح بأصل المذاھب من عدم الجواز ثم استثنوا بعدہ ما علمتہ فھذا دلیل قاطع برھان ساطع علی ان المفتی بہ لیس ھو جواز الاستیجار علی کل طاعۃ علی ما ذکرہ فقط کما فیہ ضرورۃ ظاھرۃ تبیح الخروج عن اصل المذھب من طرد المنع الخ۔[1]

اور تحقیق تمام علمائے کرام کا کلمہ (وہ مفرد لفظ ہے جو منہ سے نکلے) ساتھ اصل مذہب کے اس کی تصریح پر متفق ہے کہ عبادات میں کسی کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔ پھر حضرات علمائے کرام نے اس تصریح کے بعد کچھ عبادات کو مستثنیٰ فرمایا جیسا کہ تمہیں معلوم ہے (یعنی تعلیم قرآن،

---

[1] ردالمحتار جلد 5، ص 38

امامت واذان) چنانچہ یہ استثناء اس بات پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے کہ مفتی بہ وہ قول نہیں ہے کہ ہر طاعت پر اجرت لینا یا اجرت دینا جائز ہے جیسا کہ حضرات علمائے کرام نے اس کا ذکر کیا صرف ان عبادات میں ہی اجرت جائز ہے جن میں ظاہری ضرورت ہے اور یہ ضرورت اصل مذہب کے اعتبار سے تعریف منہ سے نکلنے کو جائز کر دیتی ہے کیونکہ استثناء حالات عموم میں سے ہے جیسا کہ حضرات علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی اور حضرات علمائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ غیر کی طرف سے حج کرنا یہ بطریق نیابت ہے نہ کہ بطریق استیجار۔

چنانچہ جن عبادات کو جملہ طاعات سے مستثنیٰ کیا گیا اس میں قبر پر اجرت دے کر پڑھانا اور اجرت لیکر پڑھنا شامل نہیں۔ چنانچہ کتب مذہب کی متون وشروح میں قبر پر بطور اجرت قرآن پاک پڑھنے کا جواز منقول نہیں اور بعض نے جو اس کے جواز کے متعلق فرمایا، اس کی تردید کی گئی ہے جیسا کہ آئندہ عبارات سے واضح وظاہر ہے۔

صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فظہر لك بهذا عدم صحة ما في الجوهرة من قوله واختلفوا في الاستجار على قرأة القرآن مدة معلومة قال بعضهم لايجوز وقال بعضهم يجوز وهوالمختار۔ والصواب أن يقال على تعليم القرآن فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجودة فإنه لا ضرورة فيها۔ فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام۔ وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم القاطبة فلا يقبل۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں تجھے اس صراحت سے ظاہر ہو گیا کہ جو جوہرہ نیرہ میں ہے، وہ صحیح نہیں۔ جوہرہ نیرہ کا یہ قول کہ ایک مدت معلوم تک اجرت پر قرآن پڑھنا اس میں علماء کا اختلاف ہے (یعنی کسی قاری کو اجر پر لینا کہ وہ اتنی مدت قرآن پڑھے) بعض نے کہا یہ جائز نہیں اور بعض نے کہا یہ جائز ہے اور یہی قول مختار ہے۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں، درست یہ تھا کہ کہا جاتا تعلیم القرآن پر اختلاف ہے کیونکہ اختلاف تعلیم قرآن میں ہے جیسا کہ تجھے معلوم ہے نہ کہ محض قرأت قرآن میں۔ اگر جو جوہرہ نیرہ میں یہ لغزش قلم ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں اور

---

[1] ردالمحتار رجلد 5۔ کتاب الاجارہ۔ باب الاجارۃ الفاسدہ ص 39-38

اگر جوہرہ نیرہ نے ایسا عمداً کیا ہے تو جوہرہ نیرہ کا یہ قول جمہور علماء کے کلام کے مخالف ہے''۔

اب صاحب جوہرہ نیرہ امام ابوبکر بن علی کا وہ قول پیش کرتا ہوں جس کی طرف صاحب ردالمختار نے ارشاد فرمایا: فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

واختلفوا فی الاستیجارۃ علی قرأۃ القرآن علی القبر مدۃ معلومۃ قال بعضھم یجوز وھو المختار کذا فی السراج الوھاج۔[1]

کسی شخص کو ایک مدت معلومہ تک قبر پر اجرت دے کر قرآن پاک پڑھانے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ جائز ہے اور یہی قول مختار ہے اسی طرح سراج الوہاج میں ہے۔

صاحب جوہرہ نیرہ فرماتے ہیں:

واختلفوا فی الاستیجارۃ علی قرأۃ القرآن علی القبر مدۃ معلومۃ قال بعضھم لایجوز وھو المختار[2]

''یعنی ایک مدت معلومہ تک قبر پر اجرت دے کر قرآن پاک پڑھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ جائز نہیں اور یہی قول مختار ہے''۔

ضروری نوٹ: یہاں صاحب ردالمختار سے کچھ تسامح واقع ہوا ہے۔ اولاً آپ نے لفظ ''علی القرأۃ'' کو ترک کیا ہے جو کہ دونوں کتابوں (سراج الوہاج اور جوہرہ نیرہ) میں موجود ہے۔ دوم آپ نے فرمایا اگر جوہرہ نیرہ میں (یعنی قال بعضہم یجوز وھو المختار) یہ لغزش قلم ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر عمداً ایسا نقل کیا ہے تو یہ جمہور علماء کے کلام کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ لفظ (قال بعضھم یجوز وھو المختار) یعنی بعض نے کہا قبر پر اجرت لیکر قرآن پڑھنا جائز ہے اور یہی قول مختار ہے۔ جوہرہ نیرہ میں نہیں بلکہ یہ نقل سراج الوہاج کی ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دونوں کتابوں کے مصنف ایک ہی ہیں وہ ہیں امام ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی۔ آپ نے پہلے قدوری کی شرح سراج الوہاج لکھی جو متداول تھی اور حاجی خلیفہ چلپی نے

---

[1] فتاویٰ ہندیہ جلد 4 کتاب الاجارہ ص 159

[2] جوہرہ نیرہ جلد اول کتاب الاجارہ۔ باب الاجارۃ الفاسدہ۔ ص 273

کشف الظنون میں ترجمہ مختصر القدوری کے تحت لکھا ہے: اگرچہ ابوبکر بن علی کی شرح قدوری متداول کتب میں شامل ہے لیکن مولی برکلی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ کتاب نہایت ضعیف اور غیر معتبر ہے۔ اس کے بعد امام ابوبکر بن علی نے قدوری کی ایک مختصر شرح لکھی اور اس کا نام جوہرہ نیرہ رکھا۔ تو معلوم یہ ہوتا ہے جب انہوں نے سراج الوہاج میں یہ تحریر فرمایا کہ قبر پر اجرت لیکر قرآن پاک پڑھنا جائز ہے اور یہی قول مختار و معتمد ہے اور جب انہوں نے جوہرہ نیرہ کو تحریر فرمایا تو آپ نے اس سہو و لغزش کو دور فرمادیا اور جوہرہ نیرہ میں لکھا کہ اجرت لے کر قبر پر قرآن پڑھنا جائز نہیں اور یہی قول مختار اور معتمد ہے۔ گویا کہ آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع فرمالیا اور یہاں علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ مسامحت کا شکار ہو گئے۔ اب اس وضاحت کے بعد صاحب ردالمحتار کا قول ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قد أطنب فی ردہ صاحب تبیین المحارم مستنداً إلی النقول الصریحة من جملة کلامه فقال تاج الشریعة فی شرح الهدایة أن القرآن بالأجرة لایستحق الثواب لاللمیت ولاللقارئ وقال العینی فی شرح الهدایة ویمنع القاری للدنیا والاخذ والمعطی آثمان الخ۔[1]

"یعنی صاحب تبیین المحارم نے نقول صریحہ کی طرف استناد کرتے ہوئے جوہرہ نیرہ کا نہایت بلیغ وطویل رد فرمایا۔ اس کے جملہ کلام میں سے یہ بھی ہے کہ تاج الشریعہ نے ہدایہ کی شرح میں فرمایا کہ اجرت کے عوض قرآن پاک پڑھنا نہ ہی میت کیلئے ثواب کا مستحق ہے اور نہ ہی پڑھنے والے کیلئے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے ہدایہ کی شرح میں فرمایا قرآن پڑھنے والے کو دنیا کیلئے قرآن پڑھنے سے روکا جائے۔ اس لئے کہ اجرت لینے والا اور اجرت دینے والا دونوں گنہگار ہیں"۔

چنانچہ حاصل یہ ہے کہ جو ہمارے زمانہ میں اجرت کے عوض قرآن پڑھنا عام ہو چکا ہے، یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور اعطائے ثواب آمر کیلئے اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ جلد 5۔ص 39

پڑھنا صرف دنیا کیلئے ہے تو جب قاری کیلئے بوجہ نیت صحیح نہ ہونے کے ثواب ہی نہیں ہے تو جس کیلئے اجرت پر پڑھایا جارہا ہے اس کیلئے ثواب کہاں ہے۔ اگر اجرت نہ ہوتی تو اس زمانہ میں کوئی کسی کیلئے قرآن نہ پڑھتا بلکہ قراء حضرات نے قرآن مقدس کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے اور دنیا کے جمع کرنے کا وسیلہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتہی کلامہ

صاحب ردالمحتار نے اس نص میں تاج الشریعہ اور علامہ بدرالدین عینی کا حوالہ نقل فرمایا: اب ان دونوں کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ بدرالدین عینی بنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

وقراءة القرآن للدنيا مكروهة والأفضل أن لايعطي القارئ شيئا وفي الواقعات يمنع القارئ للدنيا والاخذ والمعطي آثمان۔[1]

یعنی قرآن مقدس دنیا کیلئے پڑھنا مکروہ ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ پڑھنے والے کو کوئی چیز نہ دی جائے۔ اور واقعات میں ہے قاری کو دنیا کیلئے پڑھنے سے روکا جائے اور قرآن مقدس پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی بنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

قوله۔ ولا تاكلوا به۔ أي بالقرآن مثل أن يستاجر رجلا يقرء على رأس قبر قيل هذا القراءة لايستحق بها الثواب لا للميت ولا للقارئ۔ قاله تاج الشريعة

(بنایہ شرح ہدایہ کتاب الاجارات جلد 10 ص 279 دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان "ولا تاکلوا بہ" یعنی قرآن کے عوض نہ کھاؤ مثال اس کی کہ کوئی شخص کسی آدمی کو اجرت پر لے تاکہ وہ قبر پر قرآن مقدس پڑھے۔ بعض نے کہا کہ قبر پر قرأت کی وجہ سے وہ ثواب کا مستحق نہیں۔ نہ ہی میت ثواب کی مستحق ہے اور نہ قاری ثواب کا مستحق یہ قول تاج الشریعہ کا ہے۔ یعنی تاج الشریعہ عمر بن صدر الشریعہ عبید اللہ محبوبی حنفی متوفی 672ھ نے ہدایہ کی شرح نہایۃ الکفایہ فی درایۃ الہدایہ میں اس مقام پر اس قول کو نقل فرمایا ہے۔

اسکے بعد صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

وقد اغتربها في الجوهرة صاحب البحر في كتاب الوقف وتبعه الشارح في كتاب

---

[1] بنایہ شرح ہدایہ کتاب الکراہت جلد 12 ص 237 دار الکتب العلمیہ بیروت

الوصایا حیث یشعر کلامها بجواز الاستیجار علی کل الطاعات و منها القراءة۔[1]

یعنی صاحب البحر الرائق کتاب الوقف میں جو کچھ جوہرہ میں ہے اس کی وجہ سے دھوکہ کھا گئے اور شارح (یعنی صاحب البحر) کتاب الوقف کی اتباع میں کتاب الوصایا میں لکھتے ہیں: صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ جوہرہ یا وصایا کے کلام سے محسوس ہوتا ہے کہ تمام طاعات پر اجرت لینا جائز ہے اور ان طاعات میں سے قرآن مقدس کا پڑھنا بھی ہے۔

چنانچہ ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صاحب البحر الرائق نے کتاب الوقف اور کتاب الوصایا میں کیا نقل فرمایا ہے جس کی طرف صاحب ردالمحتار اشارہ فرمارہے ہیں۔

صاحب البحر الرائق علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فإن قلت قال فی القنیة وقف وشرط أن یقرء عند قبرہ فالتعیین باطل وصرحوا فی الوصایا بأنه لو أوصی بشئ لمن یقرء عند قبرہ والوصیة باطلة۔ فدل علی أن المکان لایتعین وبه تمسك بعض الحنیفة من أهل العصر الخ۔[2]

اگر کوئی کہے کہ صاحب "قنیہ" نے فرمایا کسی شخص نے قبر کیلئے جگہ وقف کی اور شرط لگائی کہ اس کی قبر پر قرآن پڑھا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ چنانچہ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ جگہ متعین نہیں ہوگی۔ دور حاضر کے بعض حنفی علماء کا یہی قول ہے۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا اسلئے کہ صاحب "اختیار" نے اس قول کی علت یہ بیان فرمائی کہ قرآن پڑھنے کیلئے کچھ لینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اجرت کی مثل ہے۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: صاحب اختیار کا یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ صاحب قنیہ کا قول غیر مفتی بہ ہے۔ اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ قرآن مقدس پڑھنے پر کچھ لینا جائز ہے (اگر اس کا تعین نہ ہو) تو قبر کی جگہ بھی متعین ہو جائیگی۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں کہ صاحب قنیہ کا قول حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر مبنی ہے کیونکہ امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے جگہ کا معین کرنا باطل ہوگا اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے کہ قبر پر قرآن پڑھنا

---

[1] ردالمحتار حوالہ مذکور

[2] البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد 5 کتاب الوقف۔ ص 228 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

مکروہ نہیں۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

وإذا أوصى أن يدفع إلى إنسان كذا من ماله يقرء القرآن على قبره فهذا الوصية باطلة إن كان القارئ معينا ينبغي أن تجوز الوصية على وجه الصلة دون الأجر۔ قال ابو نصر وكان يقول لا معنى لهذا الوصية لأن هذا بمنزلة الأجر والإجارة في ذلك باطلة ولم يفعلها أحد من الخلفاء۔ [1]

"جب کسی نے وصیت کی کہ اس انسان کو اس کے مال سے اتنی رقم دے تا کہ وہ اس کی قبر پر قرآن پڑھے تو یہ وصیت باطل ہے۔ ابو القاسم نے فرمایا: اگر قبر پر پڑھنے والا معین ہو تو لائق و مناسب یہی ہے کہ بطور اجرت نہیں بلکہ بطور انعام وعطیہ وصیت کرنا جائز ہو۔ ابو نصر فرماتے ہیں اس وصیت کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ قائم مقام اجرت کے ہے اور اس میں اجرت لینا باطل ہے۔ ایسی وصیت خلفاء میں سے کسی خلیفہ نے نہیں کی"۔

یہ ہیں صاحب البحر الرائق کی دونوں عبارتیں جن کی طرف صاحب درمختار نے اشارہ فرمایا کہ ان کے کلام سے محسوس ہوتا ہے کہ تمام طاعات پر اجرت لینا جائز ہے اور ان طاعات میں سے قبر پر قرآن پڑھنے کی اجرت لینا بھی جائز ہے لیکن صاحب البحر الرائق کی ان دونوں عبارتوں سے بظاہر ایسا کچھ نظر نہیں جس کی طرف صاحب ردالمختار نے اشارہ فرمایا ہے بلکہ صاحب ردالمختار خود صاحب جوہرہ نیرہ کے حوالہ سے مسامحت کے شکار ہیں۔ کیونکہ صاحب جوہرہ نیرہ نے بالکل واضح فرمایا ہے کہ قبر پر قرآن پڑھنے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں اور یہی قول مختار ہے۔

اس کے بعد صاحب ردالمختار فرماتے ہیں:

رده الشيخ خيرالدين الرملي في حاشية البحر في كتاب حيث قال أقول المفتى به جواز الأخذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القرأة المجددة كما صرح به في التاتر خانيه حيث قال لا معنى لهذا الوصية لصلة القارى لأن هذا بمنزلة الأجرة والاجارة في ذلك باطل وهي بدعة ولم يفعلها أحد من الخلفاء الخ۔ [2]

---

[1] البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الوصایا۔ جلد 8 ص 454

[2] ردالمختار کتاب الاجارہ جلد 5 ص 39

''شیخ خیر الدین رملی نے کتاب الوقف میں البحر الرائق کے حاشیہ میں صاحب البحر الرائق کا رد کیا ہے۔ شیخ خیر الدین رملی نے کہا: میں کہتا ہوں مفتی بہ قول تعلیم قرآن پر استحسانا اجرت لینے کے جواز میں ہے نہ کہ محض قرأت قرآن پر جیسا کہ صاحب تاتارخانیہ نے تصریح فرمائی۔ انہوں نے کہا اس وصیت اور قاری کے قرآن پاک قبر پر پڑھنے کے بطور انعام وعطیہ کے کوئی معنی نہیں۔ اس لئے کہ یہ وصیت اجرت کے قائم مقام ہے اور اس میں اجرت لینا باطل ہے اور یہ وصیت بدعت ہے۔ خلفاء میں سے کسی نے یہ وصیت نہیں فرمائی اور ہم نے تعلیم قرآن کا مسئلہ ذکر کیا ہے۔ یہ استحسان پر ہے یعنی ضرورت کیلئے ہے۔ اور قبر پر قرآن پڑھنے کیلئے کسی کو اجرت پر لینے میں کوئی ضرورت نہیں۔ اور زیلعی اور کتب کثیرہ میں ہے کہ اگر قراء حضرات کیلئے اجرت کے عوض تعلیم کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو قرآن پاک جاتا رہتا۔ اسلئے علماء کرام نے تعلیم قرآن پر اجرت کا فتویٰ دیا کہ اس پر اجرت لینا جائز ہے اور اس فتویٰ کو اچھا دیکھا۔ رملی کا کلام اور جو کچھ تاترخانیہ میں ہے ان دونوں میں رد ہے اس شخص پر جو کہتا ہے اگر کسی نے پڑھنے والے کو اس کی قبر پر اتنی اجرت کے قرآن پڑھنے کی وصیت کی تو چاہیے کہ بطور انعام وعطیہ جائز ہو نہ کہ بطور اجرت اور جن حضرات نے اس وصیت کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی وہ صاحب ولوالجیہ، محیط اور بزازیہ ہیں۔ اور شیخ خیر الدین رملی رحمہ اللہ کے قول میں صاحب البحر الرائق کا بھی رد ہے جنہوں نے اس وصیت کے باطل ہونے کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ قول قبر پر قرآن پڑھنے پر اجرت لینے کے مشابہ ہے۔ جیسا کہ تجھے معلوم ہے اور ''اختیار'' وغیرہ میں اس قول کی تصریح کی گئی ہے۔ اسلئے صاحب ولوالجیہ نے فرمایا: اگر کسی نے اپنے دوست یا کسی قریب رشتہ دار کی قبر کی زیارت کی اور قبر کے پاس کچھ قرآن پڑھا تو یہ بہت اچھا ہے۔ لیکن اس پڑھنے کی وصیت کرنے کے کوئی معنی ہیں اور نہ قاری کے انعام وغیرہ کے کوئی معنی ہے۔ کیونکہ یہ وصیت قرأت قرآن پر اجرت لینا ہے۔ اور یہ باطل ہے اور یہ وصیت خلفاء میں کسی ایک نے نہیں کی۔ صاحب ردالمختار فرماتے ہیں: اگر علت وہ ہوتی جو صاحب البحر الرائق نے نقل کی کہ قبر پر قرآن پڑھنا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے تو صاحب ولوالجیہ یہ نہ فرماتے کہ اس شخص کا اپنے دوست یا قریبی کی قبر پر قرآن پڑھنا اچھا ہے اور جن علمائے کرام نے اس وصیت کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا ان

میں شیخ خیر الدین رملی بھی ہیں جیسا کہ شیخ خیر الدین رملی نے اس فتویٰ کو اپنے فتاوی کے کتاب الوصایا میں نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ علامہ خلوتی نے منتہی الحنبلی کے حاشیہ میں شیخ الاسلام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ سے نقل فرمایا کہ قرأت قرآن پر اجرت لینا اور اس قرأت کو میت کی طرف بطور ہدیہ بھیجنا درست نہیں۔ اس لئے حضرات آئمہ کرام سے اس میں اجازت منقول نہیں۔ اور تحقیق علماء نے فرمایا جب کوئی قرآن پڑھنے والا حصول مال کیلئے قرآن پڑھتا ہے، قاری کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ پھر کونسی چیز ہے جو وہ میت کو بطور ہدایہ ایصال کرے کیونکہ میت کی طرف تو عمل صالح ہی پہنچتا ہے اور قرأت قرآن پر اجرت دے کر کوئی آدمی مقرر کرنا، آئمہ میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں اور حضرات علماء کرام کا اختلاف صرف تعلیم قرآن میں ہے۔ کیا اجرت پر معلم رکھنا جائز ہے یا کہ نہیں، یہاں صاحب تبیین المحارم کی نقول صریح ختم ہوئی اور ساتھ صاحب ردالمحتار کا کلام بھی اختتام پذیر ہوا۔

چنانچہ نصوص صریحہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ کسی شخص کو اجرت پر لینا کہ وہ قرآن پڑھے یا کسی پڑھانے والے کا قرآن پڑھنے کیلئے اجرت لینا اس طرح قرآن معظم نہ ہی پڑھانا جائز ہے اور نہ ہی پڑھنا جائز ہے اور نہ ہی اس طریقہ سے میت کو ثواب ملتا ہے۔ واللہ تعالیٰ بعلم حقیقۃ الحال

میت کے ایصال ثواب کیلئے خلوص نیت سے قرآن پڑھنا

اس باب میں سب سے پہلے کتب مذہب کی منقولات پیش کروں گا اور نصوص فقہاء کرام کے بارے احادیث مبارکہ سے کچھ دلائل عرض کروں گا۔ تو آیئے دیکھیں حضرات علماء فقہاء اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

صاحب البحر الرائق علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وفی النوازل قرأۃ القرآن عند المقابر إذا أخفاها لا یکرہ وإن جھر بھا یکرہ والشیخ محمد بن ابراھیم قال لا بأس أن یقراء سورۃ الملک علی المقابر سواء أخفاھا أوجھر بھا أما غیرھا فلا یقرھا للورود الآثار بسورۃ الملک وعن ابی بکر و ابن ابی سعید یستحب زیارۃ القبر و قرأۃ سورۃ إخلاص سبع مرۃ فإن کان المیت غیر مغفورۃ غفر له وإن

کان مغفورۃ غفر لهذا القاری و وهبت ذنوبة للمیت۔ الخ [1]

"علامہ ابوالليث سمرقندی کی نوازل میں ہے قبروں کے پاس قرآن پاک پڑھنا جب قرأت آہستہ ہوگی تو یہ پڑھنا مکروہ نہیں۔ اگر قرأت باآواز بلند کرے تو مکروہ ہے۔ شیخ محمد ابراہیم فرماتے ہیں: قبروں پر سورۂ ملک کے علاوہ کوئی چیز نہ پڑھے اسلئے کہ سورۂ ملک کے پڑھنے کے بارے آثار وارد ہوئے ہیں۔ ابوبکر اور ابن ابی سعید سے روایت ہے کہ قبر کی زیارت اور سات بار سورۂ اخلاص پڑھنا مستحب ہے اگر میت ایسی ہو جس کے گناہ نہیں معاف کئے گئے تو سورۂ اخلاص کی وجہ سے اس کو بخش دیا جائیگا اور اگر میت ایسی ہو جس کے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں (جیسے حضرات اولیائے کرام) تو سورۃ اخلاص پڑھنے والے کو بخش دیا جائیگا اور قاری کے گناہ میت کو ہبہ کر دیے جائیں گے (تاکہ مغفور لہ کی آغوش میں قاری کے گناہ دھل جائیں) اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے، ایک آدمی فوت ہوگیا تو اس کے وارث نے کسی آدمی کو اس کی قبر پر بٹھا دیا کہ وہ قرآن پڑھے۔ بعض نے کہا مکروہ ہے اور مختار قول یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔ اور زیادہ مشابہ یہی ہے کہ قرآن میت کو نفع پہنچائے گا۔ اور فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ قبروں کے پاس قرآن پڑھنا، اگر پڑھنے والے کی نیت یہ ہو کہ اس کی آواز سے قبر والے مانوس ہوتے ہیں تو قرآن پاک پڑھے اور اگر یہ ارادہ نہیں تو جہاں بھی پڑھے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے قرآن کو سن رہا ہے۔

صاحب مجمع الانھار شیخ محمد بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وکرہ الإمام القراءۃ عند القبر "لأن أهل القبر جیفة وکذا یکرہ القعود علی القبر لأنه إهانة (وجوزها) أی القرأۃ عند القبر (محمد وبه) أی بقول محمد (أخذ) للفتوی لما فیه من النفع لورود الآثار بقراءۃ الآیة الکرسی وسورۃ الإخلاص والفاتحة وغیر ذلك عند القبور۔ [2]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے اسلئے کہ اہل قبر (جب ان کے اجساد گل کر بدبودار ہو جائیں) تو وہ مردار ہیں اور اسی طرح قبر پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

---

[1] البحر الرائق۔ کتاب الکراہیۃ جلد 8 ص 206 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] مجمع الانھار شرح ملتقی الابحر۔ کتاب الکراہیۃ۔ جلد دوم ص 552

کیونکہ اس میں صاحب قبر کی اہانت ہے اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو امام محمد رحمہ اللہ نے جائز کہا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہی قول کو فتویٰ کیلئے لیا گیا ہے (یعنی فتویٰ عند الجمہور امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے) اس لئے کہ اس فعل میں میت کیلئے نفع ہے کیونکہ قبروں کے پاس آیۃ الکرسی، سورہ اخلاص اور سورہ فاتحہ اور اس کے مثل دیگر سورتیں پڑھنے کے متعلق آثار وارد ہوئے ہیں۔

صاحب بدر المنتقی فی شرح الملتقی علامہ حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وکرہ الإمام القرأۃ عند القبر لأنہ لم یصح عندہ فی ذلک شئی عن النبی ﷺ (وجوزھا محمد وبہ أخذ) للفتوی علی ما مر مرارا منہا فی باب الحج عن الغیر[1]

یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے اسلئے کہ ان کے نزدیک اس کے متعلق کوئی چیز صحیح ثابت نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ نے قبر پر قرأت قرآن کو جائز قرار دیا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہی قول کو حضرات علماء گرامی نے فتویٰ کیلئے پکڑا ہے۔ جیسا کہ باب الحج عن الغیر میں کئی بار اس کے متعلق گزر چکا ہے۔

صاحب غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی شیخ ابراہیم حلبی متوفی 956ھ فرماتے ہیں:

وتکرہ القراءۃ عند القبور عند ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ ولا یکرہ محمد رحمہ اللہ وبقولہ أخذ المشائخ لورود الآثار منہا ما روی البیہقی أن ابن عمر رضی اللہ عنہما استحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورۃ البقرۃ وخاتمتہا۔[2]

اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قبروں کے پاس قرآن پاک پڑھنا مکروہ ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبروں پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں۔ شیخ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں: مشائخ کرام نے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو قبول فرمایا (اور یہی قول مفتی بہ ہے) کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق آثار وارد ہوئے ہیں۔ ان آثار میں سے ایک یہ اثر ہے جس کو امام بیہقی نے روایت کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کے اول اور اس کے آخر پڑھے جانے کو مستحب سمجھتے تھے۔

---

[1] بدر المنتقی علی ہامش مجمع الانہار۔ جلد دوم ص 552

[2] غنیۃ المستملی: باب زلۃ القاری، تتمات فیما یکرہ من القراءۃ ص 464 مطبع مجتبائی دہلی

صاحب فتاویٰ قاضی خاں امام حسن بن منصور اوزجندی فرغانی متوفی 592ھ فرماتے ہیں:

وان قراءة القرآن عند القبور ان نوی بذلك ان یونسهم صوت القرآن فانه یقرأ القرآن وان لم یقصد ذلك فالله تعالیٰ یسمع قراءة القرآن حیث کانت۔ [1]

''اگر کوئی شخص قبروں کے پاس قرآن پاک پڑھتا ہے اور اگر وہ قرآن کی قرأت کے ساتھ یہ نیت کرے کہ قرآن کی قرأت قبر والوں کو مانوس کرتی ہے تو وہ قبر کے پاس ضرور قرآن مقدس کی تلاوت کرے اور اگر وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتا (کہ قرآن کی آواز صاحب قبر کو مانوس کرتی ہے) تو پھر اللہ تعالیٰ قرأت قرآن کو سنتا ہے پڑھنے والا جہاں بھی قرآن پڑھے''۔

تو اس سے معلوم ہوا قبروں کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے۔ ایک تو صاحب قبر قرآن کی آواز سے مانوس ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ قبر پر قرأت قرآن سے خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ جب کوئی آدمی قبر پر قرآن پاک پڑھ کر اس کا ثواب میت کی روح کو ایصال کرتا ہے تو میت اس سے منتفع ہوتی ہے۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ شیخ امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری متوفی 542ھ فرماتے ہیں:

رجل أجلس علی قبر أخیه رجالا یقرأ القرآن یکرہ عند ابی حنیفة رضی الله عنه وعند محمد لا یکرہ و مشائخنا أخذوا بقول محمد رحمة الله علیه [2]

''کسی شخص نے اپنے بھائی کی قبر پر چند لوگ بٹھائے تاکہ قبر پر قرآن پاک پڑھا جائے تو یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں: ہمارے مشائخ کرام نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا ہے''۔

چنانچہ فقہاء کرام کے نزدیک اگر بلا اجرت صرف میت کے روح کو ایصال ثواب کیلئے قبر پر خود بیٹھ گیا یا لوگوں کو بٹھا کر قرآن پاک پڑھایا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ قرآن پاک پڑھنے

---

1. فتاویٰ قاضی خاں جلد رابع۔ کتاب الحظر ص 374۔ حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ
2. خلاصۃ الفتاویٰ جلد دوم۔ کتاب الکراہیۃ۔ ص 526

سے صاحب قبر کو انسیت ملتی ہے اور قرأت قرآن کی وجہ سے اللہ عزوجل کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور صاحب قبر کے گناہوں کی معافی کا سبب بھی ہے۔ جب قرآن پاک کی تلاوت کرنا نزول برکات ورحمتوں کا ذریعہ اور سبب ہے تو جملہ فقہاء کرام نے حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی اور فرمایا جملہ مشائخ کرام نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا اور آپ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا اور آپ کے قول کے مفتی بہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ آپ کے قول کے مطابق احادیث وآثار وارد ہوئے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے۔ تو حضرات فقہاء کرام کی نصوص ظاہرہ و باہرہ سے واضح ہو گیا قبر پر قرآن پاک پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے جس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

اس کے بعد اب وہ احادیث وآثار ملاحظہ فرمائیں جن سے قبر پر قرآن مقدس کی تلاوت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ مجھ جیسے بے علم و بے بضاعت کے لئے اپنی توفیق کو رفیق بنائے تاکہ تحقیق احادیث وآثار میں آسانی پیدا ہو۔ وھو الموفق للصواب

احادیث وآثار سے قبر پر قرآن مقدس پڑھنے کا ثبوت

۱ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال مر النبی ﷺ بحائط من حیطان المدینۃ أو مکۃ فسمع صوت إنسانین یعذبان فی قبورھما فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان أحدھما لا یستتر من بولہ وکان الآخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین فوضع علی کل قبر منھا کسرۃ فقیل لہ یا رسول اللہ ﷺ لم فعلت ھذا قال لعلہ أن یخفف عنھما مالم ییبسا أو الی ان ییبسا[۱]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ (راوی کا شک ہے) یا مکہ معظمہ کے باغات میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن کو قبروں میں عذاب دیا جارہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اور کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیئے

---

۱ صحیح بخاری مع فتح الباری ۔ جلد اول ۔ کتاب الوضو ص 317 ۔ رقم الحدیث 216 ۔ واطرافہ 218۔1361۔1378۔6052۔6055

جار ہے۔ پھر فرمایا (وحی نازل ہوئی کہ یہ کبیرہ گناہ ہے) ہاں وہ گناہ کبیرہ ہے۔ ان دونوں میں ایک اپنے بول سے بچتا نہیں تھا اور دوسرا غیبت کرتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک ٹہنی (جس پر پتے نہ تھے) منگوائی اور اس کو توڑا اور دو ٹکڑے کئے پھر آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا شاید کہ جب تک وہ خشک نہ ہوں ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے (راوی کا شک ہے) یا آپ ﷺ نے فرمایا ان کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے۔

صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

۲ وکذالک فیما فیہ برکۃ کالذکر وتلاوۃ القرآن من باب الأولی۔[1]

''اور اسی طرح وہ چیز جس میں برکت ہو مثل ذکر اور تلاوت قرآن، اولویت سے تعلق رکھتی ہے''۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح تر ٹہنیوں کا قبر پر تسبیح پڑھنا اور اس کی وجہ سے صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف ہونا اس حدیث سے ثابت ہے اس طرح قبر پر ذکر خدا کرنے یا قرآن خوانی کرنے سے بدرجہ اولی صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ کیونکہ نباتات میں یہ خصوصیت ہے اور جو انسان اشرف المخلوقات ہے اس کی زبان سے تلاوت قرآن میں زیادہ خصوصیت ہوگی کہ تلاوت قرآن کی وجہ سے صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف ہو اور یہ قرآن خوانی اس کی نجات کا ذریعہ ہے۔

۳ صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واستحب العلماء قراءۃ القرآن عند القبر لھذا الحدیث لأنہ إذا کان یرجی التخفیف لتسبیح الجرید فتلاوۃ القرآن أولی[2]

یعنی اسی حدیث مبارک کی وجہ سے حضرات علماء کرام قبر کے پاس قرآن خوانی کو

---

[1] فتح الباری۔ جلد اول۔ کتاب الوضو۔ ص 320 دار المعرفہ بیروت

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب الوضو جلد سوم ص 117 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

مستحب سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ترٹہنی کی تسبیح کی وجہ سے عذاب قبر کی تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے تو تلاوت قرآن کی وجہ بدرجہ اولیٰ صاحب قبر کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

صاحب مسلم ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری متوفی 261ھ روایت کرتے ہیں:

۴ عن ابن عباس قال مرّ رسول الله ﷺ علی قبرین فقال اما انهما ليعذبان وما يعذبان فی كبير أما أحدهما فكان يمشی بالنميمة و أما الآخر فكان لايستتر من بوله قال فدعا بعسيب رطب فشقه باثنين ثم غرس على هذا واحدا وعلى هذا واحدا ثم قال لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا۔ [1]

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے۔ اور ان دونوں کو کسی کبیرہ گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جارہا۔ ان میں سے ایک غیبت کرتا تھا اور دوسرا اپنے بول سے نہیں بچتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آپ ﷺ نے کھجور کی ایک ترٹہنی منگوائی اور اس کو پھاڑا اور دو حصے کئے اور ایک حصہ کو اس قبر پر بصورت پودا لگا دیا اور ایک حصہ کو دوسری قبر پر۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا شاید یہ ترکھجور کی ٹہنی جب تک خشک نہ ہو ان دونوں سے عذاب میں تخفیف کی جائیگی"۔

شارح مسلم شیخ محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی 671ھ فرماتے ہیں:

۵ واستحب العلماء قراءة القرآن عند القبر لهذا الحديث لأنه إذا كان يرجى التخفيف بتسبيح الجريد فتلاوة القرآن أولى۔ والله اعلم۔ (حوالہ مذکور)

اس حدیث مبارک کی وجہ سے حضرات علماء کرام نے قبر کے پاس قرآن خوانی کو مستحب فرمایا۔ اس لئے کہ جب ایک ترٹہنی کی وجہ سے عذاب قبر کی تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے تو قبر پر قرآن خوانی کی وجہ سے بدرجہ اولیٰ عذاب قبر کی تخفیف ہوگی۔ واللہ اعلم

صاحب مشکوۃ ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب روایت کرتے ہیں:

۶ وعن جابر رضی الله عنه قال نهی رسول الله ﷺ أن يجصص القبرو أن يبنى

---

[1] صحیح مسلم مع نووی۔ کتاب الطہارۃ جلد دوم ص 141

علیہ، وأن یقعد علیہ۔[1]

''حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا کرنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے''۔

علامہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

قلت فیستفاد منہ أنہ إذا کانت الخیمة لفائدة مثل أن یقعد القراء تحتھا فلا تکون منھیة۔ قال ابن الھمام واختلف فی إجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکراھة۔[2]

''میں کہتا ہوں اس سے یہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ جب قبر پر خیمہ کسی فائدہ کے لئے لگایا گیا ہو مثل اس کی اس کے نیچے قبر پر قراء بٹھانا (تا کہ وہ قبر کے پاس قرآن پڑھیں) تو یہ خیمہ لگانا ممنوع نہیں ہوگا۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا قارئین کو قبر پر بٹھانے میں اختلاف ہے۔ تا کہ وہ قارئین قبر کے پاس قرآن پڑھیں۔ ابن ہمام فرماتے ہیں مختار یہی ہے کہ قبر کے پاس قارئین کو بٹھانا مکروہ نہیں ہے''۔[3]

7 حافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی 430ھ حلیۃ الاولیاء میں روایت کرتے ہیں:

عن ابی سعید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا قبض اللہ روح عبدہ المومن صعد [illegible] السماء فقالا یاربنا وکلتنا بعبدك المومن [illegible]تب عملہ وقد قبضتہ إلیك فاذن لنا نسکن السماء فیقول سمائی [illegible]ملوة من خلقی یسجدوننی ولکن قوما علی قبر عبدی فسبحانی [illegible] وکبرانی الی یوم القیمة واکتباہ لعبدی۔[4]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب اللہ عزوجل اپنے بندہ مومن کی روح قبض کر لیتا ہے تو

---

[1] رواہ مسلم۔ مشکوۃ المصابیح۔ کتاب الجنائز۔ باب دفن المیت

[2] مرقاۃ شرح مشکوۃ المصابیح جلد 4۔ باب دفن المیت ص 69 مکتبہ امدادیہ ملتان

[3] فتح القدیر شرح ہدایہ جلد دوم کتاب الجنائز۔ باب الدفن۔ ص 102 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[4] حلیۃ الاولیاء جلد 7۔ ص 253 دار الفکر

دونوں فرشتے (کراما کاتبین) آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے ہمیں اپنے بندہ مومن کے ساتھ مقرر کیا تھا کہ ہم اس کے عمل لکھیں۔اب جبکہ تو نے اس کو موت دے دی ہے تو ہمیں اجازت فرمائیں کہ ہم آسمان میں سکونت اختیار کریں۔اللہ عزوجل فرمائے گا: اے فرشتو! میرا آسمان میرے فرشتوں سے بھرا ہوا ہے۔وہ میرے حضور سجدہ کرتے ہیں۔تو وہ دونوں فرشتے عرض کریں گے: اے اللہ! ہمیں اجازت فرما کہ ہم زمین میں سکونت اختیار کرلیں۔اللہ عزوجل فرمائے گا: میری زمیں میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے وہ میرے حضور سجدہ کرتے ہیں البتہ تم دونوں قیامت تک میرے بندے کی قبر پر کھڑے ہو جاؤ اور سبحان اللہ کہتے رہو، لا الہ الا اللہ پڑھتے رہو، اللہ اکبر کہتے رہو اور اس کا ثواب میرے بندہ کیلئے لکھدو"۔

جب اللہ عزوجل دونوں فرشتوں کو جن کو کراما کاتبین کہتے ہیں، اجازت فرما رہا ہے کہ قیامت تک میرے بندہ کی قبر پر کھڑے رہو اور سبحان اللہ، لا الہ اللہ اور اللہ اکبر پڑھتے رہو تو میرے بندہ کے نامہ اعمال میں اس کا ثواب درج کرتے رہو۔اگر قبر پر قرآن خوانی کیلئے حفاظ یا قراء یا عام لوگوں کو بٹھانا ازروئے شریعت مطہرہ جائز نہ ہوتا تو اللہ عزوجل نے فرشتوں کو قیامت تک قبر پر قیام کی اجازت عطا نہ فرماتا اور اگر قبر پر قرآن خوانی سے صاحب قبر کو نفع نہ پہنچتا تو اللہ عزوجل فرشتوں کو تسبیح وتہلیل وتکبیر پڑھنے کا حکم نہ دیتا۔چنانچہ یہ حدیث مبارک قبر پر قرآن خوانی کیلئے لوگوں کو بٹھانے پر قوی دلیل ہے۔تدبر وتفکر

۸ حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی شافعی متوفی 902ھ اپنی کتاب مستطاب القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع میں روایت کرتے ہیں:

وروی أن إمرأة جاءت إلی الحسن البصری فقالت له یا شیخ توفیت لی بنیة و أرید أن أراها فی المنام فقال لها الحسن صلی أربع رکعات واقرأی فی کل رکعة فاتحة الکتاب مرة سورة الهکم التکاثر مرة و ذلک بعد صلوة العشاء الآخرة ثم اضجعی و صلی علی النبی ﷺ حتی تنامی ففعلت ذلک فرءتها فی النوم وهی فی العقوبة والعذاب ۔ الخ۔ [1]

---

[1] ۔القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع ۔ص 131 ۔لاثانی کتب خانہ دو دروازہ سیالکوٹ

”اور روایت کیا گیا کہ ایک عورت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور آپ سے عرض کیا: اے شیخ! میری ایک بچی فوت ہو چکی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ خواب میں اس کو دیکھوں۔ تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عورت سے فرمایا: چار رکعت نماز نفل پڑھو اور ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ایک بار سورۂ الھا کم التکاثر پڑھو اور یہ عمل نماز عشاء کے بعد کرنا پھر لیٹ جانا اور سونے تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی رہنا۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا تو اپنی بیٹی کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ وہ عقوبت اور عذاب میں ہے اور اس پر کولتار کی مثل لباس ہے۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو ہتھکڑیاں لگی ہوئی ہیں اور پاؤں میں آگ کی زنجیر ہے جب وہ عورت خواب سے جاگی تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی اور آپ کو تمام واقعہ بیان فرمادیا تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جاؤ کوئی صدقہ کرو شاید کہ اللہ عزوجل اس کو معاف فرمادے۔ اسی رات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ محوخواب ہوئے تو دیکھا کہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بلند تخت دیکھا اور اس تخت پر ایک نہایت حسین وخوبصورت بچی دیکھی اور اس بچی کے سر پر نور کا تاج تھا تو اس بچی نے مجھے کہا اے حسن بصری رحمہ اللہ! آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تجھے نہیں جانتا۔ تو اس بچی نے عرض کیا: میں اس عورت کی بیٹی ہوں جس کو آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس بچی سے فرمایا کہ تمہاری والدہ نے تمہاری حالت اس حالت کے خلاف بیان کی تھی۔ تو بچی نے عرض کیا: معاملہ ایسے ہی تھا جیسا کہ میری والدہ نے بیان کیا۔ تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ! نے فرمایا تو پھر تم اس درجہ تک کیسے پہنچی؟ اس بچی نے عرض کیا اے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ! ہم ستر ہزار جانیں اس عقوبت وعذاب میں مبتلا تھیں جیسا کہ میری والدہ نے آپ سے بیان کیا تو ہماری قبروں پر ایک صالح مرد کا گزر ہوا تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں دیا اور اللہ عزوجل نے اس درود پاک کو اس مرد صالح کی طرف سے قبول فرمالیا اور ہم سب کو اللہ عزوجل نے اس صالح مرد کی برکت کی وجہ سے اس عقوبت وعذاب سے آزاد فرمادیا اور جو آپ دیکھ رہے ہیں اور مشاہدہ فرمارہے ہیں وہ

اس ثواب کا حصہ ہے، جو مجھے پہنچا۔

قارئین گرامی! جب قبرستان میں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ پر درود پاک پڑھنے کی برکت ہے جس کا ثواب ان ستر ہزار نفوس کو ملا کہ اللہ عزوجل نے ایک نیک و صالح آدمی کے درود پاک پڑھنے کی برکت سے ان سب کا عقاب و عذاب معاف فرما دیا اگر قبرستان میں ایک دفعہ درود پاک پڑھا جائے تو اس کا یہ حال ہے اور اگر قرآن مقدس کی تلاوت کی جائے جو درود پاک سے بالاتفاق افضل ہے تو جب کسی قبر پر قرآن پڑھا جائیگا تو اس کا ثواب ہوگا جس کی وجہ سے اللہ عزوجل صاحب قبور کی مغفرت و بخشش فرمائے گا تو اس سے ثابت ہوا قبر پر قرآن خوانی کرنا مستحسن ہے۔ اس سے صاحب قبور کو نفع پہنچتا ہے۔

9 علامہ سیوطی رحمہ اللہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

قال القرطبی وقد قیل إن ثواب القراۃ للقاری وللمیت ثواب الاستماع و لذلک تلحقه الرحمة قال اللہ تعالیٰ و إذا قرئ القرآن فاستمعوا له و أنصتوا لعلکم ترحمون۔ قال ولا یبعد فی کرم اللہ تعالیٰ أن یلحقه ثواب القرأۃ والاستماع معاً۔ ویلحقه ثواب مایهدی إلیه من القرأۃ وإن لم یسمع کالصدقة والدعاء۔[1]

"امام قرطبی (ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری اندلسی قرطبی متوفی 671ھ) نے فرمایا: البتہ کہا گیا ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب قاری کیلئے ہے اور میت کیلئے صرف سننے کا ثواب۔ اسی لیے میت پر رحمت ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ بعید نہیں کہ میت کو قرأت قرآن اور سننے ان دونوں کا ثواب ملے اور میت کو جو قرأت قرآن کا ثواب بخشا جاتا ہے وہ ملتا ہے اگرچہ وہ قرآن مقدس کی قرأت کو نہ سنے جیسا کہ صدقات اور دعا"۔

تو اس مسئلہ سے روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو گیا کہ حنفیہ اور شافعیہ بالاتفاق سماع موتی کے قائل ہیں مگر اختلاف صرف اس میں ہے کہ میت قرآن سنتی ہے کیا اس کے سننے والے کو ثواب ملتا ہے یا نہیں لیکن متاخرین شافعیہ کے نزدیک قبر پر قرآن پڑھنے والا جو اس کا

---

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور۔ ص 123 مطبوعہ مصر

ثواب میت کی روح کو ایصال کرتا ہے، وہ ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

۱۰ امام ابوبکر احمد بن محمد خلال بغدادی حنبلی متوفی 311ھ نے اپنی کتاب جامع علوم الامام احمد بن حنبل میں بروایت امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں:

کانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون عنده القرآن۔[1]

''عامر بن شراجیل شعبی روایت کرتے ہیں کہ جب انصار مدینہ منورہ میں کوئی فوت ہو جاتا تو انصار مدینہ اکٹھے ہو کر اس کی قبر کے پاس جاتے اور قرآن پڑھا کرتے تھے''۔

امام حافظ ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبد الرحمن مزی متوفی 724ھ عامر بن شراجیل شعبی کے متعلق لکھتے ہیں کہ امام شعبی فرماتے ہیں میں نے پانچ سو صحابہ کرام کو پایا ہے۔ سفیان بن عینہ فرماتے ہیں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چار لوگ تھے ان میں امام شعبی اپنے زمانہ میں افضل تھے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں امام شعبی جب کسی آدمی سے روایت کرے اور اس آدمی کا نام لے تو اس کی حدیث کو بطور دلیل اخذ کیا جائے۔[2]

چنانچہ یہ جلیل القدر امام روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے قبیلہ انصار کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا تو لوگ اس کی قبر پر جا کر قرآن پڑھتے۔ معلوم ہوا قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے۔

۱۱ حافظ شرویہ بن شہردار دیلمی متوفی 509ھ فردوس الاخبار میں روایت کرتے ہیں

عن علی بن ابی طالب من مر علی المقابر فقرأ قل هو الله أحد إحدى وعشرين مرة ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات۔[3]

''حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص قبروں پر گزرے اور سورۂ اخلاص اکیس مرتبہ پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو جتنے مردے اس قبرستان میں مدفون ہیں، ان کی تعداد کے مطابق اس کو ثواب عطا کیا جائیگا۔

۱۲ سید سعد اللہ حسینی رحمہ اللہ احوال الموتی میں نقل فرماتے ہیں:

---

[1] شرح الصدور للسیوطی ص 123۔ مطبوعہ مصر

[2] تہذیب الکمال فی اسماء الرجال جلد 5 ص 142 دار العلمیہ بیروت

[3] فردوس الاخبار للدیلمی جلد 4۔ ص 38 رقم الحدیث 5608 مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

وابونعیم و سعد بن علی الزنجانی فی فوائدہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب و قل ھو اللہ أحد و إلھکم التکاثر ثم قال إنی جعلت ثواب ماقرأت من کلامك لأھل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء لہ إلی اللہ تعالیٰ۔[1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص مقابر میں داخل ہو، پھر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ الہاکم التکاثر پڑھے پھر کہے میں نے جو تیرا کلام مقابر کے مومن مرد اور مومنہ عورتوں کیلئے پڑھا اس کا ثواب پیش کرتا ہوں تو وہ مقابر والے سب کے سب اللہ عزوجل کے حضور اس آدمی کیلئے شفیع ہونگے''۔

۱۳ صاحب احوال الموتی نقل فرماتے ہیں:

عبد العزیز صاحب الخلال بسندہ عن أنس رضی اللہ عنہ أنہ ﷺ قال من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰسین خفف اللہ تعالیٰ عنھم وکان لہ بعدد من فیھا حسنات۔[2]

صاحب خلال حافظ عبد العزیز نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جوشخص قبروں میں داخل ہو اور سورۃ یٰسین پڑھے اللہ عزوجل ان سے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے اور سورۂ یٰسین پڑھنے والے کیلئے جتنے اس قبرستان میں مدفون ہیں، ان کی تعداد کے برابر نیکیاں عطا فرماتا ہے۔

چنانچہ جملہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قبر پر قرآن پڑھنا جائز ہے اور جو قرآن پاک یا ذکر واذکار وغیرہ وہاں کیا جائے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو ایصال کیا جائے ان کو اس کا ثواب پہنچتا ہے اور ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور قبرستان میں قرآن پڑھنے والے کو جو قبرستان میں مدفون ہیں، ان کی تعداد کے مطابق نیکیاں ملتی ہیں۔ لہٰذا قبرستان میں جا کر قرآن

---

[1] ۔احوال الموتی۔ص 33۔ اتحاف للزبیدی جلد 10۔ص 373 تصویر بیروت شرح الصدور للسیوطی ص 123 مصر

[2] ۔احوال الموتی ص 33۔ فردوس الاخبار للدیلمی جلد 4، ص 108۔رقم الحدیث 5834، شرح الصدور للسیوطی ص 123 مصر

پاک پڑھنا چاہیے تاکہ اللہ عزوجل قرآن پاک کی برکت سے صاحب قبور پر رحمتوں اور برکتوں کا نزول فرمائے۔ لہٰذا اس موضوع کا اختتام بھی حدیث پر ہی کرتا ہوں۔

۱۴ صاحب شعب الایمان امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ نقل فرماتے ہیں:

عن عطاء بن ابی رباح سمعت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سمعت النبی ﷺ یقول إذا مات أحدکم فلا تجلسوہ وأسرعوا بہ إلی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ فاتحۃ الکتاب وعند رجلیھا بخاتمۃ البقرۃ فی قبرہ وفی روایۃ فاتحۃ البقرۃ وعند رجیلھا بخاتمۃ البقرۃ فی قبرہ۔ [1]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جب تم میں سے کوئی مرجائے تو اس کو نہ روکو اور اس کو قبر کی طرف جلدی لے کر جاؤ اور چاہیے کہ اس کے سر کے پاس فاتحۃ الکتاب اور اس کی قبر میں اس کے پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کی آخری آیت پڑھو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی موقوف روایت میں قبر میں اس کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی پہلی آیات اور پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کی آخری آیت تلاوت کرے۔

۱۵ عن عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج عن ابیہ قال قال لی ابی یا بنی اذا انا مت فالحدنی فإذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ ﷺ ثم سن علی الثری سنا۔ ثم اقرأ عند راسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمتھا عند الراس فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ذلک۔ [2]

''علاء ابن لجلاج اپنے باپ الجلاج (ابوالعلاء عامری) سے روایت کرتے ہیں حضرت علاء نے کہا مجھے میرے باپ (الجلاج ابوالعلاء عامری) نے مجھے کہا اے میرے بیٹے! جب میں مرجاؤں تو میری لحد بنانا اور جب تو مجھے میری لحد میں رکھ دے تو بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول

---

[1] شعب الایمان للبیہقی جلد 7 ص 16 رقم الحدیث 9194۔ احیاء الموتی ص 30۔ معجم کبیر للطبرانی جلد 12 ص 340۔ رقم الحدیث 13613

[2] طبرانی فی الکبیر جلد 19 ص 220 رقم الحدیث 491 دار احیاء التراث العربی بیروت احیاء الموتی ص 30۔ درمنثور جلد اول۔ ص 28

اللہ ﷺ کہنا۔ پھر مجھ پر نمناک مٹی آہستہ آہستہ گرانا پھر میرے دفن کے بعد سورۂ بقرہ کا اوائل اور اس کا آخر میرے سر کے پاس پڑھنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے"۔

قارئین گرامی! جہاں یہ آثار و احادیث قبر پر قرآن مقدس پڑھنے پر دلالت کرتے ہیں وہاں یہ ایصال ثواب کے جواز پر بھی دلالت کرتے ہیں، یعنی قرأت قرآن کا ثواب ان کی ارواح کو ایصال کیا جاتا ہے جو کہ میت کیلئے نافع ہے۔ چنانچہ ایصال ثواب کے بیان میں جو باب آئے گا اس میں یہ آثار و احادیث آئیں گی۔ اگر آپ کو حوالہ ضرورت ہو تو اس باب کی طرف رجوع کرنا۔ ان شاء اللہ آپ کو ان کے حوالہ جات مل جائیں گے اور جو ان کے علاوہ دیگر آثار و احادیث ہونگی، ان کو وہاں بالحوالہ نقل کیا جائیگا۔

کیا قبرستان میں قرآن مقدس لے کر جانا چاہیے یا نہیں؟

اول: ہمارے کچھ احباب فرماتے ہیں قبرستان میں قرآن پاک لے کر نہیں جانا چاہیے اس کی اصل کیا ہے؟ یہ تو انہیں ہی معلوم ہوگا۔ لیکن قرآن و حدیث لفظ میں قرأت مطلق ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ "والمطلق یجری علی اطلاقه والمقید یجری علی تقییده" یعنی مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے اور مقید اپنی تقیید پر جاری رہتا ہے۔ ہاں اگر کوئی قاعدہ صارفہ ہو جو مطلق کو مقید کر دے۔ اگر کوئی ایسا قاعدہ صارفہ ہمارے احباب کے پاس ہے تو وہ اس کو بیان فرمائیں۔

دوم: یہ کہ لفظ قرأت مطلق ہے خواہ نظر سے قرآن مقدس کی تلاوت کرے یا اس کو زبانی پڑھے۔ تو جب قبرستان میں قرآن پاک لے کر جانا جائز نہیں اور وہاں صرف زبانی ہی قرآن مقدس کی تلاوت کی جائے تو قبرستان میں قرآن پاک لے کر جانے کے خلاف کوئی عقلی یا شرعی دلیل ہونی چاہیے جو اس پر دلالت کرتی ہو کہ قبرستان میں قرآن لیکر جانا جائز نہیں۔ درآنحالیکہ قرأت قرآن کے اطلاق پر آیات قرآنی نصا اور اخبار صحیحہ دلالت کرتی ہیں اور قرأت قرآن کا اطلاق ایک حقیقت ہے اس کو تاویل کی طرف لے جانا اس کیلئے کسی استحالہ کی ضرورت ہے۔ آپ برائے مہربانی وہ استحالہ بیان فرمادیں تاکہ اس حقیقت کو تاویل کی طرف پھیر دیا جائے اور کسی

تاویل کی بنا پر حکم دیا جائے کہ قبرستان میں قرآن لیکر جانا جائز نہیں ہے۔

سوم: یہ کہ اگر آپ کے قول کو تسلیم کر لیا جائے تو کروڑہا مسلمان قبرستان میں تلاوت قرآن سے محروم رہ جائیں گے اور قبرستان میں قرآن مقدس کی تلاوت کرنا باعث نزول رحمت اور نافع میت ہے اور قبر پر قرآن مقدس کی تلاوت سے صاحب قبر کے عتاب وعذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ اگر آپ کے قول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کروڑوں لوگوں کے پیارے جو موت کی آغوش میں چلے گئے اور منوں مٹی کے نیچے مدفون ہیں، وہ قرأت قرآن کے نفع سے علی الاتفاق اور قرآن معظم کی سماعت سے علی الاختلاف محروم رہ جائیں گے اور بالاتفاق قبر پر قرآن پڑھ کر اس کا ثواب میت کو نفع پہنچاتا ہے اس پر اختلاف کا اجماع ہے اور حضرات شوافع کے نزدیک مردے کو حرف سننے کا ثواب ملتا ہے اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ آپ کے قول کے مطابق تو کروڑوں مسلمان قبرستان میں قبروں پر تلاوت سے محروم رہ جائیں گے جو اخبار صحیحہ کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل ہمیں سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

یہ بندہ ناچیز آپ کے اس قول کا دو وجہ سے رد کرتا ہے۔

اول یہ کہ قرآن پاک کو نظر سے پڑھنا افضل ہے بہ نسبت زبانی پڑھنے کے۔ آیئے اس کے متعلق ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں اور پھر شارحین نے حدیث کے تحت جو نقل فرمایا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب فضائل القرآن میں ایک باب باندھا ہے۔ وہ ہے: ''باب القرأۃ عن ظهر القلوب'' یعنی یہ باب زبانی قرآن پڑھنے کے بیان میں ہے، یعنی قرآن حکیم بغیر دیکھے پڑھنا۔ اس کے ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے، اس کا معنی پیش خدمت ہے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں اسلئے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی ہوں کہ میں اپنے نفس کو آپ کیلئے ہبہ کر دوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ پھر نظر نیچے جھکا دی اور پھر اپنے سر مبارک کو جھکا دیا۔ جب عورت نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں فرمارہے تو آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک صحابی کھڑا

ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ کو اس کی کوئی حاجت نہیں تو اس کا میرے ساتھ نکاح فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ چیز ہے؟ اس شخص نے عرض کیا۔ بخدا! یا رسول اللہ ﷺ! کچھ چیز نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو اگر چہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ شخص گھر گیا اور پھر واپس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بخدا لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں۔ لیکن یہ میرا تہبند ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کے پاس چادر بھی نہ تھی کہ وہ اس چادر کا نصف اس عورت کو دے دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اپنے تہبند کے ساتھ کیا کرے گا۔؟ اگر تو پہنے گا عورت پر کچھ چیز نہیں ہوگی اور اگر عورت پہنے گی تو تجھ پر کچھ چیز نہیں ہو گی۔ پھر وہ آدمی کافی دیر بیٹھا رہا۔ پھر وہ کھڑا ہوا! تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور جب وہ شخص واپس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ قرآن ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس فلاں فلاں سورت ہے اور ان سورتوں کو شمار کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو یہ سورتیں زبانی پڑھتا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ جو تمہارے پاس قرآن ہے اس کے عوض میں نے تم کو اس عورت کا مالک بنا دیا۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وقال ابن کثیر إن کان البخاری أراد هذا الحدیث الدلالة علی أن تلاوة القرآن عن ظهر القلب أفضل من تلاوته نظرا من المصحف ففیه نظر الخ۔[2]

"ابن کثیر نے کہا اگر امام بخاری (رحمہ اللہ) نے اس حدیث سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس حدیث کی دلالت اس پر ہے کہ تلاوت قرآن زبانی افضل ہے تو اس میں نظر ہے"۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، اس حدیث مبارک کا سیاق صرف یہی ثابت کرتا ہے کہ وہ شخص ان سورتوں کو زبانی یاد رکھتا ہے تاکہ وہ شخص اپنی بیوی کی تعلیم پر قادر ہو سکے اور مراد یہ نہیں کہ زبانی پڑھنا نظر سے پڑھنے سے افضل ہے یا کہ نہیں۔ اور دوم یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ

---

[1] ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد 9۔ ص 78۔ رقم الحدیث 5030۔ دار المعرفہ بیروت

[2] ۔ فتح الباری جلد 9 ص 78 حوالہ مذکور

قول "باب القراۃ عن ظہر القلب" سے مراد صرف زبانی پڑھنے کی مشروعیت واستحباب ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اکثر علماء کرام نے تصریح فرمائی کہ قرآن سے دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔

صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت رقمطراز ہیں:

ولم یضع هذه الترجمة إلا لبيان أفضلية القراءة نظرا وان كان فيه الاستثبات أيضا وهو لا ينافي الأفضلية أيضا على أنه ورد أحاديث كثيرة في هذا الباب۔

"علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمہ کو صرف دیکھ کر پڑھنے کی افضلیت کے بیان کیلئے وضع فرمایا ہے اگرچہ اس حدیث میں زبانی پڑھنے کا اثبات بھی ہے لیکن یہ اثبات افضلیت کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ اس باب (نظر سے پڑھنے) میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں"۔ وہ یہ ہیں:

عن عطاء بن يسار عن ابي سعيد الخدري مرفوعاً أعطوا عينكم حظاً من العبادة قالوا يا رسول الله ﷺ ما حظها من العبادة قال النظر في المصحف والتفكر فيه والاعتبار عند عجائبه۔

"عطاء بن یسار نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی آنکھوں کو عبادت سے حصہ دو۔ حاضرین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! عبادت سے آنکھ کا حصہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن مقدس میں نظر کرنا اور قرآن میں تفکر وتدبر کرنا اور قرآن کے عجائب سے عبرت حاصل کرنا"۔

یہ بندہ ناچیز اپنے احباب کی خدمت میں دست بستہ عرض کرتا ہے کہ اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا قرآن کو نظر سے پڑھنا عبادت ہے۔ اور اس عبادت کا آپ انکار فرما رہے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک آدمی کو اس عبارت سے متلذذ نہیں ہونا چاہیے۔

ما رواه ابو عبيد الله في فضائل القرآن من طريق عبيد الله بن عبد الرحمن عن بعض أصحاب رسول ﷺ رفعه قال فضل قراءة القرآن نظراً على من يقرءه ظهراً كفضل الفريضة على النافلة واسناده ضعيف و من طريق ابن مسعود رضي الله عنه

موقوفاً أديموا النظر في المصحف۔۔۔ واسناده صحيح۔

"اس حدیث کو ابو عبید نے فضائل قرآن میں عبید اللہ بن عبد الرحمٰن کے طریق سے روایت کیا اور حضرت عبید اللہ بن عبد الرحمٰن نے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے روایت کیا اور اس حدیث کو مرفوع کہا، یعنی آپ ﷺ نے فرمایا نظر سے قرآن پڑھنے والے کی فضیلت اس شخص پر جو زبانی پڑھتا ہے ایسے ہی ہے جیسے نماز فرض پڑھنے والے کی فضیلت نفلی نماز پڑھنے والے پر۔ اور اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق سے موقوفاً روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ نے فرمایا: ہمیشہ نظر سے قرآن پڑھو۔ اور اس حدیث کی اسناد صحیح ہے"۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن مقدس کو دیکھ کر پڑھنا چاہیے اور نظر سے قرآن پڑھنے والے کی فضیلت ایسی ہے جیسا کہ وہ نماز فرض پڑھ رہا ہے اور جو زبانی پڑھنے والا ہے ایسے ہے جیسے وہ نماز نفل پڑھ رہا ہے۔ اب فیصلہ آپ کی عدالت میں ہے کیا نظر سے قرآن پاک پڑھنا چاہیے کہ نہیں۔

قال يزيد بن حبيب من قرء القرآن في المصحف خفف عن والديه العذاب وإن كان كافرين۔ (رواه ابن وضاح)

"یزید بن حبیب نے فرمایا: جس شخص نے قرآن کو دیکھ کر پڑھا اس کے والدین کے عذاب میں تخفیف کی جائیگی اگر چہ وہ کافر ہونگے"۔

اب آپ بتائیں کیا ہمیں اپنے والدین کی قبر پر جا کر نظر سے قرآن پاک پڑھنا چاہیے کہ زبانی پڑھنا چاہیے کیونکہ یزید بن حبیب کا قول اس بات کا متقاضی ہے کہ اگر والدین کافر بھی ہونگے تو نظر سے قرآن خوانی کے صدقہ ان کے عذاب میں بھی تخفیف ہوگی اور اگر والدین مسلمان ہیں تو نظر سے ان کی قبر پر قرآن پڑھنا نور علیٰ نور ہے[1]۔

اور جہاں تک قرآن مقدس کو حفظ کرنے کا تعلق ہے تو اس کے شرف اور قدر و منزلت

---

[1] ۔عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 20 ص 47-46 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری جلد 11 ص 351 ۔رقم الحدیث 5030

میں کسی کو ذرا بھر بھی شبہ نہیں کہ قرآن مقدس کو اپنے سینے میں محفوظ کرنا کتنے اجر وثواب کا استحقاق رکھتا ہے۔

صاحب تفسیر قرطبی فرماتے ہیں:

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من قرء القرآن واستظهره وحفظه أدخله الجنة وشفعه فی عشرة من أهل بيته قد وجبت له النار۔ [1]

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قرآن پاک کو حفظ کیا اور اس کی حفاظت کی اللہ عزوجل اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کے اہل خانہ میں سے ان دس افراد کے حق میں شفاعت قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے''۔

چنانچہ قرآن پاک کا حفظ کرنا باعث شرف اور اپنے گھر والوں کیلئے ذریعہ نجات ہے۔ لیکن موضوع ہے قرآن مقدس کی قرأت نہ کہ حفظ قرآن بلکہ حافظ قرآن کو بھی قرآن مقدس کی تلاوت آنکھوں سے دیکھ کر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس میں دوگنا ثواب ملے گا ایک تلاوت قرآن کا اور دوسرا اس کو نظر سے پڑھنے کا۔ کیونکہ قرآن پاک کو نظر سے پڑھنا بھی عبادت ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومن حيث المعنى أن القرأة فی المصحف أسلم من الغلط۔ [2]

''یعنی معنی کی حیثیت سے قرآن پاک کو دیکھ کر پڑھنا غلطی سے محفوظ رکھتا ہے''۔

معلوم ہوا اگرچہ کوئی حافظ قرآن بھی ہو تو بھی وہ قرآن کی تلاوت نظر سے دیکھ کر کرے کیونکہ اس سے حافظ قرآن جو غلطیاں قرآن میں ہو جاتی ہیں ان سے محفوظ رہتا ہے۔

وجہ دوم:۔ یہ کہ جب قرآن پاک کا شیرازہ بکھر جائے اور اس کے اوراق خستہ ہو جائیں اور وہ قرآن پاک قابل تلاوت نہ رہ جائے تو اس کو دفن کرنا ہی افضل واولیٰ ہے۔ اگر بقول بعض قرآن

---

[1] تفسیر قرطبی جلد اول ص 10 تفسیر نیشاپوری علی حاشیہ تفسیر طبری جلد اول ص 7۔ مسند امام احمد جلد اول ص 152

[2] ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد 9 ص 78 دار المعرفہ بیروت

مقدس کا قبرستان میں لے کر جانا کسی وجہ سے جائز نہیں تو پھر جب اس کا شیرازہ بکھر جائے اور تلاوت کے قابل نہ رہے تو قرآن پاک قبرستان میں دفن بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جب اولاً وہ قرآن مقدس قابل تلاوت تھا تو اس کو قبرستان لے کر جانا جائز نہ تھا تو مآلاً اس قرآن مقدس کو قبرستان میں دفن کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ حالانکہ حضرات علمائے کرام نے یہ نص بیان فرمائی ہے جب قرآن پاک بوسیدہ ہو جائے اور قابل تلاوت نہ رہے تو اس کو قبرستان میں دفن کرنا ہی اولیٰ ہے۔

إن الدفن ليس فيه اخلال بالتعظيم لأن أفضل الناس يدفنون و فى الذخيرة المصحف إذا صار خلقا و تعذر القراءة منه لايحرق بالنار - إليه أشار محمد رحمه الله وبه نأخذ ولايكره دفنه وينبغى أن يلف بخرقة طاهرة ويلحد له لأنه لو شق و دفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه و فى ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف - غواص البحرين على هامش۔[1]

یعنی قرآن پاک کے دفن کرنے میں اس کی تعظیم میں کوئی خلل نہیں اس لئے کہ افضل لوگ بھی دفن ہی کئے جاتے ہیں۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ قرآن پاک بوسیدہ ہو جائے اور اس قرآن سے پڑھنا مشکل ہو جائے تو اس قرآن پاک کو آگ میں نہ جلایا جائے اور اس کی طرف امام محمد رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا: اور ہم احناف کا حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہی عمل ہے۔ اور قرآن پاک کو دفن کرنا مکروہ نہیں اور چاہیے کہ قرآن پاک کو پاک کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹا جائے اور قرآن کیلئے لحد بنائی جائے۔ اگر صرف زمین کو شق کیا اور قرآن پاک کو اس شق میں دفن کیا گیا تو اس پر مٹی ڈالنے کی حاجت باقی رہے گی اور اس طرح کے دفن میں ایک قسم کی قرآن کی تحقیر ہے۔ ہاں! اگر اس شق پر چھت ڈال دیا جائے تو پھر صحیح ہے۔

تو اس عبارت سے واضح یہ ہو رہا ہے کہ جیسے مردہ کیلئے لحد تیار کی جاتی ہے اور اس پر سیمنٹ کی بنی ہوئی پٹریاں رکھ دی جاتی ہیں یا اس لحد پر اینٹیں لگا دی جاتی ہیں تا کہ میت مٹی سے محفوظ رہے اگر ایسے ہی میت پر مٹی ڈال دی جائے تو یہ بہت تحقیر ہے اس طرح جو قرآن پاک بوسیدہ ہو جائے اور اس کی تلاوت مشکل ہو اس کو بھی لحد تیار کر کے جیسے میت کو دفن کیا جاتا ہے

---

[1]۔ جامع الرموز جزء سوم ص 327 مطبوعہ مکتبہ الاسلامیہ گنبد قابوس ایران

قرآن کو بھی ایسے دفن کیا جائے۔

صاحب درمختار امام حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

الکتب الذی لا ینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ وملئکتہ ورسلہ وتحرق الباقی ولا بأس بأن تلقی فی ماء جار کما ھی أو تدفن وھو أحسن کما فی الأنبیاء۔[1]

''اور وہ کتب جن سے نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا ان کتب میں اللہ عزوجل اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کے نام مٹا دیئے جائیں اور باقی کتب کو جلا دیا جائے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ یہ کتب ہیں ان کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے یا ان کتب کو دفن کر دیا جائے اور یہ کام بہت اچھا ہے جیسا کہ انبیاء میں ہے''۔

اس کے تحت صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

قولہ کما فی الأنبیاء کذا فی غالب النسخ وفی بعضھا کما فی الأشباہ لکن عبارۃ المجتبیٰ والدفن أحسن کما فی الأنبیاء والأولیاء إذا ماتوا وکذا جمیع الکتب إذا بلیت وخرجت عن الانتفاع بھا۔ اھ۔ یعنی أن الدفن لیس فیہ إخلال بالتعظیم لأن أفضل الناس یدفنون وفی الذخیرۃ المصحف إذا صار خلقا وتعذر القرأۃ منہ لا یحرق فی النار إلیہ أشار محمد وبہ ناخذ ولا یکرہ دفنہ وینبغی أن یلف فی خرقۃ طاھرۃ ویلحد لہ لوشق ودفن یحتاج إلی إھالۃ التراب علیہ وفی ذلک نوع تحقیر إلا إذا جعل فوقہ سقف[2]

''صاحب درمختار کا قول جیسا کہ انبیاء میں ہے۔ غالب نسخوں میں اسی طرح ہے اور بعض نسخ میں کمافی الاشباہ ہے لیکن مجتبیٰ کی عبارت یہ ہے کہ دفن کرنا بہت اچھا ہے جیسا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرات اولیائے کرام رحمہم اللہ جب وصال فرما جائیں تو ان کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی طرح تمام کتب جب بوسیدہ ہو جائیں اور وہ کتب انتفاع سے نکل جائیں یعنی دفن کرنے میں بسبب تعظیم کوئی خلل نہیں اس لئے کہ افضل لوگ بھی دفن کئے جاتے ہیں اور ذخیرہ میں ہے قرآن مقدس جب بوسیدہ ہو جائے اور اس قرآن سے تلاوت کرنا متعذر ہو جائے تو اسکو

---

1. درمختار بامش ردالمحتار جلد 5 ص 299
2. ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ جلد 5 ص 299 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

آگ میں نہ جلایا جائے۔ اس کی طرف امام محمد رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہمارا عمل ہے اور قرآن پاک کو دفن کرنا مکروہ نہیں اور چاہیے کہ پاک کپڑے کے ایک ٹکڑے میں اس کو لپیٹا جائے اور قرآن کیلئے لحد بنائی جائے اس لئے کہ کسی نے صرف زمین کو شگاف کیا اور دفن کر دیا تو اس پر مٹی ڈالنے کی احتیاج باقی ہے اور اسی طرح دفن کرنے میں ایک طرح کی تحقیر پائی جاتی ہے ہاں اگر اس شگاف پر چھت ڈال دی جائے۔

شارحین حدیث اور علماء وفقہاء کی منصوصات سے ثابت ہے۔ قرآن پاک کو قبرستان میں لے کر جانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی کوئی شرعی ایسا استحالہ ہے جس سے ثابت ہو کہ قرآن مقدس قبرستان میں لے کر جانا خلاف شریعت اور سوئے ادب ہے اور جن کا یہ عقیدہ ہے تو ''فعلیہ الدلیل'' صرف کتب غیر معتبرہ وضعیفہ سے کوئی حوالہ پیش کرنا راجح نہیں بلکہ کتب معتبرہ کی نقل جو راجح اور مختار ہے، وہ پیش کی جائے اور نہ ہی کسی قیاس کی ضرورت ہے کیونکہ اصل ہو تو قیاس کی ضرورت باقی نہیں اور حضرات علماء کرام کے نزدیک غیر معتبر اور جن کتب کے مصنفین غیر مشہور ہیں، ان پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن پاک کو جب وہ بوسید ہو جائے تو دفن کرنا ہی افضل ہے تو یہ قرآن معظم کے قبرستان میں لے کر جانے کی قوی دلیل ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چنانچہ اس مسئلہ کا تعلق ایصال ثواب سے ہے لہذا ایصال ثواب کے متعلق حضرات احناف کا کیا عقیدہ ہے اس کو بھی بیان کرنا ضروری ہے تاکہ اہل سنت کو یہ معلوم ہو کہ علمائے احناف کے نزدیک کونسی عبارات کا ثواب ہم میت کے روح کو ایصال کر سکتے ہیں اور وہ کونسی عبادات ہیں جن کا ثواب ہم میت کی روح کو ایصال نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں احناف اور شوافع میں اختلاف ہے جو کتب مذہب کی منقولات سے آپ پر واضح ہو جائے گا۔ واللہ یھدی الی سبیل الرشاد

❀❀❀❀❀

ایصال ثواب کا بیان

ایصال ثواب کا معنی ہے کہ ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں ان پر جو ثواب ملتا ہے وہ ثواب میت کی روح کو ایصال کرنا یا اس کے لئے مغفرت و بخشش کی دعا کرنا ہے، یہ سب ایصال ثواب میں آتا ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

والأصل فیہ أن الإنسان أن یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوۃ أو صوماً أو صدقۃ أو قرأۃ قرآن أو ذکراً أو طوافاً او غیر ذلک عند أصحابنا للکتاب والسنۃ - أما الکتاب فقولہ تعالیٰ و قل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا و إخبارہ تعالیٰ من ملئکۃ یقولہ و یستغفرون للذین امنوا۔ الخ

خواہ اس کا وہ عمل نماز ہو یا روزہ، صدقہ ہو یا قرأت قرآن کوئی ذکر وغیرہ ہو یا طواف یا اس کی مثل اور کوئی نیک عمل ہمارے اصحاب کے نزدیک اس کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے اور یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔ و قل رب الرحمھما کما ربیانی صغیرا۔[1]

''اور عرض کر اے میرے رب! تو دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا''۔

اس آیہ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا جائز اور فائدہ پہنچانے والی ہے۔ مردوں کو ایصال ثواب میں بھی ان کیلئے دعائے مغفرت ہوتی ہے، لہذا ایصال ثواب کیلئے یہ آیت مبارکہ اصل ہے۔

آیت دوم: الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویؤمنون بہ و

[1] سورۂ بنی اسرائیل آیت 24

یستغفرون للذین آمنو ربنا وسعت کل شئی رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم۔[1]

اور جو عرش اٹھائے ہیں اور جو ان کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے اور اس پر ایمان لاتے اور مسلمانوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اے رب! ہمارے تیری رحمت وعلم میں ہر چیز کو سمائی ہے تو انہیں بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے اے ہمارے رب! اور انہیں بسنے کے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور ان کو جو نیک ہوں ان کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں بیشک تو ہی عزت وحکمت والا ہے اور انہیں گناہوں کی شامت سے بچالے۔

اس آیت مبارکہ میں وہ فرشتے جو حاملین عرش ہیں جو اصحاب قرب اور ملائکہ میں اشرف وافضل ہیں اور وہ فرشتے جو عرش کا طواف کرنے والے ہیں انہیں کروبی کہتے ہیں، یہ سب فرشتے مومنوں کیلئے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور مردوں کیلئے بھی بطور ایصال ثواب دعائے مغفرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ آیہ مبارکہ بھی ایصال ثواب میں اصل ہے۔

تیسری آیت مبارکہ: والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخوننا الذین سبقونا بالایمان الخ[2]

"اور وہ جو ان کے بعد آئے (یعنی مہاجرین وانصار کے اور علماء مفسرین کے نزدیک اس میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمان داخل ہیں) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

یعنی قیامت تک ہر مسلمان جو ان سے پہلے مسلمان گزر چکے ان کیلئے مغفرت کی دعا کرے چنانچہ دعائے مغفرت کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری ہے ہر بعد میں آنے والا مسلمان اپنے پہلے مسلمان جو اس دنیا سے چلا گیا، اس کیلئے مغفرت کی دعا کرے یہ عین ایصال ثواب ہے جو کہ قرآن سے ثابت ہے جس کی طرف صاحب البحر الرائق نے اشارہ فرمایا کہ ایصال ثواب قرآن

---

[1] سورۃ مومن آیت 8-7

[2] سورۃ حشر آیت 10

سے بھی ثابت ہے اور سنت سے بھی۔

اس کے بعد صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

وأما السنة فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين ضحى بكبشين فجعل أحدهما عن أمته وهو مشهور تجوز الزيادة به على الكتاب و منها ما رواه ابوداؤد اقرءوا على موتاكم يس ۔ فتعين أن لايكون قوله تعالىٰ "وأن ليس للإنسان إلا ما سعى" على ظاهره[1]

"رہی سنت تو اس سلسلے میں احادیث بہت زیادہ ہیں ان میں ایک حدیث جو صحیحین (یعنی بخاری و مسلم) میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو بکروں کی قربانی دی تو ان میں سے ایک بکرے کی قربانی اپنی امت کی طرف سے دی اور یہ حدیث مشہور ہے اور اس حدیث مشہور کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادت جائز ہے۔ اور ان احادیث میں سے وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا کہ اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو بندہ ناچیز نے (احادیث و آثار سے قبر پر قرآن مقدس پڑھنے کا بیان) میں کافی احادیث نقل کی ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں قرآن و سنت سے متعین ہو گیا کہ اللہ عزوجل کا یہ قول "أن ليس للإنسان إلا ما سعى" اپنے ظاہر پر نہیں۔ ان شاء اللہ اس آیت مقدسہ کے متعلق فتح القدیر کے حوالہ سے کچھ عرض کروں گا اور حضرات علمائے ربانیین نے فرمایا ایصال ثواب کے متعلق احادیث اتنی کثرت میں ہیں کہ ہو سکتا ہے یہ حدیث حد تواتر تک پہنچ جائے جس کا انکار سراپا ضلالت و گمراہی ہے۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

وظاهر إطلاقهم يقتضي انه لافرق بين الفرض والنفل۔ حوالہ مذکورہ ص 60

اور حضرات علماء کرام کا ظاہر اطلاق تقاضا کرتا ہے کہ عبارت فرض اور نفل کے درمیان کوئی فرق نہیں، یعنی عبادت خواہ وہ فرض ہو یا نفل اس کا ثواب میت کی روح کو ایصال کرنا جائز ہے اور فرض و نفلی عبادت میں کچھ فرق نہیں لیکن صاحب رد المحتار نے منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں اس کی مخالفت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] بحر الرائق شرح کنز الدقائق جز سوم ص 59 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

قوله وظاهر إطلاقهم يقتضي أنه لافرق الخ - هم يرتضه المقدسي في الرمزحيث قال وأما جعل ثواب فرضه لغيره فمحتاج إلى نقل - اه. قلت رأيت في شرح تحفة الملوك قيده بالنافلة حيث قال يصح أن يجعل الإنسان ثواب عبادته النافلة لغيره صوماً أوصلاة أوقرأة القرآن أوصدقة أوالأذكار أوغيرها من أنواع البر- الخ[1]

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صاحب البحر الرائق کا یہ قول کہ حضرات علماء کرام کے نزدیک ظاہر اطلاق کا تقاضا کرتا ہے کہ ایصال ثواب میں عبادت فرض اور نفل میں کوئی فرق نہیں، علامہ مقدسی متوفی 1004ھ نے البحر الرائق کے حاشیہ رمز میں صاحب البحر الرائق کے اس قول کو پسند نہیں فرمایا اور جواب دیا کہ اپنے فرض کا غیر کو ثواب دینا یہ محتاج نقل ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں میں نے تحفۃ الملوک کی شرح میں دیکھا انہوں نے ایصال ثواب کو نافلہ عبادت کیساتھ مقید فرمایا ہے اور کہا صحیح یہی ہے کہ انسان اپنی نافلہ عبادت کا غیر کو ثواب دے خواہ وہ روزہ ہو، نماز ہو یا قراۃ قرآن ہو یا صدقہ یا اذکار یا ان کے علاوہ دیگر نیکی کی اقسام۔ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عنقریب ایک مسئلہ میں اس کا جواب آئیگا۔ مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کا احرام باندھا اور ان میں سے ایک کو معین کرلیا تو صحیح ہے کہ وہ اس حج کا ثواب اس کو دے۔ اسلئے کہ حج تو حج کرنے والے سے واقع ہوا ہے جس کی وجہ سے حج کرنے والے کا حج فرض ساقط ہو جائیگا اور مراد میں یہ صریح ہے یعنی نفلی حج کا غیر کو ثواب ملے گا اور فاعل کا حجِ فرض ساقط ہو جائیگا۔

صاحب فتح القدیر کمال الدین ابن ہمام شارح ہدایہ فرماتے ہیں:

"قوله عند أهل السنة والجماعة "ليس المراد أن المخالف لما ذكر خارج عن أهل السنة والجماعة فإن مالكا والشافعي رحمهما الله لا يقولان بوصول العبادات البدنية محضة كالصلوة والتلاوة بل غيرها كالصدقة والحج بل المراد أن أصحابنا لهم كمال الاتباع أولتمسك ماليس لغيرهم فعبر عنهم باسم أهل السنة فكأنه قال عند أصحابنا غير أن لهم وصفا عبر عنهم به وخالف في كل العبادات المعتزلة وتمسكوبقوله

---

[1] منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق جز سوم ص 60 باب الحج عن الغیر

تعالیٰ۔ وأن لیس للإنسان إلا ما سعیٰ وقد ثبت مایوجب المصیر إلی ذلک وهو ما رواه المصنف ومافی لصحیحین أنه ﷺ ضحی بکبشین أملحین أحدهما عن نفسه والآخر عن أمته۔ الخ۔[1]

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں صاحب ہدایہ کا قول کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک (اگر کوئی عبادات بدنیہ اور مالیہ کا ثواب غیر کو دیتا ہے تو ان کا ثواب ان کو پہنچتا ہے) صاحب فتح القدیر اہل سنت و جماعت سے مراد یہ نہیں کہ جو مخالف مذکور ہے (یعنی امام مالک وشافی رحمہا اللہ) وہ اہل سنت جماعت سے خارج ہے اس لئے کہ امام مالک اور شافعی رحمہا اللہ محض عبادات بدنیہ کے علاوہ دیگر عبادات مالیہ جیسے صدقہ وحج وغیرہ کا ثواب ہی دوسرے کو ملتا ہے عبادات بدنیہ کا نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت سے مراد ہمارے وہ اصحاب ہیں جن کا کمال اتباع اور تمسک ہے اس چیز کے ساتھ جو دوسروں کیلئے نہیں ہے چنانچہ اپنے اصحاب کو اہل سنت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے تو گویا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہمارے اصحاب کے نزدیک سوائے اس بات کے کہ ان کے لئے ایک وصف ہے جس وصف کے ساتھ ان کو تعبیر کیا گیا اور معتزلہ نے تمام عبادات میں مخالفت کی ہے۔ یعنی معتزلہ کے نزدیک کسی عبادت کا بھی ثواب وہ دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ معتزلہ نے اللہ عزوجل کے اس فرمان أن لیس للإنسان الا ما سعیٰ سے استدلال کیا ہے یعنی انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔

صاحب فتح القدیر اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں بلاشبہ یہ آیت مبارکہ ظاہر ہے جو معتزلہ نے کہا لیکن یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہو یا اس کے اطلاق کو مقید کر دیا گیا ہو اور جو چیز اس آیت مبارکہ کے اطلاق کو مقید کرتی ہے اس کا یہ وجوب ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی جس وجوب سے یہ آیت مبارکہ مقیدہ ہے اور یہ وجوب وہ ہے جس کو مصنف نے روایت کیا اور وہ جو صحیحین میں ہے آپ ﷺ نے سیاہ وسفید رنگ والے دو بکرے قربانی دیے ان میں سے ایک اپنی ذات کی طرف سے اور دوسرا بکرا اپنی امت کی طرف سے۔ اور سنن ابن ماجہ میں بسند ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما

---

[1] فتح القدیر جلد سوم باب الحج عن الغیر۔ ص 66-65 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب قربانی دینے کا ارادہ فرماتے تو آپ ﷺ دو بکرے خرید فرماتے جو بڑے اور پلے ہوئے اور سینگوں والے، سفید و سیاہ رنگ والے اور خصی کئے ہوئے ہوتے۔ ان میں سے ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے جنہوں نے اللہ عزوجل کی وحدانیت کی شہادت دی اور آپ کیلئے تبلیغ کرنے "وشھد له بالبلاغ" سے امت دعوت خارج ہوگئی صرف امت اجابت باقی رہ گئی اور اس حدیث کو امام احمد، حاکم، طبرانی سے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ حافظ ابونعیم نے "حلیۃ الاولیاء" میں ترجمہ ابن مبارک میں عبداللہ بن مبارک سے یحییٰ بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو بکروں کی قربانی دی جو سینگوں والے، سیاہ اور سفید رنگ والے اور خصی کئے ہوتے تھے پھر ان دونوں کو قبلہ کی طرف منہ کر کے لٹایا تو یہ آیت مبارکہ "انی وجھت وجھی الخ" پڑھی اے اللہ! تیرے لئے اور تجھ سے محمد (ﷺ) اور ان کی امت کی طرف سے۔ باسم اللہ واللہ اکبر پھر آپ ﷺ نے ان کو ذبح فرمایا اور اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور کہا شرط مسلم پر یہ حدیث صحیح ہے اور ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ کے پاس دو بکرے لائے گئے جو سیاہ و سفید رنگ والے تھے موٹے تازے، سینگوں والے اور خصی کئے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے ایک کو لٹا دیا اور فرمایا "باسم اللہ واللہ اکبر" اے اللہ! یہ محمد (ﷺ) اور ان کی آل کی طرف سے پھر دوسرے بکرے کو لٹایا اور فرمایا "بسم اللہ واللہ اکبر" اے اللہ! یہ محمد (ﷺ) کی امت کی طرف سے ہے جنہوں نے تیری توحید کی شہادت دی اور میری تبلیغ کی شہادت دی اور اسی طرح اسحٰق اور ابویعلی نے اپنی مسندوں میں اس حدیث کو روایت کیا اور اسی معنی میں حضرت ابورافع سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور اس حدیث کو امام احمد، اسحٰق، طبرانی اور بزار نے بھی روایت کیا اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری کی حدیث کو امام حاکم نے "فضائل" میں روایت کیا اور حضرت ابوطلحہ انصاری کی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور ابن ابی شیبہ کے طریق سے اس حدیث کو ابویعلی اور طبرانی نے روایت کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ابن ابی شیبہ نے اور دارقطنی نے روایت کیا اور ترمذی نے ان صحابہ کرام رضوان

اللہ علیہم اجمعین سے روایت کیا اور ترمذی سے ان صحابہ کے اسمائے گرامی بھی نقل فرمائے۔

حضرت علی، عائشہ، ابو ہریرہ، جابر، ابوایوب، ابوالدرداء، ابورافع، ابن عمر اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم۔[1]

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: اس حدیث کو ان صحابہ کرام سے تخریج کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ دور نہیں کہ یہ حدیث قدر مشترک ہو اور قدر مشترک یہ ہے نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی دی۔ یہ حدیث مشہور ہے۔ اور حدیث مشہور کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادت جائز ہے، یعنی کتاب اللہ کے اطلاق کو اس حدیث کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو ایصال کرے گا تو یہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ ہم کتاب اللہ کی طرف دیکھیں یا احادیث کی طرف۔

1. إن رجلا سأله ﷺ فقال كان لى أبوان أبرهما حال حياتهما فكيف لى ببرهما بعد موتهما فقال له ﷺ إن من البر بعد الموت أن تصلى لهما مع صلاتك و تصوم لهما مع صيامك۔[2]

"ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا اور عرض کیا: میرے والدین تھے میں زندگی کی حالت میں ان کی خدمت کرتا تھا تو اب میں ان کے مرنے کے بعد کیسے ان کی خدمت کروں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص سے مرنے کے بعد ان کی خدمت کرنا یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کیلئے نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کیلئے روزہ بھی رکھو یعنی ان کو ایصال ثواب کیلئے نفلی نماز پڑھو اور نفلی روزہ رکھو گویا کہ تو نے ان کی وفات کے بعد بھی ان کی خدمت کی"۔

2. عن علی رضی اللہ عنہ ﷺ أنه قال من مر على المقابر وقرء قل هو الله أحد إحدى عشرة مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطى من الأجر بعدد الأموات۔[3]

---

[1] جامع ترمذی رقم الحدیث 1494

[2] سنن دار قطنی

[3] فردوس الاخبار للدیلمی جلد 4، ص 38 رقم الحدیث 5608 مکتبۃ الشریعہ سانگلہ ہل

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبروں کے پاس سے گزرا اور اس نے سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھی پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دیا اس شخص کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائیگا''۔

۳ عن أنس رضی اللہ عنہ أنہ سألہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنہم وندعولہم فہل یصل ذلک إلیہم قال نعم أنہ لیصل إلیہم وأنہم لیفرحون بہ کما یفرح أحدکم بالطبق إذا أھدی إلیہم۔ [۱]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کیا یہ ان کو پہنچتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کو ان کا ثواب پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی خوش ہوتا ہے اس طشتری کی وجہ سے جب اس میں کوئی چیز رکھ کر ان کی طرف بھیجی جائے''۔

۴ عن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ ﷺ اقرءوا ''یٰسین'' علی موتاکم۔ [۲]

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں پر سورۃ یٰسین پڑھو''۔

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: یہ آثار اور جو آثار ان سے قبل گزر چکے ہیں (یعنی آپ ﷺ کا امت کی طرف سے قربانی کرنا) اور اس کی مثل جو اور احادیث ہیں جن کو ہم نے طوالت کی وجہ سے ترک کیا یہ سب کے درمیان قدر مشترک ہونے کی وجہ سے تواتر کو پہنچ چکے ہیں۔ اور قدر مشترک یہ ہے جس شخص نے نیک اعمال میں سے کوئی چیز دوسرے کو دی اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کو نفع عطا فرمائے گا اور اسی طرح قرآن معظم میں والدین کیلئے دعا کا حکم اللہ عزوجل کا خبر دینا کہ فرشتے مومنوں کیلئے استغفار کرتے ہیں تو یہ نص غیر کے عمل کے ساتھ حصول

---

[۱] رواہ ابو حفص الکبیر العکبری۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد 8 ص 222 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[۲] سنن ابی داؤد ص 457، رقم الحدیث 3121

انتفاع میں قطعی ہے تو یہ نص اس ظاہر آیت کے خلاف ہے جس سے معتزلہ نے استدلال کیا اس لئے کہ آیت کا ظاہر یہ ہے کسی کو کسی کیلئے کسی وجہ سے بھی استغفار نفع نہیں دیتا۔ تو ہم نے نص قطعی سے اس آیت کریمہ کے ظاہر کو منتفی کر دیا اور اس آیت کو تقیید کی طرف پھیر دیا کہ عامل جو عمل دوسرے کو ہبہ نہ کرے گا اس کو نہیں پہنچے گا اور اگر عامل نے اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو بخش دیا تو یہ اس کو نفع پہنچائے گا۔

دوم: یہ کہ آیت مبارکہ ''أن لیس للإنسان إلا سعی'' منسوخ ہے اور اس کی ناسخ سورۂ طور کی یہ آیت مقدسہ ہے:

والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بإیمان ألحقنا بھم ذریتھم۔ الخ [1]

''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور ان کے عمل میں بھی کچھ کمی نہ کی سب آدمی اپنے کئے میں گرفتار ہیں''۔

صاحب تفسیر قرطبی نے اس آیت کریمہ کے تحت ایک حدیث نقل فرمائی ہے، وہ یہ ہے:

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس أظنه عن النبی ﷺ قال إذا دخل الرجل الجنة سأل عن ابویه و زوجته و ولده فیقال إنھم لم یبلغوا درجتك و عملك فیقول یا رب قد عملت لی ولھم فیؤمر بإلحاقھم به و قرأ ابن عباس والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بإیمان۔ إلی آخر الآیه: [2]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، یعنی یہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی جنت میں داخل ہو جائیگا تو وہ اپنے والدین، بیوی اور اپنی اولاد سے متعلق پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں تو اس سے کہاں جائیگا کہ وہ تیرے درجہ اور عمل تک نہیں پہنچ سکے (لہٰذا ان کا درجہ تجھ سے نیچے ہے) وہ بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب! تحقیق میں نے اپنے لئے اور ان کیلئے عمل کیا تھا۔ تو فرشتے کو حکم دیا جائیگا کہ اس کے والدین، بیوی اور اولاد کو اس کے ساتھ ملادو۔ تو

---

[1] ۔ سورۂ طور آیت 21

[2] ۔ معجم کبیر للطبرانی جلد 11 ص 349 رقم الحدیث 12248

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی ''والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان'' الی آخر الآیہ۔

تو اس آیت مبارکہ اور حدیث مبارک سے معلوم ہوا اس بندہ مومن کے نیک عمل نے دوسروں کو نفع پہنچایا اور ہمارے اہل سنت و جماعت کا بھی یہی مذہب ہے کہ ہم جو بھی نیک عمل کر کے اس کا ثواب میت کی روح کو ایصال کرتے ہیں یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے اور میت کو نفع دیتا ہے ۔جیسا کہ قرآن پاک کی آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہے اور حدیث مبارک سے بھی ثابت ہے لہٰذا جس آیت مبارکہ سے معتزلہ نے استدلال کیا وہ آیت مبارکہ منسوخ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صاحب شرح عقائد نسفی سعد الملۃ والدین سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی 791ھ فرماتے ہیں:

وفی دعاء الأحیاء للأموات أوصدقتھم ای صدقۃ الأحیاء عنھم ای عن الأموات نفع لھم ای للأموات خلافا للمعتزلۃ بأن القضاء لایتبدل وکل نفس مرھونۃ بما کسبت والمرء مجزی بعملہ لا بعمل غیرہ ولنا ماورد فی الأحادیث من الدعاء للأموات الخ۔[1]

''زندہ کا مردوں کیلئے دعا کرنا یا زندہ لوگوں کا مردوں کی طرف سے صدقہ کرنا مردوں کو نفع دیتا ہے۔ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ کہ قضاوقدر تبدیل نہیں کی جاسکتی اور ہر جان جو اس نے عمل کیا اس میں گرفتار ہے اور آدمی اپنے عمل کے عوض ہی جزا دیا جائیگا نہ کہ غیر کے عمل کی وجہ سے ۔اور ہماری دلیل جو احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ مردوں کیلئے دعا کرنی چاہیے بالخصوص نماز جنازہ میں دعا جو سلف سے متوارثا آرہی ہے۔ اگر مردوں کیلئے اس دعا میں کوئی نفع نہ ہوتا تو یہ دعا بے معنی ہوتی ۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان عالیشان جس میت پر ایک سو مسلمان نماز جنازہ پڑھیں اور وہ سب میت کیلئے اللہ کے حضور سفارش کریں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کی جائیگی اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ام سعد فوت ہو چکی ہے تو کونسا صدقہ افضل ہے؟

---

[1] ۔شرح عقائد نسفی علی حاشیہ نظم الفرائد۔ص 250۔ مطبع انوار محمدی

آپ ﷺ نے فرمایا: پانی۔ تو حضرت سعد بن عبادہ نے کنواں کھدوایا اور کہا: یہ کنواں ام سعد کا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دعا مصیبتوں کو رد کرتی ہے اور صدقہ اللہ عزوجل کے غضب کو کافور کردیتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عالم اور متعلم جب کسی گاؤں پر سے گزرتے ہیں تو اللہ عزوجل اس گاؤں کے قبرستان والوں سے چالیس دن کیلئے عذاب اٹھالیتا ہے"۔

آخر میں صاحب شرح عقائد نسفی فرماتے ہیں اس باب میں بے شمار آثار واحادیث

ہیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ ملا علی قاری فقہ اکبر کی شرح میں فرماتے ہیں:

إن دعاء الأحياء للأموات و صدقتهم عنهم نفع لهم فى علو الحالات خلافاً للمعتزله تمسكا بأن القضاء لا يتبدل وكل نفس مرهونة بما كسبت والمرء مجزى بعمله لا بعمل غيره۔ وأجيب بأن عدم تبدل القضاء بالنسبة الى الموق لاينافى دعاء الأحياء لهم فإن ذلك النفع بدعاء يجوز أن يكون بالقضاء۔ الخ۔[1]

"زندوں کی دعا مردوں کیلئے اور زندوں کے صدقات مردوں کی طرف سے مردوں کیلئے حالات کی بلندی میں نافع ہیں۔ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے دلیل پکڑتے ہوئے کہ قضا متبدل نہیں ہوتی اور ہر جان جو اس نے عمل کیا، اس میں گرفتار ہے اور آدمی کو صرف اپنے عمل کی ہی جزا دی جائیگی نہ غیر کے عمل کی"۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مردوں کے حوالے سے قضا نہ بدلنا ان کے حق میں زندوں کی دعا کے منافی نہیں یہ بھی ہوسکتا ہے مردوں کے لئے زندوں کی دعا بھی قضا کے مطابق ہو اور زندوں کو مردوں کیلئے دعا کی توفیق عطا فرمائی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دعا دنیا میں اپنے کسب عمل کی وجہ سے ہو اور اس کی جزا کی مثل وہ مردہ اس دعا کا مستحق ہو تو اس اعتبار سے قیامت میں وہ اپنے ہی عمل کی جزا دیا جائیگا حالانکہ احادیث صحیحہ میں مردوں کیلئے دعا کرنا وارد ہوا ہے بالخصوص نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا کرنا اور یہ دعا اسلاف سے متوارث آرہی ہے اور اخلاف کا اس پر اجماع ہے اور اگر دعا میں مردوں کیلئے نفع نہ ہوتا تو یہ دعا عبث ہوتی (اور عبث حرام) بلکہ

---

[1] شرح فقہ اکبر ص 157-156۔ مطبع حنفی 1219ھ

قرآن مثل اللہ عزوجل کے فرمان کے "رب ارحمهما كما ربيني صغيرا" اے رب! دونوں پر رحم فرما جیسا کہ بچپن میں ان دونوں نے میری پرورش کی اور اللہ عزوجل کا فرمان۔ "رب اغفرلی والدی ولمن دخل بیتی مومنا والمومنین والمومنات" اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور اس شخص کو بھی جو مومن ہونے کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اور سب مردوں اور مومنہ عورتوں کو بخش دے۔ اللہ عزوجل کا فرمان: "ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالایمان" عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے"۔

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سعد فوت ہو چکی ہے تو کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ پانی ہے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا اور فرمایا یہ کنواں ام سعد کا ہے۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور نسائی نے تخریج کیا۔

لیکن جس حدیث کا شرح عقائد نسفی میں ذکر ہے کہ عالم اور متعلم جب کسی گاؤں پر سے گزریں تو اللہ تعالیٰ چالیس دن اس گاؤں کے قبرستان سے عذاب اٹھالیتا ہے، علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں: حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ علامہ قونوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل سنت وجماعت کے نزدیک اس کی اصل یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو دے۔ وہ عمل نماز یا روزہ ہو یا حج اور صدقہ یا ان کے علاوہ دیگر نیک اعمال۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو صرف صدقہ اور عبادات مالیہ میں جائز رکھا ہے، یعنی عبادات مالیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور جب قبر پر قرآن پڑھا جائے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک میت کو صرف سننے کا ثواب ملتا ہے اور قرأت قرآن کا ثواب میت کو نہیں ملتا۔ اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نماز، روزہ اور جملہ طاعات و عبادات بدنیہ اور غیر مالیہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اور آپ کے جملہ اصحاب کے نزدیک یہ جائز ہے اور ان سب کا (خواہ عبادات بدنیہ ہوں یا عبادات مالیہ) ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ عزوجل کے فرمان "ان

لیس للإنسان إلا ما سعیٰ" اور نبی کریم ﷺ کے فرمان "إذا مات ابن آدم انقطع عمله الحدیث" سے استدلال فرمایا۔ علامہ ملا علی قاری جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کا فرمان تو ہماری دلیل ہے۔ اسلئے کہ جو شخص اپنے عمل کا ثواب غیر کو بطور ہدیہ بھیجتا ہے وہ اس غیر کی طرف ایصال ثواب میں کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اس آیت مبارک کے مطابق ہدیہ بھیجنے والے کیلئے ہے جو اس نے کوشش کی ہے اور اس کی سعی (کوشش) صرف غیر کو ثواب پہنچانا ہے۔ لہٰذا یہ آیت مبارکہ ہماری دلیل ہے نہ کہ ہمارے خلاف دلیل ہے۔ رہی حدیث مبارک تو یہ اس کے انقطاع عمل پر دلالت کرتی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ موت سے آدمی کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ کلام صرف غیر کی طرف ثواب پہنچنے میں ہے اور میت کی طرف ثواب پہنچانے والا اللہ عزوجل کی ذات ہے اس لئے کہ میت بنفسہ نہیں سنتی اور قرب و بعد اللہ عزوجل کی قدرت کے ہاں برابر ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فرمان پاک "أدعونی أستجب لکم" مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا تو کسی عمل کا ثواب پہنچانے والی اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ تو اگرچہ بوجہ موت اس کا عمل منقطع ہو چکا لیکن جو کوئی شخص اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچاتا ہے تو اس کا موصل اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

صاحب ردالمحتار علامہ ابن العابدین شامی فرماتے ہیں:

صرح علمائنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره۔ صلوۃ أو صوماً أو صدقة أو غیرها کذا فی الهدایة بل فی التتار خانیة عن المحیط الأفضل لمن یتصدق نفلاً أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لأنها تصل إلیهم ولا ینقص من أجره شیئ الخ[1]

"ہمارے علماء نے غیر کی طرف سے حج کے باب میں تصریح فرمائی ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے، وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل۔ اسی طرح ہدایہ میں ہے اور تتارخانیہ میں محیط سے ہے جو شخص نفلی صدقہ کرے اسکے لئے افضل یہ ہے سب مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کی نیت کرے اسلئے کہ وہ صدقہ ان کو

---

[1] ردالمحتار، کتاب الجنائز۔ مطلب فی القراءۃ للمیت جلد اول۔ ص 666

پہنچتا ہے اور صدقہ دینے والے کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ مذہب اہل سنت وجماعت کا ہے۔ لیکن امام مالک وشافعی رحمہا اللہ نے محض عبادات بدنیہ میں سے استثناء فرمائی ہے، مثل نماز اور تلاوت قرآن۔ چنانچہ امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ بخلاف دوسری عبادات کے جیسے صدقہ وحج وغیرہ کیونکہ ان کا تعلق عبادات مالیہ سے ہے۔ اور معتزلہ کے نزدیک تمام عبادات کا ثواب خواہ وہ عبادات بدنیہ ہوں یا عبادات مالیہ میت کو نہیں پہنچتا۔ اور ایصال ثواب کا تمام بیان فتح القدیر میں ہے۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں: امام شافعی رحمہ اللہ سے جو بیان گزر چکا ان سے مشہور قول یہی ہے (کہ عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا) اور متاخرین شافعیہ نے اس کے متعلق جو تحریر کیا وہ یہ ہے کہ جب میت موجود ہو تو اس کو قرأت پہنچتی ہے یا قرأت قرآن کے بعد میت کیلئے دعا کرے اگرچہ میت حاضر نہ ہو اس لئے کہ محل قرأت اس سے رحمت وبرکت نازل ہوتی ہے اور قرأت کے بعد دعا کرنا قبولیت کیلئے زیادہ پر امید ہے۔ اس قول کا مقتضا یہ ہے کہ مراد صرف قرأت کے ساتھ میت کا نفع حاصل کرنا ہے نہ کہ میت کو قرأت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی لئے شافعیہ نے دعا میں یہ اختیار کیا ہے کہ اے اللہ! جو میں نے پڑھا فلاں کو اس کو مثل ثواب پہنچا اور ہمارے نزدیک جو چیز میت کو پہنچنے والی ہے وہ نفس ثواب ہے یعنی شافعیہ نفس قرأت کا ثواب پہنچاتے ہیں اور ہمارے نزدیک قرأت کا جو ثواب ملتا ہے اس نفس ثواب کو ہم میت کی طرف پہنچاتے ہیں۔

البحر الرائق میں ہے: جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ وغیرہ کیا اور اس کا ثواب دوسرے کو ایصال کیا خواہ جن کو ثواب ایصال کیا جا رہا ہے وہ مردہ ہوں یا زندہ ہوں، یہ ایصال ثواب جائز ہے اور اہل سنت وجماعت کے نزدیک ان عبادات کا ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ اور اسی طرح بدائع میں ہے۔ پھر صاحب البحر الرائق نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ اس کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ جس کو ثواب پہنچایا جا رہا ہے وہ مردہ ہو یا زندہ۔ اور ظاہر ہے اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ اس ثواب کی نیت غیر کیلئے فعل کے وقت کرے یا اس فعل کو اپنے ثواب کیلئے کرے پھر اس کے بعد اس کا ثواب غیر کو پہنچائے۔ اس لئے کہ حضرات علمائے کرام کا کلام مطلق ہے (یعنی

عبادات بدنیہ اور مالیہ کا ثواب غیر کو پہنچتا ہے) اور اس میں فرض اور نفل کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں (یعنی عبادت خواہ فرض ہو یا نفل اس کا ثواب غیر کو پہنچتا ہے) اور جامع الفتاویٰ میں ہے کہ بعض علماء نے فرمایا: فرائض میں یہ جائز نہیں اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان عبادات کا ثواب جو میت کو پہنچایا جاتا ہے وہ کامل ملتا ہے یا اس ثواب کے حصے ہوتے ہیں مثلاً نصف ثواب یا ثواب کا چوتھائی حصہ۔ بعض کہتے ہیں میت کو نصف ثواب یا چوتھائی ثواب بخشنا صحیح ہے۔ جیسا کہ اس پر امام احمد رحمہ اللہ کی نص ہے اور اس نص سے کوئی چیز مانع بھی نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کی توضیح اس طرح فرمائی کہ اگر کسی نے تمام ثواب چار آدمیوں کی طرف بخشا تو ان میں سے ہر ایک کو ثواب کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اسی طرح اگر کسی نے ایک کو چوتھائی حصہ ثواب بخشا اور باقی اپنے لئے باقی رکھا تو جائز ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے قبر والوں کیلئے فاتحہ پڑھی کیا اس کا ثواب مردوں کے درمیان تقسیم کیا جائیگا یا ان میں سے ہر مردہ کو کامل ثواب ملے گا؟ تو علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ایک جماعت نے دوسرے قول کے ساتھ فتویٰ دیا (یعنی ہر مردہ کو کامل ثواب ملے گا اس کی تقسیم نہیں ہوگی) اور یہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق ہے۔

علامہ بدالدین عینی "بنایہ" شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

(والأصل في هذا الباب) أي في باب الحج عن الغير (أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره) خلافا للمعتزلة فإنهم قالوا ليس للإنسان ذلك لأن الثواب هو الجنة وهي لله تعالى ولا يجوز تمليك ملك الغير۔ سوف يجيئي الرد عليهم (صلوة) يعني سواء كان فعل ثواب عمله لغيره صلوة (أو صوما أو صدقة أو غيرها) كالحج وقرأة القرآن والأذكار وزيارة القبور الأنبياء والشهدا والأولياء والصالحين وتكفين الموتى وجميع أنواع البر والعبادة مالية كالزكوة والصدقة والعشور والكفارات ونحوها أو بدنية كالصوم والصلوة والاعتكاف وقرأة القرآن والذكر والدعا أو مركبة كالحج والجهاد الخ۔ [1]

"صاحب ہدایہ کا قول (اس باب میں اصل) یعنی غیر کی طرف سے حج کرنے کے

---

[1] بنایہ شرح ہدایہ باب الحج عن الغیر جلد 4 صفحہ 466 دار الکتب العلمیہ بیروت

باب میں (بے شک انسان کیلئے یہ جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے دے) معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں: انسان کیلئے یہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ ثواب جنت ہے اور یہ جنت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ہے اور غیر کے ملک کا مالک بنانا جائز نہیں اور عنقریب ان پر اس کا رد آئے گا۔ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو دے وہ نماز ہو (یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل) مثل حج، قرأت قرآن، اذکار، انبیاء، شہداء اور اولیاء صالحین کی قبور کی زیارت اور مردوں کو کفن پہنانا اور نیکی کی جملہ اقسام اور عبادات، خواہ وہ عبادت مالیہ ہو جیسے زکوۃ، صدقہ، عشر وغیرہ اور کفارات اور ان کی مثل دیگر عبادات مالیہ یا عبادات بدنیہ مثل روزہ، نماز، اعتکاف اور قرأت قرآن، ذکر اور دعا یا وہ عبادت بدنیہ اور مالیہ سے مرکب ہو جیسے حج اور زکوۃ۔ ان تمام عبادات اور نیک اعمال کا ثواب دوسرے کو ایصال کرنا جائز ہے۔ اور جب کسی شخص نے عمل کیا اور جو اس نے عمل کیا اس کا ثواب ابتدا سے لے کر انتہا تک دوسرے کو پہنچتا ہے اور اس ثواب سے وہ نفع حاصل کرتا ہے خواہ جس کی طرف ثواب بھیج رہا ہو وہ زندہ ہو یا مردہ۔ اور امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما منع فرماتے ہیں کہ مردوں کی طرف قرآن کا ثواب پہنچے۔ اور عبادت مالیہ کے علاوہ نماز، روزہ اور جمیع طاعات وعبادات کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اور امام مالک وشافعی رحمہما اللہ عبادات مالیہ میں اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ان دونوں پر رد ہے جس کو دار قطنی نے روایت کیا۔

إن رجلا سأل رسول الله ﷺ فقال كان لى ابوان أبرهما حال حياتهما فكيف لى برهما بعد موتهما فقال له عليه الصلوة والسلام إن من البر أن تصلى لهما مع صلاتك وأن تصوم لهما مع صيامك

”ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میرے والدین تھے۔ ان کی زندگی میں ان کی خدمت کرتا تھا تو ان دونوں کی وفات کے بعد میں کیسے ان کی خدمت کروں؟ تو آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: خدمت میں سے یہ بھی ہے تم اپنی نماز کے ساتھ ان کیلئے بھی نماز پڑھو (یعنی نفلی نماز) اور اپنے روزہ کے ساتھ ان کیلئے بھی روزہ رکھو۔ (یعنی نفلی روزہ)“۔

وعن على ابن ابى طالب أن النبى ﷺ قال من مر على المقابر فقرء ”قل هوا

لله أحد" إحدى عشرة مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطى من الأجر بعدد الأموات۔ [1]

''حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبروں پر سے گزرے اور سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو مردوں کی تعداد کے برابر اس کو ثواب ملے گا''۔

یہ حدیث پہلے بھی گزر چکی ہے وہاں اس کا حوالہ دیکھیں۔

وعن أنس رضي الله عنه أن رجلا سأل رسول الله وقال يا رسول الله ﷺ إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعو لهم فهل يصل ذلك إليهم فقال نعم إنه ليصل إليهم ويفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه۔ [2]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کیلئے دعا مانگتے ہیں کیا اس عمل کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جیسا کہ تم میں سے کوئی اس طشتری کی وجہ سے خوش ہوتا ہے جب اس طشتری میں کوئی چیز رکھ کر اس کی طرف ہدیہ کی جائے''۔

یہاں علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ سے اس حدیث مبارک میں تسامح واقع ہوا ہے، کیونکہ آپ نے یہاں سائل ایک مرد قرار دیا ہے حالانکہ سائل خود حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے خود عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔

وعند ابن ماكولا من حديث ابراهيم بن حبان عن ابيه عن جده، عن انس رضي الله عنه أنه قال سألت رسول الله ﷺ فقلت ۔۔۔ الخ۔ [3]

تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے والے خود حضرت انس

---

[1] ۔ رواہ دار قطنی فی سننہ

[2] ۔ رواہ ابو حفص الکبیر۔ اتحاف السادۃ المتقین للزبیدی جلد 10 ص 371

[3] ۔ عمدۃ القاری جلد 8۔ ص 222 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ کسی اور مرد نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔ فافہم وتدبر

وعن معقل بن یسار قال قال رسول اللہ ﷺ اقرؤا علی موتاکم سورۃ یٰسین۔ [1]

''حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو''۔

وروی الحافظ اللالکائی فی ''شرح السنۃ'' عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال یموت الرجل ویدع ولدا فترفع لہ الدرجات فیقول ماھذا یارب فیقول سبحانہ وتعالی استغفار ولدك

''حافظ لالکائی نے شرح السنۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آدمی مرجاتا ہے اور اولاد پیچھے چھوڑ جاتا ہے چنانچہ اس مرنے والے شخص کے درجات بلند ہوں گے تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرمائے گا: تیری اولاد کا استغفار۔

وذکر عبد الحق صاحب ''الأحکام'' فی العاقبۃ عن رسول اللہ ﷺ الغریق ینتظر دعوۃ تلحقہ من ابنہ وأخیہ أو صدیق لہ فإذا لحقتہ کان أحب من الدنیا وما فیھا

''صاحب ''احکام'' عبدالحق نے ''عاقبۃ'' میں ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے: غرق ہونے والا دعا کا انتظار کرتا ہے۔ اگر وہ دعا اپنے بیٹے اور بھائی یا اپنے دوست سے مل جائے تو وہ دعا کرنے والا اس کو دنیا ومافیہا سے محبوب ہوتا ہے''۔

وفی العاقبۃ أن یصاد بن غالب قال رأیت رابعۃ العدویۃ العابدۃ فی المنام وکنت کثیر الدعاء لھا فقالت یا بشر ھدیتك تأتینا فی طباق من نور علیھا منا دیل الحریر وھکذا یأتینا دعاء الأحیاء إذا دعوا لإخوانھم الموتی فاستجیب لھم ویقال ھذا ھدیۃ فلان إلیك۔

''اور ''عاقبۃ'' میں ہے کہ یصاد بن غالب نے کہا: میں نے خواب میں عابدہ رابعہ

---

[1] سنن ابی داؤد ص 457۔ رقم الحدیث 3121

عدویہ کو دیکھا درآنحالیکہ میں ان کیلئے بہت زیادہ دعا کرتا تھا۔ تو حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ نے فرمایا: ''اے بشر!'' تمہارا ہدیہ میرے پاس نور کی طشتریوں میں آتا ہے جن پر حریر کے رومال ہوتے ہیں اور اسی طرح ہمارے پاس زندوں کی دعا آتی ہے جب وہ اپنے مردہ بھائیوں کیلئے دعا کرتے ہیں تو ان کی دعا کو قبول کرلیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے یہ فلاں کا تمہاری طرف ہدیہ ہے''۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ چیز جو اس پر دلالت کرتی ہے (کہ زندوں کی دعاؤں سے مردوں کو نفع ملتا ہے) کہ تمام مسلمان ہر عصر اور زمانہ میں جمع ہوتے ہیں اور قرآن پاک پڑھتے ہیں اور اپنے مردوں کو اس کا ثواب بخشتے ہیں۔ ہر مذہب سے اہل صلاح و دیانت خواہ وہ مالکیہ میں سے ہوں یا شافعیہ میں سے یا ان کے علاوہ دیگر، اسی پر ہیں کہ زندوں کی دعاؤں سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے اور کسی انکار کرنے والے نے اس کا انکار نہیں کیا، چنانچہ یہ اجماع ہے۔

ضروری نوٹ: علامہ بدرالدین عینی نے فرمایا: عبدالحق صاحب ''الاحکام'' یہ شیخ ابومحمد عبدالحق بن عبدالرحمن ازدی اشبیلی متوفی 582ھ ہیں، ان کی کتاب کا نام ہے ''الاحکام الکبریٰ فی الحدیث''

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے معتزلہ کے اس آیت مبارکہ ''أن لیس للإنسان إلا ما سعیٰ'' کے استدلال پر اس آیت مبارکہ کے متعلق آٹھ حوالہ جات نقل فرمائے۔

۱ یہ آیت مبارکہ اللہ عزوجل کے اس فرمان ''والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم'' سورۂ طور آیت 21 کے ساتھ منسوخ ہے کہ اللہ عزوجل نے آباء کے نیک عمل کی وجہ سے ابناء کو جنت میں داخل فرمایا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

۲ یعنی صحف ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام میں ہے ''أن لا تزر وازرۃ وزر أخریٰ'' وأن لیس للإنسان إلا ما سعیٰ بوجہ عطف کے۔ چنانچہ یہ دونوں آیات گرامی ان کے صحیفوں میں ان کے ساتھ ہی مختص ہیں لیکن امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم جو وہ عمل کرے یا اس کیلئے کوئی دوسرا عمل کرے، صحیح ہے، یہ قول عکرمہ کا ہے۔

۳ اس آیت مبارکہ میں انسان سے مراد کافر ہے۔ لیکن مومن اس کے لئے جو وہ کوشش کرے یا اس کیلئے جو کوشش کی جائے، یہ قول ربیع بن انس بن فضل کا ہے۔

۴ اس آیت مبارکہ میں ''ما سعیٰ'' بمعنی ''ما نویٰ'' ہے، یہ قول ابوبکر وراق کا ہے۔

۵ اس آیت مبارکہ کا معنی یہ ہے کہ کافر انسان کیلئے خیر میں سے کچھ نہیں۔ہاں جو اچھا عمل اس نے دنیا میں کیا، دنیا ہی میں اس کو ثواب دے دیا جائیگا۔

٦ اس آیہ مبارکہ میں ''للانسان'' میں حرف لام بمعنی ''علی'' ہے یعنی انسان پر وہی ہو گا جو اس نے کوشش کی۔

۷ ''لیس'' ہاں اسباب مختلف ہیں۔کبھی بنفسہ کسی چیز کے حاصل کرنے میں اس کی کوشش ہوتی ہے اور کبھی کسی سبب کی وجہ سے کوئی چیز حاصل ہوتی ہے۔اسلئے کہ اس کا بیٹا یا دوست اللہ عزوجل سے استغفار کرتا ہے جس سے اس کو یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔اور کبھی کبھی وہ دین اور عبادت کی خدمت میں کوشش کرتا ہے تو اس کیلئے اہل دین وصلاح کی محبت لکھ دی جاتی ہے۔چنانچہ یہ سبب بن جاتا ہے جو اس کی سعی کے سبب حاصل ہوتا ہے۔یہ قول ابو الفرج بن جوزی کا ہے اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے قول چہارم نقل نہیں فرمایا یا تو لغزش قلم ہے یا خود علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تسامح واقع ہوا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

الرابع ''لیس للإنسان إلا ما سعی'' من طریق العدل فأما من باب الفضل فجائز أن یزیدہ اللہ ماشاء قالہ الحسین بن الفضل۔[1]

اور چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ ''ان لیس للانسان إلا ما سعی'' عدل کے طریق میں سے ہے لیکن باب فضل تو جائز ہے کہ انسان کو زیادہ عطا فرمادے جو وہ چاہے اور یہ قول حسین بن فضل کا ہے۔

ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی مواہب اللدنیہ میں اور علامہ عبد الباقی زرقانی مواہب کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

صاحب مواہب کا قول: وقد اختلف العلماء فی ثواب القرأۃ ھل تصل للمیت فذھب الاکثرون إلی المنع وھو المشھور من مذھب الشافعی۔

''حضرات علماء کرام کا قرأت کے ثواب میں اختلاف ہے۔کیا قرأت کا ثواب میت

---

[1] ۔مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد 4 ص 82 مکتبہ امدادیہ ملتان

کو پہنچتا ہے؟ تو اکثر منع کی طرف گئے ہیں (یعنی قرأت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا) اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں یہی مشہور ہے۔

اس کے تحت علامہ عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لکن المحققون من متاخری مذهبه علی الوصول أی وصول مثل ثواب القاری للمیت و المنع علی معنی وصول عین الثواب الذی للقاری أو علی قرأته لا بحضرة المیت ولا بنیة القاری ثواب قرأة أو نواه ولم یدع۔

"لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے متاخرین محققین کا مذہب یہ ہے کہ قرأت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، یعنی جیسے میت کیلئے پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے اور جو منع کرنے والے ہیں وہ اس معنی پر ہیں کہ عین ثواب نہیں پہنچتا وہ ثواب تو قاری کو ملتا ہے۔ یا قاری کو اس کی قرأت پر ملتا ہے نہ ہی میت کی موجودگی میں اس کو ثواب پہنچتا ہے اور نہ ہی قاری کی نیت سے کہ اس کی قرأت کا ثواب میت کیلئے ہے۔ یا قاری کی قرأت پر جو ثواب مرتب ہوتا ہے وہ ثواب اس میت کو ملے گا۔ یا میت کی نیت کی اور اس کیلئے دعا نہیں کی"۔

ان سب صورتوں میں میت کو قرأت قرآن کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ قرآن پاک سماعت کرنے والے کا ثواب ملے گا۔ معلوم ہوا ایصال ثواب میں تو احناف اور شوافع کے درمیان اختلاف ہے لیکن میت کے سماع پر سب متفق ہیں کہ مردہ سنتا ہے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں:۔ "ومالک" یعنی جس طرح امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ میت کو قرأت کا ثواب نہیں پہنچتا اور بعینہٖ یہی مذہب امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔

اس کے تحت علامہ عبدالباقی زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لکن قال الإمام ابن رشد فی نوازله أن قرأ ووهب ثواب قرأته لمیت جاز۔ وحصل للمیت أجره و صل إلیه نفعه وقال ابو عبد الله الابی إن قراء ابتداء بنیة المیت وصل إلیه ثوابه کالصدقة والدعاء وإن قرأثم وهبه له لم یصل لأن ثواب القراءة للقاری لاینتقل عنه إلی غیره الخ۔

"لیکن امام ابن رشد مالکی نے اپنی کتاب "نوازل" میں کہا اگر کسی نے قرآن پڑھا

اور قرآن کی قرأت کا ثواب میت کو بخش دیا جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب حاصل ہوگا اور میت کی طرف اس کا نفع پہنچے گا۔ اور ابو عبد اللہ الابی نے کہا: اگر کسی نے ابتداءً میت کی نیت کر کے پڑھا تو اس قرآن کی قرأت کا ثواب میت کو پہنچے گا جیسے کوئی میت کیلئے صدقہ کرتا ہے یا اس کیلئے دعا کرتا ہے۔ اگر کسی نے قرآن پاک پڑھ لیا تو پڑھنے کے بعد اس قرآن کی قرأت کا ثواب میت کو بخشا تو یہ ثواب میت کو نہیں پہنچے گا۔ اس لئے کہ قرآن کی قرأت کا ثواب قاری کیلئے ہے اور وہ ثواب قاری سے دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوگا"۔

علامہ شہاب قرافی مالکی فرماتے ہیں: اصل چیز یہ ہے کہ مردوں کو قرآن کے قرأت کی برکت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ کسی نیک آدمی کے حضور دوسرے لوگوں کو دفن کیا جائے۔ یا اس آدمی کو صالحین کے حضور دفن کیا جائے جس طرح ان کو ایک دوسرے سے برکت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اگر کسی میت کی قبر پر قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرأت سے میت کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ علامہ شہاب قرافی فرماتے ہیں: میت کیلئے قرآن پڑھنا اس کے وصول میں علماء کا اختلاف ہے لیکن قرأت قرآن کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ شاید کہ حق یہی ہو کہ قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہو کیونکہ یہ معاملہ ان امور میں سے ہے جو ہم سے غائب ہیں۔ حکم شرعی میں تو کوئی اختلاف نہیں (یعنی قرأت قرآن) اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ کیا اس طرح واقع ہو سکتا ہے یا نہیں۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ونقل عن جماعة من الحنفية وقال كثير من الشافعية والحنفية يصل وبه قال أحمد بن حنبل بعد أن قال القراة على الميت بدعة۔

"یعنی ایک جماعت حنفیہ سے منقول ہے اور بہت سارے شافعیہ اور حنفیہ نے کہا کہ قرآن کی قرأت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل یہ کہنے کے بعد کہ میت پر قرأت بدعت ہے، کہتے ہیں کہ میت کو قرأت قرآن کا ثواب پہنچتا ہے"۔

امام زرقانی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اصل مذہب یہی ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس کے بعد امام قسطلانی شافعی فرماتے ہیں:

بل نقل عن الإمام احمد يصل إلى الميت كل شئي من صدقة وصلوة وحج و اعتكاف وقرأة وذكر وغير ذلك۔

"بلکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ میت کی طرف ہر چیز پہنچتی ہے خواہ وہ صدقہ ہو، نماز، حج، اعتکاف، قرأۃ قرآن اور ذکر۔ اس کے علاوہ مثل دعا وغیرہ یعنی ان سب عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے"۔

اس کے بعد امام زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كالدعاء له فقد صح خبر ان الله يرفع درجة العبد في الجنة باستغفار ولده له

"مثل میت کیلئے دعا کرنا تحقیق خبر صحیح یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جنت میں بندے کا درجہ بلند فرماتا ہے (اس کی وجہ یہ ہے) اس کی اولاد اس کیلئے بخشش کی دعا کرتی ہے"۔

حضرت علامہ قسطلانی شافعی فرماتے ہیں:

وذكر الشيخ شمس الدين بن القطان العسقلاني أن وصول ثواب القرأة إلى الميت من قريب أو أجنبي هو الصحيح۔

"شیخ شمس الدین بن قطان عسقلانی نے ذکر کیا کہ میت کی طرف قرأت قرآن کا ثواب قریب سے ہو یا اجنبی کی طرف یہ ثواب پہنچنا صحیح ہے"۔

امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں متاخرین شافعیہ کے نزدیک یہی معتمد ہے۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جیسا کہ میت کی طرف سے صدقہ میت کو نفع دیتا ہے اور میت کیلئے دعا اور استغفار اس کو نفع پہنچاتے ہیں ایسے ہی قرأت قرآن کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اور میت کو نفع ہوتا ہے، اس پر اجماع ہے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں: وہ اجماع جو ہمیشہ رہنے والا ہے، اسلئے کہ صریح احادیث کثیرہ اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

امام قسطلانی شافعی رحمہ اللہ کی تصریح سے ثابت ہوا کہ متاخرین شافعیہ عبادات بدنیہ کے ایصال ثواب کے قائل ہیں اور اسی طرح امام زرقانی مالکی رحمہ اللہ کے قول سے ثابت ہوا کہ مالکیوں کے نزدیک بھی عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو ملتا ہے۔ چنانچہ امام قسطلانی شافعی اور امام

عبدالباقی زرقانی کی تصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ تمام آئمہ مذہب کے نزدیک میت کو عبادات بدنیہ کا بھی ثواب پہنچتا ہے جیسا کہ عبادات مالیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔[1]

اس کے بعد سورۂ نجم کی آیت مبارکہ "ان لیس للانسان الا ما سعٰی" کے متعلق جو صاحب تفسیر طبری اور مظہری قاضی ثناء اللہ عثمانی متوفی 1225ھ نے نقل فرمایا، وہ پیش خدمت ہے۔ آپ نے اس کے متعلق زیادہ تر احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں۔ یہ بندہ حقیر ہر ممکن کوشش کریگا کہ ان احادیث و آثار کے حوالہ جات نقل کئے جائیں۔ لیکن یہ کام ذرہ مشکل ہے لہٰذا جو حوالہ جات میسر ہو سکے وہ ضرور پیش کروں گا۔ ورنہ صاحب تفسیر مظہری کی نقل ہی حوالہ تصور فرمائیں۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

أی إلا سعیہ یعنی کما لا یؤخذ أحد بذنب غیرہ لا یثاب بفعل غیرہ أیضا عطف علی "أن لا تزر" کلا الحکمین کانا فی صحف إبراھیم و موسٰی۔ و مستدلا بھذا الآیۃ قال الشافعی لا یثاب أحد بعمل غیرہ وقال ابوحنیفۃ و مالک و أحمد و جمھور السلف والخلف بخلاف ذلک۔ الخ۔[2]

یعنی "الا ما سعٰی" کا معنی ہے: مگر اس کی سعی اور کوشش، یعنی جیسے کوئی آدمی دوسرے کے گناہ میں نہیں پکڑا جائیگا اسی طرح غیر کے فعل سے بھی کسی کو ثواب نہیں دیا جائیگا۔ اور اس آیہ کریمہ کا عطف ہے پہلی آیت "ان لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی" پر اور یہ دونوں حکم حضرت ابراہیم و موسٰی علیہما السلام کے صحف میں تھے۔ تو اس آیت مقدسہ سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: غیر کے عمل کی وجہ سے کسی کو ثواب نہیں دیا جاتا۔ حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد رحمہم اللہ اور جمہور سلف و خلف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کے خلاف ہیں اور جمہور نے میت کو غیر کی طرف سے وصول ثواب پر احادیث اور اجماع کے ساتھ دلیل اخذ کی ہے، سب سے پہلے احادیث مبارکہ کا بیان۔

1 عن ابی سعید قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول إذا قبض اللہ روح عبدہ

---

[1] زرقانی علی المواہب جلد 5 ص 407-406 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت

[2] تفسیر مظہری جلد 9 ص 126 تا 130 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

المومن صعد ملکاه إلى السماء فقالا يا ربنا وكلتنا بعبدك المومن أن نكتب عمله وقد قبضه إليك فاذن لنا نسكن الأرض فيقول أرضي مملوءة من خلقي يسجدونني ولكن قوما على قبر عبدي فسبحاني وهللاني وكبراني إلى يوم القيمة واكتباه لعبدي۔ [1]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب اللہ عزوجل اپنے بندہ مومن کی روح قبض کرلیتا ہے تو دونوں فرشتے (کراما کاتبین) آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے ہمیں اپنے بندہ مومن کے ساتھ مقرر کیا تھا کہ ہم اس کے عمل لکھیں۔ جب کہ اب تو نے اس کو موت دے دی ہے۔ چنانچہ ہمیں اجازت فرما: ہم زمین میں سکونت اختیار کرلیں۔ اللہ عزوجل فرمائے گا: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے۔ وہ میرے حضور سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن تم دونوں قیامت تک میرے بندے کی قبر پر کھڑے ہوجاؤ اور سبحان اللہ کہتے رہو، لاالہ الا اللہ پڑھتے رہو اور اللہ اکبر کہتے رہو اور میرے بندہ کے نامہ اعمال میں لکھ دو۔

صاحب تفسیر مظہری نے پوری حدیث نقل نہیں فرمائی۔ اصل حدیث ''احادیث وآثار سے قبر پر قرآن مقدس پڑھنے کا ثبوت کے بیان میں حدیث نمبر 7 ملاحظہ فرمائیں۔

۲ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلث صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له۔ [2]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین عمل صدقہ جاریہ، یا علم جو منتفع ہوتا رہا یا نیک اولاد جو اس کیلئے دعا کرے''۔

اس حدیث مبارک سے احتجاج کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ صدقہ جاریہ اور علم جس سے وہ

[1] حلیۃ الاولیا، جلد 7۔ ص 253 دار الفکر

[2] صحیح مسلم مع نووی۔ کتاب الوصیت جلد دوم۔ ص 61۔ سنن ترمذی۔ رقم الحدیث 1376 ابوداؤد شریف رقم الحدیث 2880

منتفع ہوتا رہا یہ دونوں اس کی اپنی کوشش سے ہیں لیکن اولاد کی دعا اس کے اپنے عمل سے نہیں، یہ غیر کا عمل ہے جس سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔

۳ عن ابی ہریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ إن الله لیرفع الدرجة للعبد الصالح فی الجنة فیقول یارب أنی لی هذا فیقول باستغفار ولدك لك۔[1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نیک بندے کا جنت میں درجہ بلند فرمائے گا تو وہ بندہ صالح عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا؟ اللہ عزوجل فرمائے گا تیرے لئے تمہارے بیٹے کی استغفار کی وجہ سے''۔

۴ ما المیت فی قبرہ إلا شبه الغریق المتغوث ینتظر دعوة ملحقة من أب أو أم أو ولد أو صدیق ثقة فإذا الحقته کانت أحب إلیه من الدنیا و ما فیها وإن الله لیدخل علی القبور من دعا أهل الارض أمثال الجبال وإن هدیة الأحیاء إلی الأموات الاستغفار لهم۔[2]

''نہیں ہے میت اپنی قبر میں مگر مشابہ اس کے جو غرق ہو رہا ہے اور فریاد کر رہا ہے (کہ مجھے بچاؤ) وہ دعا کا انتظار کر رہا ہے جو اس کو باپ، ماں، اولاد اور ثقہ دوست کی طرف لاحق ہونے والی ہے۔ اور جب وہ دعا اس کو لاحق ہو جاتی ہے تو دعا اس کے نزدیک دنیا وفیہا سے محبوب ہے۔ اور اللہ عزوجل زمین والوں کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑوں کے مشابہ مدد داخل فرماتا ہے۔ اور زندوں کا ہدیہ مردوں کی طرف زندوں کا ان کیلئے استغفار کرنا ہے''۔

۵ عن علی ابن ابی طالب ما من مومن و مومنة یقرء آیة الکرسی ویجعل ثوابها

---

[1] ۔مسند امام احمد ۔ جلد دوم ۔ ص 509 ۔ ادارہ احیاء السنہ شارع گرجاگھر گوجرانوالہ ۔ مجمع الزوائد جلد 10، ص 210 مطبوعہ القدسی

[2] ۔ شعب الایمان للبیہقی ۔ جلد 7 ص 16 ۔ رقم الحدیث 9295 ۔ فردوس الاخبار للدیلمی ۔ جلد 4 ۔ ص 391 ۔ رقم الحدیث 6664 ۔ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

لأهل القبور إلالم يبق على وجه "الأرض" قبر إلا دخل الله فيه نور ووسع قبره من المشرق إلى المغرب أعطاه الله بعدد كل ملك فى السمٰوٰت عشر حسنات وكتب الله للقاری ثواب سبعين شهيدا۔ [1]

"حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مومن مرد یا مومنہ عورت نہیں کہ وہ آیت الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب اہل قبور کو دے دے مگر زمین کی سطح پر کوئی ایسی قبر نہیں رہے گی مگر اللہ تعالیٰ اس قبر میں نور داخل فرمائے گا۔ اور اس کی قبر مشرق سے مغرب تک فراخ ہوگی اور اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہر فرشتہ کے عدد کے برابر اس کو دس نیکیاں عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ آیت الکرسی پڑھنے والے کیلئے ستر شہید کا ثواب لکھ دے گا"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث قاضی ثناء اللہ پانی پتی عثمانی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری میں نہیں، اس کو میں نے اپنی طرف سے تخریج کیا ہے۔

٦ عن عائشة أن رجلا قال يا رسول الله ﷺ أمي افتلتت نفسها لم توص و أظنها لو تكلمت تصدقت فهل لها أجران تصدقت عنها قال نعم۔ [2]

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میری ماں کی روح کو اچانک نکال لیا گیا (یعنی میری والدہ اچانک فوت ہوگئیں) اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی۔ میرا گمان ہے وہ اگر کلام کرتیں تو صدقہ کرتیں۔ کیا اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کروں تو میری والدہ کو اس کا ثواب ملے گا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں ضرور ثواب ملے گا"۔

٧ عن ابن عباس أن سعد بن عبادة توفيت أمه وهو غائب فأتى رسول الله ﷺ فقال يا رسو الله ﷺ إن أمي ماتت و أنا غائب فهل ينفعها أن

---

[1] ۔ فردوس الاخبار للدیلمی جلد 4۔ ص 324۔ رقم الحدیث 6485

[2] ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الوصایا۔ باب 19۔ ص 388۔ رقم الحدیث 2960۔ صحیح مسلم مع نووی۔ کتاب الوصیۃ۔ ص 41۔ اصح المطابع وکارنامہ تجارت کتب دہلی

تصدقت به عنها قال نعم قال فإني أشهدك أن حائطي صدقة عنها۔ [1]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہوگئیں جبکہ وہ غائب تھے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں جب کہ میں غائب تھا۔ کیا اگر میں والدہ کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو نفع دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں، ان کو نفع دے گا، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا یہ پھل دار باغ والدہ کی طرف سے صدقہ ہے''۔

اس حدیث مبارک میں صاحب تفسیر مظہری سے دو مسامحت واقع ہوئی ہیں، اول یہ کہ لفظ ''تصدقت'' ساتھ ضمیر ''بہ'' کو آپ نے ترک فرمایا کیونکہ اس کا مرجع ''شئ'' ہے۔ دوم یہ کہ لفظ ''حائطی'' کے بعد ''مخراف'' ہے یعنی پھل دار باغ۔ روایت عبدالرزاق میں لفظ ''مخرف'' بغیر الف کے واقع ہوا تو اب یہ باغ کا نام ہے اور معنی یہ ہوئے، جو میرا باغ مخرف ہے میں نے ان کی طرف سے صدقہ کر دیا۔

٨ عن سعيد ابن المسيب عن سعد بن عبادة أنه قال يا رسول الله ﷺ إن أمي ماتت فأي صدقة أفضل قال سقي الماء فحفر بئرا وقال هذا لأم سعد۔ [2]

''حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ام سعد فوت ہو چکی ہیں تو کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پانی۔ تو حضرت سعد بن عبادہ نے کنواں کھدوایا اور کہا: یہ کنواں ام سعد کا ہے۔ (یعنی جب تک لوگ اس سے پانی پیتے رہیں گے ان کی والدہ محترمہ کو ثواب ملتا رہے گا)۔

٩ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعا فليجعلها عن ابويه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيأ۔ [3]

---

[1] ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ کتاب الوصایا۔ باب 15۔ رقم الحدیث 2770-2762-2556

[2] ۔ سنن نسائی۔ رقم الحدیث 3695۔ دارالسلام ریاض۔ احوال الموتی لسید سعد اللہ حسینی۔ ص 36۔ رقم الحدیث 111۔ مسند احمد جلد 5۔ ص 219۔ ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ گوجرانوالہ۔

[3] ۔ مجمع الزوائد جلد 3۔ ص 138۔ مطبوعہ قدسی

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نفلی صدقہ کرے تو چاہیے کہ وہ صدقہ اپنے والدین کی طرف سے کرے، ان دونوں کیلئے اس صدقہ کا ثواب ہوگا اور صدقہ دینے والے کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں آئے گی۔

۱۰ عن أنس قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من أهل بيت يموت منهم فيتصدقون عنه بعد موته إلا أهداها جبريل على طبق من نور ثم يقف على شفير القبر فيقول يا صاحب القبر العميق هذا هدية أهداها إليك أهلك فأقبلها فتدخل عليه فيفرح بها ويستبشر وتحزن جيرانه الذين لا يهدى إليه شيئ۔[1]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی گھر والے کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اس کے گھر والے اس کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں مگر حضرت جبریل علیہ السلام کہتے ہیں: اے گہری قبر والے! یہ ہدیہ ہے جس ہدیہ کو تمہارے گھر والوں نے بھیجا ہے اس کو قبول کر۔ تو وہ ہدیہ اس کے پاس جاتا ہے تو وہ اس ہدیہ سے خوش ہوتا ہے اور دوسرے کو خوشخبری سناتا ہے اور اس کے وہ پڑوسی جس کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا گیا ہوتا غمزدہ ہو جاتا ہے۔

۱۱ وفي الإحياء عن أحمد بن حنبل قال إذا دخلتم المقابر فاقرؤا بفاتحة الكتاب والمعوذتين وقل هو الله أحد واجعلوا ذلك لأهل المقابر فإنه يصل إليهم[2]

احیاء العلوم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جب تم قبرستان میں جاؤ تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین (سورۂ فلق اور سورۂ الناس) اور سورۂ اخلاص پڑھو اور اس کا ثواب اہل قبور کو دو، کیونکہ وہ ثواب ان کو پہنچتا ہے''۔

چنانچہ احادیث کے علاوہ اس بندہ ناچیز نے کچھ احادیث و آثار (احادیث و آثار سے قبر پر قرآن مقدس پڑھنے کا ثبوت) میں نقل کی ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کئی حضرات علماء کرام سے اس بات پر اجماع

---

[1] مجمع الزوائد جلد 3۔ص 139۔ مطبوعہ قدسی۔ احوال الموتی ص 36۔ رقم الحدیث 113

[2] تفسیر مظہری حوالہ مذکور

منقول ہے کہ دعا میت کو نفع پہنچاتی ہے اور حافظ شمس الدین بن عبد الواحد فرماتے ہیں: ہمیشہ ہر زمانہ میں لوگ جمع ہوتے رہے ہیں اور بغیر کسی انکار کرنے والے کے وہ اپنے مردوں کے لیے قرآن مقدس پڑھتے رہے۔ تو یہ اجماع ہے اور صاحب خلال نے امام شعبی سے روایت کیا کہ قبیلہ انصار کا جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا تو وہ قبر کی طرف جاتے اور وہاں قرآن مقدس کی تلاوت کرتے۔

الامام الحافظ ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحٰق ازدی سجستانی متوفی 275ھ تخریج فرماتے ہیں:

۱۲ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده أن العاص بن وائل أوصٰى أن یعتق عنه مائة رقبة فاعتق ابنه هشام خمسین رقبة فأراد ابنه عمرو أن یعتق عنه الخمسین الباقیة فقال حتی اسأل رسول الله ﷺ فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ! إن ابی أوصٰی بعتق مائة رقبة وإن هشاما اعتق عنه خمسین و بقیت علیه خمسون رقبة أفأعتق عنه فقال رسول الله ﷺ إنه لو كان مسلما فاعتقتم عنه أو تصدقتم عنه أوحججتم عنه بلغه ذلك۔[1]

”عمرو بن شعیب اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے ایک سو غلام آزاد کیا جائے (یعنی اس کے مرنے کے بعد) تو اس کے بیٹے ہشام بن عاص نے (اپنے باپ کی طرف سے) پچاس غلام آزاد کیے اور اس کے بیٹے عمرو بن عاص نے اپنے باپ کی طرف سے باقی ماندہ پچاس غلام آزاد کرنا چاہے تو دل میں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لوں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ میرے باپ نے ایک سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور ہشام نے اس کی طرف سے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ اور میرے باپ پر ابھی پچاس غلام آزاد کرنا باقی ہیں۔ کیا میں اپنے باپ کی طرف سے یہ غلام آزاد کر دوں؟ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا اس کی طرف سے صدقہ کرتے یا تم اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کا ثواب اس کو پہنچتا“۔

معلوم ہوا میت اگر مسلمان ہو تو اس کو عبادات کا ثواب پہنچتا ہے جیسا کہ اس حدیث

---

[1] سنن ابوداؤد۔ کتاب الوصایا۔ ص 419۔ رقم الحدیث 2883

مبارک سے ثابت وواضح ہے۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الامامۃ ''و فی باب ما علی الماموم من المتابعۃ'' کی فصل ثانی کی ایک حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں: پہلے حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

عن علی و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما قالا قال رسول اللہ ﷺ إذا أتی أحدکم الصلوۃ والإمام علی حال فلیصنع کما یصنع الإمام۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔

''حضرت علی المرتضیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان دونوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کیلئے آئے (اور نیت کر کے تکبیر تحریمہ کہے) اور امام جس حال میں ہے (امام قیام، رکوع، سجود اور قعود کی حالت میں ہے) تو چاہیے کہ مقتدی ایسا ہی کرے جیسا کہ امام کر رہا ہے (یعنی امام کے افعال میں اس کی اقتدا کرے امام سے آگے پیچھے نہ ہو)''۔

اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور ترمذی نے کہا اہل علم کے نزدیک عمل اسی حدیث پر ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں گویا کہ امام ترمذی نے اہل علم کے عمل کے ساتھ حدیث کو تقویت کا ارادہ فرمایا اور علم اللہ عزوجل کے پاس ہے۔ جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا:

أنہ بلغنی عن النبی ﷺ أن من قال لاإلہ الا اللہ سبعین ألفا غفر لہ و من قیل لہ غفر لہ أیضا الخ۔[1]

''شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: مجھے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ستر ہزار دفعہ کلمہ توحید پڑھے اس کو بخش دیا جائیگا اور جس نے یہ کلمہ پڑھنے کیلئے کہا اس کو بھی بخش دیا جائیگا''۔

شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے اتنی تعداد میں کلمہ پڑھا ہوا بالخصوص کسی کی نیت نہیں تھی بلکہ میں نے اجمالی طور پر پڑھا تھا۔ شیخ محی الدین عربی فرماتے ہیں: میں بعض احباب کے ساتھ ایک دعوت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں میں ایک نوجوان کشف قبور کے ساتھ

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ جلد سوم۔ ص 98۔ مکتبہ امدادیہ ملتان

مشہور تھا۔ اچانک کھانے کے دوران اس کا رونا ظاہر تو میں نے اس صاحب کشف قبور سے اس رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا: میں نے اپنی والدہ کو عذاب میں دیکھا ہے۔ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میرے پاس جو مذکورہ تعداد میں کلمہ پڑھا ہوا تھا، اپنے دل میں ہی اس کا ثواب اس کی والدہ محترمہ کو بخش دیا تو اچانک اس صاحب کشف قبور نے ہنسا شروع کر دیا اور کہا میں اب اپنی ماں کا انجام اچھا دیکھ رہا ہوں۔ تو شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا: میں نے صحت حدیث کو اس کے کشف کی وجہ سے پہچان لیا۔

اس کے صحت کشف کو حدیث کی وجہ سے پہچان لیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے اللہ عزوجل صاحب قبر کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس کے عذاب میں تخفیف فرماتا ہے۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وعن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال سمعت النبی ﷺ یقول إذا مات أحدکم فلا تحبسوہ وأسرعوا بہ إلی قبرہ ولیقرء عند رأسہ فاتحۃ الکتاب وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ۔ رواہ البیہقی فی شعب الإیمان وقال والصحیح أنہ موقوف علیہ۔[1]

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کو روکے نہ رکھو اور اس کو قبر کی طرف جلدی لے جاؤ (اور جب تم اس کو دفن کرو) تو اس کے سر کے پاس سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے دونوں پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے''۔

اس موقوف حدیث کو صاحب فردوس الاخبار نے بھی روایت کیا ہے:

ابن عمر إذا مات أحدکم فلا تحبسوہ وأسرعوا بہ إلی قبرہ ولیقرأ عند رأسہ بفاتحۃ البقرۃ وعند رجلیہ بخاتمۃ البقرۃ۔[2]

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔ کتاب الجنائز۔ باب دفن المیت۔ فصل ثالث۔ جلد 4۔ ص 81

[2] فردوس الاخبار للدیلمی۔ جلد اول۔ ص 350۔ رقم الحدیث۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کو مت روکو اور اس کو جلدی قبر کی طرف لے جاؤ اور چاہیے کہ اس کے سر کے پاس سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات پڑھو اور اس کے دونوں پاؤں کے پاس سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھو۔ یعنی امن الرسول بما انزل الی آخر السورۃ۔

لہٰذا یہ موقوف حدیث صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چنانچہ حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے اس حدیث کے تحت جو رقام فرمایا وہ پیش خدمت ہے:

وأخرج القاضی ابوبکر بن عبد الباقی الأنصاری فی مشیختہ عن مسلمۃ بن عبید قال قال حماد المکی خرجت لیلۃ إلی المقابر مکۃ فوضعت رأسی علی قبر فنمت فرأیت المقابر حلقۃ حلقۃ فقلت قامت القیامۃ قالوا لا۔ لکن رجل من اخواننا قرأ قل ھو اللہ أحد و فعل ثوابھا لنا فنحن نقسمہ منذ سنۃ۔[1]

''قاضی ابوبکر بن عبدالباقی انصاری نے اپنی کتاب میں مسلمہ بن عبید اللہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا: حماد مکی نے فرمایا: میں مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا تو میں ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا تو میں نے خواب میں قبر والوں کو حلقہ در حلقہ دیکھا تو میں نے کہا: کیا قیامت آ گئی ہے؟ اصحاب قبور نے کہا: نہیں۔ لیکن ہمارے بھائیوں میں سے ایک مرد نے سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں دیا۔ ایک سال کی مدت ہو گئی ہم اس کو تقسیم کرتے ہیں اور اس کو لینے کیلئے حلقہ در حلقہ اکٹھے ہوتے ہیں''۔

اس کے بعد علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں:

مردہ کو قرأت قرآن کا ثواب پہنچنے میں حضرات علماء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جمہور سلف اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قرأت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ اس میں ہمارے خلاف ہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اللہ عزوجل کے فرمان ''ان لیس للانسان الاما سعیٰ'' سے استدلال فرمایا اور حضرات علمائے کرام نے اس کا کئی وجوہ سے جواب دیا ہے اور اس کے جواب کی چند وجوہ اس سے قبل علامہ بدرالدین عینی کی کتاب بنایہ شرح ہدایہ سے نقل ہو چکی ہیں۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جو وصول ثواب کے قائل ہیں، انہوں نے اس کو صدقہ،

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ جلد 4۔ ص 82۔ مکتب امدادیہ ایران

روزہ، حج اور غلام کے آزاد کرنے پر قیاس کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: نفل ثواب میں اس کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ وہ ثواب حج سے ہو یا صدقہ اور وقف سے ہو یا دعا اور قرأت قرآن سے ہو۔ اور احادیث مذکورہ اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان احادیث کا مجموعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس ایصال ثواب کی کوئی اصل ہے اور مسلمان ہمیشہ ہر شہر میں اور ہر زمانہ میں جمع ہو کر اپنے مردہ لوگوں کیلئے قرآن پڑھتے آرہے ہیں اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ لہٰذا ہر عصر میں مردوں کیلئے قرآن خوانی کرنا متوارثا چلا آرہا ہے۔ لہٰذا یہ اجماع امت ہے اور اجماع امت نص سے بھی قوی ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ہیثمی نے صواعق محرقہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ذکر کے دوران اس کو بیان فرمایا۔

یہ جملہ جو مذکور ہے اس کو حافظ شمس الدین بن عبد الواحد مقدسی، حنبلی نے اپنی ایک جزء میں ذکر کیا جس کو اس مسئلہ کے متعلق تالیف فرمایا۔ بہر حال قرأت قرآن قبر پر ہمارے اصحاب نے اس کی مشروعیت پر جزم فرمایا ہے۔ امام نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: قبور کی زیارت کرنے والوں کیلئے مستحب ہے کہ وہ قبر پر جو آسان ہو قرآن کی تلاوت کریں اور قرأت قرآن کے بعد ان کیلئے دعا کریں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس پر نص بیان کی ہے اور اس قرآن کی تلاوت پر تمام اصحاب متفق ہیں۔ کسی دوسری جگہ میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اضافہ فرمایا ہے کہ اگر لوگ قبر پر پورا قرآن مقدس پڑھیں تو یہ افضل ہے۔

قارئین گرامی! اس فقیر نے اس موضوع پر جو تجزیہ کیا یہ سب منقولات میں سے ہے اور اس بندہ ناچیز نے از حد یہی کوشش کی ہے کہ صرف تصریحات علماء ربانیین کو ہی بیان کیا جائے۔ اور اس ناچیز نے اپنی طرف سے کوئی کلام کرنے کی جسارت نہیں کی۔ بلکہ صرف کتب مذہب کی منقولات اور احادیث مبارکہ اور حضرات مفسرین کی تصریحات کا صرف ترجمہ ہی آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے اور بتقاضائے بشر غلطی کا امکان ہر وقت موجود رہتا ہے۔ لہٰذا اگر تحریر میں کوئی غلطی دیکھیں تو درگزر کرنا۔ اگر ہو سکے تو براہ کرم میری رہنمائی فرمانا۔ یہی میرے لئے آپ کی طرف سے احسان بھی ہوگا اور انعام بھی۔ اللہ عزوجل ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

واللہ و رسولہ اعلم بالصواب

❀❀❀❀❀

کیا جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق وبیدہ أزمة التحقیق

اصل مسئلہ کے جواب سے پہلے جنازہ کے متعلقات کا ذکر کرنا از حد ضروری ہے تا کہ جنازہ کے متعلق پوری آگہی حاصل ہو۔ مثلاً لفظ جنازہ کا معنی کیا ہے؟ کیا جنازہ کے آگے چلنا چاہیے یا پیچھے؟ میت کی چارپائی کو کتنے آدمی اٹھائیں؟۔ میت کو جب اٹھایا جائے تو اس کا منہ کس جانب ہو؟ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ اور فرض عین کی تعریف کیا ہے؟۔ اور کیا غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے کہ نہیں؟۔ ان میں سے بعض کا جواب صرف احادیث کی روشنی میں ہی بیان کروں گا تا کہ طوالت جو باعث ملامت ہے، اس سے بچا جا سکے۔ مثلاً میت کو کتنے آدمی اٹھائیں؟ میت کے آگے چلنا چاہیے یا کہ پیچھے وغیرہ۔

تو سب سے پہلے لفظ جنازہ کا معنی کا ملاحظہ ہو۔

اسماعیل بن حماد جوہری صحاح میں فرماتے ہیں:

الجنازة واحدة الجنائز۔ والعامة تقول الجنازة بالفتح والمعنی المیت علی السریر فإذا لم یکن علیه میت فهو سریر ونعش۔ [1]

''جنائز کا واحد جنازہ ہے۔ اور عام علماء جنازہ کو جیم کی زبر سے پڑھتے ہیں اور معنی جنازہ اس میت کو کہتے ہیں جو چارپائی پر ہو۔ جب چارپائی پر میت نہ ہو تو اس کو صرف چارپائی یا تابوت کہتے ہیں''۔

علامہ ابن منظور متوفی 711ھ فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ الصحاح للجوہری جزء سوم۔ ص 870۔ دار العلم للملایین۔

والجنازة واحدة الجنائز۔ والعامة تقول الجنازة بالفتح والمعنى الميت على السرير فإذا لم يكن عليه الميت فهو سرير و نعش۔ والجنازة بالكسر الميت بسريره و قيل بالكسر السرير وبا لفتح الميت الجنازة بالفتح الميت والجنازة بالكسر السرير يحمل عليه الميت۔ قال الفارسى لا يسمى جنازة حتى يكون عليه الميت وإلا هو سرير أو نعش۔[1]

''جنائز کا واحد جنازہ ہے اور عام علماء جنازہ کو جیم کی زبر سے پڑھتے ہیں۔ اور اس کا معنی ہے چارپائی پر میت۔ اور بعض جنازہ کو جیم کی زیر سے پڑھتے ہیں اور معنی ہے مع چارپائی میت۔ اور بعض کے نزدیک جنازہ اگر جیم کی زیر سے ہو تو بمعنی چارپائی ہے۔ اور اگر جیم کی زبر سے ہو تو مراد میت ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے یعنی اگر جنازہ جیم کی زبر سے ہو تو معنی میت ہے اور اگر جنازہ جیم کی زیر سے ہو تو اس چارپائی کا نام ہے جس پر میت کو اٹھایا گیا ہے۔ فارسی نے کہا جب تک چارپائی پر میت نہ ہو، اس کو جنازہ نہیں کہا جاتا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واشتقاقها من جنز إذا ستر ذكره ابن فارس وغيره و مضارعه يجنز بكسر النون.[2]

''جنازہ کا اشتقاق ''جنز'' ہے جب وہ کسی چیز کو چھپالے۔ اس کو ابن فارس وغیرہ نے ذکر کیا۔ اور اس کا مضارع نون کی زیر سے یجنز ہے۔ یعنی یہ باب ''ضرب یضرب سے ہے''۔

لہٰذا جنازہ کو جنازہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو کپڑے میں ڈھانپا جاتا ہے۔ یا جنز بمعنی جمع ہے۔ عبداللہ بن حسن نے کہا جنازہ کو جنازہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ کپڑے اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ جبکہ آدمی چارپائی پر ہوتا ہے، یعنی میت کو چارپائی پر رکھتے ہیں تو اس کے کپڑے اکٹھے کئے جاتے ہیں۔ (کذا فی لسان العرب بحوالہ مذکور)

اور جنازہ کی جمع جنائز ہے اور اس کی جیم کو ہر حال میں مفتوح پڑھا جائیگا، یعنی جنائز کی

---

[1] ۔لسان العرب جلد دوم ص 382 دار احیاء التراث العربی بیروت

[2] ۔عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد 8۔ص 2 کتاب الجنائز

جیم کو ہر صورت میں زبر کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

فرض عین اور فرض کفایہ میں فرق

فرض عین، فرض عین میں فعل (نماز) اور فاعل (نماز پڑھنے والا) دونوں مقصود و مطلوب بالذات ہیں، یعنی فی نفسہ دونوں مطلوب ہیں۔ یعنی نماز ہر مسلمان عاقل، بالغ پر فرض عین ہے۔ اور یہ فرض خدا کی طرف سے ہر مسلمان کے ذمہ اور ہر مسلمان نے اس ذمہ کو پورا کرنا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی ایک یا دو یہ ذمہ ادا کریں تو دوسروں کے طرف سے یہ ذمہ ادا ہو جائے۔ کیونکہ فرض عین میں جیسے فعل (نماز) فی نفسہ مطلوب ہے کی طرح ہر فاعل (نماز پڑھنے والا بھی) مطلوب ہے۔

فرض کفایہ: فرض کفایہ میں فعل (نماز جنازہ) مطلوب ہے ہر فاعل مطلوب نہیں۔ اگر کچھ لوگ یہ فعل ادا کردیں تو باقی ماندہ لوگوں سے یہ ذمہ ساقط ہو جاتا ہے، یعنی نماز میں مطلوب صرف میت کیلئے دعا ہے، ہر فاعل مطلوب نہیں۔ اگر چند افراد نے یہ فعل ادا کردیا تو باقی لوگوں پر سے یہ فعل ساقط ہو جائے گا۔

میت کو اٹھایا جائے تو میت کا منہ کس جانب ہونا چاہیے؟

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وفی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الرأس کذا فی المضرات۔[1]

یعنی جنازہ کو لے کر چلنے کی حالت میں میت کے سر کو آگے رکھا جائے تاکہ وہ اپنے پیچھے آنے والوں کو دیکھ سکے۔

ہمارے کچھ جاہل لوگ جب میت کو لیکر قبرستان میں جاتے ہیں تو اگر قبرستان مشرق کی طرف ہو تو بالضرور میت کے پاؤں مغرب کی طرف ہونگے اور یہ جہت قبلہ ہے تو لوگ اس کی وجہ سے سر کو پیچھے کرلیتے ہیں تاکہ میت کے پاؤں قبلہ کی طرف نہ ہوں۔ یہ طریقہ خلاف شریعت ہے۔ میت مکلف نہیں کہ اگر وہ میت قبلہ کی طرف پاؤں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ چونکہ بوجہ موت وہ غیر مکلف ہو چکا ہے اس کو اس طرح اٹھا کر قبرستان لے کر جانا چاہیے جیسا کہ شریعت مطہرہ نے

---

[1] ۔ فتاویٰ ہندیہ جلد اول کتاب الجنائز فصل چہارم فی حمل الجنازہ۔ ص 58

اسکا حکم دیا ہے اور خلاف شریعت کرنا جائز نہیں۔

نماز جنازہ غائبانہ کی عمدہ تحقیق

ہمارے کچھ احباب نماز جنازہ غائبانہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر حدیث سے قبل ایک باب باندھا ہے جس کو ترجمۃ الباب کہا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کے مطابق حدیث کی روایت فرماتے ہیں۔ مثلاً کسی حدیث میں یہ آیا ہے کہ وضو کے وقت اعضاء کو تین تین بار دھویا جائے تو امام بخاری اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں: ''الباب فی الوضوٗ ثلاثا ثلاثا'' پھر اس ترجمۃ الباب کے مطابق حدیث نقل فرماتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ نبی کریم ﷺ نے تین تین بار اعضاء کو دھویا یا آپ ﷺ نے اس کا حکم ارشاد فرمایا۔ جن احادیث سے نماز جنازہ غائبانہ ثابت کرتے ہیں، میں ان تمام احادیث کا ترجمۃ الباب اور اس کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث نقل فرمائی یہ فقیر امام بخاری کے جملہ تراجم الابواب مع احادیث نقل کرتا ہے اور احباب سے گزارش ہے کہ وہ ان تراجم اور احادیث کا مطالعہ فرما کر ثابت کریں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ تھا یا کہ ہمیں سمجھنے میں کوئی غلطی واقع ہوئی ہے۔ میں یہ جملہ تراجم واحادیث صحیح بخاری کی شرح فتح الباری سے نقل کر رہا ہوں۔[1]

من صف صفین أو ثلاثة علی الجنازة خلف الإمام

''جس نے امام کے پیچھے جنازہ پر دو یا تین صفیں باندھیں''۔

اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث نقل فرمائی، ملاحظہ فرمائیں۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما أن رسول اللہ ﷺ صلی علی النجاشی فکنت فی الصف الثانی أو الثالث۔ رقم الحدیث 1317

''حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] کتاب الجنائز۔ باب 53

نے نجاشی پر نماز پڑھی تو میں دوسری یا تیسری صف میں موجود تھا"۔

تو اس حدیث مبارکہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا "فکنت فی الصف الثانی او الثالث" ترجمۃ الباب کے مطابق ہے۔

باب 54 الصفوف على الجنازة

عن ابی هریرة رضي الله عنه نعى النبي ﷺ إلى أصحابه النجاشي ثم تقدم فصفوا خلفه فكبر أربعاً۔[1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو نجاشی کی موت کی خبر پہنچائی۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے اور آپ کے اصحاب نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں"۔

تو اس حدیث مبارک میں "فصفوا خلفہ" ترجمۃ الباب کے مطابق ہے۔

باب 56۔ سنۃ الصلوۃ علی الجنائز

یعنی جنائز پر وہ نماز جو آثار و احادیث سے ثابت ہے۔

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تین احادیث معلقہ نقل فرمائیں۔

1 وقال النبي ﷺ من صلى على الجنازة

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے میت پر نماز پڑھی"۔

یہاں نبی کریم ﷺ نے لفظ "صلی" بولا ہے، "دعا" نہیں بولا، یعنی یہ نہیں فرمایا "من دعا علی الجنازۃ" اور یہ معلق حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق ہے کہ جنائز پر نماز پڑھو، وہ نماز جو احادیث و آثار سے ثابت ہے۔

2 وقال صلوا صاحبکم۔[2]

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے صاحب کی نماز جنازہ پڑھو"۔

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پر لفظ صلوۃ کے اطلاق کے جواز کا

---

[1] ۔ رقم الحدیث 1318

[2] ۔ طبرانی فی معجم الکبیر۔ جلد 8۔ ص 105۔ رقم الحدیث 7508

استدلال فرمایا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بصیغہ امر فرمایا "صلوا علی صاحبکم"

۳ وقال صلوا علی النجاشی

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا "نجاشی پر نماز پڑھو"۔

جیسا کہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

سماھا صلوۃ لیس فیھا رکوع و سجود ولا یتکلم فیھا و فیھا تکبیر و تسلیم۔

"نبی اکرم ﷺ نے ہیت مخصوصہ جس میں میت کیلئے دعا کی جاتی ہے، اس کا نام صلوۃ رکھا۔ حالانکہ اس نماز میں نہ رکوع ہے اور نہ ہی سجود اور نہ ہی نماز جنازہ میں کلام کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی نماز جنازہ پر لفظ صلوۃ بولنے کے جواز پر دلالت کرتا ہے یعنی جس نماز فرض میں کلام نہیں کیا جاتا اسی طرح نماز جنازہ میں بھی کلام نہیں کیا جاتا۔ تو یہ جملہ احادیث معلقہ ترجمۃ الباب کے مطابق ہیں۔

باب 60۔ الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد

"جنائز پر نماز جنازہ گاہ اور مسجد میں"۔

یعنی جنازہ گاہ یا مسجد میں میت پر نماز پڑھنے کے حکم کے بیان میں۔

اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نقل فرمائی، ملاحظہ سماعت فرمائیں۔

عن ابن شھاب قال حدثنی سعید بن المسیب أن ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال إن النبی ﷺ صف بھم بالمصلی فکبر علیہ أربعاً۔ رقم الحدیث 1328

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے جنازہ گاہ میں لوگوں کے ساتھ صف باندھی اور نجاشی پر چار تکبیریں ہی کہیں"۔

چنانچہ یہ حدیث بمطابق ترجمۃ الباب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی ہے۔

اور صاحب فتح الباری نے یہاں کچھ عجیب چیز نقل فرمائی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان نہیں کیا کہ کیا میت جنازہ گاہ میں موجود تھی یا نہیں۔ اس لئے کہ جس پر نماز پڑھی جاری تھی وہ غائب تھا۔ کاش! کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "فکبر علیہ" پر غور فرماتے،

یعنی آپ ﷺ نے نجاشی پر چار تکبریں پڑھیں تو لفظ "علیہ" اس بات پر دلیل ہے کہ نجاشی کی میت آپ ﷺ کے حضور موجود تھی۔

باب 64۔ التکبیر علی الجنازۃ أربعاً

"یہ باب نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بیان میں ہے"۔

اس ترجمۃ الباب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جو حدیث نقل فرمائی، ملاحظہ فرمائیں۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ نعى النجاشی فی اليوم الذی مات فيه وخرج بهم إلى المصلى فصف بهم وكبر عليه أربع تكبيرات۔[1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس دن نجاشی فوت ہوئے اسی دن ان کے مرنے کی خبر دی اور لوگوں کے ساتھ جنازہ گاہ کی طرف نکلے اور ان کے ساتھ صف باندھی۔ اور آپ ﷺ نے نجاشی پر چار تکبیریں کہیں"۔

اس حدیث مبارک میں یہ کلام "وكبر عليه أربع تكبيرات" ترجمۃ الباب کے مطابق ہے۔ تو اس ناچیز نے پانچ تراجم الابواب نقل کئے اور پھر اس ترجمۃ الباب کے مطابق حدیث بھی نقل کی۔ از روئے انصاف بتائیں کیا امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمۃ الباب بھی قائم فرمایا کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔ اور پھر اسکے تحت کوئی حدیث نقل فرمائی، اگر امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا تو ہمیں کس نے حق دیا کہ غائبانہ نماز جنازہ کیلئے بطور دلیل امام بخاری رحمہ اللہ کی احادیث پیش کریں۔ حالانکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے نہ کوئی ترجمۃ الباب ایسا باندھا جس میں غائبانہ نماز جنازہ کا ذکر ہو اور نہ ہی اس ترجمۃ الباب کے تحت کوئی ایسی حدیث نقل فرمائی جو غائبانہ نماز جنازہ کی عکاسی کرتی ہو۔ اور احادیث بخاری میں ابہام ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی جو نماز جنازہ پڑھی کیا نجاشی کی میت نبی کریم ﷺ کے سامنے موجود تھی؟ تو قاعدہ یہ ہے کہ جیسے آیات قرآنیہ ایک دوسری کی مفسرہ ہیں اسی طرح احادیث مبارکہ بھی ایک دوسری کی مفسرہ ہیں۔ تو جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث میں ابہام ہے

---

[1] ۔ رقم الحدیث 1333

توان احادیث کی تفسیر کسی دوسری حدیث سے کر لیتے ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کی احادیث کی مفسر حدیث مبارک یہ ہے۔

الحافظ ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد تمیمی بستی متوفی 353ھ اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں فرماتے ہیں:

أخبرنا عبد الله بن محمد بن سلم حدثنا عبد الرحمٰن بن ابراهيم حدثنا وليد بن مسلم حدثنا الأوزاعي حدثني يحيى بن ابي كثير حدثني ابو قلابة عن عمه عن عمران بن حصين قال أنبأنا رسول الله ﷺ أن أخاكم النجاشي توفي فقوموا فصلوا عليه فقام رسول الله ﷺ وصفوا خلفه و كبر أربعا وهم لا يظنون إلا أن جنازته بين يديه۔[1]

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ تمہارا بھائی نجاشی وفات پاچکا ہے۔ چنانچہ کھڑے ہو جاؤ اور اس پر نماز پڑھو۔ تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام کا یہی خیال تھا کہ نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کے سامنے تھا۔

اب ذرا اس حدیث پاک کے رواۃ کو دیکھیں۔

۱ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی۔ یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔

۲ یحییٰ بن ابی کثیر بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

۳ ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

۴ ابوقلابہ کے چچا ابو مہلب عمرو بن معاویہ سوائے بخاری کے صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں اور امام بخاری نے ادب المفرد میں ابو مہلب عمرو بن معاویہ سے روایت کی۔

دیکھو امام، حافظ ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن مزی کی کتاب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال۔ آپ نے ان رواۃ کے تراجم کے تحت کیا نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا یہ حدیث مرفوع متصل صحیح ہے۔ کیونکہ اس حدیث مبارک کے جملہ رواۃ

---

[1] صحیح ابن حبان جزء 5۔ ص 40۔ رقم الحدیث 3092۔ دار الفکر

اصحاب صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ معلوم ہوا نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کے سامنے تھا اور اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ رؤیت میت صرف امام کیلئے ہی ضروری ہے، مقتدی کیلئے نہیں۔

حدثنا عبد الله حدثني عبد الصمد ثنا حرب ثنا يحيىٰ أن ابا قلابة حدثه أن ابا المهلب حدثه أن عمران بن حصين حدثه أن رسول الله قال إن اخاكم النجاشي توفى فصلوا عليه قال صف رسول الله ﷺ وصففنا خلفه فصلى عليه ، و ما نحسب الجنازة إلا موضوعة بين يديه۔ [1]

"حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے صف بنائی اور ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ ہمارا گمان یہی کہ جنازہ آپ ﷺ کے حضور رکھا ہوا تھا"۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کی اس حدیث کی سند حرب کے بعد وہی ہے جو سند صحیح ابن حبان کی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

چنانچہ صحیح ابن حبان اور امام احمد کی روایات سے وہ ابہام جو امام بخاری رحمہ اللہ کی احادیث میں پایا جاتا وہ ختم ہو گیا کہ نجاشی کا جنازہ نبی کریم ﷺ کے سامنے حاضر تھا نہ کہ غائب۔ لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کی احادیث سے غائبانہ نماز جنازہ کا استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خود امام بخاری رحمہ اللہ نے تراجم الابواب میں اس کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ اس فقیر نے اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ کے جملے تراجم نقل کر دیے ہیں تاکہ شکوک و شبہات کو دل میں راہ نہ مل سکے۔

اس کے علاوہ میں ایک اور دلیل پیش کر رہا ہوں۔ غالباً یہ دلیل کسی نے پیش نہیں کی۔ چونکہ یہ میری اپنی رائے ہے، نقل نہیں تو اگر یہ دلیل آپ کو پسند نہ آئے تو اس کو ترک کر دیں اور اگر اس دلیل میں وزن ہو تو ضرور اس پر غور و خوض فرمائیں۔

صاحب لسان العرب ابن منظور متوفی 711ھ لکھتے ہیں:

---

[1] مسند امام احمد۔ جلد 4۔ ص 517۔ ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ

وعلی حرف جر معناہ استعلاء الشئ تقول ھذا علی ظھر الجبل۔ وعلی رأسہ

(لسان العرب جلد 9 ص 380 ۔ دار احیاء التراث العربی)

"علی حرف جر ہے اس کا معنی ہے کسی چیز پر غلبہ پانا۔ کسی چیز کا زیر قبضہ ہونا۔ کسی چیز کا سامنے حاضر ہونا۔ ان سب میں اثر غلبہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ تو کہے یہ پہاڑ کی پشت پر ہے یا پہاڑ کے سر پر ہے، یعنی پہاڑ کے اوپر ہے"۔

اور بعض نے اس کی مثال یہ پیش کی ہے، "حمل علی الدابۃ" یعنی جانور پر لادا گیا۔

تو پھر امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمۃ الباب نمبر 56 دیکھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایت کیا "من صلی علی الجنازۃ" معلوم ہوا جنازہ آپ کے سامنے تھا جس پر اس کو تسلط حاصل تھا۔ پھر دوسری تعلیق میں یوں روایت کیا "صلوا علی صاحبکم" اپنے صاحب کی نماز جنازہ پڑھو۔ یہاں بھی "علی صاحبکم" سے مراد یہی ہے، وہ تمہارے سامنے موجود ہے اور تمہیں اس پر تسلط حاصل ہے۔ پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے تیسری تعلیق میں یہ روایت کیا: "وقال صلوا علی النجاشی" یعنی صحمہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھو۔ یہاں بھی فرمایا "علی النجاشی" جیسے پہلی دونوں تعلیقات میں جنازہ اور صاحب جنازہ سامنے موجود ہیں اور تمہارا ان پر تسلط ہے۔ یہاں یہی ہونا چاہیے کہ نجاشی نبی کریم ﷺ کے سامنے موجود تھا اس پر آپ کو غلبہ اور تسلط تھا۔ تو فرمایا گیا "وصلی علیہ" آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی چند امثال عرض کرتا ہوں: جلس علی المنبر۔ "وہ منبر پر بیٹھا"۔ قعد علی السریر۔ "وہ چارپائی پر بیٹھا"۔ رکب علی الفرس۔ "وہ گھوڑے پر سوار ہوا"۔ اور احادیث مبارکہ میں یہ بے شمار جملے واقع ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ واقبل علینا بوجھہ۔ آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا جاتا "اشرف علیہ" فلاں نے اوپر سے جھانکا۔

تو ان تمام مثالوں میں کیا منبر و چارپائی غائب تھی جس پر وہ بیٹھا۔ کیا جس گھوڑے پر وہ سوار ہوا وہ غائب تھا۔ کیا نبی کریم ﷺ غائب کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیا وہ غائب کو جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ تو صرف علی جارہ کبھی کبھی استعلا کیلئے بھی آتا ہے تو اس کا مدلول کسی چیز پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے اور یہ اس چیز کی موجودگی کی دلیل ہے تو یہ کہا گیا کہ صلوا علی النجاشی۔ یا یہ کہا گیا وصلی

علیہ۔ تو اس کا مدلول تو یہی ہوگا کہ نجاشی نبی کریم ﷺ کے سامنے موجود تھا جو کہ تسلط وغلبہ کی علامت ہے۔ اور آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی ورنہ "صلوا علیہ" "صلی علیہ" کے بعد "وھو غائب" ہونا چاہیے تھا تاکہ "وصلی علیہ" کا مدلول واضح ہو جاتا۔ یعنی آپ ﷺ جس کی نماز جنازہ پڑھ رہے تھے اس پر آپ کا غلبہ اور تسلط نہیں کیونکہ وہ غائب ہے حاضر اور موجود نہیں۔ کیونکہ کلمہ "وصلی علیہ" تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ جس کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں، اس پر آپ کا غلبہ اور تسلط ہے۔ کیونکہ آپ کے سامنے حاضر وموجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قارئین گرامی القدر! اب یہ ناچیز امام بخاری رحمہ اللہ نے جو احادیث مبارکہ روایت کیں، ان کے بارے شارحین بخاری کی منقولات سپرد قلم کر رہا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ شارحین اس حدیث مبارک کے متعلق کیا فرماتے ہیں:

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 857ھ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس حدیث مبارک کے تحت رقم طراز ہیں: وہ حدیث یہ ہے:

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما قال قال النبی ﷺ قد توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلم فصلوا قال فصففنا فصلی النبی ﷺ ونحن صفوف قال ابو الزبیر عن جابر کنت فی الصف الثانی۔ [1]

"حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج حبش کا ایک صالح آدمی فوت ہو گیا ہے، آؤ ان کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم نے صفیں باندھیں تو نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی درانحالیکہ ہم صف بستہ تھے۔ ابو الزبیر نے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ میں دوسری صف میں تھا۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:

واستدل بہ علی مشروعیۃ الصلوۃ علی المیت الغائب عن البلد وبذلک قال

---

[1] فتح الباری۔ جلد سوم۔ کتاب الجنائز۔ ص 186۔ رقم الحدیث 1320

الشافعی و أحمد و جمهور السلف حتی قال ابن حزم لم یأت عن أحد من الصحابه منعه قال الشافعی رحمه الله الصلوة علی المیت دعاء له ۔۔۔ الخ۔[1]

’’اس حدیث کے ساتھ شہر سے غائب میت پر نماز جنازہ کے جائز ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور امام شافعی واحمد اور جمہور سلف کا یہی قول ہے اور ابن حزم نے کہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی ممانعت نہیں آئی۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میت پر نماز درحقیقت میت کیلئے دعا ہے۔ اور میت جب کپڑے میں لپیٹی گئی ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اور کیسے اس کیلئے دعا نہ کی جائے جبکہ وہ کپڑے میں لپٹی گئی ہو۔ اور حنفیہ اور مالکیہ اس غائبانہ نماز جنازہ کو جائز نہیں سمجھتے‘‘۔

اور بعض اہل علم سے روایت ہے کہ جس دن کوئی مرجائے یا اس دن قریب (ایک یا دو دن) تو نماز جنازہ جائز ہے۔ اور اگر میت کی مدت طویل ہو تو نماز غائبانہ جائز نہیں۔ اس کی علامہ ابن عبدالبر نے حکایت کی ہے۔ اور ابن حبان نے کہا: اس میت کی غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے جو میت قبلہ کی طرف ہو اور اگر میت کا شہر قبلہ کی پشت پر ہو تو غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔ اور جو علماء قصہ نجاشی کی وجہ سے غائبانہ نماز جنازہ کا انکار کرتے ہیں وہ چند امور کے ساتھ عذر پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ میت ایسی زمین میں ہو جہاں اس پر نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ کا تعین کیا گیا ہے۔ اور شافعیہ میں سے امام رویانی نے اس قول کو مستحسن قرار دیا اور اسی وجہ سے خطابی نے کہا: کسی غائب پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے مگر جبکہ اس کی موت ایسی زمین میں واقع ہو جہاں اس کی کوئی نماز جنازہ پڑھنے والا نہیں۔ اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں یہی ترجمہ قائم کیا ہے، ’’الصلوة علی المسلم یلیه أهل الشرك ببلد آخر‘‘ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: اس میں احتمال ہے کہ جہاں نجاشی فوت ہوا اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا تھا یا نہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں اخبار میں سے کسی چیز کے متعلق اس پر واقف نہیں ہو سکا کہ نجاشی کے شہر میں کسی نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو۔ اور ان امور میں سے بعض کا قول یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کیلئے نجاشی سے پردہ کو دور کر دیا گیا ہو یہاں تک کہ آپ

---

[1] ۔ فتح الباری جلد سوم ۔ ص 188 ۔ دار المعرفہ بیروت

ﷺ نجاشی کو دیکھ رہے ہوں۔ تو نجاشی کی یہ نماز جنازہ ایسے ہی ہوگی جیسے کوئی امام میت پر نماز جنازہ پڑھتا ہے۔ اور امام میت کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن مقتدی اس میت کو نہیں دیکھ رہے۔ اور ایسی نماز جنازہ کے جائز ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ ابن دقیق نے کہا: یہ قول محتاج نقل ہے۔ صرف احتمال سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور بعض حنفیہ نے ابن دقیق کا تعاقب کرتے ہوئے کہا: مانع کی جہت کی طرف سے ایسی مثل احتمال کافی ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: گویا کہ اس قول کا قائل جس کو امام واحدی نے "اسباب" میں بلا اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا، اس کو سند بنا رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ کیلئے نجاشی کی چارپائی سے پردہ ہٹا دیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نجاشی کی چارپائی کو دیکھ رہے تھے اور نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ دوسری سند ابن حبان کی حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی اور صحابہ کرام کا یہی گمان تھا کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے تھا۔ اور ابو عوانہ نے بھی ابان وغیرہ کے طریق سے یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا۔ "فصلینا خلفه ونحن لانری الا ان الجنازۃ قد امنا" یعنی ہم نے نبی کریم کے پیچھے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور ہم یہی دیکھ رہے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے ہے۔ اور ان امور میں ایک یہ بھی ہے کہ یہ غائبانہ نماز جنازہ نجاشی کے ساتھ خاص تھی۔ اس لئے کہ آپ ﷺ سے سوائے نجاشی کے کسی غائب میت پر نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں۔ آپ نے حافظ عسقلانی کا نجاشی کے نماز جنازہ کے متعلق منقول اقوال کو ملاحظہ فرمایا۔ یہی وہ اختلاف ہے جس کی بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ کے درپے نہیں ہوئے۔ اگر امام بخاری کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ کا تحقق ہوتا تو وہ ضرور یہ ترجمہ "الصلوۃ علی الغائب" قائم فرماتے۔ اور صحیح قول یہی ہے کہ نجاشی کی جنازہ آپ ﷺ کے سامنے حاضر تھا۔ آپ ﷺ نے نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی۔

ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں مذکورہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وقال ابن العربی قال المالکیۃ لیس ذلک الا لمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قلنا

وما عمل به ﷺ تعمل به أمته يعني لأن الأصل عدم الخصوصية۔ قالوا طويت له الأرض وأحضرت الجنازة بين يديه۔ قلنا إن ربنا لقادر وإن نبينا لأهل ذلك ولكن لا تقولوا إلا ما رأيتم ولا تخترعوا من عند أنفسكم ولا تحدثوا إلا بالثابتات الخ۔[1]

"ابن عربی فرماتے ہیں: حضرات مالکیہ کا قول ہے۔ غائبانہ نماز جنازہ صرف محمد عربی ﷺ کی خصوصیت ہے۔ (ابن عربی کہتے ہیں) ہم کہتے ہیں جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے عمل کیا اس کے ساتھ امت بھی عمل کر سکتی ہے۔ (مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے تو ہم بھی پڑھ سکتے ہیں) ابن عربی کی مراد یہ ہے کہ اصل میں یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت نہیں۔ مالکیہ کہتے ہیں: آپ ﷺ کیلئے زمین کو لپیٹا گیا اور نجاشی کے جنازہ کو آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ہم کہتے ہیں: ہمارا رب اس پر قادر ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ اس کے اہل ہیں۔ لیکن وہ بات نہ کہو جو تم نے دیکھی نہیں۔ اور اپنے پاس سے کوئی بات نہ گھڑو اور جو باتیں ثابت ہیں، وہی بیان کرو"۔

اور امام واحدی کی اسباب النزول میں بلا اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کیلئے نجاشی کی چارپائی سے پردہ کو دور کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نجاشی کی چارپائی کو دیکھا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر امام قسطلانی نے صحیح ابن حبان کی عمران بن حصین سے حدیث کو نقل فرمایا: اس کے بعد امام قسطلانی نے فرمایا: مہلب کا یہ قول کہ نبی کریم ﷺ نے سوائے نجاشی کے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی، امام قسطلانی فرماتے ہیں: مہلب کا یہ قول معاویہ بن معاویہ حرنی کے قصہ کے مخالف ہے کہ معاویہ بن معاویہ حرنی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔

ان شاء اللہ معاویہ بن معاویہ حرنی اور زید بن حارثہ اور جعفر طیار رضی اللہ عنہم کے واقعات فتح القدیر کے حوالہ سے مفصل بیان کروں گا۔

علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تحت رقمطراز ہیں:

---

[1] ارشاد الساری جلد سوم۔ ص 448۔ دار الفکر

وقال الخطابی وقد ذهب بعض العلماء إلى كراهة الصلوة على الميت الغائب و زعموا أن النبی ﷺ كان مخصوصا بهذا الفعل اذ كان فی حكم المشاهد للنبی ﷺ لما روی فی بعض الاخبار قد طويت الارض حتی يبصر مكانه وهذا تاويل فاسد۔۔۔ الخ۔[1]

''خطابی نے کہا: بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ غائب میت پر نماز مکروہ ہے اور ان علماء کا یہ گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ اس فعل کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ کیلئے یہ حاضر کے حکم میں ہے۔ اسلئے کہ بعض اخبار میں مروی ہے کہ آپ ﷺ کیلئے زمین کو لپیٹ دیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نجاشی کی جگہ کو دیکھ رہے تھے۔ امام خطابی فرماتے ہیں: یہ تاویل فاسد ہے۔ اسلئے کہ جب رسول کریم ﷺ نے افعال شریعت سے کوئی کام کیا تو ہم پر اس کی اتباع واجب ہے اور نبی کریم ﷺ کا مخصوص ہونا کسی دلیل سے ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ اور جو دلیل اس فعل کو ظاہر کرتی ہے اور ان کے ساتھ آپ ﷺ صف بستہ ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تاویل (آپ ﷺ کیلئے زمین کو ہموار اور آپ ﷺ نجاشی کو دیکھ رہے تھے) فاسد ہے''۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حنفیہ پر یہ تمام تشنیع بلا توجیہ اور تحقیق ہے۔ ہم وہ چیز بیان کرتے ہیں جس میں خطابی کے کلام کا رد تجھ پر ظاہر جائیگا۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کیلئے نجاشی کی چارپائی کو بلند کیا گیا تو آپ ﷺ نے نجاشی کے جنازہ کو دیکھ لیا، تو اس اعتبار سے نجاشی پر نماز ایسے ہی ہوگی جیسے کسی میت کو امام دیکھ کر نماز جنازہ پڑھ رہا ہے اور مقتدی اس کو نہیں دیکھ رہا (اور ایسی نماز جنازہ بالاجماع جائز ہے)۔

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ یہ دلیل کسی ظاہر نقل کی محتاج ہے اور اس میں محض احتمال پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا تو میں کہتا ہوں اس نقل پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمران ابن حصین کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی وفات پا گیا ہے کھڑے ہو جاؤ اور اس کی نماز جنازہ

---

[1] عمدۃ القاری۔ جلد 8۔ کتاب الجنائز ص 119۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

پڑھو۔عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صف بنائی اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا یہی گمان تھا کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے ہے۔اور ابوعوانہ نے بھی ابان وغیرہ کے طریق سے یحییٰ بن ابی کثیر سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی دیکھ رہے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے ہے۔اور امام واحدی نے اسباب النزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ کیلئے نجاشی کی چارپائی سے پردہ دور کردیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے نجاشی کے جنازہ کو دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔یہ نقل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے سوائے نجاشی کے کسی غائب پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔حالانکہ تحقیق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خلق کثیر نے وفات پائی جبکہ وہ نبی کریم ﷺ سے غائب تھے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی وفات کا سن بھی لیا تھا پھر بھی ان میں سے کسی ایک کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی سوائے ایک غائب کے اور وہ نجاشی تھے۔

شیخ کمال الدین ابن ہمام متوفی 681ھ فرماتے ہیں:

وشرطا صحتها إسلام الميت و طهارته ووضعه أمام المصلى فلهذا القيد لا تجوز على الغائب ولا حاضر محمول عى دابة وغيرها۔ الخ

”نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرط میت کا مسلمان ہونا، میت کا پاک ہونا (یعنی میت کو غسل دیا گیا ہو) اور میت کا نمازی کے آگے ہونا ہے۔ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس قید کی وجہ سے غائب پر نماز جنازہ جائز نہیں اور نہ ہی اس میت پر جو حاضر ہو اور اس کو جانور پر لادا گیا ہو یا جانور کی طرح کسی اور چیز پر اٹھایا گیا ہو“۔

ابن ہمام رحمہ اللہ چند سطور کے بعد فرماتے ہیں: اور نبی کریم ﷺ کا نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنا یا تو نجاشی کی چارپائی کو اٹھا کر آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیا گیا اور آپ ﷺ نے نجاشی کی موجودگی میں اس کو دیکھ کر نماز جنازہ پڑھی۔چنانچہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کے پیچھے تھے ان کی نماز ایسی میت پر تھی جس میت کو امام دیکھ رہا تھا۔اور امام کے سامنے موجود تھی۔اور

مقتدی اس کو نہیں دیکھ رہے تھے اور یہ اقتدا کے مانع نہیں۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: یہ (یعنی نجاشی کی میت کو نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کرنا) اگرچہ محتمل ہے لیکن وہ حدیث جو روایت کی گئی وہ اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور وہ حدیث وہ ہے جس کو ابن حبان نے صحیح میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت کیا ہے۔ وہ حدیث اس سے قبل گزر چکی جس کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ اس حدیث کے جملہ رواۃ وہ ہیں جو صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں اور آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہی گمان کر رہے تھے کہ نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کے سامنے موجود تھا۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: یہ لفظ (وھم یظنون) اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ واقعہ ان کے ظن کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ واقع خلاف ظن کا فائدہ یہ ہے کہ جنازہ کو اعتبار کر لیا جائے یا تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سنی ہو گی یا ان کیلئے پردہ دور کر دیا گیا ہوگا۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معاملہ نجاشی کے ساتھ خاص ہو اور کوئی دوسرا صحابی اس کے ساتھ لاحق نہیں۔ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ نجاشی کے علاوہ بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی جیسے معاویہ بن معاویہ، زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم، پہلے یہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي أمامة رضي الله عنه قال أتى رسول الله ﷺ جبريل عليه السلام وهو بتبوك فقال يا محمد أشهد جنازة معاوية بن معاوية المزني فخرج رسول الله ﷺ و نزل جبريل عليه السلام في سبعين ألف من الملائكة فوضع جناحه الأيمن على الجبال فتواضعت ووضع جناحه الأيسر على الأرض فتواضعت حتى نظر إلى مكة والمدينة - فصلى عليه رسول الله و جبريل والملائكة فلما فرغ قال يا جبريل ما بلغ معاوية بن معاوية المزني هذا المنزلة قال بقرأته قل هو الله أحد قائما وقاعدا و راكبا و

ماشیار[1]

علامہ ابن عبد البر نمری قرطبی متوفی 463ھ نے اپنی کتاب ''الاستیعاب'' میں اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور دوسری حدیث کو حضرت معاویہ بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، فرماتے ہیں: ان احادیث کی اسناد قوی نہیں۔ اور معاویہ بن مقرن اور اس کے بھائی نعمان، سوید، معقل اور دوسرے بھائی اور یہ سات بھائی ہیں اور سب کے سب صحابہ کرام میں مشہور و مذکور ہیں۔ اور معاویہ بن معاویہ صرف اسی باب میں معروف ہیں۔ یعنی فضل قل ھو اللہ أحد۔ اس کے علاوہ میں آپ کو نہیں پہچانتا۔ اور صاحب استیعاب نے دوسری حدیث حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی (صدی بن عجلان) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے جبکہ آپ ﷺ تبوک میں تشریف فرما تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: یا محمد ﷺ! حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں آپ حاضر ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ جنازہ پڑھنے کیلئے نکلے اور حضرت جبریل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا دایاں پر پہاڑوں پر رکھا تو پہاڑ پست ہو گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا بایاں پر زمین پر رکھا وہ بھی پست ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے مکہ اور مدینہ کو دیکھا اور رسول کریم ﷺ اور حضرت جبریل علیہ السلام اور ستر ہزار فرشتوں نے حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی۔ تو جب نبی کریم ﷺ نماز جنازہ سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے جبریل! حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ اس مرتبہ و مقام پر کیسے پہنچے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ آتے جاتے،

---

[1] معجم الکبیر للطبرانی جلد 8 صفحہ 16۔ رقم الحدیث 7537۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔ جلد سوم۔ ص 391 تا 395۔ دار احیاء التراث العربی بیروت۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن اثیر۔ جلد 4 ص 388۔ المکتبۃ الاسلامیہ۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی۔ جلد 4 ص 278۔ رقم الحدیث 9139

کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، سواری کی حالت اور چلنے کی حالت میں سورۂ اخلاص پڑھنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے حضرت معاویہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ مقام ومرتبہ عطا فرمایا۔

اب حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حدثنی محمد بن صالح بن عاصم بن عمر بن قتادة و حدثنی عبد الجبار بن عمارة عن عبد اللہ بن ابی بکر قالا لما التقی الناس بموتة جلس رسول اللہ ﷺ علی المنبر و کشف له مابینه و بین الشام فهو ینظر الی معترکهم فقال علیه السلام أخذ الرایة زید بن حارثة رضی اللہ عنه فمضی حتی استشهد وصلی علیه و دعا له وقال استغفروا له دخل الجنة وهو یسعی ثم أخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشهد فصلی علیه رسول اللہ ﷺ ودعا له وقال استغفروا له دخل الجنة فهو یطیر فیها بجناحین حیث شاء

''عبداللہ ابوبکر بن حزم اور عاصم بن عمر بن قتادہ دونوں نے کہا: جب لوگ موتہ (سرزمین شام میں ایک جگہ کا نام ہے بعض کہتے ہیں یہ جگہ بلقاء کے قریب ہے اور بعض نے کہا یہ جگہ بیت المقدس سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے) میں ایک دوسرے سے لڑ پڑے تو رسول اللہ ﷺ منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ ﷺ کے اور شام کے درمیان پردہ ہٹادیا گیا تو آپ ﷺ ان کے میدان جنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور آگے بڑھے یہاں تک کہ انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا اور آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دعا فرمائی اور فرمایا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کیلئے مغفرت طلب کرو وہ جنت میں داخل ہوگیا اور دوڑ رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور آگے بڑھے یہاں تک کہ وہ بھی جام شہادت نوش فرما گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کیلئے دعا فرمائی اور فرمایا: جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوگیا اور وہ جنت میں اپنے دونوں پروں کے ساتھ جہاں چاہتے ہیں، پرواز کر رہے ہیں''۔ [1]

---

[1]۔ دلائل النبوۃ للبیہقی۔ جلد 4۔ ص 379-368۔ دار الکتب العلمیہ بیروت

چنانچہ معترض کا یہ اعتراض کہ نجاشی کی نماز جنازہ یہ خصوصیات نبوت میں سے ہے سوائے نجاشی کے کسی اور کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، یہ صحیح نہیں بلکہ نجاشی کے علاوہ اور لوگوں کی بھی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی، جیسے حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی، حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ ان کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی یہ صرف نجاشی کی خصوصیت نہیں۔

ابن ہمام رحمہ اللہ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

قلنا إنما ادعينا الخصوصية بتقدير أن لا يكون رفع له سريرة ولا هو مرئي له وما ذكر بخلاف ذلك۔۔۔۔۔۔۔ الخ۔[1]

''ابن ہمام فرماتے ہیں: ہمارا دعویٰ خصوصیت اس تقدیر پر تھا کہ نجاشی کی چارپائی آپ کیلئے نہ اٹھائی گئی ہو۔ اور آپ ﷺ اس کو نہ دیکھ رہے ہوں۔ اور وہ احادیث جو ذکر کی گئی ہیں، وہ اس کے خلاف ہیں کیونکہ جنگ موتہ کے شہداء کو آپ ﷺ دیکھ رہے تھے اور نماز جنازہ ادا فرما رہے تھے۔ پھر دلیل خصوصیت کہ آپ ﷺ نے ان کے سوا کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو سوائے نجاشی کے ان تمام کے متعلق یہ تصریح واقع ہوئی ہے کہ ان سے آپ کیلئے پردہ ہٹا دیا گیا اور وہ آپ کے سامنے موجود تھے۔ جیسا کہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''جلس رسول الله ﷺ على المنبر وكشف له ما بينه وبين الشام فهو ينظر إلى معتركهم'' باوجود اس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سارے لوگ سفروں میں غائب تھے جیسے سرزمین حبشہ اور انہوں نے وہاں وفات پائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک جم غفیر نے غزوات میں جام شہادت نوش فرمایا اور ان سے بڑھ کر جو لوگ آپکے نزدیک نہایت عزیز تھے، جیسے ستر قراء حضرات (جو بئر معونہ میں شہید ہوئے تھے)۔[2] نبی اکرم ﷺ کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو۔[3]

---

[1] ۔ فتح القدیر۔ جلد دوم۔ کتاب الجنائز۔ فصل فی الصلوٰۃ علی المیت۔ ص 81

[2] ۔ فتح الباری رقم الحدیث 4090-4088

[3] ۔ کبیری شرح منیۃ المصلی۔ ص 540

تو معلوم ہوا غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔ اگر جائز ہوتی تو نجاشی سے افضل ترین لوگ فوت ہوئے لیکن آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ اور حضرت معاویہ بن معاویہ اور حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم تو آپ ﷺ کے سامنے حاضر و موجود تھے۔ یہ غائبانہ نماز جنازہ تو ہو ہی نہیں سکتی۔ تو جو الفاظ ان حضرات گرامی کیلئے حدیث میں وراد ہوئے ہیں ''وصلی علیہ'' وہی لفظ نجاشی کیلئے بھی وارد ہوئے ''وصلی علیہ'' اور حرف ''علی'' کا صدلول اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ میت سامنے حاضر و موجود ہو تبھی غلبہ و تسلط و قدرت حاصل ہوگی اور اسی مدلول کا شاہد حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی مرفوع متصل صحیح حدیث ہے کہ نجاشی کا جنازہ، آپ ﷺ کے سامنے حاضر و موجود تھا۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ آپ حضرات کے مقتدی و پیشوا اور معتمد صاحب ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد علی ہامش زرقانی علی المواھب، امام شمس الدین عبداللہ دمشقی حنبلی المعروف بابن قیم غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق کیا لکھتے ہیں:

(فصل ولم یکن من ھدیه و سنته الصلوة علی کل میت غائب) فقد مات خلق کثیر من المسلمین و ھم غیب فلم یصل علیھم وصح عنه أنه صلی علی النجاشی صلوته علی المیت ۔ فاختلف فی ذلک علی ثلاثة طرق أحدھا أن ھذا تشریع منه و سنة للأمة الصلوة علی کل غائب وھذا قول الشافعی واحمد رحمھما اللہ فی إحدی الروایتین عنه ۔ وقال ابوحنیفة و مالک رحمھما اللہ ھذا خاص به ولیس ذلک لغیرہ ومن الجائز أن یکون رفع له سریرہ فصلی علیه وھو یری صلوته علی الحاضر المشاھد وإن کان علی مسافة من بعد والصحابة وإن لم یروہ فھم تابعون للنبی ﷺ فی الصلوة ۔ الخ ۔[1]

''نبی کریم ﷺ کی سیرت و طریقہ میں سے نہیں تھا ہر غائب میت پر نماز جنازہ پڑھنا۔ تحقیق مسلمانوں میں سے ایک خلق کثیر فوت ہوئی جبکہ وہ غائب تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی اور نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشی پر نماز پڑھی اور نبی کریم ﷺ کی یہ نماز میت پر نماز تھی (غائبانہ نماز جنازہ نہیں تھی)

---

[1] ۔ زاد المعاد علی ہامش زرقانی علی المواھب ۔ جلد دوم ۔ ص 82 ۔ دار المعرفہ بیروت

علماء کا اس میں تین طرق پر اختلاف ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ کا احکام کو بیان کرنا تھا اور ہر غائب پر امت کیلئے نماز پڑھنا سنت قرار دینا تھا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہ غائبانہ نماز جنازہ آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کسی دوسرے کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ آپ ﷺ کیلئے نجاشی کی چارپائی بلند کی گئی ہو اور آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی ہو۔ اور آپ ﷺ دیکھ رہے ہوں کہ آپ کی نماز حاضر و شاہد پر ہے۔ اگرچہ نجاشی کی میت بہت دور فاصلے پر تھی اور صحابہ کرام اگرچہ نجاشی کی میت کو نہیں دیکھ رہے تھے لیکن وہ نماز میں نبی اکرم ﷺ کے تابع تھے۔ اور ان کی دلیل یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی غائب پر نماز منقول نہیں سوائے نجاشی کے"۔

ابن قیم چند سطور کے بعد لکھتا ہے: شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا: صواب اور درست یہ ہے کہ غائب اگر کسی ایسے شہر میں مر گیا کہ جس شہر میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی پر نماز پڑھی۔ کیونکہ وہ کفار میں فوت ہوئے تھے اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی اور اگر جہاں وہ فوت ہوا وہاں اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو اس پر غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اسلئے کہ مسلمانوں کا اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے فرض ساقط ہو چکا ہے۔

ابن قیم اور ابن تیمیہ کے قول سے ثابت ہوا کہ ہمارے ہاں نماز غائبانہ جائز نہیں۔ لیکن صد افسوس ہمارے احباب پر کہ وہ اپنے مقتدی و پیشوا کی متابعت ترک کر کے امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید کر رہے ہیں۔ طرفہ یہ کہ ہمارے احباب کا دعویٰ کہ تقلید جائز نہیں۔ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ابن قیم اور ابن تیمیہ کی اقتدا کریں کیونکہ وہ ان کے امام و مقتدیٰ ہیں لیکن پیشوا کو چھوڑ کر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید خود ان کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

❀❀❀❀❀

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مستحب ہے

حضرات گرامی! آپ نے امام واقدی کی مغازی اور بیہقی کی دلائل النبوۃ سے ایک روایت ملاحظہ فرمائی کہ غزوۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما جب جام شہادت نوش فرما چکے اور آپ ﷺ یہ سارا واقعہ منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں جھنڈا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ لے کر آگے بڑھے اور شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ کے اس کے متعلق یہ الفاظ ''وصلی علیه ودعا له وقال استغفروا له'' موجود ہیں۔ اور یہی الفاظ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے بھی موجود ہیں۔ پہلے ''وصلی علیه'' ہے کہ آپ ﷺ نے زید بن حارثہ کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے بعد ان کیلئے دعائے مغفرت فرمائی اور لوگوں کو ان کیلئے دعا مغفرت کا حکم دیا۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر ''صلوۃ'' بمعنی دعا ہے تو معطوف لفظ ''دعا'' جائز نہیں۔ لہٰذا لفظ ''صلی علیه'' اور لفظ ''دعا له'' سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے نماز جنازہ ادا فرمائی اور اس کے بعد ان کیلئے دعا فرمائی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لفظ ''قال'' سے ''ودعا له'' کی تفسیر فرمائی اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد تھی۔ تو اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد میت کیلئے دعا کرنا مستحب ہے۔ لیکن ہمارے کچھ احباب اس کا انکار کرتے ہیں اور اس دعا کو بدعت قرار دیتے ہیں اور نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں کرتے۔ ان احباب کو اس حدیث مبارک پر غور وخوض کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ ناچیز امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ سے ایک حدیث آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کی گئی ہے، وہ حدیث یہ ہے۔

حافظ ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی 235ھ اپنی مصنف میں روایت کرتے ہیں:

عن عمیر بن سعید قال صلیت مع علی رضی اللہ عنہ علی یزید بن المکفف

فکبر علیه أربعاثم مشی حتی أتاہ فقال اللهم عبدك وابن عبدك نزل بك الیوم فاغفر له ذنبه ووسع علیه مدخله۔[1]

''عمیر بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یزید بن مکفف کی نماز جنازہ پڑھی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر چار تکبیریں کہیں۔ نماز جنازہ کے بعد چل کر یزید بن مکفف کے پاس آئے اور بارگاہ خداوندی عرض کیا: اے میرے اللہ! یہ تیرا بندہ، تیرے بندے کا بیٹا ہے، آج تیرا مہمان ہے اس کے گناہ معاف فرما اور اس پر اس کی قبر کو فراخ فرما''۔

اس حدیث مبارک سے کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔ حدیث کے لفظ ہیں ''ثم مشی'' یعنی پہلے نماز جنازہ پڑھی پھر چل کر یزید بن مکفف کے پاس آئے اور دعا کی تو اس حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ یہ دعا نماز جنازہ پڑھنے کے بعد تھی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ دعا آپ نے اس کی قبر پر فرمائی، اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اولاً یہ آیا ہے ''فکبر علیه اربعاثم مشی'' یعنی چار تکبیر مکمل ہونے کے بعد ان کی طرف چل کر گئے اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد پھر حدیث میں آتا ہے ''ثم مشی حتی اتاہ'' یعنی چل کر اس کے پاس دوبارہ تشریف لے گئے اور یہ دوبارہ آپ کا تشریف لے کر جانا قبر پر تھا۔ اور جو دعا آپ نے نماز جنازہ کے بعد فرمائی وہی دعا ان کی قبر پر بھی فرمائی اور دوسری کا آخر یہ ہے، ''فإنا لا نعلم منه إلا خیر وأنت أعلم به'' تو معلوم ہوا پہلی دعا نماز جنازہ کے بعد کی تھی اور دوسری دعا قبر پر تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الأربعین الفیضیة فی أحکام الجنازة۔[2]

۱ عن ثوبان أن النبی ﷺ شیع جنازة فأتی بدابة فأبی أن یرکبها فلما انصرف أتی بدابة فرکبها فقیل له۔ فقال ان الملائکة کانت تمشی فلم یکن

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم۔ کتاب الجنائز۔ ص 331۔ ادارۃ القرآن۔ درار العلوم الاسلامیہ کراچی

[2] ابوداؤد رقم الحدیث 3177، جامع ترمذی رقم الحدیث 1012۔ ابن ماجہ رقم الحدیث 1480

لا رکب وهم يمشون فلما ذهبوا أو قال لما عرجوا ركبت۔ [1]

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے تو آپ ﷺ کو سواری پیش کی گئی۔ آپ ﷺ نے اس سواری پر سوار ہونے سے انکار فرمایا۔ جب آپ ﷺ جنازہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو واپسی پر آپ ﷺ کو سواری پیش کی گئی تو آپ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا۔ آپ پہلے سوار کیوں نہ ہوئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، فرشتے پیدل چل رہے تھے سو میرے لئے لائق ومناسب نہیں تھا کہ میں سوار ہوتا اور فرشتے پیدل چل رہے ہوں۔ چنانچہ جب فرشتے واپس چلے گئے۔ راوی کا شک ہے، یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ فرشتے اوپر چڑھے تو میں سوار ہو گیا۔

۲ عن ثوبان قال خرج رسول الله ﷺ في جنازة فرأى فارساً ركبانا فقال ألا تستحيون أن ملائكة الله على أقدامكم وأنتم على ظهور الدواب۔ [2]

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں تشریف فرما تھے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ سوار ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں شرم وحیا نہیں کہ اللہ جل مجدہ کے فرشتے تمہارے آگے چل رہے ہیں اور تم سواریوں کی پشتوں پر سوار ہو؟

۳ عن عبد الله بن عمر أنه أخبره أن اباه أوصاه قال إذا أنت حملتني على السرير فامش بي مشيا بين المشيين وكن خلف الجنازة فإن مقدمها للملائكة وخلفها لبني آدم۔ [3]

''ابو حیرب یا ابو کریب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کو خبر دی کہ ان (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کو ان کے باپ (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) نے وصیت فرمائی اور فرمایا: جب تو مجھے چارپائی پر اٹھائے تو میرے ساتھ

---

[1]۔ مستدرک للحاکم جلد اول۔ ص 680۔ رقم الحدیث 1354

[2]۔ مستدرک للحاکم جلد اول۔ ص 680۔ رقم الحدیث 1355

[3]۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ جلد سوم۔ ص 282۔ ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی

چلنے والوں کے درمیان چلنا اور جنازہ کے پیچھے رہنا۔ اس لئے کہ جنازہ کے آگے کا حصہ فرشتوں کا ہے، اور جنازہ کا پیچھے کا حصہ بنی آدم کا ہے۔

۴ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال أسرعوا بالجنازۃ فإن تک صالحۃ فخیر تقدمونھا إلیہ أن یك سوی ذلك فشر تضعونہ عن رقابکم۔[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جنازہ کو جلدی لے کر جاؤ۔ اگر وہ صاحب جنازہ نیک ہے تو تم اس جنازہ کو باعتبار ثواب خیر کی طرف آگے لے کر جا رہے ہو۔ اگر وہ اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ شر ہے جس شر کو تم اپنے گردنوں سے اتارو گے''۔

۵ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال إذا وضعت الجنازۃ واحتملھا الرجال علی أعناقھم فإن کانت صالحۃ قالت قدمونی وإن کانت غیر صالحۃ قالت یا ویلھا أین یذھبون بھا یسمع صوتھا کل شئ إلا الإنسان ولو سمعہ صعق۔[2]

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میت کو چارپائی پر رکھ دیا جاتا ہے اور اس جنازہ کو لوگ اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں اگر وہ جنازہ (میت) صالح ہو تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو۔ اگر جنازہ (میت) غیر صالح ہو تو کہتا ہے ہائے افسوس! اس کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ اس جنازہ (میت) کی آواز کو سوائے انسان کے ہر چیز سنتی ہے اور اگر انسان جنازہ کی (دعائے ویل) کو سن لے تو وہ بے ہوش ہو جائے''۔

۶ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلی علی جنازۃ فلہ قیراط و من انتظر حتی یفرغ منھا فلہ قیراطان قالوا وما القیراطان قال مثل الجبلین۔[3]

---

[1] ۔ فتح الباری جلد سوم ص 182 رقم الحدیث 1315۔ مسلم کتاب الجنائز مع نووی جلد اول ص 306۔ ابوداؤد رقم الحدیث 3181۔ نسائی رقم الحدیث 1912 ابن ماجہ رقم الحدیث 1477۔ جامع ترمذی رقم الحدیث 1015

[2] ۔ فتح الباری جلد سوم ص 182۔ رقم الحدیث 1314۔ 1316۔ سنن نسائی رقم الحدیث 1910

[3] ۔ صحیح مسلم مع نووی جلد اول ص 307۔ ابن ماجہ رقم الحدیث 1539

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے صرف نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے ثواب کا ایک قیراط ہے۔ اور جو شخص انتظار میں رہا یہاں تک کہ میت کو دفن سے فارغ ہوگیا اس کیلئے ثواب دو قیراط ہیں۔ عرض کیا گیا دو قیراط سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دو پہاڑوں کی مانند۔

۷ عن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فله قیراط ومن شهد دفنها فله قیراطان قال وسئل رسول الله ﷺ عن القیراط فقال مثل أحد۔[1]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صرف جنازہ پڑھا اس کیلئے ایک قیراط ہے اور جو جنازہ کے دفن میں حاضر ہوا اس کیلئے دو قیراط ہیں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے قیراط کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قیراط احد کی مثل ہے۔ یعنی ایک قیراط ثواب میں احد پہاڑ کی مثل ہے۔

۸ عن ابی بن کعب قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فله قیراط ومن شهدها حتی تدفن فله قیراطان والذی نفس محمد ﷺ بیده القیراط أعظم من أحد هذا۔[2]

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے ایک قیراط ہے اور جو شخص جنازہ میں حاضر ہوا یہاں تک کہ میت کو دفن کر دیا گیا اس کیلئے دو قیراط ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے قیراط اس احد پہاڑ سے اعظم ہے"۔

۹ عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فله قیراط ومن تبعها حتی یقضی دفنها فله قیراطان أحدهما أو أصغرهما

---

[1] ۔ ابن ماجہ۔ رقم الحدیث 1540 ۔ مسلم شریف مع نووی جلد اول ص 307

[2] ۔ ابن ماجہ رقم الحدیث۔ 1541 ۔ صحیح مسلم مع نووی جلد اول۔ ص 307

مثل أحد فذكرت ذلك لابن عمر رضي الله عنهما فأرسل إلى عائشة رضي الله عنها فسألها عن ذلك فقالت صدق ابوهريرة فقال لابن عمر رضي الله عنهما لقد فرطنا في قراريط كثيرة۔[1]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے صرف نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے ایک قیراط ہے۔ اور جو شخص جنازہ کے پیچھے گیا یہاں تک کہ میت کا معاملہ پورا ہو چکا اس کیلئے دو قیراط ہیں۔ راوی کا شک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دو قیراطوں میں سے ایک قیراط یا آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں میں سے چھوٹا قیراط مثل احد پہاڑ کے ہے۔ راوی کہتا ہے: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیجا کہ ان سے قیراط کے متعلق پوچھے۔ تو جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے قیراط کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے سچ کہا: تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے بہت سے قیراط کھو دیئے۔

۱۰ عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من تبع جنازة فصلى عليها ثم انصرف فله قيراط من الأجر ومن تبعها فصلى عليها ثم قعد حتى يفرغ من دفنها فله قيراطان من الأجر كل واحد منهما اعظم من أحد۔[2]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جنازہ کے پیچھے آیا اور نماز جنازہ پڑھی پھر واپس ہوا اس کیلئے ثواب میں ایک قیراط ہے اور جو شخص جنازہ کے پیچھے آیا اور نماز جنازہ پڑھی پھر وہ بیٹھا رہا یہاں تک کہ میت کے دفن ہونے سے فارغ ہو گیا تو اس کیلئے ثواب میں سے دو قیراط ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک قیراط احد پہاڑ سے بڑا ہے''۔

۱۱ عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة

---

[1] ۔ جامع ترمذی رقم الحدیث 1040

[2] ۔ سنن نسائی ۔ رقم الحدیث 1999

فله قیراط و من انتظرها حتی توضع فی اللحد فله قیراطان والقیراطان مثل الجبلین العظیمتین۔ [1]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے ایک قیراط ہے اور جس شخص نے (نماز جنازہ پڑھنے کے بعد) میت کا انتظار کیا یہاں تک کہ میت کو لحد میں رکھ دیا گیا اس کے لئے دو قیراط ہیں۔ اور دو قیراط بڑے دو پہاڑوں کی مثل ہیں۔

۱۲ عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال من صلی علی جنازة ولم یتبعها فله قیراط فان تبعها فله قیراطان قیل وما القیراطان قال أصغرهما مثل أحد۔ [2]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز جنازہ پڑھی حالانکہ وہ جنازہ کے پیچھے نہیں آیا اس کیلئے ایک قیراط ہے اور اگر وہ شخص جنازہ کے پیچھے آیا اس کیلئے دو قیراط ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! دو قیراط کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں میں سے چھوٹا احد پہاڑ کی مثل ہے"۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا نماز جنازہ پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔ اگر کوئی شخص صرف نماز جنازہ پڑھ کر واپس آجائے تو اس کیلئے احد پہاڑ کی مثل ثواب ہے اور جو شخص نماز جنازہ پڑھ کر میت کے دفن تک وہاں رہا اور قبر پر دعا کر کے واپس لوٹا اس کے لئے دو احد پہاڑ کی مثل ثواب ہے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہوا کہ آدمی کو جنازہ کے پیچھے چلنا چاہیے۔ جنازہ کے آگے نہیں چلنا چاہیے۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے اور احناف کے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہوا جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے اس کیلئے زیادہ ثواب ہے۔ تو جب جنازہ کے پیچھے چلنا از روئے ثواب زیادہ ہے تو یہ افضل ہوگا۔ یعنی جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ جیسا کہ دیگر احادیث سے بھی ثابت

---

[1] سنن نسائی رقم الحدیث 1996۔ فتح الباری جلد سوم کتاب الجنائز۔ ص 196۔ رقم الحدیث 1325

[2] صحیح مسلم مع نووی جلد اول۔ ص 307

ہے۔باقی احادیث ان شاء اللہ جنازہ کے آگے، پیچھے چلنے کے اختلاف میں نقل کروں گا۔

۱۳ عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال مر بجنازة فأثني عليها خيرا فقال نبي ﷺ وجبت ، وجبت ، وجبت و مر بجنازة فأثني عليها شرا فقال نبي الله ﷺ وجبت ، وجبت، وجبت فقال عمر رضي الله عنه فداك ابي و أمي مر بجنازة فأثني عليها خيرا فقلت وجبت ، وجبت ،وجبت و مر بجنازة فأثني عليها شرا فقلت وجبت وجبت ،وجبت ، فقال رسول الله ﷺ من أثنيتم عليه خيرا وجبت له الجنة ومن أثنيتم عليه شرا وجبت له النار أنتم شهداء الله في الأرض ، أنتم شهداء الله في الأرض ، أنتم شهداء الله في الأرض۔[1]

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ایک جنازہ گزرا اس کی اچھی تعریف کی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے تین دفعہ فرمایا واجب ہوگئی۔ اور ایک جنازہ گزرا اس کی بری تعریف کی گئی تو نبی اکرم ﷺ نے تین دفعہ فرمایا واجب ہوگئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر میرے والدین قربان، ایک جنازہ گزرا تو اس کی اچھی تعریف کی گئی تو آپ نے تین دفعہ فرمایا: واجب ہوگئی اور ایک اور جنازہ گزرا تو اس کی بری تعریف کی گئی تو آپ نے تین دفعہ فرمایا واجب ہوگئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کی تم نے اچھی تعریف کی اس کیلئے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس کی تم نے بری تعریف کی اس کیلئے جہنم واجب ہوگئی۔ نبی کریم ﷺ نے تین دفعہ فرمایا: تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو“۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اچھی تعریف کے دو معنی ہیں اول جس کی اچھی تعریف کی جارہی ہو، وہ اہل فضل میں سے ہو اور لوگوں کی تعریف اس کے افعال کے مطابق ہو تو وہ جس کی تعریف کی جارہی ہے اہل جنت سے ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ حدیث کی مراد نہیں۔ اور دوسرا قول جو کہ صحیح اور مختار ہے وہ یہ ہے کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اپنے اطلاق [illegible]وم پر ہے، اس میں اہل فضل کی قید نہیں۔ اس لئے کہ جو بھی مسلمان مرجاتا ہے تو اللہ عزوجل سب لوگوں کے دلوں میں یا ان میں سے اکثر لوگوں کے دلوں میں اس کی اچھی تعریف ڈال دیتا ہے اور یہ اس

---

[1] ۔صحیح مسلم مع نووری جلد اول ۔ص 308 ۔فتح الباری جلد سوم ص 228 ۔رقم الحدیث 1367

بات کی دلیل ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔ خواہ اس کے افعال اہل جنت ہونے کا تقاضا کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ اس لئے کہ اگر اس آدمی کے افعال اہل جنت ہونے کا تقاضا نہیں کرتے ہوں تو اس پر سزا واجب نہیں۔ بلکہ وہ مشیت کے خطرے میں ہے۔ جب اللہ عزوجل لوگوں کے دلوں میں اس کی تعریف ڈال دیتا ہے تو ہم اس کے ساتھ اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کی مغفرت چاہی ہے۔ اور اسی کے ساتھ ہی ثنا کا فائدہ ظاہر ہوگا۔ یعنی جس کی لوگ اچھی تعریف کریں گے، وہ جنتی ہے۔

۱۴ عن عبد الله بن بريدة عن ابى الأسود قال "قدمت المدينة" وقد وقع بها مرض فجلست إلى عمر ابن الخطاب رضى الله عنه فمرت بهم جنازة فأثنى على صاحبها خيرا فقال عمر رضى الله عنه وجبت ثم مر بأخرى فاثنى على صاحبها شرا فقال وجبت۔ فقال ابو الأسود فقلت ما وجبت يا أمير المؤمنين ، قال قلت كما قال النبى ﷺ أيما مسلم شهد له أربعة بخير أدخله الله الجنة فقلنا و ثلاثة قال و ثلاثة ۔ فقلنا و إثنان قال واثنان ثم لم نسأ له عن الواحد۔[1]

"ابوالاسود سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں مدینہ منورہ آیا اس وقت مدینہ منورہ میں بیماری واقع ہوئی تھی (یعنی ایسی بیماری کہ جس سے آدمی بہت جلد مرجاتا تھا) میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھ گیا تو ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو میت کی اچھی تعریف کی گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو میت کی بری تعریف کی گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ ابوالاسود کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین رضی اللہ عنہ! کیا چیز واجب ہوگئی؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے وہی کہا جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو بھی مسلمان اس کی چار آدمی اچھی گواہی دیں اللہ عزوجل اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اگر تین آدمی بھی گواہی دیں تو پھر بھی یہی ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اگر تین

[1] جامع ترمذی رقم الحدیث 1059۔ فتح الباری جلد سوم کتاب الجنائز۔ ص 229۔ رقم الحدیث 1368

بھی گواہی دیں اللہ عزوجل اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ہم نے عرض کیا: اور دو بھی آپ ﷺ نے فرمایا: اگر دو بھی شہادت دیں گے۔ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر ہم نے ایک کے متعلق سوال نہیں کیا''۔

۱۵ عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال إذا رأيتم الجنازة فقوموا فمن تبعها فلا يقعد حتى توضع۔[1]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے جب تک جنازہ کو زمین پر نہ رکھ دیا جائے، وہ نہ بیٹھے۔

۱۶ عن ابي قتادة بن ربعي أنه كان يحدث أن رسول الله ﷺ مر عليه بجنازة فقال مستريح أو مستراح منه ۔ قالوا يا رسول الله ﷺ ما المستريح والمستراح منه ۔ فقال العبد المومن يستريح من نصب الدنيا والعبد الفاجر يستريح منه العباد والبلاد والشجر والدواب۔

''حضرت ابوقتادہ بن ربعی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ آرام حاصل کرنے والا ہے یا اس سے آرام حاصل کیا جائیگا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آرام حاصل کرنے والا اور جس سے آرام حاصل کیا جائیگا، وہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بندہ مومن (جب مرجاتا ہے) تو وہ دنیا کی مشکلات سے آرام حاصل کرلیتا ہے اور بدکار شخص جب مرتا ہے تو اس سے بندے، شہر، درخت اور جانور آرام حاصل کرتے ہیں''۔

بندوں کا فاجر سے استراحت کا معنی یہ ہے کہ جب فاجر مرجاتا ہے تو لوگوں سے اس کی اذیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی اذیت کئی وجوہ سے ہے ایک اس فاجر کا ان پر ظلم کرنا، دوم فاجر شخص کا منکرات کا مرتکب ہونا، اگر لوگ انکار کریں تو اس سے مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ فاجر ان کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اگر لوگ اس کے فسق وفجور سے خاموش رہیں تو گنہگار ہوں

[1] ۔ فتح الباری جلد سوم ص 78 رقم الحدیث 1310 ۔ صحیح مسلم جلد اول ص 310

گے۔ اور جانوروں کا فاجر سے راحت کرنا یہ ہے کہ ان کو اذیت دیتا تھا، ان کو مارتا تھا اور ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر بوجھ لادتا تھا اور بعض اوقات ان کو اور بھی تکالیف پہنچاتا تھا۔ شہروں اور درختوں کے استراحت کی وجہ یہ ہے کہ فاجر کے ظلم وستم اور گناہ کی وجہ سے یہ اللہ عزوجل کے ابر رحمت سے محروم رہتے تھے۔ جب وہ مر گیا تو ابر رحمت ان کیلئے باعث راحت بن گیا اور ان کی حیات کا سبب۔

۱۷ عن عائشة عن النبی ﷺ قال ما من میت تصلی علیه أمة من المسلمین یبلغون مائة کلهم یشفعون له إلا شفعوا فیه۔[1]

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھے اور وہ مسلمان سو (100) تک پہنچے ہوں اور وہ سب کے سب اس کیلئے سفارش کریں تو اس میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کی جائیگی"۔

۱۸ عن کریب مولی ابن عباس عن عبد اللہ بن عباس أنه مات ابن له بقدید او عسفان فقال یا کریب انظر ما اجتمع له من الناس قال فخرجت فإذا أناس قد اجتمعوا له فأخبرته فقال تقول هم أربعون قال نعم قال أخرجوه فإنی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازة اربعون رجلا لا یشرکون باللہ شیئا ألا شفعهم اللہ فیه۔[2]

"حضرت عبداللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قدید یا عسفان میں بیٹا فوت ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے کریب! دیکھو کتنے لوگ جمع ہیں

---

[1] صحیح مسلم مع نووی جلد اول کتاب الجنائز۔ ص 308۔ جامع ترمذی رقم الحدیث 1029۔ سنن نسائی رقم الحدیث 1994

[2] صحیح مسلم مع نووی جلد اول ص 308۔ سنن ابوداؤد رقم الحدیث 3170۔ ابن ماجہ۔ رقم الحدیث 1489۔ صحیح ابن حبان جزء 5۔ رقم الحدیث 3070

؟ کریب کہتے ہیں: میں نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ جمع ہو چکے ہیں۔ چنانچہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خبر دی کہ لوگ جمع ہو چکے ہیں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم کہتے ہو کہ چالیس آدمی جمع ہو چکے ہیں؟ کریب نے عرض کیا: جی ہاں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میت کو گھر سے نکالو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی مسلمان آدمی مرجائے اور اس کے جنازہ پر وہ چالیس آدمی کھڑے ہوں جنہوں نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اللہ عزوجل میت کے حق میں ان لوگوں کی سفارش کو قبول فرماتا ہے''۔

۱۹ عن مالك بن هبيرة قال قال رسول الله ﷺ ما من ميت يموت فيصلى عليه ثلاثة صفوف من المسلمين إلا أوجب قال فكان مالك إذا استقل أهل الجنازة جزاهم ثلاثة صفوف للحديث۔ [1]

''حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی مرجائے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھیں تو اللہ عزوجل اس کیلئے جنت کو واجب کر دیتا ہے۔ مرشد لزنی نے کہا کہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھنے والے کم ہوتے تو ان کو تین صفوں میں تقسیم فرما دیتے تھے بوجہ اس حدیث کے''۔

۲۰ قال ابو المليح حدثني عبد الله وهو ابن سليط عن إحدى أمهات المومنين وهي ميمونة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت أخبرني النبي ﷺ قال ما من ميت يصلي عليه أمة من الناس إلا شفعوا فيه فسألت ابا المليح عن الأمة فقال أربعون۔ [2]

''ابو ملیح نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن سلیط نے امہات المومنین میں سے کسی ایک سے روایت کیا: اور وہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے نبی کریم ﷺ نے خبر دی، آپ ﷺ نے

---

[1] ۔ سنن ابی داؤد۔ رقم الحدیث 3166۔ جامع ترمذی رقم الحدیث 1028

[2] ۔ سنن نسائی۔ رقم الحدیث 1995

فرمایا: جس میت پر لوگوں کی ایک جماعت نماز پڑھ لے تو ان لوگوں کی میت کے حق میں سفارش قبول کی جائیگی۔ ابن سلیط کہتے ہیں: میں نے ابوالملیح سے دریافت کیا کہ ایک جماعت سے مراد کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا اس سے مراد چالیس لوگ ہیں"۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

قیل وحکمۃ خصوص ھذا العدد انہ ما اجتمع اربعون قط الاکان فیھم ولی اللہ[1]

"بعض نے کہا عدد چالیس کے خاص ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جب بھی نماز جنازہ کیلئے چالیس آدمی جمع ہوتے ہیں تو ان میں ایک اللہ کا ولی ہوتا ہے"۔

۲۱ عن عباد بن منصور قال سمعت ابا المھزم یقول صحبت اباھریرۃ عشر سنین سمعتہ یقول من تبع جنازۃ و حملھا ثلاث مرات فقد قضٰی ما علیہ من حقھا۔[2]

عباد بن منصور سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے ابوالمھزم (یزید بن سفیان) کو کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا دس سال ساتھی رہا۔ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص جنازہ کے پیچھے آیا اور میت کو تین بار اٹھایا تحقیق میت کا جو اس پر حق تھا، وہ اس نے پورا کر دیا"۔

مسئلہ

صاحب فتح القدیر ابن ہمام فرماتے ہیں:

فصل فی حمل الجنازۃ واذا حملوا لمیت علی سریرہ أخذوا بقوائمہ الأربعۃ۔ بذلک وردت السنۃ وفیہ تکثیر الجماعۃ وزیادۃ الإکرام والصیانۃ وقال الشافعی رحمہ اللہ السنۃ أن یحملھا رجلان یضعھا السابق علی أصل عنقہ والثانی علی أعلی صدرہ لأن جنازۃ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ھکذا حملت الخ۔[3]

---

[1] ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد 4۔ ص 51۔ مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] ۔ جامع ترمذی رقم الحدیث 1041

[3] ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ۔ کتاب الجنائز جلد دوم ص 95۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

''صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: یہ فصل جنازہ اٹھانے کے بیان میں ہے، اور جب لوگ میت کو میت کی چارپائی پر اٹھالیں اور رکھ دیں تو چارپائی کے چاروں پایوں کو پکڑیں۔ (ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں) اس کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہے۔ اور اس میں لوگوں کا زیادہ کرنا (یعنی دو کے عوض چار آدمی اٹھائیں) میت کا اکرام بھی ہے اور میت کو گرنے سے محفوظ رکھنا بھی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سنت یہ ہے کہ جنازہ کو دو آدمی اٹھائیں۔ آگے والا شخص جنازہ کو اپنی گردن کی اصل پر رکھے اور دوسرا اپنے سینے کے اعلیٰ پر۔ اسلئے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا۔ ابن ہمام جواباً فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ صرف فرشتوں کے اژدحام کی وجہ سے اس طرح اٹھایا گیا۔ اور میت کے اٹھانے کی کیفیت یہ ہے کہ جنازہ کے آگے والا جنازہ کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے پھر پیچھے والا آدمی جنازہ کو اپنے دائیں کندھے پر رکھے۔ پھر آگے والا جنازہ کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے پھر پیچھے والا جنازہ کو اپنے بائیں کندھے پر رکھے تاکہ دائیں جانب کو ترجیح دی جاسکے اور یہ باری باری جنازہ کو اٹھانے کی حالت میں رہیں۔

علامہ بربانی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں: جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو راستہ تنگ تھا یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کا اس طرح جنازہ اٹھانا حالت ضرورت کے تحت تھا۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر بحالت ضرورت صرف دو آدمی جنازہ کو اٹھاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

۲۲ عن ابی عبیدۃ قال قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ من اتبع جنازۃ فلیحمل بجوانب السریر کلہا فإنہ من السنۃ ثم إن شاء لیتطوع و إن شاء فلیدع۔[1]

''حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے چاہیے کہ وہ چارپائی کی تمام جانب کو اٹھائے۔ کیونکہ یہ سنت میں سے ہے۔ پھر اگر چاہے تو اٹھانے میں اضافہ کرے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے''۔

---

[1] ۔ ابن ماجہ رقم الحدیث 1478

جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب صحابی یہ کہے کہ یہ سنت میں سے ہے تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا ہے اور کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ میت کی چارپائی کے چاروں پایوں کو اٹھانا چاہیے اور یہ کام چار آدمی ہی کر سکتے ہیں۔

۲۳ عن عطاء عن علی الأزدی قال رأیت ابن عمر فی جنازة فحملوا بجوانب السریر الأربع۔ [1]

"عطاء علی ازدی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک جنازہ میں دیکھا جبکہ لوگوں نے میت کی چارپائی کی چاروں جانبیں اٹھائی ہوئی تھیں"۔

۲۴ عن عبید بن بسطام قال کنا مع ابوعبیدة بن عبد اللہ فی جنازة فقال قال عبد اللہ رضی اللہ عنه إذا کان أحد کم فی جنازة فلیحمل بجوانب السریر کله فإنه من السنة له لیتطوع ثم لیدع۔ [2]

"عبید بن بسطام نے کہا: ہم ابوعبیدہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جنازہ میں ہو تو اسے چاہیے کہ میت کی چارپائی کی سب جانبیں اٹھائے کیونکہ یہ سنت میں سے ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس میں اضافہ کرے یا چھوڑ دے (یعنی چار سے زیادہ بار اٹھائے یا چار بار کے بعد نہ اٹھائے)۔

۲۵ عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال من حمل الجنازة ثلاثا فقد قضی ماعلیه من حقها۔ [3]

---

[1] ۔ مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث ۔ 6520 ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم کتاب الجنائز ص 283

[2] ۔ مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث 6517 ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 283

[3] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۔ جلد سوم ص 283

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: جس شخص نے جنازہ کو تین بار اٹھایا (مراد میت کی چارپائی کے تین پایوں کو) اس پر میت کا جو حق تھا، وہ اس نے پورا کردیا"۔

۲۶ عن عامر بن جشیب وغیرہ من أھل الشام قالوا قال ابوالدرداء من تمام أجر الجنازۃ أن یشیعھا من أھلھا وان یحمل بأرکانھا الأربع۔ [1]

"عامر بن جشیب وغیرہ اہل شام سے ہیں، روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جنازہ کا مکمل ثواب یہ ہے کہ جنازہ والے جنازہ کے پیچھے چلیں اور یہ کہ میت کی چارپائی کو چار ارکان کے ساتھ اٹھائیں"۔

۲۷ عن عباد بن منصور قال حدثنی ابوالمھزم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أنہ قال من حمل الجنازۃ بجوانبھا الأربع فقد قضیٰ الذی علیہ۔ [2]

عباد بن منصور سے روایت ہے انہوں نے کہا: مجھ سے ابوالمہزم (یزید بن سفیان) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا: انہوں نے فرمایا: جس شخص نے جنازہ چاروں جانب سے اٹھایا اس پر جو حق تھا، اس نے وہ حق پورا کردیا"۔

۲۸ ابو حنیفۃ عن منصور بن المعتمر عن سالم بن ابی الجعد عن عبید ابن نسطاس عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال من السنۃ أن تحمل بجوانب الأربع فما زدت علی ذلک فھو نافلۃ۔ [3]

"حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ منصور بن معتمر سے وہ سالم بن ابوالجعد سے وہ عبید بن نسطاس سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: سنت میں سے ہے (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے) کہ جنازہ کو چار جانب سے اٹھایا جائے اور جو اس پر اضافہ کرے گا وہ زائدہ ہے"۔

---

[1] ۔مصنف ابن شیبہ جلد سوم ص 283

[2] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6517

[3] ۔جامع المسانید ابوالمرید خوارزمی متوفی 665ھ جلد اول ص 451۔دار الباز للنشر والتوزیع عباس احمد الباز۔مکۃ المکرمہ

۲۹ علامہ ملا علی القاری علیہ الرحمۃ الباری نے شرح نقایہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے:۔ جو یہ ہے:

ولقول ابی هریرة رضی الله عنه من حمل الجنازة بجوانب السریر الأربع غفرله أربعون کبیرة رواه ابن عساکر عن واثلة.[1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جس نے میت کی چارپائی کو چار جانب سے اٹھایا اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا"۔

مسئلہ:۔ علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری شرح نقایہ میں رقمطراز ہیں:

"والمشی خلفها احب" وهو مذهب الاوزاعی وقال الثوری وطائفة: هما سواء وقال مالك والشافعی وأحمد بن حنبل قد أمها افضل (شرح النقایہ جلد اول ص 326)

"اور جنازہ کے پیچھے چلنا زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اور سفیان ثوری اور ایک گروہ کا مذہب ہے: یہ دونوں (یعنی جنازہ کے آگے چلنا اور جنازہ کے پیچھے چلنا) برابر ہیں۔ امام مالک، شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے"۔

اور علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام حاکم سے ایک روایت نقل کی (مستدرک للحاکم میں یہ حدیث نہیں) کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جنازے کے پیچھے ننگے پاؤں چلے۔ اور امام حاکم نے اس حدیث سے سکوت اختیار کیا ہے۔ صاحب عنایہ علامہ بابرتی اور صاحب کفایہ امام جلال الدین خوارزمی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

والمشی خلف الجنازة أفضل وقال الشافعی رحمه الله قد امها أفضل۔[2]

"ہمارے نزدیک جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک

---

[1] ۔ شرح النقایہ جلد اول کتاب الجنائز۔ ص 325۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] ۔ فتح القدیر بمعہ عنایہ وکفایہ۔ جلد سوم ص 96

جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے"۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل:

۳۰ عن معمر عن الزهری قال كان النبی ﷺ و ابوبکر و عمر یمشون أمام الجنازة۔[1]

احناف کی دلیل یہ ہے:

۳۱ عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الجنازة متبوعة ولیست بتابعة لیس معها من تقدمها۔[2]

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنازہ متبوعہ (اتباع کیا گیا) ہے، اتباع کرنے والا نہیں۔ جو شخص جنازہ کے ساتھ ہو اس کو نہیں چاہیے کہ وہ جنازہ کے آگے چلے"۔

۳۲ شیخ امام بخاری حافظ عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ فرماتے ہیں:

عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیه قال ماشی رسول الله ﷺ فی جنازة حتی مات الاخلف الجنازة وبه ناخذ۔[3]

معمر بن راشد عبد اللہ بن طاؤس سے وہ اپنے باپ طاؤس بن کیسان سے روایت کرتے ہیں۔ نہیں چلے رسول اللہ ﷺ کسی جنازہ میں یہاں تک کہ آپ کا وصال مبارک ہوا مگر جنازہ کے پیچھے۔ حافظ عبد الرزاق فرماتے ہیں ہمارا اسی پر عمل ہے"۔

علامہ بدر الدین عینی بن علی بن عثمان ماردینی المشہور با بن ترکمانی متوفی 845ھ اپنی کتاب جوہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ للبیہقی میں لکھتے ہیں:

وفی مصنف عبد الرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیه قال ماشی رسول

---

[1] ۔ جامع ترمذی رقم الحدیث 1009 ۔ سنن ابوداؤد رقم الحدیث 3179 ۔ سنن نسائی ابوداؤد رقم الحدیث 3179 ۔ سنن نسائی رقم الحدیث 1946 ۔ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 1482

[2] ۔ ابن ماجہ شریف رقم الحدیث 1484 ۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6265

[3] ۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم ۔ رقم الحدیث 6262

اللہ ﷺ حتی مات خلف الجنازة وبه نأخذ

اس حدیث کا ترجمہ گزر چکا۔ ابن ترکمانی کی اس حدیث مبارک کی روایت اس لئے کی ہے کہ مصنف عبد الرزاق کی روایت میں ''مشی رسول اللہ ﷺ'' کے بعد لفظ ''فی الجنازة'' زائد ہے۔ اصل حدیث یہ ہے جس کو ابن ترکمانی نے روایت کیا ہے۔ ابن ترکمانی اس حدیث کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

هذا السند صحيح على شرط الجماعة وأخرج الطحاوى عن إبراهيم قال كانوا يكرهون السير أمام الجنازة يعنى أصحاب ابن مسعود و أقل أحوال هذا أنه يدل على افضلية المشى خلفها۔ [1]

''حافظ عبد الرزاق کی حدیث کی یہ سند ایک جماعت کی شرط پر صحیح ہے اور ابو جعفر طحاوی نے ابراہیم بن یزید نخعی سے تخریج کیا کہ ابراہیم نے کہا کہ اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنازہ کے آگے چلنا مکروہ سمجھتے تھے۔ ابن ترکمانی فرماتے ہیں اس اثر کا کم از کم احوال یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنے کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے''۔

۳۳ عن سعيد بن عبد الرحمن بن أبزى عن ابيه قال كنت مع على فى جنازة قال و على أخذ بيدى ونحن خلفها و ابوبكر و عمر رضى الله عنهما يمشيان أمامها فقال إن فضل الماشى خلفها على الذى يمشى أمامها كفضل صلوة الجماعة على صلوة الفذ و إنهما ليعلمان من ذلك ما أعلم و لكنهما لا يحبان أن يشقا على الناس۔ [2]

''سعید بن عبد الرحمن اپنے باپ عبد الرحمن بن ابزی سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا: میں ایک جنازہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھا۔ حضرت عبد الرحمن بن

---

[1] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم۔ ص 281۔ جوہر النقی فی ذیل سنن الکبری للبیہقی۔ جلد 4۔ کتاب الجنائز ص 25، شرح معانی الآثار امام ابو جعفر طحاوی۔ جلد اول ص 326۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] ۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم۔ رقم الحدیث 6263۔ شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول۔ ص 324۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم۔ کتاب الجنائز ص 278

ابزی کہتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور ہم جنازہ کے پیچھے چل رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جنازہ کے آگے چل رہے تھے۔ تو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص جنازہ کے پیچھے چلتا ہے اس کی فضیلت اس شخص پر جو جنازہ کے آگے چلتا ہے ایسے ہی ہے جیسے تنہا نماز پڑھنے والے پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی فضیلت ہے۔ (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شیخین حضرات کے جنازہ کے آگے چلنے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا) وہ دونوں (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) اس کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ لیکن وہ دونوں لوگوں کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں کرتے"۔

یعنی جنازہ میں ازدحام ہوتا ہے اور لوگوں کو چلنے کی آسانی کیلئے اور جنازہ کے آگے راہ کو درست کرنے کیلئے آگے چلتے ہیں۔ معلوم ہوا سنن اربعہ نے جو امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چلتے تھے اس کی علت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمادی۔ تو معلوم ہوا جنازہ کے پیچھے چلنا ہی افضل ہے۔

۳۴ عن يزيد بن الهاد عن ابن مسعود رضي الله عنه قال إن الملائكة تمشي خلفها قال وحدثت عن ابن مسعود أنه كان ينهى من شهد الجنازة أن يسلك عن طريقها۔ [1]

"یزید بن ہاد، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فرشتے جنازہ کے پیچھے چلتے ہیں۔ یزید بن ہاد نے کہا مجھ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا گیا کہ آپ جو شخص جنازہ میں حاضر ہوتا اس کو منع فرماتے تھے کہ وہ جنازہ کے راستے سے اتباع کرتے ہوئے نہ چلے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ جنازہ کی اتباع کرتے ہوئے چلے"۔

۳۵ عن ابي أمامة قال جاء ابوسعيد الخدري إلى علي بن طالب رضي الله عنه وهو جالس وهو مجتبي فسلم عليه فرد عليه فقال ابا حسن أخبرني عن المشي

---

[1] ۔ مصنف عبدالرزاق جلد سوم۔ رقم الحدیث 6266

أمام الجنازة إذا شهد تها اى ذلك أفضل خلفها أم أمامها قال فقطب على بين عينيه ثم قال سبحان الله أمثلك يسأل عن هذا فقال ابو سعيد نعم والله لمثلي يسأل عن مثل هذا فمن يسأل عن مثل هذا إلا مثلي فقال على رضى الله عنه والذى بعث محمداً ﷺ بالحق أن فضل الماشى خلفها على الماشى أمامها كفضل صلوة المكتوبة على التطوع فقال له ابو سعيد الخدرى يا ابا حسن أبرأيك تقول هذا أم شيئ سمعته من رسول الله ﷺ قال فغضب ثم قال سبحان الله يا ابا سعيد أمثل هذا اقوله برأيي لا والله بل سمعته مرارا يقوله غير مرة ولا اثنتين ولا ثلاثة حتى عد سبع مرات الخ۔ [1]

''حضرت ابوامامہ باہلی (صدی بن عجلان) سے روایت ہے، انہوں نے کہا: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی پیٹھ اور پنڈلیوں کو کپڑے سے باندھے بیٹھے ہوتے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے ابوالحسن (رضی اللہ عنہما)! جب میں کسی جنازہ میں ہوں تو مجھے جنازہ کے آگے چلنے کے متعلق خبر دیجئے۔ ان میں سے کون سا افضل ہے؟ کیا جنازہ کے پیچھے چلنا بہتر ہے یا جنازہ کے آگے چلنا؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے ترش روئی سے مجھے دیکھا اور پھر فرمایا: سبحان اللہ! کیا تمہارے مثل اس کے متعلق سوال کرتا ہے؟ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! بخدا! میری مثل ہی اس طرح کے مسئلے کے متعلق سوال کرتا ہے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا! بلاشبہ وہ جو جنازہ کے پیچھے چلنے والا ہے اس کی فضیلت اس شخص پر جو جنازہ کے آگے چلنے والا ہے ایسے ہی جیسے فرض نماز پڑھنے والے کی فضیلت نفل نماز پڑھنے والے پر ہے۔ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے ابوالحسن! کیا یہ بات آپ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6267 معانی الآثار للطحاوی جلد اول ص 325-324

یا کسی چیز کے ساتھ جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ناراض ہوئے پھر فرمایا: اے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ! سبحان اللہ! کیا اس کی مثل میں اپنی رائے سے کہہ سکتا ہوں؟۔ بخدا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ ایک بار نہیں۔ دو بار نہیں۔ تین بار نہیں۔ یہاں تک کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سات بار اس کو شمار کیا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: بخدا میں نہیں بیٹھا جب سے میں جنازہ میں حاضر ہوا ہوں مگر ایک انصاری مرد کے جنازہ پر حاضر ہوا۔ اس جنازہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حاضر ہوئے۔ تو میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جنازہ کے آگے چل رہے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مسکرائے اور فرمایا تم ان دونوں کو دیکھ رہے ہو کہ وہ جنازہ کے آگے چل رہے ہیں۔ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: جی ہاں! حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: اگر تمہارے سوا کوئی اور مجھے بیان کرتا (کہ یہ دونوں جنازہ کے آگے چلتے ہیں) میں اس کی تصدیق نہ کرتا لیکن مجھے معلوم ہے جھوٹ تمہاری شان نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دعائیہ کلمات فرمائے یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان دونوں کو معاف فرمائے۔ بلاشبہ اس امت کے افضل ابوبکر بن ابوقحافہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر اس افضلیت کو اللہ ہی جانتا ہے کہاں ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر تم نے ان دونوں کو یہ کرتے ہوئے دیکھ لیا (تو میں اس کا سبب بیان کرتا ہوں) کہ وہ دونوں جانتے ہیں جو جنازہ کے پیچھے چلنے والا ہے اس کی فضیلت اس شخص پر جو جنازہ کے آگے چلنے والا ہے ایسے ہی ہے جیسے فرض نماز پڑھنے والے کی فضیلت نفل پڑھنے والے پر ہے۔ اور ان دونوں کو ایسا ہی معلوم ہے جیسا کہ وہ جانتے ہیں کل سے پہلے رات ہے۔ اور ان دونوں نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے ہی سنا ہے۔ جیسے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لیکن وہ دونوں اس بات کو ناپسند سمجھتے ہیں کہ لوگوں کا ازدحام ہو اور وہ باہم تنگ ہوں۔ چنانچہ ان دونوں نے اس وجہ سے جنازہ کے آگے چلنا پسند فرمایا ہے اور اسلئے بھی کہ وہ دونوں لوگوں کیلئے آسانی پیدا کریں"۔

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے آگے چلنے کی وجہ بیان فرمادی۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری شرح نقایہ میں فرماتے ہیں:

وعن نافع قال خرج عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فی جنازۃ وأنا معہ فقلت یا ابا عبد الرحمٰن کیف السنۃ فی المشی مع الجنازۃ أمامها أو خلفها فقال ویحک نافع أما ترانی أمشی خلفها رواہ الطبرانی۔ ولان المشی خلفها أوعظ فإنہ ینظر إلیها ویتفکر فی حال نفسہ لدیها ویتذکر أنہ من اللاحقین للسابقین ولأنہ ربما یحتاج التعاون فی حملها[1]

''نافع سے روایت ہے انہوں نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازہ میں نکلے اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ میں نے عرض کیا: اے ابو عبد الرحمٰن! (یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) جنازہ کے ساتھ چلنے میں سنت کیا ہے؟ کیا جنازہ کے آگے چلیں یا جنازہ کے پیچھے چلیں؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے نافع! تجھ پر افسوس کیا تو مجھے نہیں دیکھ رہا کہ میں جنازہ کے پیچھے چل رہا ہوں؟ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا۔

(یہ حدیث معجم کبیر للطبرانی میں نہیں ہو سکتا ہے معجم اوسط للطبرانی میں ہو)

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اس حدیث مبارک کو نقل کرنے کے بعد جنازہ کے پیچھے چلنے کے فوائد تحریر فرماتے ہیں کہ جناز کے پیچھے چلنا باعث نصیحت ہے کیونکہ پیچھے چلنے والا جنازہ کو دیکھ رہا ہے۔ اور جنازہ کے پاس اپنے نفس کے حال میں تفکر کرنے والا ہے۔ اور یاد کرتا ہے کہ وہ جو پہلے گزر گئے ہیں ان کے ساتھ لاحق ہونے والوں میں سے ہے اور اسلئے بھی پیچھے چلنا افضل ہے کہ بسا اوقات جنازہ کے اٹھانے میں وہ تعاون کا محتاج ہوتا ہے''۔

تو جملہ منقولات وتصریحات سے ثابت ہوا کہ جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ویقوم الذی یصلی علی الرجل والمرأۃ بحذاء الصدر '' لأنہ موضع القلب

---

[1] شرح النقایہ۔ جلد اول ص 327۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

وفیہ نور الإیمان فیکون القیام عندہ إشارۃ الی الشفاعۃ لإیمانہ وعن ابی حنیفۃ أنہ یقوم من الرجل بحذاء رأسہ ومن المرأۃ بحذاء وسطہا لأن أنسا رضی اللہ عنہ فعل کذلک وقال ہو السنۃ قلنا تاویلہ أن جنازتہا لم تکن منعوشۃ فحال بینہا وبینہم۔

''اور وہ شخص جو نماز جنازہ پڑھ رہا ہے وہ مرد اور عورت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔ اسلئے کہ سینہ دل کی جگہ ہے اور دل میں نور ایمان ہے۔ چنانچہ سینہ کے برابر کھڑا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ پڑھانے والا مرد کے سر کے برابر کھڑا ہو اور عورت کے درمیان میں کھڑا ہو۔ اسلئے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کیا ہے اور فرمایا یہی سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول یا فعل کی تاویل کہ عورت کا جنازہ پالکی والا نہیں تھا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس عورت اور لوگوں کے درمیان ہوئے''۔

اس کے ماتحت صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ فرماتے ہیں:

''قولہ لان انسا رضی اللہ عنہ فعل کذلک'' روی عن نافع ابی غالب

'' اس حدیث کو جامع ترمذی رقم الحدیث 1034۔ سنن ابوداؤد رقم الحدیث 3194 اور سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 1494 نے روایت کیا ہے۔ اصل حدیث یوں ہے۔

۳۶ عن عبد الوارث عن نافع ابی غالب قال کنت فی سکۃ المربد فمرت جنازۃ و منہا ناس کثیر۔ قالوا جنازۃ عبد اللہ بن عمیر فتبعتہا فاذا انا برجل علیہ کساء رقیق رأسہ خرقۃ تقیہ من الشمس فقلت من ہذا الادہقان، قالوا ہذا أنس بن مالک فلما رفعت الجنازۃ قام أنس فصلی علیہا وأنا خلفہ لا یحول بینی وبینہ شیئ فقام عند رأسہ فکبر أربع تکبیرات لم یطل ولم یسرع ثم ذہب یقعد فقالوا یا ابا حمزۃ المرأۃ الأنصاریۃ فقربوہا وعلیہا نعش أخضر فقام عند عجیزتہا فصلی علیہا نحو صلوتہ علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا أبا حمزہ ہکذا رسول اللہ ﷺ یصلی علی الجنازۃ کصلوتک یکبر علیہا أربعا ویقوم عند رأس الرجل وعجیزۃ المرأۃ قال نعم۔ [1]

---

[1] سنن ابی داؤد رقم الحدیث 3194

''عبد الوارث نافع ابو غالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: میں درختوں کے ایک باڑے میں تھا تو ایک جنازہ گزرا اور جنازہ کے ساتھ بہت زیادہ لوگ تھے۔ لوگوں نے کہا یہ جنازہ عبد اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ نافع ابو غالب فرماتے ہیں: میں بھی جنازہ کے پیچھے چل پڑا تو کیا دیکھتا ہوں ایک مرد ہے جس پر باریک چادر ہے۔ اس کی چادر اور سر پر کپڑے کا ایک ٹکڑا جوان کو سورج کی گرمی سے بچاتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ سردار کون ہے؟۔ لوگوں نے کہا: یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب جنازہ کو رکھا گیا تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نماز جنازہ پڑھائی اور میں آپ کے پیچھے تھا اور میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس کے سر کے پاس کھڑے ہوئے اور چار تکبیریں کہیں۔ نہ کمی کی نہ جلدی کی۔ پھر آپ بیٹھنے کیلئے چلے گئے تو لوگوں نے کہا: اے ابوحمزہ! (یہ حضرت انس بن مالک کی کنیت ہے) یہ ایک انصاریہ عورت کا جنازہ ہے تو لوگ جنازہ کے قریب ہوئے اور ایک سبز رنگ کا تابوت تھا۔ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اس انصاریہ عورت کی سرین کے برابر کھڑے ہوئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی جیسا کہ آپ مرد کی نماز جنازہ پڑھائی تھی پھر آپ بیٹھ گئے۔ حضرت علاء بن زیاد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے ابوحمزہ! کیا رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز جنازہ پڑھاتے جیسے آپ نے نماز جنازہ پڑھی اور میت پر چار تکبیریں کہتے تھے اور مرد کے سر کے برابر اور عورت کی سرین کے برابر کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ آپ ﷺ اسی طرح کھڑے ہوتے تھے''۔

اس کے بعد نافع ابو غالب فرماتے ہیں:

قال ابو غالب فسألت عن صنيع أنس فى قيامه على المرأة عند عجيزتها فحدثونى أنه انما كان لأنه لم تكن النعوش فكان الإمام يقوم حيال عجيزتها يسترها من القوم۔ مذکورہ حدیث کا آخری حصہ

''ابو غالب نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس طرح کرنے کے متعلق پوچھا جو وہ عورت کی سرین کے برابر کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ کام اس لئے کیا کہ اس عورت انصاریہ کے جنازہ پر پالکی نہیں تھی تو

امام عورت کے جنازہ میں اس کی سرین کے برابر کھڑا ہوتا ہے تاکہ اس عورت کو لوگوں سے ڈھانپ سکے، یعنی لوگوں سے اس کو پردہ میں کر دے"۔

اور نافع ابو غالب باہلی خیاط بصری کے متعلق ابن معین نے کہا وہ صالح ہیں۔ ابو حاتم نے کہا وہ شیخ ہیں۔ ابن حبان نے اپنی کتاب ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے یعنی ثقہ ہیں۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام فرماتے ہیں:

قلنا قد یعارض ھذا بما روی أحمد أن اباغالب قال صلیت خلف أنس رضی اللہ عنہ علی جنازۃ فقام حیال صدرہ۔ والمعنی الذی عقل فی القیام حیال الصدر وھو عینہ فی الکتاب یرجح ھذہ الروایۃ۔۔ الخ[1]

"صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس کو امام احمد نے روایت کیا ہے کہ ابو غالب نے کہا: میں نے ایک جنازہ پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ مرد کے سینہ کے برابر کھڑے ہوئے۔ چنانچہ قیام میں جو معنی سمجھا گیا ہے وہ ہے سینہ کے برابر کھڑا ہونا اور اس معنی کو صاحب ہدایہ نے معین فرمایا ہے اور صاحب ہدایہ نے اس روایت کو ترجیح دی۔ اور جو صحیحین میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھائی جو نفاس کی حالت میں مرگئی تھی اور آپ ﷺ اس کے درمیان میں کھڑے ہوئے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: یہ آپ ﷺ کا سینہ کے برابر کھڑا ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ باعتبار توسط اعضا کے سینہ درمیان میں ہے کیونکہ سینہ کے اوپر اس کے دونوں ہاتھ ہیں اور اس کا سر ہے اور سینہ کے نیچے اس کا پیٹ اور ران ہے۔ اس اعتبار سے سینہ درمیان میں آتا ہے۔ چنانچہ مذہب امام ابوحنیفہ یہ ہے کہ جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا ہو امام کو اس کے سینہ کے برابر کھڑا ہونا چاہیے کیونکہ یہاں دل ہے اور یہ نور کی جگہ ہے۔ اس کی تائید میں چند آثار پیش خدمت ہیں۔

۳۷ عن سفیان عن لیث عن عطاء قال إذا صلی الرجل علی الجنازۃ قام عند الصدر۔[2]

"زائد بن قدامہ نے سفیان بن سعید بن مسروق ثوری سے انہوں نے لیث بن ابی

---

[1] ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ جلد دوم کتاب الجنائز ص 89

[2] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 313۔ ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی

سلیم سے، انہوں نے حضرت عطا ابن ابی رباح سے، انہوں نے فرمایا: جب کوئی آدمی نماز جنازہ پڑھے تو وہ میت کے سینہ کے پاس کھڑا ہو"۔

اب عطاء بن ابی رباح کے اثر کو علمائے نقد الرجال کی میزان پر پرکھتے ہیں۔

i زائدۃ بن قدامۃ ثقفی ابو الصلت کوفی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ ساتویں طبقہ سے آپ کا تعلق ہے۔ ثقہ اور صاحب سنت ہیں۔ ان کی وفات سن 160 ہجری میں ہوئی۔

ii سفیان بن سعید بن مروق ثوری ابو عبد اللہ کوفی صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں، ثقہ ہیں، حافظ، فقیہ، عابد، امام، حجت، ساتویں طبقہ سے ہیں، وفات ۱۶۰ ہجری

iii لیث بن ابی سلیم بن زنیم قرشی متوفی 184ھ صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔ صدوق ہیں ان کی حدیث لکھی جائے۔ ان کا تعلق چھٹے طبقہ سے ہے۔

iv عطا بن ابی رباح ابو محمد مکی متوفی 115ھ صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔ ثقہ، فقیہ، فاضل، تیسرے طبقہ سے ہیں۔

معلوم ہوا اثر عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ متصل مرفوع اور صحیح ہے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی نور بصیرت ہی ہے کہ آپ نے احکام میں ان احادیث و آثار پر عمل کیا جو صحیح ترین تھیں۔

۳۸ حدثنا شریک عن مغیرۃ عن ابراھیم قال یقوم الذی یصلی علی الجنازۃ عند صدرھا۔[1]

شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک نخعی متوفی 177ھ۔ مغیرہ بن مقسم جنی متوفی 136ھ سے اور وہ ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی متوفی 96ھ سے روایت کرتے ہیں اور یہ جملہ صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔

''حضرت ابراہیم بن یزید نخعی فرماتے ہیں وہ شخص جو نماز جنازہ پڑھائے اس کو جنازہ کے سینہ کے پاس کھڑا ہونا چاہیے۔''

---

[1] ۔ مصنف ابن شیبہ جلد سوم ص 313

۴۰ عن ابن جریج قال حدثنی من أصدق من الحسن أنه قال یقوم الرجل من المرأة إذا صلی علیها عند صدرها۔[1]

عبدالمالک بن عبدالعزیز بن جریج قرشی ابوالولید متوفی 150ھ سے روایت ہے انہوں نے کہا: مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو حسن بن ابوالحسن بصری متوفی 110ھ سے اصدق (زیادہ سچا) ہے۔ اس نے کہا: کوئی مرد جب عورت کی نماز جنازہ پڑھے تو وہ عورت کے سینہ کے پاس کھڑا ہو"۔

اس حدیث کے تمام روات بھی صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔

چنانچہ ان جملہ آثار سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تمام مذاہب میں سے اکمل واتم ہے۔ کیونکہ احکام میں جن احادیث و آثار کو احناف نے ماٰخذ بنایا، وہ باعتبار اسناد صحیح ہیں۔

پھر یہ آثار نقل کرنے والے دونوں عظیم محدث ہیں اور یہ دونوں امام بخاری رحمہ اللہ کے مشائخ میں سے ہیں۔

ایک الحافظ الکبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ اور دوسرے امام الحافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی 235ھ۔

لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کے مشائخ کے چند آثار تائید و توثیق مذہب حنفیہ میں پیش کئے ہیں جن سے مذہب حنفیہ کا برحق ہونا اور تمام مذاہب پر فوقیت کا حامل ہونا اظہر من الشمس ہے۔ اللہ عزوجل مذہب حنفیہ پر ہم سب کو ہمیشہ قائم و دائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۴۰ عن عبداللہ بن عمرو قال سأل رجل رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ تمر بنا جنازة الکافر افنقوم لها قال نعم ۔ قوموا لها فانکم لستم تقومون لها انما تقومون اعظاما للذی یقبض الارواح۔[2]

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ایک مرد نے

---

[1] ۔ مصنف ابن عبدالرزاق جلد سوم ص 469، رقم الحدیث 6354

[2] ۔ صحیح ابن حبان جزء 5 ص 24 رقم الحدیث 3042

رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس سے کافر کا جنازہ گزرتا ہے کیا ہم اس کیلئے کھڑے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس کیلئے کھڑے ہو۔ اسلئے کہ تم کافر کے جنازہ کیلئے کھڑے نہیں ہوتے، صرف اس ذات کی عزت وتکریم کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہو جو ارواح کو قبض کرتا ہے''۔

* اس سے مراد یا تو اللہ عزوجل کی ذات ہے جو ارواح کو قبض کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ عزوجل کی تکریم وتعظیم کیلئے کھڑے ہوں کیونکہ اس کو اسی نے پیدا کیا اور وہی اسکو موت دے رہا ہے۔ یا اس سے مراد فرشتے ہیں جیسا کہ سنن نسائی کی حدیث سے واضح ہے کہ حضرت قتادہ بن دعامہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا:

إن جنازة مرت برسول الله ﷺ فقام فقيل إنها جنازة يهودي فقال إنما قمنا للملائكة۔[1]

''رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم تو صرف فرشتوں کیلئے کھڑے ہوئے ہیں۔

اور حضرت سہل بن حنیف اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہودی کے جنازہ کے متعلق فرمایا: ''الیست نفساً'' کیا وہ ایک جان نہیں۔[2]

احادیث ''الأربعين الفيضية فی أحكام الجنائز'' اختتام پذیر ہوئیں۔ اس بندہ ناچیز نے ان چالیس احادیث کو عاشق رسول خدا، فدائے غوث الوریٰ، قبلہ والد گرامی فیض من فیوض الباری حضرت مولانا فیض احمد نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ درحقیقت میں نے اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر فتوح کے ایصال کی نیت سے چالیس احادیث مبارکہ نقل کر کے ان احادیث کو آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ شریعت

---

[1] ۔ سنن نسائی رقم الحدیث 1931

[2] ۔ سنن نسائی شریف۔ رقم الحدیث 1922

مطہرہ میں کسی دوسرے کو ایصال ثواب کیلئے عمل کرنا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور جس کی نیت یہ ہو کہ میں نے یہ عمل فلاں کو ایصال ثواب کیلئے کیا اس عمل کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔ مثلاً چاہ ام سعد۔ وہ کنواں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو ایصال ثواب کیلئے کھودا تھا تاکہ جو بھی اس کنویں سے پانی پیے گا اس کا ثواب ام سعد رضی اللہ عنہا کو ملے گا۔ اسی طرح میں نے بھی احادیث اربعین کو والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اب جو بھی ان احادیث کو پڑھے گا ان شاء اللہ ضرور اس کا ثواب میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچے گا۔ خواہ پڑھنے والا میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ایصال ثواب کی نیت کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ میں نے یہ عمل اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کیلئے کیا ہے اور آپ کی طرف منسوب کیا ہے۔

اب حدیث اربعین کو میں چند اسناد کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

عن ابی درداء قال سئل رسول اللہ ﷺ ماحد العلم الذی إذا بلغه الرجل کان فقیها۔ فقال رسول اللہ ﷺ من حفظ علی أمتی أربعین حدیثا فی أمر دینها بعثه اللہ فقیها وکنت له یوم القیٰمة شافعا وشهیدا۔ [1]

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: علم کی وہ کونسی حد ہے جب آدمی علم کی اس حد تک پہنچ جائے تو وہ فقیہ ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری امت کی چالیس احادیث کی نگہبانی کی وہ احادیث امت کے دین کے معاملہ میں ہوں، ۔ اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کا شفاعت کرنے والا اور اس کا شاہد ہوں گا''۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اس حدیث مبارک کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہاں حفظ سے مراد مسلمانوں تک چالیس احادیث پہنچانا ہے اگرچہ وہ چالیس احادیث اس کو یاد نہیں۔ اور اس سے مسلمانوں کو نفع حاصل ہو سکتا ہے اور جب تک وہ چالیس احادیث لوگوں تک نقل نہیں کرے گا وہ ان احادیث کا حافظ نہیں۔

علامہ امام ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ متوفی 665ھ نے جامع المسانید میں

---

[1] مشکوۃ کتاب العلم۔ فصل ثالث۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ جلد اول ص 208-207 مکتبہ امدادیہ ملتان

اس حدیث کے اکثر طرق نقل فرمائے ہیں اور یہ حدیث مبارک حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، ابوداؤد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

۲ عن ابن عباس عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنهم قال قال رسول اللہ ﷺ من حفظ علی أمتی أربعین حدیثاً من أمر دینها بعثه الله یوم القیمة فی زمرة الفقهاء۔

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری امت کی چالیس احادیث سے نگہبانی کی جو احادیث امت کے دین سے متعلق ہوں قیامت کے دن اس کو اللہ فقہاء کی جماعت سے اٹھائے گا''۔

۳ عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ من حفظ علی أمتی أربعین حدیثا من السنة کنت له شفیعا یوم القیمة۔

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری امت کی چالیس احادیث سے نگہبانی کی اور وہ احادیث سنت میں سے ہوں، قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا''۔

۴ عن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ ﷺ من نقل عنی إلی من لم یلحقنی من أمتی أربعین حدیثا کتب فی زمرة العلماء وحشر فی جملة الشهداء ومن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ سے میری اس امت کی طرف جو مجھ سے نہیں ملی، چالیس احادیث نقل کیں وہ علماء کے زمرہ میں لکھا جائیگا اور شہداء میں سے اٹھایا جائیگا۔ اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے''۔

5 عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنه قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من حفظ علی أمتی أربعین حدیثا من سنتی أدخلته یوم القیمة فی شفاعتی۔

''حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے میری امت کی میری سنت میں سے چالیس احادیث سے نگہبانی کی، قیامت کے دن میں اس کو اپنی شفاعت میں داخل فرمالوں گا''۔

۲ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من روی عنی أربعین حدیثا حشر فی زمرۃ العلماء یوم القیمۃ۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ سے چالیس احادیث روایت کیں اس کو قیامت کے دن علماء کی جماعت میں اٹھایا جائیگا''۔[1]

معلوم ہوا کہ یہ حدیث مبارک تقریباً مشہور ہے کیونکہ یہ حدیث چند صحابہ کرام سے بالفاظ مختلفہ مروی ہے۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ بے کس پناہ میں دعا ہے کہ وہ میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو جو میں نے احادیث اربعین فی الاحکام آپ کے ایصال ثواب کیلئے نقل فرمائیں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں مروی جملہ اعزاز واکرام سے قیامت کے دن سرفراز فرمائے اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے اور اللہ عزوجل اس حدیث مبارک کے توسط وتوسل سے میرے والدین مرحومین کی مغفرت وبخشش فرمائے اور ان کی قبروں کو جنت کے باغات میں سے ایک حسین باغ بنائے اور انکی قبور پر اپنی خصوصی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ آمین!

قارئین گرامی! اس ناچیز نے ابتدا میں کہا تھا کہ اصل مسئلہ سے قبل جنازہ کے کچھ متعلقات کا ذکر کرنا از حد ضروری ہے تاکہ جنازہ کے متعلق پوری آگہی حاصل ہو تو اصل مسئلہ یہ تھا کہ کیا جنازہ کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟۔ چنانچہ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کیونکہ حضرات فقہائے کرام جنازہ میں کسی علت کی بنا پر رفع صوت کو مکروہ لکھتے ہیں اور ہمارے احباب حضرات فقہائے کرام کی تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے جنازہ کے ساتھ ذکر جہر سے منع کرتے ہیں۔ یہ ناچیز اس بات کی پوری کوشش کرے گا کہ جملہ فقہائے کرام کی کتب مذہب کی منقولات بالاستیعاب ضبط تحریر میں لائے تاکہ ہمارا کوئی دوست یہ نہ کہے کہ صرف ایک دو عبارتیں پیش کی

---

[1] ۔ جامع المسانید للخوارزمی جلد اول ص 7 تا 10 ۔ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ

گئی ہیں اور اپنے مسلک کو محفوظ رکھنے کیلئے باقی علماء کی تصریحات کو ترک دیا گیا اور ہم نے اپنے مسلک کی بقا کیلئے مسامحت اختیار کی۔ میں ان شاء اللہ اس خدشہ کے پیش نظر جملہ فقہاء کی عبارات نقل کروں گا اور اس کے بعد اس کا کافی وشافی جواب بھی عرض کروں گا۔

مسئلہ: کیا جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنا چاہیے کہ نہیں؟

اس کے متعلق سب سے پہلے کتب مذہب کی منقولات پیش خدمت ہیں:

شیخ امام کمال الدین المعروف بابن ہمام متوفی 681ھ فرماتے ہیں:

ویکرہ لمشیھا رفع الصوت بالذکر والقراءۃ ویذکر فی نفسہ۔[1]

''اور جنازہ کے پیچھے چلنے والے کیلئے قرأت قرآن اور ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور وہ آدمی اپنے دل میں ذکر کرے''۔

حضرت علامہ جلال الدین خوارزمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ویکرہ لمشیھا رفع الصوت بالذکر والقرأۃ لانہ فعل الکتابی ویذکر فی نفسہ[2]

''اور جنازہ کے پیچھے چلنے والے کیلئے قرأت قرآن اور ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ کتابی (اہل کتاب) کا فعل ہے اور وہ اپنے دل میں ذکر کرے''۔

حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ متوفی 1252ھ فرماتے ہیں:

''قولہ کما کرہ الخ'' قیل تحریماً وقیل تنزیھا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنھا وینبغی لمن تبع الجنازۃ أن یطیل الصمت وفیہ عن الظھیریۃ فإن أراد أن یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ۔ لقولہ تعالیٰ أنہ لایحب المعتدین أی الجاھرین بالدعاء وعن إبراھیم أنہ کان یکرہ أن یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا لہ غفر اللہ لکم اھ قلت وإذا کان ھذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ھذا الزمان۔[3]

''اور صاحب درمختار کا قول جیسا کہ مکروہ ہے الخ۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد دوم کتاب الجنائز ص 97 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] ۔ کنایہ متصل فتح القدیر جلد دوم ص 97

[3] ۔ ردالمحتار جلد اول کتاب الجنائز ص 658 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

بعض نے کہا یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ البحر میں غایہ کے حوالے سے ہے۔ اور البحر میں ہی غایہ سے ہے اور چاہیے کہ جو شخص جنازہ کے پیچھے ہو وہ لمبی خاموشی اختیار کرے اور البحر میں ہی فتاویٰ ظہیریہ سے ہے۔ اگر کوئی جنازہ کے پیچھے ذکر کرنا چاہے تو وہ اللہ عزوجل کا ذکر اپنے دل میں کرے۔ بوجہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فرمان کے "**انہ لا یحب المعتدین**" یعنی اللہ تعالیٰ دعا میں آواز بلند کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور ابراہیم (بن یزید بن قیس نخعی متوفی 96ھ) سے روایت ہے کہ وہ کسی آدمی کیلئے یہ کہنا مکروہ سمجھتے تھے کہ وہ آدمی جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو اور کہے اس کیلئے مغفرت طلب کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے"۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جب دعا اور ذکر میں یہ حال ہے تو تمہارا کیا خیال ہے جو اس زمانہ میں نئی چیز پیدا ہوئی ہے یعنی سریلی آواز سے پڑھنا"۔[1]

صاحب البحر الرائق شارح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

وینبغی من تبع جنازة ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت وقرأة القرآن وغیرھا فی الجنازة والکراھة فیھا کراھة تحریم فی فتاوی العصر وعند مجد الائمة الترکمانی وقال علاء الدین الناصری ترک الأولی ۔ اھ ۔ وفی الظھیریة فإن أراد أن یذکرہ فی نفسه لقوله تعالیٰ "إنه لا یحب المعتدین" أی الجاھرین بالدعاء وعن إبراھیم أنه کان یکرہ أن یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا له غفر اللہ لکم۔[2]

صاحب البحر الرائق شیخ ابو العباس احمد بن ابراہیم سروجی متوفی 710ھ کی کتاب غایۃ البیان شرح ہدایہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابو العباس احمد بن ابراہیم سروجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص جنازہ کے پیچھے ہو اسے چاہیے کہ لمبا سکوت اختیار کرے اور ذکر اور قرأت قرآن یا اس کے علاوہ کوئی ذکر کرنا جنازہ میں مکروہ ہے۔ اور جنازہ میں یہ کراہت، کراہت تحریمی ہے۔ یہ فتاویٰ العصر میں ہے اور مجد الائمہ ابن ترکمانی کے نزدیک بھی یہی ہے۔ اور علاؤ الدین ناصر

---

[1] ۔ الامام العلامہ محرر مذہب نعمانی ابو حنیفہ ثانی شیخ زین الدین المشہور بابن نجیم متوفی 970ھ

[2] ۔ البحر الرائق جز دوم کتاب الجنائز ص 192 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

فرماتے ہیں: باآواز بلند ذکر کرنا ترک اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے: اگر کوئی جنازہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو وہ اللہ کا ذکر اپنے دل میں کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ عزوجل دعا میں آواز بلند کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی آدمی یہ کہے جبکہ وہ جنازہ کے ساتھ چل رہا ہے: میت کیلئے استغفار کرو اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔

الفقیہ المحقق عبد اللہ بن شیخ محمد بن سلیمان متوفی 1078ھ ملتقی الابحر کی شرح مجمع الانصار میں رقمطراز ہیں:

وفی القهستانی والاکتفاء مشعر بأنه لا بأس لمشیع الجنازة بالجهر بالقرآن والذکر وقیل انه مکروه کراهة التحریم وکذا لا بأس بمرثیة المیت شعراً أو غیره۔ [1]

''اور قہستانی میں ہے اور اکتفاء کرنا (یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ کے سوا ہونا یہ دلیل باس ہے) بیان کر رہا ہے کہ جو شخص جنازہ کے پیچھے چل رہا ہے اسکا باآواز بلند پڑھنا اور ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ضعیف قول کے مطابق باآواز ذکر کرنا مکروہ کراہت تحریمی ہے اور اسی طرح وہ اشعار وغیرہ پڑھنا جس میں میت کے محاسن کا بیان ہو، اس میں بھی کوئی حرج نہیں''۔

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی 962ھ فرماتے ہیں:

والاکتفاء مشعر بأنه لا بأس بمشیع الجنازة بالجهر بالقرآن والذکر وقیل انه مکروه کراهة التحریم کما فی المنیة وکذا لا بأس بمرثیة المیت شعرا أو غیره کما فی الجلابی وذکر قاضیخان أنه کره قول الماشی استغفر واله غفر الله لکم۔ [2]

''اور اکتفاء کرنا (اس کے متعلق بحوالہ مجمع الانصار گزر چکا ہے) بیان کر رہا ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنے والے کیلئے قرآن پڑھنا یا باآواز بلند ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بقول ضعیف یہ ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ جیسا کہ منیہ میں ہے اور اسی طرح جلابی نے ذکر کیا اور قاضی خان نے

---

[1] ۔ مجمع الانصار جلد اول کتاب الجنائز ص 186 دار احیاء التراث العربی

[2] ۔ جامع الرموز جزء اول ص 287 مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران

ذکر کیا ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنے والے کا یہ قول "استغفروا له غفر الله لکم" بھی مکروہ ہے"۔

ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی متوفی 800ھ فرماتے ہیں:

وعلی متبع الجنازة الصمت ویکره لهم رفع الصوت بالذکر والقرأة.[1]

"اور جنازہ کے پیچھے چلنے والوں پر خاموشی ہونی چاہیے اور ان کیلئے ذکر اور قرأت قرآن کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے"۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی متوفی 592ھ فرماتے ہیں:

ویکره رفع الصوت بالذکر فإن أراد أن یذکر الله یذکره فی نفسه وعن ابراهیم کانوا یکرهون ان یقول الرجل وهو یمشی معها۔ استغفروا له غفر الله لکم[2]

"اور ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی جنازہ کے پیچھے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں ذکر کرے۔ ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی سے روایت ہے کہ لوگ مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی آدمی یہ کہے جبکہ وہ جنازہ کے ساتھ چل رہا ہے: میت کے لئے استغفار کرو اللہ عزوجل تمہارے گناہ معاف فرمائے"۔

صاحب فتاویٰ سراجیہ امام سراج الدین اوشی رحمہ اللہ متوفی بعد از 570ھ آپ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

ویکره النیاح الصوت خلف الجنازة وفی منزل المیت رفع الصوت بالذکر وقرأة القرآن وقولهم "کل حی یموت" ونحو ذلک خلف الجنازة بدعة۔[3]

"اور جنازہ کے پیچھے مطلق آواز بلند کرنا اور بین کرنا مکروہ ہے۔ اور میت کے گھر میں ذکر اور قرأت قرآن کے ساتھ آواز بلند کرنا اور لوگوں کا یہ کہنا "ہر زندہ نے مرنا ہے" یا اس کی مثل "استغفار کرو" وغیرہ نماز جنازہ کے پیچھے بدعت ہے"۔

---

[1] ۔ جوہرہ نیرہ شرح مختصر القدوری جلد اول کتاب الجنائز ص 109 مطبع مجتبائی دہلی

[2] ۔ فتاویٰ قاضی خان جلد اول ص 92 حافظ کتب خانہ کوئٹہ

[3] ۔ فتاویٰ سراجیہ علی ہامش فتاویٰ قاضی خان جلد اول 136

محمود بن الیاس رومی نقایہ مختصر الوقایہ کی شرح 'شرح الیاس متوفی بعد از 851ھ فرماتے ہیں:

ویکرہ لمتبعھا رفع الصوت بالذکر والقرأۃ القرآن ویذکر فی نفسہ۔[1]

''اور جنازہ کے پیچھے چلنے والے کے لئے ذکر اور قرأت قرآن کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اللہ عزوجل کا ذکر اپنے دل میں کرے''۔

مولانا نورالدین علی بن سلطان محمد القاری ہروی متوفی 1014ھ اپنی کتاب شرح النقایہ میں فرماتے ہیں:

ویکرہ رفع الصوت بالذکر مع الجنازۃ لأنہ بدعۃ محدثہ بعد النبی ﷺ[2]

''اور جنازہ کے ساتھ بآواز بلند ذکر کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ بآواز بلند ذکر کرنا بدعت ہے جو نبی کریم ﷺ کے بعد پیدا ہوئی''۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی فإن أراد أن یذکر اللہ یذکر فی نفسہ کذا فی فتاوی قاضیخان۔[3]

''اور جنازہ کے پیچھے چلنے والے کیلئے خاموشی ہے اور لوگوں کیلئے بآواز بلند ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ شرح طحاوی میں اس طرح ہے: اگر کوئی شخص جنازہ کے پیچھے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو اس کو اللہ کا ذکر دل میں کرنا چاہیے''۔

ابوالحسنات مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں:

تتمہ: یکرہ رفع الصوت بالذکر والقراءۃ لحاملی الجنازۃ ومن معھم تحریما قیل تنزیھا وینبغی أن یطیلوا الصمت ولو أرادو الذکر ذکروا فی أنفسھم کذا فی فتح القدیر وغیرہ وفی جواھر النفیسۃ لایرفع صوتہ بالذکر أی یکرہ رفع الصوت بالذکر والقرأۃ

---

[1] ۔ شرح الیاس علی ہامش شرح النقایہ ملا علی قاری جلد اول ص 327

[2] ۔ شرح نقایہ جلد اول ص 327 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[3] ۔ فتاوی ہندیہ جلد اول ص 58

والتکبیر خلف الجنازۃ۔[1]

''ذکر اور قراءت کے ساتھ جو جنازہ کو اٹھانے والے ہیں ان کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہے اور انہیں لمبی خاموشی اختیار کرنا چاہیے۔ اگر وہ ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں ذکر کریں۔ اسی طرح فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ اور جواہر نفیسہ میں ہے: ذکر کے ساتھ اپنی آواز کو بلند نہ کرے یعنی جنازہ کے پیچھے ذکر قراءت اور تکبیر کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے''۔

قارئین گرامی! بندہ ناچیز نے آئمہ فقہائے کرام کی جملہ تصریحات منقولہ آپ کی خدمت میں پیش کر دی ہیں تا کہ کوئی بھی منکر ذکر بالذکر یہ نہ کہے کہ راقم الحروف نے مسامحت سے کام لیا۔ اور صرف ایک دو حوالے پیش کیے حالانکہ جملہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ نماز جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا مانعین کے ممکنہ اعتراض کو حفظ ماتقدم کی بنا پر میں نے جملہ فقہائے کرام کے اقوال نقل کر دیئے جن سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں اس کی چند وجوہ ہیں۔

اولاً: تمام حضرات فقہائے کرام نے یہ فرمایا'' رفع الصوت بالذکر'' چنانچہ لفظ رفع صوت اور جہر بالذکر میں فرق ہے۔

صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

والرفع عند الوضع رفعتہ فارتفع فھو نقیض الخفض فی کل شئ۔[2]

''لفظ رفع (اٹھانا) کی ضد وضع (رکھنا) ہے اور'' رفعتہ فارتفع'' یہ پست آواز کرنے کے مخالف ہے۔

چنانچہ فقہائے کرام کی عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل اور بالذات جو چیز مکروہ ہے وہ مطلق آواز بلند کرنا ہے اور یہ متبوع ہے۔ پھر حضرات علمائے کرام وفقہائے کرام کا فرمانا ''بالذکر وقراۃ القرآن والتکبیر'' یہ بالتبع ہے۔ یعنی نماز جنازہ میں اصل اور مقصود بالذات مطلق

---

[1] ۔سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص 92

[2] ۔لسان العرب جلد 5 ص 268 دار احیاء التراث العربی

آواز بلند کرنا ہے۔ اسی لئے مشائخ امام بخاری، حافظ عبد الرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس کے متعلق باب اس طرح باندھا ہے "باب خفض الصوت عند الجنازة" یہ حافظ عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں باب قائم کیا ہے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اسی طرح باب باندھا ہے۔ "فی رفع الصوت فی الجنازة" تو معلوم ہوا جنازہ کے ساتھ مطلق آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور ذکر وغیرہ کے ساتھ آواز بلند کرنا اس کے تابع ہے۔ اصل مقصود ذکر بالجہر کی ممانعت نہیں۔

اور لفظ جہر کے متعلق صاحب لسان العرب لکھتے ہیں:

یقال جهر بالقول إذا رفع به صوته فهو جهير وأجهر فهو فجهر إذا عرف بشدة الصوت وجهر الشيئ علن وبدا وجهر بكلامه وعائه وصوبه وصلوته وقرأته وأجهر بقرأته ويعديان بين حرف فيقال جهر الكلام۔[1]

"صاحب لسان العرب کی مکمل عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ باب مجرد سے جہر اور باب مزید فیہ سے اجہر بالحرف بھی متعدی ہوتے ہیں۔ جیسے "جہر بالقول" اس وقت کہاں جاتا ہے جب وہ اپنی آواز کو قول کے ساتھ بلند کرے اور "جہر الکلام" بلا حرف متعدی ہے یعنی اس نے کلام کو بلند آواز سے کیا۔

تو ذکر بالجہر سے اصل اور مقصود بالذات ذکر ہے نہ کہ آواز بلند کرنا۔ یعنی اگر کوئی شخص پست آواز سے ذکر کرے تو بھی درست ہے لیکن جہر سے مقصود بآواز بلند ذکر کرنا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ "رفع الصوت بالذکر" میں اصل اور مقصود مطلق آواز بلند کرنا ہے۔ اور "الجہر بالذکر" میں اصل اور مقصود ذکر کا بآواز بلند کرنا ہے۔ لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذالك سبيلا۔[2]

اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان کے بیچ میں راستہ چاہو یعنی متوسط آواز سے پڑھو جس سے مقتدی بآسانی سن لیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں

---

[1] لسان العرب جلد دوم ص 397

[2] پارہ 15۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت 110

اپنے اصحاب کی امامت فرماتے تو قرآن پاک بلند آواز سے پڑھتے۔ مشرکین سنتے تو قرآن پاک اور اس کے نازل ہونے والے کو اور جس پر نازل ہوا ان سب کو گالیاں دیتے تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

تو اس آیت مبارکہ میں ''ولا تجہر بصلاتک'' میں اصل اور مقصود صرف آواز بلند کرنا نہیں بلکہ مقصود بالذات قرآن پاک باآواز بلند پڑھنا ہے۔ کیونکہ مطلق آواز سے مشرکین نہ تو قرآن کو گالیاں نکالتے اور نہ ہی جس نے نازل کیا یا جس پر نازل ہوا۔ تو یہ گالیاں قرآن پاک کو باآواز بلند پڑھنے کی وجہ سے ہیں نہ کہ مطلقاً آواز بلند کرنے کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ لفظ جہر جب ذکر کی طرف متعدی ہوتا ہے تو مقصود بالذات ذکر ہے کو جس باآواز بلند پڑھا جا رہا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان

وان تجہر بالقول فانه یعلم السر واخفی۔ [1]

''اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ تو بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے''۔

صاحب بیضاوی فرماتے ہیں:

قول سے ذکر الٰہی اور دعا مراد ہے۔ اور فرمایا اس آیت میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ذکر اور دعا میں جہر اللہ تعالیٰ کو سنانے کیلئے نہیں بلکہ ذکر کو دل میں راسخ کرنے اور نفس کو غیر کیساتھ مشغول کو روکنے اور باز رکھنے کیلئے ہے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی ''وان تجہر'' قول کی طرف متعدی ہے اور مقصود بالذات قول ہے نہ کہ جہر۔ جیسا کہ صاحب تفسیر بیضاوی نے فرمایا قول سے مراد ذکر و دعا ہے۔ تو ظاہر ہے اصل مقصود قول ہے جہر نہیں یعنی باآواز بلند ذکر اللہ تعالیٰ کو سنانے کیلئے نہیں۔ معلوم ہوا مقصود اللہ عزوجل کا ذکر کرنا ہے بلند آواز نہیں ہے اس لئے صاحب تفسیر بیضاوی نے فرمایا: بلکہ ذکر کو نفس میں راسخ کرنے اور نفس کو غیر کے ساتھ مشغول ہونے کو روکنے اور باز رکھنے کیلئے ہے۔ یہ صفت ذکر کی جو مقصود بالذات ہے نہ کہ بلند آواز کی۔ اسی طرح قرآن مقدس میں اور بھی بیشمار آیات مبارکہ ہیں جن میں جہر کو قول کی طرف متعدی کیا گیا ہے اور اصل مقصود قول ہے جہر نہیں۔

---

[1] پارہ 16۔ سورۃ طٰہٰ آیت 7

جیسا کہ سورۂ حجرات میں ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

یایھا الذین آمنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض الخ۔[1]

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے ''نبی'' کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو۔''

یہاں بھی ''ولا تجہروا'' کو قول کی طرف متعدی کیا گیا ہے یعنی چلا کر آواز بلند نہ کرو۔

تو صاحب لسان العرب کی نقل اور آیات قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ حضرات علمائے کرام نے جنازہ کے ساتھ مطلقاً کلام کرنے کو مکروہ فرمایا۔ اس ضمن میں باآواز بلند ذکر کرنے کو بھی مکروہ فرمایا۔ تو یہ اس زمانہ باسعادت کی بات ہے جب کسی آدمی کا کوئی فرد فوت ہو جاتا اور لوگ اس کی نماز جنازہ کیلئے جنازہ کے ساتھ چلتے اور دیکھنے والا محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ ان میں سے کس کا آدمی فوت ہوا ہے۔ گویا مرنے والے شخص کے اندوہ غم اور حزن والم میں لوگ اس طرح دل گرفتہ وغم زدہ ہوتے کہ دیکھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ان لوگوں میں صاحب میت کون ہے۔ چنانچہ اس مرنے والے کے غم واندوہ اور حزن وملال کی وجہ سے جنازہ میں شامل لوگ نہایت سکون واطمینان، غم رنجیدہ مونہوں پر مہر سکوت۔ چہرہ پر حزن وغم کے آثار نمایاں اور مرنے والے کے غم میں چشم نم ہوتے اور نظر جھکائے ہوئے جنازہ کے ساتھ چل رہے ہوتے تو ایسی صورت میں بلند آواز ان کیلئے قلق واضطراب کا سبب ہوتی۔ آپ نے ضرور مشاہدہ فرمایا ہوگا کہ کبھی مریض آدمی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرنے میں مریض کو تکلیف محسوس ہوتی ہے اور وہ اونچی آواز سننے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ تو کسی کی موت کی وجہ سے جو غم واندوہ اور حزن وملال لاحق ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔ اسی لئے جنازہ کے ساتھ آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھا گیا۔ تو ذکر میں بھی بلند آواز وہی تاثیر رکھتی ہے جو مطلقاً بلند آواز میں ہے تو جب مطلقاً بلند آواز کو جنازہ میں غیر مستحسن اور مکروہ سمجھا گیا تو اس ضمن میں بلند آواز سے ذکر وقرأت قرآن اور تکبیر واستغفار وغیرہ کو بھی مکروہ ہی سمجھا جانے لگا۔ اب جبکہ جنازہ میں لوگ ہنسی مذاق کرتے ہیں

---

[1]۔ پارہ 26 سورۂ حجرات 2

بلکہ غیر مہذب و بیہودہ گفتگو سے بھی پرہیز نہیں کیا جاتا تو جو خاموشی بالذات تھی، ختم ہوگئی۔ تو جو بالتبع بہ آواز بلند ذکر کرنا مکروہ تھا وہ کراہت ختم ہوگئی بلکہ موجودہ دور میں تو جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر الٰہی کرنا ایک مستحسن اقدام ہے تاکہ لوگ جنازہ میں ہنسی اور مذاق، غیر مہذب و بیہودہ گفتگو کو چھوڑ کر ذکر الٰہی کی طرف رجوع کریں اور لغو و بیہودہ باتوں کے گناہ سے بچ سکیں۔

ثانیا: جملہ حضرات علمائے فقہاء نے جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی باآواز بلند کرنا یا کسی ایک کا یہ کہنا کلمہ شہادت پڑھو، اس کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔ سوائے صاحب البحر الرائق کے، آپ نے بصیغۂ تمریض یعنی "قیل" سے فرمایا کہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور بصیغۂ تمریض قول عند الاصولیین راجح نہیں ہوتا بلکہ مرجوح ہوتا ہے۔

اور جب تک کوئی نص خواہ وہ کتاب اللہ ہو، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو یا اجماع امت اس کراہت کو تحریمی کے ساتھ خاص نہیں کرتی وہ کراہت تنزیہی ہی شمار ہوگی۔ اور کراہت تنزیہی خلاف اولیٰ ہے۔ لہٰذا جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنا جائز ہے۔

سب سے پہلے مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کی تعریف اور اس کے بعد مندوب و مستحب وغیرہ کی تعریف سپرد قلم کروں گا۔[1]

والمكروه فى هذا الباب نوعان أحدهما مايكره تحريما وهوالمحمل عند إطلاقهم كما فى الفتح وذكر أنه فى رتبة الواجب لا يثبت إلا بما يثبت به الواجب يعنى بالنهى ظنى الثبوت أو الدلالة فإن الواجب يثبت بالأمر الظنى الثبوت أو الدلالة ثانيهما المكروه تنزيها و مرجعه إلى ماهو تركه أولى وكثيرا ما يطلقونه كما ذكره فى الحيلة فحينئذ إذا ذكروا مكروها فلا بد من نظر فى دليله فإن كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التنزيه إلا الصارف للنهى عن التحريم إلى الندب وإن لم يكن الدليل نهيا بل كان مفيداً للترك الغير الجازم فهى تنزيهة۔

"اس باب میں مکروہ کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک وہ جو مکروہ تحریمی ہے۔

---

[1] ۔علامہ ابن عابدین شامی متوفی 1252 ۔ ردالمحتار مکتبہ ماجدیہ طوغی روڈ کوئٹہ مکروہات نماز جلد اول ص 472، ابن نجیم صاحب البحر الرائق متوفی 970، جلد دوم ص 19 ایم ایچ سعید کمپنی کراچی

حضرات علماء وفقہاء کے نزدیک جب مکروہ مطلق بولا جائے تو یہی مکروہ تحریمی ہوتا ہے جیسا کہ فتح میں ہے اور صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا کہ مکروہ تحریمی واجب کے رتبہ میں ہے اور نہیں ثابت ہوتا مکروہ تحریمی مگر جس سے واجب ثابت ہوتا ہے۔ یعنی مکروہ تحریمی نہی ظنی الثبوت ہو یا نہی ظنی الدلالۃ ہو اور ان میں سے دوسرا مکروہ تنزیہی ہے اور اس کا مرجع ترک اولیٰ ہے اور بہت دفعہ حضرات علماء وفقہاء اس کو مطلق بولتے ہیں جیسا کہ حلیہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ اس وقت جب علمائے کرام مکروہ کا ذکر کریں (یعنی حضرات علماء وفقہاء مطلق مکروہ کا ذکر کریں) تو مکروہ کی دلیل میں نظر ضروری ہے۔ اگر وہ دلیل نہی ظنی الثبوت ہو کراہت تحریمی کا حکم دیا جائیگا۔ مگر کوئی پھر نے والی چیز نہی کو تحریم سے مستحب کی طرف پھیر دے اور اگر دلیل نہی ظنی الثبوت نہ ہو بلکہ غیر جازم کے ترک کا فائدہ دینے والی ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، مکروہ بغیر دلیل ظنی الثبوت کے بھی مکروہ تحریمی کو پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ مکروہ ترک واجب کو شامل ہوگا یا ترک سنت کو متضمن ہوگا۔ پہلی صورت میں مکروہ تحریمی ہے اور دوسری صورت میں مکروہ تنزیہی ہے۔

چنانچہ مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کی تعریف آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس سے آپ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے مکروہ ہونے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا نہ ہی تو واجب ہے اور نہ ہی سنت بلکہ ایک امر مستحب اور مستحسن ہے۔ اور ترک واجب مکروہ تحریمی کو مستلزم ہے۔ جب ہم ذکر بالجہر کے وجوب کے ہی قائل نہیں تو کراہت تحریمی کہاں سے آ گئی۔

دوم: یہ کہ حضرات علماء فقہاء نے اپنی منقولات پر کوئی نص بیان نہیں فرمائی کہ یہ ذکر بالجہر جنازہ کے ساتھ کتاب اللہ سے ثابت نہیں اور کتاب اللہ سے کوئی نص پیش کی ہو یا انہوں نے سنت رسول اللہ ﷺ یعنی حدیث مبارک سے کوئی نص پیش کی ہو کہ نبی کریم ﷺ نے جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر سے منع فرمایا ہو یا حضرات فقہائے کرام سے کوئی نص اجماع پیش کی ہو کہ حضرات علماء سلف وخلف سے منقول ہے کہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا ممنوع ہے۔ جب حضرات علماء کرام نے اپنی منقولات میں کسی نص کا ذکر نہیں کیا جو جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے

عدم ثبوت پر دلالت کرتی ہو فقط مطلق لفظ مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد لینا ہرگز جائز نہیں

چنانچہ اگر مانعین ذکر بالجہر کے پاس کوئی دلیل یا نص ہو تو وہ اس کو پیش کریں ورنہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر جائز ہوگا کیونکہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی کا مرجع ترک اولی ہے۔

سوم: یہ کہ جملہ فقہاء کرام کی تصریحات میں اختلاف ہے۔ مثلاً کچھ حضرات فقہاء کرام مطلق مکروہ نقل فرمارہے ہیں۔ کچھ اس کے مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی میں اختلاف فرمارہے ہیں اور کچھ جیسے قہستانی صاحب جامع الرموز جنازہ کے پیچھے ذکر بالجہر کو لاباس سے تعبیر فرمارہے ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ سراجیہ اس کو بدعت فرمارہے ہیں تو حضرات فقہاء کرام کا بھی مکروہ میں اتفاق نہیں تو ایسی صورت میں جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کو بلا دلیل شرعی مکروہ تحریمی کہنا شریعت مطہرہ سے مذاق کے مترادف ہے۔ میں نے جو حضرات فقہاء کرام کے افادات مفیدہ نقل کی ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی کوئی نص نقل کی ہو جو جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے مکروہ تحریمی ہونے پر دلیل قاطع ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جملہ فقہاء کرام کا بلا ثبوت نص صرف مکروہ یا بدعت یا لاباس بہ لکھنا ذکر بالجہر کے کراہت تحریمی کو ثابت نہیں کرتا۔ یہ صرف مکروہ تنزیہی کے ثبوت کی دلیل ہے جو کہ خلاف اولی ہے اور عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ یہ جواز کی دلیل واضح ہے۔ اب اس بات کا جاننا بھی از حد ضروری ہے کہ مندوب، مستحب، نفل اور تطوع میں کیا فرق ہے۔ اور کیا ترک مندوب مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی میں خلاف اولی میں کیا فرق ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی متوفی 1252 ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

"قوله ويسمى مندوبا وأدبا" زاد غيره نفلا و تطوعا وقد جرى على ما عليه الأصوليون وهو المختار من عدم الفرق بين المستحب والمندوب والأدب كما في حاشية نوح آفندي على الدرر فيسمى مستحبا من حيث إن الشارع يحبه و يؤثره و مندوبا حيث بين ثوابه و فضيلته من ندب الميت وهو تعديد محاسنه و نفلا من حيث إنه زائد على الفرض والواجب ويزيد به الثواب وتطوعا من حيث إن فاعله يفعله تبرعاً من غير أن يأمره حتما۔ و من شرح الشيخ إسماعيل على البرجندي و قد يطلق عليه اسم السنة وصرح القهستاني بانه دون سنن الزوائد قال في الإمداد وحكمه الثواب على

الفعل وعدم اللوم علی الترک۔ وھل یکرہ ترکہ تنزیھا فی البحر لا۔ ونازعہ فی النھر بمافی الفتح من الجنائز والشھادات أن مرجع کراھۃ التنزیہ خلاف أولی۔ قال ولا شک أن ترک المندوب خلاف الأولی أقول لکن أشار فی التحریر إلی أنہ قد یفرق بینھما بأن خلاف الأولی مالیس فیہ صیغۃ نھی کترک صلوۃ الضحی بخلاف المکروہ تنزیھا نعم قال فی الحلیۃ أن ھذا أمر یرجع الی الاصطلاح والتزامہ غیر لازم۔ والظاھر تساویھما کما أشار إلیہ اللامشی۔ لکن قال الزیلعی فی الأکل یوم الأضحی قبل الصلوۃ المختار أنہ لیس بمکروہ ولکن یستحب أن لایأکل وقال فی البحر ھناک ولایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذلابدلھا من دلیل خاص۔[1]

''درمختار کا یہ قول کہ مستحب کو مندوب اور ادب کا نام بھی دیا جاتا ہے (یعنی مستحب کو مندوب وادب بھی کہا جاتا ہے) صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: صاحب درمختار کے علاوہ اور علماء کرام نے فرمایا مستحب کو نفل اور تطوع بھی کہا جاتا ہے اور اصولیین اسی قاعدہ پر ہیں اور یہی مختار ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ مستحب، مندوب اور ادب میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ الدرر کے حاشیہ نوح آفندی میں ہے۔ اور مستحب کو مستحب اسلئے کہتے ہیں کہ شارع علیہ السلام اس کو دوست رکھتے ہیں اور اس کو پسند فرماتے ہیں اور مندوب کو اس حیثیت سے مندوب کہا جاتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے ثواب اور فضیلت کو بیان فرمادیا۔ اور مندوب ''ندب المیت'' سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے میت کے محاسن شمار کرنا اور بیان کرنا اور نفل کو اس اعتبار سے نفل کہا جاتا ہے کہ یہ فرض اور واجب پر زائد عبادت ہے۔ اور نفل کے سبب ثواب زیادہ ملتا ہے اور تطوع کو اس حیثیت سے تطوع کہتے ہیں کہ اس کا کرنے والا اس کو بطور عطیہ وصدقہ کرتا ہے نہ کہ اس کے کرنے کا حتمی حکم دیا گیا ہے۔ اور برجندی کی شرح شیخ اسماعیل میں ہے: کبھی کبھی تطوع پر لفظ سنت کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اور قہستانی نے تصریح فرمائی کہ یہ سنت سنن زوائد سے کم درجہ پر ہے اور تطوع کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور اس کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کیا تطوع کا ترک مکروہ تنزیہی ہے؟ صاحب البحرالرائق فرماتے

---

[1] ۔ردالمحتار جلد اول ص 91 مکتبہ ماجدیہ عیدگاہ طوغی روڈ کوئٹہ

ہیں: نہیں۔ اور صاحب النھر الفائق نے اس میں جھگڑا کیا اس وجہ سے کہ جو فتح القدیر کتاب الجنائز اور کتاب الشہادات میں ہے کہ کراہت تحریمی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔ چنانچہ صاحب النھر الفائق نے کہا کہ کوئی شک نہیں مندوب کا ترک خلاف اولیٰ ہے۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے اپنی کتاب "التحریر فی اصول الفقہ" میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان دونوں (خلاف اولی اور مکروہ تنزیہی) کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ خلاف اولیٰ وہ ہے جس میں صیغہ نہیں ہے جیسے صلوۃ ضحیٰ کا ترک ہے اور اس بارے نہی وارد نہیں ہوئی۔ بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ اس میں صیغہ نہیں ہوتا۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: ہاں صاحب حلیہ نے فرمایا کہ یہ معاملہ اصطلاح کی طرف راجع ہے اور اس کا التزام لازم نہیں اور ظاہر یہی ہے کہ دونوں (خلاف اولی اور مکروہ تنزیہی) برابر ہیں۔ جس کی طرف لامشی نے اشارہ فرمایا۔ لیکن امام زیلعی نے عید الاضحیٰ کے دن نماز عید سے قبل کھانے کے متعلق فرمایا: مختار یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔ لیکن مستحب ہے کہ نماز عید سے قبل نہ کھائے۔ اور صاحب البحر الرائق نے یہاں فرمایا کہ ترک مستحب سے کراہت کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ کراہت کیلئے دلیل خاص ضروری ہے"۔

اس عاجز نے اس موضوع پر صاحب ردالمحتار کی بالاستیعاب عبارت نقل کی ہے۔ اس لئے کہ کہیں ہمارے احباب شکوک وشبہات کا شکار نہ بن جائیں کہ کیا صاحب ردالمحتار نے یہ نقل کیا ہے یا نہیں تو اس بندہ ناچیز نے تائیداً اور تاکیداً صاحب ردالمحتار کی پوری عبارت نقل کردی تا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری اس میں کوئی شک باقی نہ رہ جائے کہ راقم الحروف متہم ہو۔ اور صاحب ردالمحتار کی پوری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مندوب، مستحب، نفل اور تطوع میں کوئی فرق نہیں۔ اور کیا ترک مندوب مکروہ تنزیہی ہے یا نہیں یا کیا خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی میں کوئی فرق ہے۔

چنانچہ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ کراہت تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔ اور ترک مندوب بھی خلاف اولیٰ ہے اور اصل بات جو صاحب البحر الرائق نے کہی ہے کہ ابوحنیفہ ثانی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ترک مستحب سے ثبوت کراہت لازم نہیں آتا کیونکہ کراہت خاص دلیل کی محتاج ہے۔

اب یہ عاجز صاحب ردالمحتار کی اس عمدہ تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ

کے شیخ ابوبکر بن ابی شیبہ کے چند آثار مع جرح وتعدیل رواۃ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور اس کا فیصلہ آپ کی صوابدید پر چھوڑتا ہے تاکہ آپ لوگ بنظر عدل وانصاف فیصلہ کرسکیں کہ کیا جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنا مکروہ ہے یا مستحسن امر ہے۔

امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی 235ھ نے ایک باب قائم فرمایا۔ وہ باب یہ ہے:

''فی رفع الصوت فی الجنازہ''

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس باب کے تحت چند آثار نقل فرمائے، وہ پیش خدمت ہے:

1 حدثنا عبد الوهاب الثقفی عن أیوب عن ابی قلابة قال کنا فی جنازة فرفع ناس من القصاص أصواتهم کانوا یعظمون المیت بالسکینة۔

''عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی ایوب بن ابی تمیم سختیانی سے روایت کرتے ہیں اور ابو قلابہ عبداللہ بن زید سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابو قلابہ نے کہا: ہم ایک جنازہ میں تھے قصاص میں سے چند لوگوں نے اپنی آوازیں بلند کیں اور وہ ہیبت ووقار کے ساتھ میت کی تعظیم کرتے تھے''۔

اور حضرت ابو قلابہ کے اس اثر میں ان قصہ بیان کرنے والے لوگوں کو حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا منع کرنا ثابت نہیں بلکہ آپ نے صرف یہی فرمایا کہ یہ لوگ وقار کے ساتھ میت کی تعظیم کرنے والے تھے۔ اگر بلند آواز جنازہ میں مکروہ تحریمی ہوتی تو حضرت ابو قلابہ ان کو ضرور منع فرماتے۔ اب رواۃ کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

i عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی متوفی 194ھ یحییٰ بن معین اور محمد بن سعد نے کہا وہ ثقہ ہیں اور یہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[1]

ii ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی متوفی 131ھ تابعی۔ حافظ مزی رحمہ اللہ ان کے ترجمہ کے تحت مختلف نقد الرجال سے نقل کرتے ہیں۔ وہ ثقہ، ثبت، حجت اور کبار فقہاء میں سے تھے اور یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[2]

---

[1] ۔تہذیب الکمال حافظ میزی متوفی 742 ۔جلد 6 ۔ص 505

[2] ۔تہذیب الکمال مزی جلد اول ص 621 دار الکتب العلمیہ بیروت

iii عبداللہ بن زید بن عمرو ابو قلابہ جری جلیل تابعی متوفی 104ھ محمد بن سعد نے انہیں اہل بصرہ کے طبقہ دوم میں شمار کیا ہے اور فرمایا عبداللہ زید جری ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ اور یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں ہیں۔

اس متصل مرفوع مقطوع اثر کے جملہ رواۃ کو علماء نقد الرجال نے ثقہ، فاضل، حجت قرار دیا ہے، الہٰذا یہ اثر مقطوع صحیح ہے اور بالاتفاق قابل عمل ہے۔

۲ حدثنا عبد الله بن المبارك عن همام عن قتادة عن الحسن عن قيس بن عباد قال كان أصحاب محمد ﷺ يستحبون خفض صوت عند ثلاث عند القتال وعند القرآن وعند الجنائز۔

''عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی تمیمی ہمام بن یحییٰ سے وہ قتادہ بن دعامہ سے وہ حسن بن ابی الحسن بصری سے وہ قیس بن عباد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ محمد ﷺ کے اصحاب تین مقام پر اپنی آواز پست رکھنا مستحب سمجھتے تھے۔ قتال کے وقت، قرأت قرآن کے وقت، اور جنائز کے پاس۔

i عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی تمیمی متوفی 181ھ علماء نقد الرجال نے ان کے متعلق فرمایا: وہ ثقہ، ثبت، فقیہ، عالم، جواد، مجاہد، جامع خصال خیر، مامون، امام، حجت، کثیر الحدیث آٹھویں طبقہ سے اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں[1]۔

ii ہمام بن یحییٰ بن دینار ابو عبداللہ بصری متوفی 164ھ اور ساتویں طبقہ سے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا: ہمام ثقہ، صالح ہیں اور قتادہ بن دعامہ سے روایت مجھے بہت پسند ہے۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں ہمام ثقہ ہیں: اور ہمام بن یحییٰ عبسی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[2]

iii قتادہ بن دعامہ بن قتادہ سدوسی 117ھ طبقہ چہارم سے ہیں اور محمد بن سعد نے ان کو اہل بصرہ کے طبقہ سوم میں ذکر کیا ہے۔ علماء نقد الرجال نے فرمایا: ثقہ اور ثبت ہیں۔

---

[1] ۔تہذیب الکمال حافظ مزی جلد 5 ص 576

[2] ۔تہذیب الکمال جلد 10 ص 463

یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل وغیرہ نے ان کی اچھی تعریف کی۔ اور قتادہ بن دعامہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[1]

iv حسن ابن ابی الحسن بصری متوفی 110ھ طبقہ سوم میں سے ہیں۔ آپ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورۂ خلافت کے ابھی دو سال باقی تھے کہ آپ کی پیدائش ہوئی اور آپ کے متعلق مشہور ہے کہ جب بھی ان کی والدہ غائب ہوتیں اور یہ روتے تو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے پستان مبارک ان کے منہ میں ڈالتیں اور وہ خاموش ہو جاتے۔ حضرات علمائے نقد نے ان کو ثقہ، فقیہ اور فاضل مشہور سے نقل کیا ہے اور حافظ مزی رحمہ اللہ نے آپ کے خصائل حمیدہ تقریباً بارہ اوراق میں نقل فرمائے۔[2]

v قیس بن عباد قیسی ابو عبداللہ بصری متوفی بعد از 80ھ آپ اکثر صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں ان میں علی بن ابی طالب، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

محمد بن سعد نے آپ کو اہل بصرہ کے تابعین میں سے طبقہ اول میں ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں وہ ثقہ اور قلیل الحدیث تھے۔ امام عجلی اور نسائی نے ان کو کبار صالحین سے ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقہ فرمایا۔[3]

معلوم ہوا یہ اثر قیس بن عباد تابعی صحیح ہے متصل مرفوع اور مقطوع ہے۔ جس کے جملہ رواۃ نہایت ہی ثقہ اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ یہ قیس بن عباد جلیل تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کے اصحاب جنازوں میں اپنی آواز کو پست کرنا مستحب سمجھتے تھے۔

مانعین ذکر سے میری گزارش ہے کہ وہ فرمائیں استحباب کا خلاف کراہت تحریمہ ہے۔ باعتبار سند اعلیٰ متصل، مرفوع اور مقطوع یہ حدیث مبارک علماء و فقہاء کرام کی منقول عبارات پر نص ہے کہ فقہاء کرام کی مکروہ سے مراد مکرہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ کیونکہ جنازہ میں بلند آواز

---

[1] ۔ تہذیب الکمال جلد 8 ص 326

[2] ۔ تہذیب الکمال حافظ مزی جلد سوم ص 530 تا 545

[3] ۔ تہذیب الکمال حافظ مزی جلد 8 سوم ص 399

خلاف استحباب ہے جس سے صرف ترک اولیٰ لازم آتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا جیسا کہ میں نے اس سے قبل لسان العرب کے حوالہ سے ذکر کیا کہ جنازہ میں اصل اور مقصود بالذات صرف بلند آواز ہے اور ذکر اس کے تابع ہے نہ کہ جنازہ میں ذکر بالجہر مقصود بالذات ہے۔ تو جب جنازہ میں ہنسی مذاق اور لغو و بیہودہ باتیں کی جاتی ہیں تو اس وقت ذکر بالجہر مستحب اور مستحسن ہوگا تاکہ لوگوں کو ایسے لغو اور بیہودہ فعل سے بچایا جاسکے۔ اور اس صحیح الاسناد حدیث سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرات علماء و فقہاء کی منقولات میں لفظ مکروہ سے مراد ہرگز مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے جو استحباب کا مقابل ہے ورنہ صحیح الاسناد حدیث کا خلاف لازم آئے گا اور حضرات فقہاء کرام صحیح الاسناد حدیث کے خلاف نہیں نقل کرتے۔

۳ حدثنا وکیع عن هشام عن قتادة عن الحسن، عن قیس بن عباد قال کان أحیا النبی ﷺ یستحبون شخص الصوت عند ثلاث، عند القتال، عند القرآن وعند الجنائز

وکیع بن جراح بن ملیح ابی عبداللہ دستوائی سے انہوں نے قتادہ بن دماعہ سے انہوں نے حسن بن ابی الحسن بصری سے انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا نبی اکرم ﷺ کے اصحاب تین مقام پر پست آواز کو مستحب سمجھتے تھے۔ وہ تین مقام اس سے قبل حدیث میں گزر گئے۔ اب حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے قتادہ بن دعامہ تک دوسرے طریق سے اس کو روایت کیا ہے۔ محدثین کے نزدیک اگر ایک حدیث بطریق متعدد مروی ہو تو وہ حدیث قوی ہوتی ہے۔ حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے پہلی حدیث عن عبداللہ بن مبارک عن ہمام عن قتادہ سے روایت کیا اور دوسری حدیث عن وکیع عن ہشام عن قتادہ سے روایت کی۔ معلوم ہوا یہ حدیث نہایت قوی ہے جو مختلف جید اسناد کے ساتھ مروی ہے۔ قتادہ بن دماعہ سے لے کر آخر تک رواۃ کا ترجمہ اس سے قبل مذکور ہو چکا۔ اور حضرت قتادہ بن دماعہ سے پہلے رواۃ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

i وکیل بن جراح بن ملیح رؤاسی متوفی 196ھ کبار نے نانویں طبقہ سے ہیں۔ علماء نقد الرجال نے ان کی جرح و تعدیل میں فرمایا: یہ ثقہ، عابد، حافظ ہیں اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[1]

---

[1] تہذیب الکمال جلد 10 ص 530

ii ہشام بن ابی عبداللہ دستوائی متوفی 154ھ کبار ساتویں طبقہ سے ہیں۔

امام عجلی نے کہا یہ حدیث میں ثقہ اور ثبت ہیں اور یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: شعبہ بن حجاج نے کہا: ہشام دستوائی حضرت قتادہ کی حدیث کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ اور یہ بھی صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[1]

چنانچہ دوسری حدیث نے پہلی حدیث کی تائید وتوثیق کردی اور پہلی حدیث کو قوی بنا دیا۔[2]

یہی حدیث مبارک ایک اور سند سے ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ کبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ روایت کرتے ہیں:

۴ عبدالرزاق عن معمر عن قتادة عن الحسن قال أدركت أصحاب رسول الله ﷺ يستحبون خفض الصوت عند الجنائز وعند قراءة القرآن وعند القتال وبه نأخذ.[3]

"عبدالرزاق بن ہمام معمر بن راشد سے وہ قتادہ ابن دعامہ سے وہ حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا کہ وہ جنازوں میں، قرآن کی تلاوت کے وقت اور جنگ کے وقت آہستہ آواز کو مستحب سمجھتے تھے"۔

i امام حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ نویں طبقہ سے ہیں۔ علماء نقد الرجال فرماتے ہیں: ثقہ، مصنف، شہیر اور آخری عمر میں آپ نابینا ہو گئے تھے۔ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[4]

ii معمر بن راشد ازدی حمانی متوفی 154ھ کبار ساتویں طبقہ سے ہیں۔

---

[1] ۔تہذیب الکمال جلد 10 ص 429۔

[2] ۔مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 274، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

[3] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 453 رقم الحدیث 6281

[4] ۔تہذیب الکمال حافظ مزی جلد 6 ص 323

معاویہ بن صالح، یحییٰ بن معین سے روایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے کہا معمر بن راشد ثقہ ہیں۔ عجلی نے کہا معمر بن راشد بصری یمن میں سکونت پذیر ہوئے وہ ایک صالح مرد اور ثقہ ہیں۔ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[1]

چنانچہ یہ حدیث مختلف طریق سے حضرت قتادہ بن دعامہ سے مروی ہے دو طریق میں حضرت قیس بن عباد فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا کہ وہ جنازہ میں پست آواز کو مستحب جانتے۔ اور تیسری حدیث جس کو حافظ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں بطریق معمر بن راشد عن قتادہ سے روایت کیا: اس میں جلیل القدر تابعی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اصحاب رسول ﷺ کو پایا کہ وہ جنازہ میں آہستہ آواز کو مستحب سمجھتے تھے۔

تو یہ جملہ آثار صحیحہ، متصلہ، مرفوعہ، مقطوعہ اس بات بین اور روشن دلیل ہیں کہ فقہاء کرام نے لفظ کراہت نقل فرمایا۔ اس سے مراد بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔ اتنی معتمد اور صحیح الاسناد احادیث کے ہوتے ہوئے فقہاء کرام کے لفظ کراہت کو تحریمہ پر محمول کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان آثار جید الاسناد میں لفظ استحباب ہے جن کا خلاف مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہو سکتا ہے۔

۵ حدثنا وکیع عن سفیان عن ابن جریج قال کان رسول اللہ ﷺ إذا کان فی الجنازة أکثر السکوت وحدث نفسہ۔[2]

"وکیع بن جراح بن ملیح سفیان بن عیینہ سے وہ عبدالمالک بن عبدالعزیز بن جریج سے روایت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ میں ہوتے تو بہت زیادہ خاموشی اختیار فرماتے اور اپنے نفس سے باتیں فرماتے"۔

اگرچہ اس حدیث کے جملہ رواۃ ثقہ اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں لیکن یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ ابن جریج نے نبی اکرم ﷺ کو نہیں دیکھا۔

۶ حدثنا یزید بن ھارون قال أخبرنا حماد بن سلمة عن علی ابن زید عن الحسن

---

[1] ۔ تہذیب الکمال جلد 10 ص 20 ترجمہ نمبر 6736

[2] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 274

أن النبی ﷺ کان یکرہ الصوت عند ثلاث عند الجنازۃ وإذا التقی الزحفان وعند قراءۃ القرآن۔[1]

"یزید بن ہارون نے کہا: ہمیں حماد بن سلمہ نے علی بن زید سے انہوں نے حضرت حسن بصری سے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ تین مقام کے پاس آواز کو ناپسند فرماتے: جنازہ کے پاس، دو لشکروں کے ملنے کے وقت اور تلاوت قرآن کے وقت"۔

انہی حضرت حسن بصری نے حدیث عبدالرزاق میں آہستہ آواز کو مستحب فرمایا ہے۔

اس حدیث میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہیں اور یہ حدیث بھی مرسل ہے۔

چنانچہ ان تمام احادیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ جنازہ میں باآواز بلند بات کرنا ناپسندیدہ ہے اور آہستہ بات کرنا مستحب ہے۔ اور مستحب کا معنی پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ صاحب ردالمحتار کے قول سے ثابت ہے کہ مستحب کو مستحب اس لئے کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے۔ تو اب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی حدیث میں لفظ یکرہ کا معنی ناپسندیدہ ہوگا مکروہ تحریمی نہیں۔ کیونکہ آثار صحیحہ جید الاسناد سے ثابت ہے کہ اصحاب رسول کریم (رضی اللہ عنہم و ﷺ) جنازہ میں آہستہ آواز اور خاموشی کو مستحب سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان آثار و احادیث صحیحہ جید الاسناد سے ثابت ہوا کہ جنازہ میں بلند آواز خلاف استحباب ہے جو کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ کی دلیل ہے اور جنازہ میں آواز بلند کرنا جائز ہے۔ باقی رہا حدیث ابراہیم بن یزید نخعی فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول ﷺ جنازہ کے پیچھے کسی کا یہ کہنا "استغفروا لہ غفر اللہ لکم" مکروہ سمجھتے تھے۔ گویا کہ فقہاء کرام نے حضرت ابراہیم بن یزید نخعی کی حدیث سے جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنے کی کراہت پر دلیل اخذ کی ہے۔

میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں کہ حضرات فقہاء کرام نے اپنی منقولات میں کوئی نص بیان نہیں فرمائی خواہ نص کتاب اللہ سے ہو یا سنت رسول کریم ﷺ سے یا اجماع امت سے جس سے کراہت تحریمہ ثابت ہوتی ہو۔ کیونکہ مطلق کراہت کے وقت کراہت تحریمہ محتاج دلیل ہے۔ لیکن حضرات فقہاء کرام نے کوئی دلیل نقل نہیں فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ فقہاء کرام

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 274

کے نزدیک بھی جنازہ میں باآواز ذکر کرنے کے متعلق حضرت ابراہیم بن یزید رحمہ اللہ کی حدیث بیان کی اور یہ تابعی کا قول ہے۔ تابعی کا قول مکروہ تحریمہ کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ نص نہیں۔ نص ہے نہی ظنی الثبوت یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کے ساتھ ذکر کرنے سے منع فرمایا ہو۔ اگر یہ دلیل ظنی الثبوت کسی کے پاس ہے تو وہ اس کو پیش کرے ورنہ کراہت تنزیہی ہی مراد ہوگی۔

اب حضرت ابراہیم بن یزید نخعی رحمہ اللہ کی حدیث پیش خدمت ہے:

۷ حدثنا ابو الأحوص عن مغيرة عن إبراهيم قال كان يكره أن يتبع الجنازة يقول استغفروا له غفر الله لكم۔ [1]

''ابوالاحوص سلام بن سلیم نے مغیرہ بن مقسم سے انہوں نے ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی سے روایت کیا۔ مغیرہ بن مقسم نے کہا ابراہیم بن یزید نخعی مکروہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کے پیچھے کوئی آدمی یہ کہے ''استغفروا له غفر الله لكم'' یعنی میت کیلئے استغفار کرو اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے''۔

اس کے علاوہ ابوبکر بن ابی شیبہ نے آٹھ آثار نقل فرمائے جن میں دو اثر ابراہیم بن یزید کے ہیں جن کے الفاظ یہ ہیں یکرہ وہ مکروہ سمجھتے اور تین آثار حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے ہیں کہ آپ نے جنازہ میں میت کیلئے ''استغفروا له'' کہنے والے کو منع فرمایا۔ ایک اثر عطا بن رباح کا ہے کہ وہ جنازہ میں ''استغفروا له'' کہنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ ایک اثر حضرت حسن بصری کا ہے وہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ ایک اثر حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا ہے وہ بھی اس کے خلاف ہیں۔

تو ان جملہ آثار وحدیث سے ثابت ہوا کہ جنازہ کے پیچھے باآواز بلند کسی کا میت کیلئے یہ کہنا ''استغفروا لہ'' مکروہ ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ہمارے موجودہ دور میں کوئی آدمی باآواز بلند کہتا ہے سب کلمہ شہادت پڑھو۔

اب وہ احادیث وآثار بھی ملاحظہ فرمائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کے پیچھے کسی کا باآواز بلند ''استغفروا لہ'' کہنا جائز ہے۔

---

[1] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 273

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ہی روایت کیا۔

۸ حدثنا محمد بن ابی عدی عن ابن عون ابن سیرین قال أول ما سمعت فی جنازة سعد بن أوس استغفروا له۔

''محمد بن ابی عدی ابن عون سے وہ ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے فرمایا: سب سے پہلے میں نے سعد بن اوس کے جنازہ میں سنا کہ لوگوں نے باآواز بلند کہا۔ ''استغفروا له''

i محمد بن ابراہیم بن ابی عدی متوفی 194ھ ثقہ صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔

ii عبداللہ بن عون بصری متوفی 150ھ ثقہ صحاح ستہ کے روات میں سے ہے۔

iii انس بن سیرین آزاد کردہ غلام حضرت انس بن مالک متوفی 120ھ ثقہ۔ صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں:

۹ حدثنا وکیع عن اسرائیل عن ابن إسحاق قال رأیت ابا جحیفة فی جنازة ابی میسرة أخذ بقائمة السریر وجعل یقول غفر الله لك یا ابا میسرة۔[1]

وکیع بن جراح بن ملیح متوفی 196ھ ثقہ، صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔

اسرائیل بن یونس بن ابو اسحاق ہمدانی متوفی 160ھ ثقہ صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔

معاوہ بن اسحاق صدوق از چھٹا طبقہ ان کے باپ دادا صحابی ہیں۔

وہب بن عبداللہ ابو جحیفہ متوفی 74ھ صغار صحابہ کرام میں سے ہیں یعنی جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت یہ بالغ نہیں ہوئے تھے۔

عمرو بن شرحبیل ہمدانی ابو میسرہ متوفی 63ھ ثقہ، سوائے ابن ماجہ کے صحاح ستہ کے روات میں سے ہیں۔ اب حدیث کا معنی ملاحظہ فرمائیں۔

وکیع بن جراح اسرائیل بن یونس سے، وہ معاویہ بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں، معاویہ بن اسحٰق نے کہا: میں نے ابو جحیفہ (وھب بن عبداللہ) کو ابو میسرہ (عمرو بن شرجیل) کے جنازہ میں دیکھا کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ عمرو بن شرحبیل کی چارپائی کا ایک پایا پکڑے

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 273

ہوئے کہہ رہے تھے: ''غفر اللہ لک یا ابا میسرۃ'' اے ابومیسرہ! اللہ تجھے بخشے۔

اس حدیث مبارک کی تائید میں دوسری سند سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

۱۰ عبد الرزاق عن ابن عیینۃ عن إسماعیل بن ابی خالد قال أخذ ابو جحیفۃ بقوائم سریر عمرو بن شرحبیل فما فارقه حتى أتى القبر وهو يقول اللهم اغفر لا بی میسرۃ۔[1]

''عبد الرزاق سفیان بن عیینہ سے وہ اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں، اسماعیل بن ابی خالد نے کہا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن شرحبیل کی چارپائی کے پائے پکڑے ہوئے تھے اور قبر تک جاتے ہوئے ابو جحیفہ نے عمرو بن شرحبیل کی چارپائی کو نہیں چھوڑا اور وہ مسلسل کہہ رہے تھے ''اللھم اغفر لابی میسرۃ'' اے اللہ ابومیسرہ کی مغفرت فرما''۔

i حافظ عبد الرزاق بن ہمام متوفی 211ھ ثقہ اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

ii سفیان بن عیینہ متوفی 198ھ، ثقہ، حافظ، فقیہ، امام، حجت، صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

iii اسماعیل بن ابی خالد متوفی 140 ثقہ، صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

اس حدیث مبارک کو ایک اور طریق سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱ حدثنا عبد اللہ بن ادریس عن اسماعیل قال رأیت ابا جحیفۃ فی جنازۃ ابی میسرۃ والسریر علی عاتقه وهو يقول اللهم اغفر لابی میسرۃ۔[2]

''عبد اللہ بن ادریس اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کو ابومیسرہ کے جنازہ میں دیکھا: جبکہ وہ ابومیسرہ رضی اللہ عنہ کی چارپائی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے: اے اللہ! ابومیسرہ کی بخشش فرما''۔

بندہ ناچیز نے چار آثار و احادیث مع ترجمہ رواۃ آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں جو

---

[1] مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 440 رقم الحدیث 6244

[2] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 273

سب کی سب صحیح الاسناد ہیں۔ان سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔اسی لئے اس ناچیز نے ان آثار واحادیث کے جملہ روات کا ترجمہ بالا جمال نقل کردیا ہے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ راوی ضعیف ہیں۔قوی الاسناد آثار واحادیث اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ فقہاء کرام نے جو ذکر بلند آواز سے کرنے کو مکروہ لکھا ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی نہیں۔ ورنہ ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں وہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب نہ فرماتے۔

۱۲ عبد الرزاق بن جریح قال قلت لعطاء قوله "والظاهر قولهم" استغفروا غفر الله لكم قال "محدثة" وبلغني عن النبي ﷺ أنه قال لذي لبجادين استغفروا له غفر الله لكم۔[1]

"عبدالرزاق بن ہمام نے ابن جریج (عبدالمالک بن عبدالعزیز) سے روایت کیا، ابن جریج نے کہا: میں نے حضرت عطا (بن ابی رباح) رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کا جنازہ میں "استغفروا له غفر الله لكم" کہنا کیسا ہے؟ عطا ابن ابی کہتے ہیں: مجھے نبی کریم ﷺ سے حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے ذوالبجادین (ایک مشہور صحابی کا لقب ہے جو جنگ تبوک میں شہید ہوئے تھے۔آپ کا اصل نام "عبداللہ بن عبدنہم" ہے) کیلئے فرمایا "استغفروا له غفر الله لكم" ذوالبجادین کیلئے استغفار کرو، اللہ سبحانہ تمہیں بخشے"۔

حضرات علماء فقہاء نے جلیل القدر تابعی ابراہیم بن یزید بن قیس کے قول سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جنازہ میں بلند آواز سے یہ کہنا مکروہ ہے۔اور محدث کبیر حافظ عبدالرزاق کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے بآواز بلند یہ کلمہ ذوالبجادین کے حق میں فرمایا۔چنانچہ اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کرنا مکروہ تحریمی نہیں۔اور حضرت ابراہیم نخعی کے قول میں لفظ مکروہ بمعنی خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ ہے نہ کہ مکروہ تحریمی اور خلاف اولیٰ سے جواز نکلتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کرنا جائز ہے۔اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو وہ گنہگار نہیں۔کیونکہ جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کرنا نہ تو واجب ہے اور نہ ہی سنت،صرف مستحب ہے۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 439 رقم الحدیث 6239

حافظ عبدالرزاق کا ترجمہ حدیث نمبر 10 کے تحت ملاحظہ فرمائیں اور ابن جریج کا ترجمہ یہ ہے:

i عبدالمالک بن عبدالعزیز جریج متوفی 151ھ۔ ثقہ، فاضل، فقیہ اور اصحاب صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔[1]

ii عطا بن ابی رباح ابوبکر محمد مکی متوفی 114ھ، ثقہ، فقیہ، فاضل دار قطنی نے کہا خالد بن نوف سے عطا بن ابی رباح فرمایا: میں نے دوسو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا۔[2]

یہ حضرت عطا بن ابی رباح کہتے ہیں مجھے نبی کریم ﷺ کی حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالبجادین کے حق میں فرمایا: اے لوگو! اس کے لئے استغفار کرو۔

۱۳ عبد الرزاق عن ابی جریحج قال أخبني الحكم بن أبان أنه سمع عكرمة مولى ابن عباس يقول توفى ابن لابی بكر كان يشرب الشراب فقال ابوهريرة استغفروا له فإنما يستغفر لمسيئ مثله۔[3]

''حافظ عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا کہ مجھے حکم بن ابان نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے فوت ہوگئے جو شراب نوشی کرتے تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''استغفروا لہ'' (ظاہر یہی ہے کہ یہ کلمہ باآواز بلند جنازہ میں تھا) کیونکہ (استغفار کی وجہ سے) اس جیسے برے آدمی کیلئے استغفار کی جاتی ہے''۔

حافظ عبدالرزاق بن ہمام اور عبدالمالک ابن عبدالعزیز بن جریج کا ترجمہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔

i حکم بن ابان عدنی متوفی 154، سنن اربعہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

یحیٰی بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں۔ اسی طرح نسائی نے بھی کہا ابوزرعہ نے کہا: وہ

---

[1] ۔تہذیب الکمال جلد 6 ص 439

[2] ۔تہذیب الکمال حافظ مزی جلد 7 ص 141 ترجمہ نمبر 4560

[3] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 440 رقم الحدیث 6244

صالح ہیں۔ احمد بن عبداللہ عجلی نے کہا وہ ثقہ اور صدوق ہیں۔[1]

ii عکرمہ قرشی ہاشمی متوفی 104ھ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

علماء نقد الرجال نے کہا: وہ ثقہ، ثبت، عالم بالتفسیر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی تکذیب ثابت نہیں اور نہ ہی عکرمہ سے کوئی بدعت ثابت ہے۔[2]

قارئین گرامی القدر! اس ناچیز نے حضرات فقہاء کرام کے استدلال کہ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے تھے کہ اصحاب رسول جنازہ میں باآواز بلند یہ کہنا "استغفروا لہ غفر اللہ لکم" مکروہ سمجھتے تھے، چنانچہ جملہ فقہاء کرام نے بھی جنازہ کے جہر بالذکر کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے۔ لہٰذا میں نے اس کے متعلق ردالمحتار اور البحر الرائق سے ایک ضابطہ نقل کیا کہ اگر مکروہ مطلق ہو تو کیسے معلوم ہو کہ یہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: جب لفظ مکروہ مطلق ہو تو پھر کسی دلیل کی ضرورت ہے جو ظنی الثبوت ہو۔ یا پھر علماء فقہاء کرام نے اس کے مکروہ تحریمی ہونے کی کوئی نص پیش کی ہو۔ تو جب کوئی دلیل ظنی الثبوت نہیں تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے جو خلاف اولیٰ ہے اور اس کا کرنا جائز ہے۔ اور میں نے بحمدہٖ تعالیٰ حضرت ابراہیم بن یزید جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں ان کے قول کے علاوہ دیگر تابعین کے اقوال بھی نقل فرمائے اور تقریباً تیرہ جید الاسناد اور قوی آثار واحادیث نقل کی ہیں جو اس بات پر بین اور واضح ثبوت ہیں کہ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر مکروہ تحریمی نہیں بلکہ اکثر آثار صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے کہ جنازہ میں پست اور آہستہ آواز مستحب ہے اور اکثر آثار صحیحہ، متصلہ، مرفوعہ ومقطوعہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جنازہ کے ساتھ کلمہ "استغفروا لہ غفر اللہ لکم" کہنا جائز ہے تو حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال باطل ہوا اور مکروہ تحریمی ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ اگر کوئی جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کرتا ہے تو جائز ہے۔ اگر جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر کرنا واجب وسنت نہیں، مستحب ہے۔ اللہ عزوجل راہ ہدایت فرمائے۔ اب اس کے بعد صرف دو احادیث ذکر جہر کی فضیلت میں پیش خدمت ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ذکر بالجہر

---

[1] ۔تہذیب الکمال حافظ مزی جلد سوم ص 37 ترجمہ نمبر 1422

[2] ۔تہذیب الکمال حافظ مزی جلد 7 ص 221 ترجمہ نمبر 4636

کرنے والے کا محبوب رب العالمین ﷺ کے حضور کیا مقام ہے۔

باآواز بلند ذکر کرنے کی فضیلت

۱ عن محمد بن مسلم الطائفی عن عمرو بن دینار عن جابر رضی الله عنه أن رجلا كان یرفع صوته بالذكر فقال رجل لو أن هذا خفض صوته فقال رسول الله ﷺ فإنه "أواه" قال فمات فرأی رجل ناراً فی قبره فأتاه فإذا رسول الله ﷺ فيه وهو يقول هلموا إلى صاحبكم فإذا هو الرجل الذی كان یرفع صوته بالذكر۔

اس حدیث کو امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری نے المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز باب "فضیلة رفع الصوت بالذکر" کے تحت روایت کیا ہے[1]

''محمد بن سالم طائفی عمرو بن دینار سے، وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی باآواز ذکر کرتا تھا تو ایک شخص نے کہا: کاش! کہ یہ اپنی آواز کو پست کرتا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص بہت آہیں کرنے والا ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ باآواز بلند ذکر کرنے والا مر گیا تو ایک شخص نے اسکی قبر میں آگ دیکھی تو وہ آدمی قبر کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس باآواز بلند ذکر کرنے والے کی قبر میں رسول اللہ ﷺ موجود ہیں اور وہ فرما رہے ہیں: اپنے صاحب کی طرف (اور مجھے پکڑاؤ) پس کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص وہی تھا جو باآواز بلند ذکر کرتا تھا''۔

۲ عن ابو أحمد الزبیری ثنا محمد بن مسلم الطائفی عن عمرو بن دینار عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال رأیت ناراً فی المقابر فأتیتهم فإذا رسول الله ﷺ فی القبر وهو يقول ناولونی صاحبكم۔[2]

''حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے قبرستان میں آگ دیکھی تو ان کے پاس آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں ہیں

---

[1] المستدرک للحاکم جلد اول ص698، دارلمعرفہ بیروت حدیث 1401

[2] مستدرک للحاکم جلد اول ص698 رقم الحدیث 1402

اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں: مجھے اپنے صاحب کو پکڑاؤ''۔

مستدرک کے ذیل میں کتاب '' الدرک فی تخریج مستدرک '' میں امام نووی کی مجموع جلد 5 ص 169 پر ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام حاکم نے خود فرمایا:

ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ۔

'' یہ حدیث شرط مسلم پر صحیح ہے اور مسلم اور بخاری نے اس کی تخریج نہیں کی''۔

تو اس حدیث سے جس کا باب بھی یہی ہے کہ باآواز بلند ذکر کرنے کی فضیلت، ثابت ہوا جو شخص باآواز بلند ذکر کرتا ہے تو زمانہ نبوت میں خود نبی اکرم ﷺ اسکو اپنے دست مبارک سے لحد میں اتارتے ہیں اور جو شخص آج باآواز ذکر کرے ان شاء اللہ خود رسول اللہ ﷺ قبر میں اس کا استقبال فرمائیں گے۔

۳ حافظ کبیر ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ ''المعجم الکبیر'' میں روایت کرتے ہیں۔ معجم کبیر للطبرانی کا باب یہ ہے: '' من غرائب حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ''

عن ابی نعیم ثنا محمد بن مسلم عن عمرو دینار أخبرنی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال رأی ناس نارا فی مقبرۃ فأتوھا فإذا رسول اللہ ﷺ یقول ''ناولونی صاحبکم'' وإذا ھو الرجل الذی کان یرفع صوتہ بالذکر۔[1]

'' عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ مجھے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: لوگوں نے مقبرہ میں آگ دیکھی تو وہ لوگ اس مقبرہ میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: اپنے صاحب کو پکڑاؤ تو اچانک وہ وہی آدمی تھا جو باآواز ذکر کرتا تھا اور نبی اکرم ﷺ لوگوں فرما رہے تھے مجھے اپنے صاحب کو پکڑاؤ تا کہ آپ ﷺ اس کو لحد میں اتاریں۔ سبحان اللہ! کیا شان باآواز بلند ذکر کرنے والے کی''۔

۴ امام المحدثین حافظ جلیل ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی 458ھ سنن الکبری میں

---

[1] معجم کبیر للطبرانی جلد دوم ص 182، رقم الحدیث 1743 دار احیاء التراث العربی

روایت کرتے ہیں:

عن فضل بن دکین ثنا محمد بن مسلم الطائفی عن عمرو بن دینار قال أخبرنی أو قال سمعت جابرا قال رأی الناس نارا فی المقبرة فاتوها فإذا رسول الله ﷺ فی القبر وإذا هو یقول "ناولونی صاحبکم" فإذا هو الذی کان یرفع صوته بالذکر۔[1]

"عمرو بن دینار کہتے ہیں مجھے حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ نے خبر دی یا کہا میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے فرمایا: لوگوں نے مقبرہ میں آگ دیکھی تو وہ اس آگ کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں ہیں اور آپ فرمارہے ہیں مجھے اپنے صاحب کو پکڑاؤ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اچانک وہ شخص وہی تھا جو باآواز بلند ذکر کیا کرتا تھا"۔

بلند آواز سے ذکر کرنے والے کی فضیلت کا یہ ایک روشن اظہار ہے۔

الامام الحافظ ابی داؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی رحمہ اللہ متوفی 275 روایت کرتے ہیں:

5 عن ابو نعیم عن محمد بن مسلم عن عمرو بن دینار قال أخبرنی جابر بن عبد الله أو قال سمعت جابر بن عبد الله قال رأی ناس نارا فی المقبرة فاتوها فإذا رسول الله ﷺ فی القبر وإذا هو یقول ناولونی صاحبکم فإذا هو الرجل الذی کان یرفع صوته بالذکر۔[2]

"حافظ ابو نعیم محمد بن مسلم سے وہ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں، عمرو بن دینار نے کہا مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی یا عمرو بن دینار نے کہا: میں نے حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا: لوگوں نے قبرستان میں آگ دیکھی اور وہ اس آگ کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر میں ہیں۔ اور ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ فرمارہے: میں اپنا ساتھی مجھے پکڑاؤ۔ تو اچانک وہ آدمی وہی تھا جو باآواز بلند

---

[1] ۔ سنن الکبریٰ للبیہقی جلد 4 ص 51-31 نشر السنہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

[2] ۔ ابوداؤد کتاب الجنائز رقم الحدیث 3164

ذکر کیا کرتا تھا"۔

الحافظ الکبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہ اللہ متوفی 211ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

۲ عبد الرزاق عن ابن جریج قال سمعت حسن بن مسلم وغیرہ من أصحابه یقولون کان رجل من أھل نجد إن دعا رفع صوته وإن صلی رفع صوته وإن قرء رفع صوته فشکا ابوذر رضی الله عنه إلی رسول الله ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ إن ھذا الأعرابی قد آذانی لئن دعا لیرفعن صوته ولئن قرء لیرفعن صوته فقال النبی ﷺ دعه فإنه أواه قال ابوذر رضی الله عنه فلما کانت غزوة تبوك رأیت نار اللیل فقلت لآتیین ھذا النار فلأنظرن ما عندھا۔ فإذا جنازة تجھزوا إذا رجل فی القبر وإذا ھو یقول ھلموا أدنوا إلی صاحبکم (ادنوا إلی صاحبکم) فإذا فی القبر النبی ﷺ وإذا الأعرابی الجنازة۔ [1]

"عبدالرزاق بن ہمام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج سے روایت کرتے ہیں، ابن جریج نے کہا میں نے حسن بن مسلم وغیرہ کے اصحاب سے سنا (حسن بن مسلم متوفی بعد از سو) وہ کہہ رہے تھے کہ اہل مجد کا ایک آدمی تھا جب دعا مانگتا تو آواز بلند کرتا، جب نماز پڑھتا تو آواز بلند کرتا اور جب قرآن مقدس کی تلاوت کرتا تو آواز بلند کرتا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں اس کی شکایت کی اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ بدوی مجھے اذیت پہنچا رہا ہے۔ اگر دعا کرتا ہے تو ضرور آواز بلند کرتا ہے اگر نماز پڑھتا ہے تو آواز بلند کرتا ہے اور اگر تلاوت قرآن کرتا ہے تو ضرور آواز بلند کرتا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کو چھوڑ دو یہ بہت آہیں کرنے والا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جب غزوہ تبوک ہوا تو میں نے رات کو ایک آگ دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا میں ضرور اس آگ کے پاس جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ آگ کے پاس کیا چیز ہے (تو جب حضرت ابوذر غفاری اس آگ کے پاس گئے) تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک

---

[1] مصنف عبدالرزاق جلد سوم کتاب الجنائز ص 522 رقم الحدیث 6559

تیار شدہ جنازہ ہے اور کیا دیکھتے ہیں کہ قبر میں ایک مرد ہے اور کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مرد کہہ رہا ہے: آؤ اپنے ساتھی کو میرے قریب کرو، اپنے ساتھی کو میرے قریب کرو۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ قبر میں نبی اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور کیا دیکھتا ہوں کہ جنازہ اس اعرابی کا ہے جو بآواز بلند ذکر کرتا تھا"۔

تو ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ بآواز بلند ذکر کرنا جائز ہے۔ اگر ذکر بالجہر جائز نہ ہوتا تو آپ ﷺ بآواز بلند ذکر کرنے والے کو منع فرماتے بلکہ آپ ﷺ نے اس کو ''اواہ'' سے تعبیر فرمایا۔ اسی لئے صاحب مستدرک امام حاکم رحمۃ اللہ نے اس طرح باب قائم کیا'' فضیلۃ رفع الصوت بالذکر'' یعنی ذکر الٰہی کیساتھ اپنی آواز کو بلند کرنے والے کی فضیلت۔ تو معلوم ہوا فی نفسہ ذکر بالجہر مکروہ نہیں ورنہ احادیث میں ذکر بالجہر کرنے والے کو یہ شرف حاصل نہ ہوتا کہ خود حبیب خدا ﷺ اس کو اپنے دست اقدس سے لحد میں اتار رہے ہیں۔ لہٰذا جنازہ کے ساتھ رفع ذکر کی کراہت صاحب مصیبت کی مصیبت ہے۔ کیونکہ صاحب مصیبت کے پاس آواز بلند کرنا صاحب مصیبت کو اچھا نہیں لگتا ہے۔ اسی لئے علماء فقہاء کرام نے مصیبت زدہ لوگوں کے پاس بآواز بلند ذکر کرنے کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کے حال کو مدنظر رکھو اگر بآواز بلند ذکر کر بھی لو تو جائز ہے۔

آج سے تقریباً چالیس سال قبل 1389ھ میں بقیۃ السلف، حجۃ الخلف ،حضرت العلام مولانا محمد امیر شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت ہی محققانہ کتابچہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے (جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے کا مسئلہ) لہٰذا یہ بندہ ناچیز اس رسالہ مفیدہ، محققہ ،مسلمہ کو بعینہا سپرد قلم کر رہا ہے تاکہ اس رسالہ مستطابہ کی افادیت سے بالخصوص حضرات علماء کرام اور بالعموم مجھ جیسے لاعلم لوگ مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ ماعلینا الا البلاغ

عن أنس قال قال رسول الله ﷺ اذا مررتم رياض الجنة فارتعوا قالوا و ما رياض الجنة قال حلق الذكر۔ (رواہ الترمذی)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم جس وقت جنت کے باغوں سے گزرو تو میوہ خوری کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ بہشت کے باغ کون سے ہیں؟ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: یہ ذکر الٰہی کے حلقے ہیں۔

اعلیحضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

جنازہ میں بلاوجہ شرعی تاخیر نہ ہو۔ جنازے کے آگے پڑھیں تو تم پہ کروڑوں درود اور ذریعہ قادریہ، وصیت نمبر 5 یہ وصیت انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور نے زیر نگرانی حضرت صدر العلماء علامہ عصر ابولبرکات سید احمد صاحب صدر انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور سے طبع کی ہے اور پھر اس وصیت پر باقاعدہ عمل کیا گیا۔ یعنی اعلیٰ حضرت مرحوم ومغفور کے جنازہ کے آگے یہ نظمیں پڑھی گئیں۔ چنانچہ اسی وصایا شریف کے ص 17، سطر نمبر 8 پر لکھا ہوا موجود ہے کہ حسب وصیت کروڑوں درود والی نظم نعت خواں پڑھ رہے تھے۔

حاجی الحرمین الشریفین حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے انتقال کے وقت مولوی اسماعیل صاحب سے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کیا جائے۔ مولوی اسماعیل نے کہا: حضرت یہ تو نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک نئی بات ہے جس کو فقہاء نے اس خیال سے کہ عوام سنت نہ سمجھ لیں، پسند نہیں کیا۔ فرمایا بہت اچھا مرضی ہو۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ اور کسی کو اس کو خبر بھی نہ ہوئی۔ کیونکہ خلوت میں گفتگو ہوئی تھی۔ مگر جب جنازہ اٹھا تو ایک عرب کی زبان سے نکلا "اذکرو اللہ" بس پھر کیا تھا۔ بے ساختہ سب لوگ ذکر کرنے لگے اور "لا الہ الا اللہ" کی صدائیں برابر قبرستان تک بلند ہوتی رہیں۔ بعد میں مولوی اسماعیل صاحب اس گفتگو کو نقل کر کے کہتے تھے کہ ہم نے حضرت کو تو منوا دیا مگر اللہ کو کیونکر منوائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی تمنا پوری کر دی۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ... می دہد یزداں مراد متقین

"تو جس طرح چاہتا ہے خدا اس طرح چاہتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ متقین کی مراد کو پورا فرما دیتا ہے"۔

یعنی اللہ عزوجل متقین کی مراد پوری کرتا ہے انہیں اللہ کا نام سننے سے زندگی میں بھی لذت ملتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اور موت کے بعد غفلت کا کوئی سبب نہیں تو پھر غافل کیونکر ہو سکتے ہیں۔[1] از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

[1] فضائل صبر وشکر ص 423

کثرت سے ذکر الٰہی کرو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ و أصحابہ أجمعین لاسیما علی سیدنا الشیخ القطب الربانی والغوث الصمدانی السید ابی محمد عبد القادر الحسنی والحسینی الجیلانی رضی اللہ عنہ المکین الأمین۔ أما بعد

ذکر الٰہی ہر وقت، ہر طریقہ پر، ہر حال میں کرنا منع نہیں ہے، ناجائز نہیں ہے، ناروا نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کیلئے ضروری اور لازمی ہے کہ ہر آن اور لمحہ یاد الٰہی سے غافل اور بے پروا ہرگز نہ رہے اور کثرت سے یاد الٰہی کرے۔

رب تعالیٰ جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں:

یایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً۔[1]

''اے ایمان والو! اللہ جل جلالہ کو بہت ہی زیادہ یاد کرو''

اسم ''اللہ'' کے ذکر کرنے کا حکم

پارہ نمبر 29 سورۂ المزمل آیت نمبر 8 میں امر وجوبی کے ساتھ ارشاد خداوندی ہے:

''واذکر اسم ربک'' اور اپنے رب تعالیٰ کے نام کا ذکر کر۔

نماز کے ساتھ ذکر الٰہی کا حکم

دین اسلام کے بنیادی ارکان کی ادائیگی کے ساتھ ذکر الٰہی کا حکم الٰہی موجود ہے۔

پارہ 28 سورۂ الجمعہ آیت نمبر 10 میں ارشاد ہے:

فإذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ

---

[1] ۔ پارہ 22 سورۂ احزاب آیت 41

کثیرا لعلکم تفلحون فاذا قضیتم الصلوة فاذ کروا الله قیاما و قعودا و علی جنوبکم۔[1]

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو

اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ پھر تم جب نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

حج کی ادائیگی کے بعد ذکر الٰہی کا حکم

پارہ 6، سورہ بقرہ آیت نمبر 200 میں ارشاد خداوندی ہے کہ جب مناسک حج پورے

کر چکو تو بکثرت یاد الٰہی کرو۔

فاذا قضیتم مناسککم فاذ کروا الله کذ کرکم آباءکم أو أشد ذکرا الخ۔

پھر جب حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے

بلکہ اس سے بھی زیادہ"۔

جہاد میں ذکر الٰہی کا حکم

جب جہاد ہو رہا ہو، معرکہ کارزار گرم ہو، موت سامنے دکھائی دے رہی ہو تو اس وقت

بھی ارشاد خداوند قدوس ہے:

یایها الذین امنوا إذا لقیتم فئة فاذ کروا الله کثیرا لعلکم تفلحون۔[2]

"اے ایمان والو! جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد

بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو"۔

ذکر الٰہی سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ان بندوں کا ذکر ہی ان مبارک الفاظ کے ساتھ کیا ہے جو کہ

اس ذات اقدس کی طرف کلی طور پر رجوع کرتے ہیں اور اس کے فضل و کرم سے یاد الٰہی کر کے

دولت ایمان اور عمل صالح کی نعمت لازوال ان کو حاصل ہو جاتی ہے جس کی بدولت اللہ جل شانہ کے

انعامات کثیرہ کے مستحق ہو جاتے ہیں نیز وہ دنیا و آخرت میں کامیاب و سرخرو ہو جاتے ہیں۔

---

[1] ۔ پارہ 5 سورہ نساء آیت 102

[2] ۔ پارہ 10، سورۃ الانفال آیت 45

الذین امنو ویطمئن قلوبھم بذکر اللہ ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب الذین امنوا وعملوا الصالحات طوبیٰ لھم وحسن مآب۔ [1]

''وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے، وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کو خوشی ہے اور اچھا انجام''۔

ذکر الٰہی کرنے والے ہی صاحبانِ عقل ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے تو صاحبانِ عقل کی تعریف ہی یہی فرمائی کہ وہ تمام احوال میں یادِ الٰہی کرتے رہتے ہیں:

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم۔ الآیہ۔ [2]

''وہ جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر''۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی معافی ذکر الٰہی پر موقوف ہے

جب کسی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی بخشش اور معافی بھی ذکرِ الٰہی پر موقوف رکھی۔

والذین إذا فعلوا فاحشۃ اوظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم۔ الایہ [3]

''اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی اور اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں''۔

مومنوں کے دل یادِ الٰہی سے ڈرتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں مومنین کی تعریف میں یہ فرمایا کہ جب ان پر قرآن مجید کی تلاوت ہو تو ان کا ایمان ترقی پاتا ہے، اور ان کا بھروسہ اپنے رب پر ہوتا ہے وہ نماز کو قائم رکھنے

---

[1] ۔ پارہ 13 سورۂ رعد آیت 29-28

[2] ۔ پارہ 6 سورۂ آل عمران آیت 191

[3] ۔ پارہ 4 سورۂ آل عمران آیت 135

والے ہوتے ہیں وہ ہماری عطا کی ہوئی دولت سے خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہاں پر ان ایمان والوں کی پہلی صفت ہی یہ بیان فرمائی کہ جب اللہ کی یاد کی جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں

إنما المومنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاته زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون۔ الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقناھم ینفقون[1]

"ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں"۔

بے ایمان اللہ وحدہ لاشریک کی یاد سے کبیدہ خاطر ہو جاتے ہیں

جن لوگوں کا آخرت پر یقین نہیں ہے وہی تو یاد الٰہی کے وقت کبیدہ خاطر اور متنفر نظر آتے ہیں، انہی کے چہروں سے ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ پارہ نمبر 24 سورۂ زمر آیت 45 میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واذا ذکر الله وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالآخرۃ۔ الآیة

"اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل سخت کبیدہ اور متنفر ہو جاتے ہیں"۔

منافق کی شناخت

منافق کی علامات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی علامت بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہی نہیں اور اگر کرتا ہے تو بہت کم۔

إن المنافقین یخدعون الله وھو خادعھم واذا قاموا إلی الصلوۃ قاموا کسالی یراءون الناس ولا یذکرون الله إلا قلیلا۔[2]

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکہ کی سزا دینے والا ہے اور یہ منافق نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو محض لوگوں کے

---

[1] ۔ پارہ 9۔ سورۂ انفال آیت نمبر 302

[2] ۔ پارہ 5 سورۂ نساء آیت نمبر 142

دکھلانے کو بڑی کاہلی اور بد دلی سے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت کم"۔

مولانا و بالفضل اولنا محمد امیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آیات قرآنیہ سے ذکر الٰہی کی عزت و عظمت کو اجاگر فرمایا تو اس کے بعد آپ ذکر الٰہی کے متعلق احادیث مبارکہ نقل فرماتے ہیں، کہتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے فرشتے یاد الٰہی کرنے والوں کو راستوں میں تلاش کرتے ہیں

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان لله ملائكة يطوفون فی الطريق يمسون أهل الذكر فإذا وجدوا قوماً يذكرون الله تنادوا اهلموا إلى حاجتكم قال فيحفونهم بأجنحتهم إلى سماء الدنيا۔ [1]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ عزوجل کے فرشتے راہوں میں پھر کر ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی جماعت کو پا لیتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مطلب کی طرف آؤ (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا) پھر فرشتے ان کو اپنے پروں سے آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں"۔

بہترین، بلند اخلاق، اعلیٰ کردار کا مالک وہ ہے جس کی زبان پر مرتے دم تک ذکر الٰہی جاری رہے

عن عبد الله بن بسر قال جاء أعرابی الی النبی ﷺ فقال أی الناس خير فقال طوبیٰ لمن طال عمره وحسن عمله قال يا رسول الله ﷺ أی الأعمال أفضل قال إن تفارق الدنيا ولسانك رطب من ذكر الله۔ رواه احمد والترمذی۔ [2]

"حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک گنوار رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آیا۔ پھر عرض کیا: کونسا عمل بہتر ہے؟ تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خوشحالی اس

---

[1] ۔ مشکوۃ کتاب الدعوات، باب فی ذکر اللہ تعالیٰ فصل اول ۔ بخاری کتاب الدعوات رقم الحدیث 6407 ۔ مسلم کتاب الذکر والدعاء باب 25 جلد دوم ۔ ترمذی رقم الحدیث 3600

[2] ۔ مشکوۃ کتاب الدعوات، باب فی ذکر اللہ عزوجل فصل ثانی ۔ ترمذی رقم الحدیث 2329 ۔ مسند امام احمد سند عبد اللہ بن بسر

شخص کیلئے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھے ہوں۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کونسا عمل افضل ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تو دنیا سے رخصت ہو اور تیری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو"۔

ارشاد سرور کائنات ﷺ ذکر الٰہی کے حلقے جنت کے باغ ہیں

وعن أنس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ إذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم جس وقت بہشت کے باغوں سے گزرو تو میوہ خوری کرو، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جنت کے کون سے باغ ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذکر کے حلقے ہیں۔

جو مجلس ذکر الٰہی کے بغیر ہی ختم ہو جاتی ہے اس پر افسوس اور حسرت ہے

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ مامن قوم یقومون من مجلس لایذکرون اللہ فیہ الاقاموا عن مثل جیفة حمار وکان علیهم حسرة۔[2]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں کھڑی ہوئی کوئی قوم کسی مجلس سے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا گیا ہو مگر کھڑے ہوئے مردار گدھے پر سے کھڑے ہونے والے کی طرح اور ان پر حسرت و افسوس ہے"۔

ذکر الٰہی ہی ایک ایسا پاکیزہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال ماعمل العبد عملاً انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔[3]

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الدعوات، باب فی ذکر اللہ تعالیٰ، فصل ثانی۔ ترمذی رقم الحدیث 3510-3509

[2] مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب فی ذکر اللہ تعالیٰ فصل ثانی۔ ابوداؤد رقم الحدیث 4855۔ الترغیب والترہیب جلد دوم ص 410 مکتبہ عصریہ بیروت

[3] مشکوٰۃ کتاب الدعواب باب فی ذکر اللہ تعالیٰ فصل ثالث۔ ترمذی رقم الحدیث 3377۔ ابن ماجہ رقم الحدیث 3790۔ موطا امام مالک جلد دوم رقم الحدیث 493

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بندے کا کوئی عمل ایسا نہیں جو اسے عذاب الٰہی سے ذکر الٰہی کی نسبت زیادہ نجات دینے والا ہو''۔

بوقت ذکر ذاکر کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ إن الله یقول أنا مع عبدی إذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاه۔[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اس کے ساتھ ہوں جس وقت وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر کے ساتھ اپنے دونوں ہونٹ ہلاتا ہے''۔

ذکر الٰہی سے قلب کے زنگ اتر جاتے ہیں

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ أنه کان یقول لکل شیئ صقالة وصقالة القلوب ذکر الله وما من شیئ أنجی من عذاب الله من ذکر الله قالوا ولا الجهاد فی سبیل الله قال ولا أن یضرب بسیفه حتی ینقطع۔ رواه البیهقی فی دعوات الکبیر۔[2]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کیلئے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر بندے کو کوئی شے زیادہ نجات دینے والی نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی نہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: یہاں تک کہ تلوار چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے تو بھی نہیں''۔

حضرت العلام مولانا محمد امیر شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن واحادیث مبارکہ سے

---

[1] ۔ مشکوۃ کتاب الدعوات فی ذکر اللہ تعالیٰ فصل ثالث۔ بخاری کتاب التوحید باب 43 فی قول اللہ تعالیٰ ''لاتحرك به لسانك''

[2] ۔ مشکوۃ کتاب الدعواب باب فی ذکر اللہ فصل ثالث شعب الایمان للبیہقی جلد اول ص 396 رقم الحدیث 522

ذکر الٰہی کی عظمت و مرتبت بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے واضح ہوگیا کہ ذکر الٰہی کرنے کا حکم ہر مسلمان مرد اور عورت پر ہر آن اور ہر لحہ امر وجوبی ہے۔ اسی لئے حضرات فقرائے اسلام وصوفیائے عظام فرماتے ہیں کہ "یک دم غافل سودم کافر" اب رہا جنازہ کے آگے ذکر الٰہی کرنا تو جنازہ کے آگے ذکر الٰہی کرنا نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ علمائے اہل سنت و جماعت، فقرائے اسلام اور صوفیہ کرام اس کے مستحسن ہونے پر فتویٰ صادر فرما چکے ہیں: اور علماء اہل سنت و جماعت فقرائے اسلام اور صوفیائے کرام نے اس کو مستحسن لکھا ہے اور تقریباً چھ سو برس سے حضرات علماء کرام اس کے مستحسن ہونے پر فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مدت مدید اور زمانہ قدیم سے پشاور شہر میں حضرات سادات کرام کے جنازوں کے آگے ذکر الٰہی کے حلقے ہوتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ کبھی بھی اور کسی وقت بھی علماء اہل سنت و جماعت نے سادات کرام کے حلقہ ہائے ذکر الٰہی کرنے یا صلوٰۃ وسلام کہنے پر اعتراض نہیں کیا بلکہ خود بنفس ہائے نفیس ان حلقہ ہائے ذکر میں شامل ہوئے۔ یہاں تک کہ جس وقت علماء اہل سنت و جماعت سے کوئی عالم فوت ہوا تو اسکے جنازہ کے آگے بھی ذکر الٰہی کیا گیا۔ حضرت استاذ گرامی، شیخ التفسیر والحدیث، عالم علوم ظاہری و باطنی، علامہ وقت مولانا بالفضل اولنا حافظ گل فقیر احمد صاحب گولڑوی خطیب جامع مسجد میاں صاحب قصہ خوانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فقیر کو احباب کی موجودگی میں فرمایا کہ میرے جنازے کے آگے بہت زیادہ ذکر کرنا۔ الحمد للہ! کہ آپ کا ارشاد پورا ہوا۔ آپ کے جنازے میں سینکڑوں علماء، فضلاء، اور مشائخ کرام موجود تھے۔ حلقہ ہائے ذکر الٰہی میں شامل ہوئے اور آپ کے جنازہ پر ہر مکتبہ فکر کے علماء تشریف لائے ہوئے تھے۔ کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح مفتی سرحد استاذ العلماء حضرت مولانا مولوی عبد الحکیم صاحب یوپلزئی مرحوم و مغفور کے جنازے کے آگے ذکر الٰہی ہوتا رہا نہ تو کسی نے اعتراض کیا اور نہ ہی منع کیا۔

گزشتہ دنوں یہ فقیر بیمار تھا کہ استاذ گرامی منزلت محدث جلیل علامہ مولانا مولوی عبد المنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ چنانچہ حسب معمول ایک عالم اجل کے جنازے کے آگے ذکر الٰہی ہوا۔ بعض بزعم خویش علامہ قسم کے مولویوں نے منع کیا اور قلت عرفان اور کمی علم کی

بنا پر شدت اختیار کرتے ہوئے اس ذکر کو حرام تک کہہ دیا ''نعوذ باللہ من ذلک'' اور جب ذاکر حضرات اور عوام مصر ہو گئے تو پھر کہا کہ جنازہ کے آگے ذکر نہ کرو پیچھے کرو۔ وغیرہ

چونکہ سادات کرام کا زمانہ قدیم سے یہ معمول ہے کہ وہ جنازہ کے ساتھ ذکر الہی کرتے ہیں لہٰذا جو سعید صاحب اس فقیر کی عیادت کو تشریف لائے انہوں نے اس جھگڑے کا ذکر کیا اور اس قسم کا مطالبہ کیا کہ اس مسئلہ پر واضح طور پر روشنی ڈالی جائے تا کہ یہ سستی شہرت حاصل کرنے والے برائے نام ''علامہ'' عوام میں نا اتفاقی جھگڑا اور فساد کی ایک نئی بنیاد نہ کھڑی کریں۔

نہایت ہی افسوس کا مقام ہے کہ مستحبات اور امور مستحسنہ پر حضور شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امت کو تقسیم کیا جاتا ہے، ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے اور ان کے اندر افتراق و تشتت کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس وقت تو سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات مبارکہ پر، آپ ﷺ کی سنت مطہرہ پر اور حضور پر نور ﷺ کے عزت و ناموس پر امت مرحومہ کو جمع کیا جائے، متحد کیا جائے، متفق کیا جائے تا کہ یہ بگڑی ہوئی حالت درست ہو نہ کہ ان میں بے اتفاقی پیدا کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رؤف الرحیم نبی کریم ﷺ نے ہر ممکن طریقہ سے منع فرمایا ہے۔

فقیر کا خیال تھا کہ اس مسئلہ پر ایک مستقل اور مضبوط تحریر لکھ دوں جس میں اس مسئلہ کا ہر پہلو اجاگر ہو جائے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ بحالی صحت کے بعد یہ کوشش کروں گا۔ مگر اس وقت اہل سنت و جماعت اور محبانِ فقرائے محمد ﷺ کیلئے اسی رسالہ کے اندر مندرجہ عبارات پر اکتفا کرتا ہوں۔ مشکوک و بیمار دلوں والے لوگوں کیلئے یہ کافی و شافی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت حضرات کیلئے مزید تقویت ایمان اور پختگی عقیدہ کا باعث ہیں۔

فقیر: محمد امیر قادری یکہ توت پشاور

اور حضرت العلامہ بیہقی وقت مولانا و بالفضل اولنا محمد امیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادری کے اس رسالہ کے مندرجہ عبارات بعد والے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ فتاویٰ رضویہ ص 4 تا 8 جلد 4

از پنجاب ضلع جہلم ڈاکخانہ وریلوے اسٹیشن ترقی موضع غازی ناڑا

مرسلہ

سید محمد مجید الحسن صاحب کو ذی القعدہ 1329ھ

مشہود خدمت، جناب حجت قاہرہ، مجدد مأۃ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام ظلکم علی رأس المستر شدین بعد سلام، سنۃ الاسلام عرض ہے کہ اس ملک میں جنازہ کے آگے مولود خوانی میں اختلاف اور جھگڑا ہے۔ ایک طائفہ البحر الرائق، مراقی الفلاح و قاضی خاں و عالم گیری وغیرہا کی عبارات سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں اور دوسری جماعت جائز و مستحب کہتی ہے۔ آپ کی تحریر پر جملہ مسلمانوں کا فیصلہ ہے۔ کئی ماہ کے تنازع کا فیصلہ ہوگا۔

عبارات فریق قائل کراہت: رد المحتار۔ قیل تحریما و قیل تنزیہا کما فی البحر عن الغایۃ و فیہ عنہا وینبغی لمن تبع الجنازۃ أن یطیل الصمت وفیہ عن الظہیریۃ فإن أراد أن یذکر اللہ تعالیٰ یذکر فی نفسہ لقولہ تعالیٰ انہ لایحب المعتدین۔ أی الجاہرین بالدعاء۔ قلت إذا کان ہذا فی الدعاء والذکر فما ظنک بالغناء الحادث فی ہذا الزمان۔ البحر الرائق ینبغی لمن تبع الجنازۃ أن یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن۔ الخ

عبارات فریق قائل بحلت: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما یکن یسمع من رسول اللہ ﷺ وھو یمشی خلف الجنازۃ "لا إلہ إلا اللہ" أخرجہ ابن عدی فی ترجمۃ إبراہیم بن ابی حمیدۃ و ضعفہ تخریج أحادیث الہدایۃ لابن حجر۔ یعنی اس سے ادنیٰ جہر ثابت ہوتا ہے وغیرہ۔ بینوا توجروا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے قبل عرض یہ ہے کہ سائل نے جو کتب مذہب کی منقولات نقل کی ہیں، بندہ ناچیز نے "مسئلہ کیا نماز جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں" کے تحت ان تمام منقولات کی عبارات کا ترجمہ نقل کر دیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ بندہ ناچیز نے تقریباً اکثر علماء فقہاء کی عبارات نقل کی ہیں اور سائل سید محمد مجید الحسن صاحب نے جو عبارات فریق قائل کراہت کے متعلق نقل کی ہیں، وہاں ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ اب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ کا جواب باصواب ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب: علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہاں کتب حنفیہ میں جنازے کے ساتھ ذکر جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفس ذکر جہر کو بکثرت کتب حنفیہ میں مکروہ بتایا حالانکہ وہ اطلاقات قرآن عظیم واحادیث حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عند التحقیق کراہت کا عروض نظر بعوارض خارجہ غیرہ لازمہ ہے۔ جیسا کہ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتوے میں اسے منقح کیا یہاں بھی اس کا منشا عوارض ہی ہیں۔ قلب ہمراہیاں کا مشوش ہونا یاد موت سے دوسری طرف توجہ کرنا۔ انصاف کیجئے تو یہ حکم اس زمان خیر کیلئے تھا جبکہ ہمراہیان جنازہ تصور موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میت ان میں سے ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میت ہے۔ ہم کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں۔ اور اب قبر میں رکھیں گے۔ لہذا علماء نے سکوت محض کو پسند کیا تھا، کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہو، اگرچہ آہستہ ہو اس تصور سے کہ "بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھودینے والا ہے" روکے گا یا کم ازکم دل تو بٹ جائیگا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے۔ ورنہ حاشا اللہ ذکر خدا اور ذکر رسول نہ کسی وقت منع ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ تعالیٰ علی کل احیانہ۔[1]

نہ کوئی چیز اس سے بہتر قال اللہ عزوجل "ولذکر اللہ اکبر" اب کہ زمانہ منقلب ہوا۔ لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات وفضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انہیں ذکر خدا اور رسول جل وعلی وصلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب اور کار ثواب ہے۔ لہذا جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے اور ترجیح بھی مختلف آئی۔ قنیہ میں کراہت تنزیہی کو ترجیح دی اور اس پر فتاویٰ فتحہ میں جزم فرمایا اور یہی تجرید ومجتبیٰ وحاوی والبحر الرائق وغیرہا کے لفظ "ینبغی" کا مفاد ہے اور ترک اولیٰ اصلاً گناہ نہیں کما نصوا علیہ و حققناہ فی جمل مجلیہ۔ اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بدخواہی عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب

---

[1] رواہ مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وعلقہ البخاری

نہ ہوگا مگر متعسف کہ مقاصد شرح سے جاہل و ناواقف ہو یا متصلب کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت و شہرت چاہتا ہو۔ بلکہ آئمہ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اس منکر سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو۔ بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یاد خدا میں مشغول ہوں ہرگز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو۔ مثلاً سورج نکلتے وقت نماز حرام ہے اور عوام پڑھتے ہیں تو نہ روکے جائیں کہ کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں، اسے سجدہ تو کریں اگرچہ کسی دوسرے مذہب پر اس کی صحت ہو سکے۔ امام عارف باللہ ناصح الامہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدس کتاب مستطاب الحدیقۃ الندیہ فی شرح الطریقۃ المحمدیہ میں فرماتے ہیں:

قلت: فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے کتاب مستطاب الحدیقۃ الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ لمولی محمد بن پیر بن علی المعروف بیرکلی رحمہ اللہ متوفی 981ھ۔ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: ''وھو کتاب مفید معتبر'' یعنی کتاب الطریقۃ المحمدیہ ایک مفید اور معتبر کتاب ہے۔ اس سے جو عبارت نقل فرمائی اس کے متعلق فرمایا ''باختصار قلیل'' یعنی میں نے حدیقۃ الندیہ کی عبارت میں تھوڑا اختصار کیا ہے اور پھر اس کا ترجمہ بھی نہیں فرمایا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا احمد شاہ رضا خان بریلوی رحمہ اللہ نے حدیقۃ الندیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا: اس کلام جمیل امام جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلاصہ ارشادات چند افادات۔ پھر آپ نے اس کلام جمیل کے دس فوائد نقل فرمائے۔ یہ ناچیز چاہتا ہے کہ سیدی عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام جمیل کو مقصد جلیل کی تفہیم کیلئے بالاستیعاب مع ترجمہ نقل کرے۔ پھر ان شاء اللہ اس کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا کلام پیش کروں گا۔ واللہ یھدی الی الصواب

امام عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی متوفی 1144ھ قدس سرہ القدس صاحب الطریقۃ المحمدیہ کے اس قول

وفی الاختیار شرح المختار روی عن النبی ﷺ انہ کرہ رفع الصوت عند قراۃ القرآن والجنازۃ۔

یعنی مختار کی شرح اختیار میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قرأت

قرآن کے وقت اور جنازہ کے وقت (یعنی جنازہ کے پیچھے) ذکر کے ساتھ آواز بلند کرنا ناپسند سمجھتے تھے۔

سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی صاحب الطریقۃ المحمدیہ کے اس قول کے تحت بالوضاحت ارشاد فرماتے ہیں:

قال فی شرح الطحاوی و علی شیع الجنازۃ الصمت و عبر فی المجتبیٰ والتجرید والحاوی ینبغی أن یطیل الصمت و سنن المرسلین الصمت معها ۔ کذا فی منیۃ المفتی ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن کما فی شرح الطحاوی لایشبہ أھل الکتاب کما فی الإیضاح و عن قیس بن عبادۃ کان أصحاب رسول اللہ ﷺ یکرھون رفع الصوت عند ثلاثۃ القتال وفی الجنازۃ و الذکر کذا فی الإیضاح کراھۃ تحریم وقیل تنزیہ کما فی المبتغی و کراھۃ تنزیہ و قیل تحریم کما فی المنیۃ وھو یکرہ علی أنہ تارک الأولی۔ کما عزاہ فی التتمۃ إلی والدہ و عن إبراھیم یکرہ أن یقول وھو یمشی معها استغفروا غفر اللہ لکم کذا فی التتمۃ والخانیۃ و إذا أراد الذکر یذکر فی نفسہ کما فی الظھیریۃ والخانیۃ وقولھم کل حی سیموت و نحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ کذا فی السراجیۃ ومنیۃ المفتی ذکرہ الوالد رحمہ اللہ فی جنائز شرحہ علی شرح الدرر وفی شرح الشرعۃ المسمی بجامع الشروح قال وأن یستکثر من التسبیح والتھلیل علی سبیل الإخفاء خلف الجنازۃ وأن لایتکلم بشیئ من أمر الدنیا وأن لایضحک فإن ذلک یقسی القلب وأن یقول اللہ أکبر اللہ أکبر أشھد أن اللہ یحیی ویمیت وھو حی لایموت سبحان من تعزز بالقدرۃ والبقاء وقھر العباد بالموت والفناء أن لایرفع صوتہ بشئ من التسبیح والتھلیل وغیرھما من لارعیۃ ولاثنیۃ فإنہ شبیہ بیوم الحشر فی ظھور حکم اللہ تعالیٰ وعدم تاثیر قدرۃ أحد وکلامہ وقد قال اللہ تعالیٰ فی حق ذلک الیوم" وخشعت الأصوات للرحمن "أی سکنت و ذلت وخضعت لہ للخوف منہ تعالیٰ فلا تسمع إلاھما وصف الأصوات بالخشوع والمراد أھلھا ویؤیدہ ما قیل إنہ یکرہ رفع الصوت بالذکر و قرأۃ القرآن فی تشییعها لأن فیہ موافقۃ لأھل الکتاب لکن بعض المشائخ جوزو الذکر

الجهری و رفع الصوت بالتعظیم و بغیر التغییر بادخال حرف فی خلاله قدام الجنازة خلفها لتلقین المیت والأموات والأحیاء وتنبیه الغفلة والظلمة و إزالة صداء القلوب وقساوتها بحب الدنیا در یا ستها و فی کتاب العهودا المحمدیة للشیخ عبد الوهاب الشعراوی قدس الله سره قال ینبغی لعالم الحارة أو شیخ الفقراء فی الحارة أن یعلم من یرید المشی مع الجنازة آداب المشی معها من عدم اللغوفیها و ذکر من تولی و عزل من الولاة او سافر او رجع من التجار ونحو ذلک فإن ذکر الدنیا فی ذلک المحل ماله محل۔ وقد جرب أن کثرة الکلام للغوبیت القلب و إذا مات القلب فی طریق الجنازة شفعرا فی المیت بقلوب میتة فلایستجاب لهم فأخطا من لغا فی طریق الجنازة فی حق نفسه و فی حق المیت وقدکان السیف الصالح لایتکلمون فی الجنازة إلا بما ورد وکان الغریب لا یعرف من هوالقریب للمیت حتی یعرف لغلبة الحزن علی الحاضرین کلهم وکان سیدی علی الخواص یقول إذا علم من الماشین مع الجنازه أنهم لا یترکون اللغو فی الجنازة ویشتغلون بأحوال الدنیا فینبغی أن یامرهم بقول لا إله إلا الله محمد رسول الله فإن ذلک أفضل من ترکه والاینبغی لفقیه أن ینکر ذلک إلابنص أواجماع فإن مع المسلمین الإذن العام من الشارع بقول لا اله الا الله محمد رسول الله کل وقت شاء و أو یالله العجب من عمی قلب من ینکر مثل هذا و ربما عزم عند الحکام الفلوس حتی یبطل قول المومنین لا إله إلا الله محمد رسول الله فی طریق الجنازة وهو یری الحشیش یباع فلا یکلف خاطره أن یقول للحشاش حرام علیک بل رأیت فقیها منهم یاخذ معلوم أمامته من فلوس بائع الحشیش فنسأل الله العافیة والله یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم و ذکر الشعراوی أیضا رحمه الله تعالی فی کتابه عهود المشائخ قال وإلا ممکن أحدا من أخواتنا ینکر شیئا ابتدعه المسلمون علی جهة القربة إلی الله تعالی وراوه حسنا کما مرتقریر مرارا فی هذا العهود لا سیما ماکان متعلقا بالله تعالی و رسوله علیه السلام کقول الناس امام الجنازة لا اله الا الله محمد رسول الله أو قراءة أحد القرآن أمامها و نحو ذلک فمن حرم ذلک فهو قاصر عن فهم الشریعة لأنه ماکل مالم یکن علی

عهد رسول الله ﷺ يكون مذموماً و قد رجح النووي رحمة الله عليه أن الكلام خلاف الأولى فقط۔ واعلم أنه لو فتح هذا لباب لدوت أقوال المجتهدين فى جميع ما استحسنوا من المحاسن ولا قائل به وقد فتح رسول الله و علماء أمته هذا الباب وباح لهم أن يسنوا كل شئ استحسنوه ويلحقوه بشريعة رسول الله ﷺ بقوله عليه السلام من سن سنة حسنة فله أجرها و أجر من يعمل بها كلمة لا اله الا الله محمد رسول الله أكبر الحسنات فكيف يمنع منها وتامل أحوال غالب الخلق الآن فى الجنازة تجدهم مشغولين بحكايات الدنيا لم يعتبرو ابا لميت و قلبهم غافل عن جميع ما وقع له بل رأيت منهم من يضحك وإذا تعارض عندنا مثل ذلك وكون لم يكن فى عهد رسول الله ﷺ قدمنا ذكر الله عزوجل بل كل حديث لغو اولى من حديث ابناء الدنيا فى الجنازة فلو صاح كل من فى الجنازة بلا اله الا الله فلا اعتراض ولم يأتنا شئ فى ذلك عن رسول الله ﷺ فلو كان ذكر الله تعالى فى الجنازة منهيا عنه لبلغنا ولو فى حديث كما بلغنا فى قرأة القرآن فى الركوع فافهم۔ وشيئ سكت عنه الشارع أوائل الإسلام لا يمنع عنه أو اخر الزمان وبالجملة فلا يجترئ على أمر الناس بترك قول لا اله الا الله ان يجد فى ذلك حديثا يمنع من ذلك ۔ اھ۔ (الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية)[1]

عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں: شرح طحاوی میں ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو خاموش رہنا چاہیے۔ اور مجتبیٰ، تجرید و حاوی میں لفظ "ینبغی" سے فرمایا۔ جنازہ کے پیچھے لمبی خاموشی اختیار کریں۔ اور حضرات مرسلین کرام علیہم السلام کا طریقہ بھی جنازہ کے ساتھ خاموشی ہے۔ اسی طرح منیۃ المفتی میں ہے۔ اور لوگوں کیلئے ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ طحاوی کی شرح میں ہے اسلئے کہ یہ اہل کتاب کے مشابہ ہے۔

---

[1] ۔جلد دوم ص 409-408 مطبوعہ المکتبۃ الرضویۃ الجامع البغدادی الالکیوریا کستان حال فیصل آباد۔
امام ابوالمواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد الشافعی المصری المعروف بالشعرانی کی کتاب لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العہود والمحمدیۃ ص 466 دارالکتب العلمیہ بیروت۔

اسی طرح ایضاح میں ہے۔ قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم تین مقام پر بلند آواز کو مکروہ سمجھتے تھے۔ قتال میں، جنازہ کے ساتھ اور ذکر (یعنی تلاوت قرآن میں)

قلت: اس روایت میں حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ سہو کا شکار ہو گئے ہیں۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس حدیث کو اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔

عن قیس بن عباد قال کان أصحاب محمد ﷺ یستحبون خفض صوف عند ثلاث عند القتال وعند القرآن وعند الجنائز۔[1]

چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قیس بن عبادہ لکھا ہے اصل میں یہ قیس بن عباد قیسی ابوعبداللہ بصری متوفی سنہ بعداز 80ھ اور آپ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔[2]

دوم: علامہ موصوف نے روایت کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں۔ یکرھون رفع الصوت اور اصل روایت میں یستحبون خفض صوت یعنی پست آواز کو پسند فرماتے۔ اس کی تائید حافظ عبدالرزاق کی مصنف سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو حضرت حسن بصری سے روایت کیا جس کے لفظ یہ ہیں "یستحبون خفض الصوت"[3]

علامہ موصوف فرماتے ہیں اسی طرح ایضاح میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اور بقول تمریض مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا کہ "مجتبیٰ" میں ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور امام زاہدی کی "قنیہ" میں بقول تمریض مکروہ تحریمی ہے۔ اور یہ اس معنی پر مکروہ ہے کہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔ جیسا کہ صاحب قنیہ نے اپنے والد کے فتاویٰ تتمہ کی طرف نسبت کی ہے اور ابراہیم (بن یزید بن قیس نخعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ کوئی شخص جنازہ کے ساتھ چل رہا ہو اور یہ کہے "استغفروا له غفر اللہ لکم" یہ مکروہ ہے۔ اس طرح تتمہ اور خانیہ میں ہے اور جب کوئی جنازہ کے ساتھ ذکر

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 274 ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی

[2] تہذیب الکمال حافظ مزی جلد 8 ص 399

[3] مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 453، رقم الحدیث 6281ھ

کرنا چاہے تو ذکر الٰہی دل میں کرے اسی طرح ظہیریہ اور خانیہ میں ہے اور لوگوں کا جنازہ کے پیچھے یہ کہنا "کل حی سیموت" یا اس کے مثل بدعت ہے۔ اسی طرح "فتاویٰ سراجیہ" میں ہے اور منیۃ المفتی میں ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے جنازہ میں درر کی شرح پر ان کی شرح ہے اور شرح الشرعیہ المسمّٰی بہ جامع الشروح میں ہے کہ جنازہ کے پیچھے آہستہ دل میں بکثرت سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ پڑھے۔ اور امر دنیا کے متعلق کوئی کلام نہ کرے اور نہ ہی ہنسے کیونکہ یہ دل کو سخت کر دیتا ہے۔ اس کو اللہ اکبر للہ اکبر اشھد ان اللہ یحیی ویمیت وھو حی لایموت پڑھنا چاہیے اور کہے منزہ وہ ذات جس کو قدرت اور بقا کے ساتھ عزت ہے اور جو موت اور فنا کے ساتھ بندوں پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ اور تسبیح وتہلیل وغیرہ اور دیگر دعاؤں اور ثناؤں کے ساتھ اپنی آواز کو بلند نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ظاہر ہونے میں میت یوم حشر کے مشابہ ہے۔ ایک تو اللہ کے حکم کے ظہور کے اعتبار سے اور دوم کسی کلام وقدرت میں عدم تاثیر کے اعتبار سے میت یوم حشر کے مشابہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس دن کے حق میں ارشاد فرمایا" وخشعت الأصوات للرحمن "[1]۔ اور سب آوازیں رحمن کے حضور پست ہو کر رہ جائیں گی۔ تو تو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ۔ اور اصوات کا خشوع کے ساتھ وصف بیان کیا اور مراد آواز والے ہیں اللہ عزوجل کے قول کی تائید وہ روایت ہے جس میں کہا گیا کہ جنازہ کے پیچھے قرأت قرآن اور ذکر الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں اہل کتاب کی مشابہت ہے۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں: اور بعض مشائخ جنازہ کے آگے یا پیچھے ذکر الٰہی بالجہر کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اسلئے کہ ذکر الٰہی میں زندہ اور مردوں کیلئے تلقین ہے اور بوجہ دنیا اور اس کی ریاست کی محبت کے دلوں کی سختی اور زنگار، ظلمت وغفلت دور ہو جاتی ہے۔

اور شیخ عبد الوہاب شعراوی کی کتاب "لواقح الأنوار القدسیہ فی بیان عہود المحمدیہ" میں ہے کہ محلہ کے عالم یا محلہ میں فقراء کے شیخ کو چاہیے جو شخص جنازہ کے ساتھ چلنا چاہتا ہو اس کو جنازے کے ساتھ چلنے کے آداب سکھائے کہ جنازہ میں کوئی لغویات نہیں ہونی چاہیے۔ اور حکام میں سے کوئی والی بنے یا ولایت سے معزول ہو یا کوئی سفر کرے یا تجارت

---

[1] پارہ 16 سورۂ طٰہٰ آیت 108

کرنے کے بعد واپس لوٹے محلہ کے عالم دین کو چاہیے کہ وہ ان کو اس کے متعلق وعظ ونصیحت کرے کیونکہ اس محل میں ذکر دنیا کا کوئی محل نہیں۔ اور کئی دفعہ تجربہ کیا گیا ہے کہ بکثرت لغو کلام کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ جب جنازہ کے راہ میں ہی دل مردہ ہو گیا تو گیا وہ مردہ دلوں کے ساتھ میت کے حق میں سفارش کریں گے تو ایسی صورت میں ان کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ جس شخص نے بھی جنازہ کے راستہ میں اپنے حق میں اور میت کے حق میں لغو کلام کیا اس نے خطا کی۔ اور تحقیق سلف صالحین سوائے اس ذکر کے جو وارد ہوا ہے، جنازہ میں کوئی کلام نہیں کرتے تھے۔ اور اجنبی آدمی یہ پہچان نہیں کر سکتا تھا کہ میت کا قریبی کون ہے اسلئے کہ تمام حاضرین پر حزن وغم کا غلبہ ہوتا تھا۔

عارف باللہ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: سید علی خواص فرماتے تھے کہ جب جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ لوگ جنازہ میں لغو کلام کو ترک نہیں کریں گے اور احوال دنیا کے ساتھ مشغول ہو جائیں گے تو چاہیے کہ لوگوں کو ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھنے کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ ذکر الٰہی کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔ اور کسی فقیہ کو اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی نص یا اجماع ہو (تو فقیہ کو اس امر سے روکنا چاہیے) کیونکہ مسلمانوں کے پاس شارع علیہ السلام کی طرف سے اذن عام ہے کہ وہ ہر وقت ''لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھیں۔ اور نہایت ہی سخت تعجب ہے اس دل کے اندھے پر جو اس کی مثل انکار کرتا ہے (یعنی جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر الٰہی سے روکتا ہے) بسا اوقات حکام کے پاس پیسوں کا ارادہ لے کر جاتا ہے (یعنی دنیاوی خواہش کا یہ عالم ہے) اور مومنوں کو جنازہ کے ساتھ قول ''لا الہ الا محمد رسول اللہ'' کو باطل کہتا ہے۔ جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ بھنگ بیچی جا رہی ہے اور اپنے دل کو اتنی بھی تکلیف نہیں دیتا کہ بھنگ فروش کو یہ کہے کہ تجھ پر حرام ہے بلکہ میں نے فقہاء میں سے ایک فقیہ کو دیکھا کہ وہ اپنی امامت کی معلوم اجرت بھنگ فروش کے پیسوں سے لے رہا ہے۔ ''فنسأل اللہ العافیۃ واللہ یھدی من یشاء الی طریق مستقیم''

قلت: یہاں تک امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''فی بیان عھود المحمدیہ'' کی عبارت کا آپ نے ترجمہ ملاحظہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علامہ عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ امام شعرانی رحمہ اللہ کی دوسری کتاب ''عھود المشائخ'' سے کچھ نقل فرما رہے ہیں۔ اس ناچیز نے

کتاب عہود المشائخ کی عبارات کو بیہقی وقت فقیہ العصر حضرت قبلہ مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ تعالٰی کی کتاب ''جاء الحق'' میں ملاحظہ کیا۔ لیکن امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''عہود المشائخ'' کی عبارت مفتی احمد یار خان صاحب رحمہ اللہ تعالٰی اور علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ چونکہ علامہ موصوف نے عارف باللہ امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''فی بیان عہد المحمدیۃ'' سے عبارت نقل فرمائی وہ بمطابق اصل تھی سر مو بھی کچھ فرق نہ تھا، چنانچہ اس بندہ ناچیز نے علامہ موصوف پر اعتماد کرتے ہوئے امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب عہود المشائخ سے آپ نے نقل فرمایا وہ بعینہ یہ ناچیز بھی نقل کر رہا ہے۔ اھ

علامہ موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عارف باللہ شعرانی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب ''عہود المشائخ'' میں بھی ذکر کیا کہ ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ موقع نہیں دینگے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو بالخصوص جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہو۔ جیسے لوگوں کا جنازہ کے آگے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہنا یا کسی کا جنازہ کے آگے قرآن خوانی کرنا اور اس کی مثل کوئی عمل کرنا چنانچہ جو شخص اس کو حرام کہتا ہے وہ شریعت مطہرہ کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسلئے کہ ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں نہ تھی وہ مذموم نہیں ہو سکتی اور امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کلام کو (یعنی جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی کرنا) ترجیح دی ہے کہ یہ خلاف اولٰی ہے (اور خلاف اولٰی کا کرنا گناہ نہیں) امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جان لو! اگر اس دروازہ کو کھولا گیا تو مجتہدین کے اقوال ان تمام چیزوں میں جو علماء مجتہدین نے اچھا سمجھا ان اقوال کو رد کر دیا جائیگا۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں (یعنی جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو وہ اچھا ہی ہوگا) اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کیلئے اس دروازہ کو کھول دیا ہے۔ اور ان کیلئے مباح ہے کہ وہ جس چیز کو اچھا سمجھیں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ ملا دیں بوجہ فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس نے دین میں کوئی اچھی عادت و خصلت نکالی اس کیلئے اس اچھی عادت نکالنے کا بھی ثواب اور جو شخص اس اچھی خصلت پر عمل کرے گا اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا ۔ اور کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' بہت بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے تو پھر ایسے کلمہ سے کیسے منع کیا جا سکتا ہے۔ اور جنازہ میں اب مخلوق کے غالب احوال میں تدبر و تفکر اور تامل کر تو ان کو حکایات دنیا میں مشغول پائے گا۔ اور وہ میت سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور ان

کے دل جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ میں نے ان میں سے بعض کو جنازہ کے ساتھ ہنستے ہوئے دیکھا ہے اور جب ہمارے نزدیک اس قسم کی چیزیں آجائیں اور اس طرح ہونا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں نہ ہو تو ہم اللہ عزوجل کے ذکر کو مقدم کریں گے بلکہ ہر وہ لغو بات اس بات سے اولیٰ ہے جو بات دنیا والے جنازہ میں کرتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص جو جنازہ میں حاضر ہے وہ باآواز بلند "لا الہ الا اللہ" پڑھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں اور اس کے متعلق ہمیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی چیز نہیں آئی۔ اگر جنازہ میں ذکر الٰہی ممنوع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ سے ہم تک پہنچ جاتا اگرچہ یہ ممانعت حدیث میں ہوتی جیسا کہ رکوع میں قرأت قرآن کے متعلق حکم ہم تک پہنچا ہے چنانچہ اس کو سمجھ۔

دوم یہ کہ شارع علیہ السلام جس سے اوائل اسلام میں خاموش ہیں تو اواخر زمانہ میں اس سے منع نہ کیا جائے اور بالجملہ لوگوں کے قول "لا الہ الا اللہ" کے ترک پر کسی کو جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں! اگر وہ حدیث میں ایسا پاتا ہے تو وہ جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی سے منع کرے۔

قلت: اس ناچیز نے عارف باللہ علامہ عبد الغنی نابلسی رحمہ اللہ کی بالاستیعاب پوری عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ موصوف کی منقولہ اس عبارت وشیئ سکت عنه الشارع ﷺ أوائل الإسلام لا یمنع منه أواخر الإسلام۔ اھ۔ باختصار قلیل پر اختتام فرمایا کہ اس کے بعد فاضل بریلوی رحمہ اللہ کا جواب شروع ہوتا ہے۔ **وھو ھذا**

اس کلام جمیل امام جلیل رحمہ اللہ تعالیٰ کا خلاصہ ارشادات چند افادات

1 سلف صالح کی حالت، جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو معلوم نہ ہوتا کہ ان میں اہل بیت کون ہے اور باقی ہمراہ کون۔ سب ایک سے مغموم محزون نظر آتے اور اب حال یہ ہے کہ جنازے میں دنیاوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ موت سے انہیں کوئی عبرت نہیں ہوتی۔ ان کے دل ایسے غافل ہیں کہ میت پر کیا گزری۔ فرماتے ہیں بلکہ میں نے جنازے میں لوگوں کو ہنستے دیکھا۔ تو ایسی حالت میں ذکر جہر کرنا اور تعظیم خدا اور رسول جل جلالہ و ﷺ بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ اتر جائیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

2 نیز اس میں میت کو تلقین کرنے کا فائدہ ہے کہ وہ سن کر سوالات نکیرین کے جواب

کیلئے تیار ہو۔

۳ سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو ذکر خدا عزوجل اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اذن عام ہے تو جب تک کسی خاص صورت میں ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو انکار نامناسب ہے۔

۴ نیز انہیں امام عارف باللہ نے فرمایا ذکر الٰہی جو اس سے منع کرے اس کا دل کسی قدر سخت اندھا ہے۔ جنازے کے ساتھ ذکر خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے بند کرنے کی تو یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اس سے اتنا نہ کہیں کہ یہ تجھ پر حرام ہے۔ فرماتے ہیں بلکہ میں نے انہی میں سے ایک کو دیکھا کہ اس سے تو منع کرتا اور خود اپنی پیش نمازی کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔

۵ امام عارف باللہ سیدی اشعری قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں: اکابر علماء کرام کے یہاں عہد ہے جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اس سے منع نہ کریں گے۔ خصوصاً جب وہ اللہ ورسول جل وعلی وصلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو۔ جیسے جنازے کے ساتھ قرآن مجید یا کلمہ شریف اور ذکر خدا اور سول جل وعلی وصلی اللہ علیہ وسلم۔

۶ نیز امام ممدوح فرماتے ہیں: جو اسے ناجائز کہے اسے شریعت کی سمجھ نہیں۔

۷ نیز فرماتے ہیں: ہر وہ بات کہ زمان برکت تو امان حضور سید نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی مذموم نہیں ہوتی ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو آئمہ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالی ان کے وہ سب اقوال مردود ہو جائیں گے۔

۸ فرماتے ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ جو شخص دین اسلام میں نیک بات نکالے اسے اس کا اجر ہے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو عمل میں لائیں سب کا ثواب اس ایجاد کنندہ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے۔ علمائے امت کیلئے اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کر کے جاری کریں۔ اور انہیں شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملحق کریں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عام اجازت فرمائی ہے تو جو نیک بات نئی پیدا ہوگی وہ نئی نہیں بلکہ حضور کے اس اذن عام سے حضور ہی کی شریعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم

۹ فرماتے ہیں کہ شرح مطہر میں اس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔

اگر جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی منع ہوتا تو کم از کم ایک حدیث تو اس کی ممانعت میں آتی جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے تو اس کی ممانعت کی حدیث موجود ہے۔ تو جس چیز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا وہ بھی ہمارے زمانہ میں منع نہیں ہو سکتی۔

۱۰ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ وغیرہ ذکر خدا جل جلالی اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے چلیں تو کچھ اعتراض نہیں بلکہ اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔ نیز امام نابلسی ممدوح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

لاینبغی أن ینھی الواعظ عما قال به إمام من آئمة المسلمین بل ینبغی أن یقع النھی عما أجمع الآئمة کلھم علی تحریمه۔

درمختار میں ہے: کرہ تحریما صلوۃ مع شروق إلا العوام فلا یمنعون من فعلھا لأنھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض أولی من الترک کما فی القنیة وغیرھا۔ قلت نقله سیدی عبد الغنی فی الحدیقة عن شرح الدرر عن الصفی شرح النسفیة عن شیخ الإمام الأستاذ حمید الدین عن شیخه الإمام الأجل الزاھد جمال الدین المحبوبی و أیضا عن شمس الآئمة الحلوانی و عن القنیة عن نسفی والحلوانی وأیضا فی در المختار عن البحر عن المجتبیٰ عن الإمام الفقیه ابی جعفر فی مسئلة التکبیر فی الأسواق فی الأیام العشر الذی عندی أنه لا ینبغی أن تمنع العامة عنه لقلة رغبتھم فی الخیر وبه ناخذ۔ اھ۔ فی الحدیقة و من ھذا القبیل نھی الناس عن صلوۃ الرغائب بالجماعة وصلوۃ لیلة القدر و نحو ذلک وإن صرح العلماء بالکراھة بالجماعة فیھا فلا یفتی بذلک العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس نص کے بالترتیب حوالہ جات اور اس کے بعد ان عبارات کے اصل کتب سے تراجم نقل کروں گا۔

اول: لاینبغی الواعظ الخ حدیقۃ الندیہ جلد دوم ص 151
مکتبہ نوریہ رضویہ جامع بغدادی فیصل آباد

دوم: درمختار میں ہے کرہ تحریما صلوۃ مع شروق الا العوام
درمختار علی حاشیہ ردالمحتار جلد اول ص 273 مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ

سوم: قلت ونقلہ عبد الغنی فی الحدیقۃ۔ الخ

حدیقۃ الندیۃ: جلد دوم ص 150-149 مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

چہارم: وأیضافی الدر المختار عن البحر عن المجتبیٰ۔ الخ

درمختار مع ردالمختار جلد اول ص 621 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

پنجم: فی الحدیقۃ ومن ھذا القبیل نھی الناس عن صلوۃ الرغائب بالجماعۃ

حدیقۃ الندیہ جلد دوم۔ ص 150 مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے جملہ کتب سے بالاختصار عبارات نقل فرمائیں یہ ناچیز صرف محررہ عبارات کا بالتفصیل ترجمہ عرض کرے گا۔

اول: واعظ کو کسی ایسی چیز سے منع نہیں کرنا چاہیے جس سے مسلمانوں کے آئمہ میں سے کسی ایک نے منع کیا ہو بلکہ جس چیز پر تمام آئمہ کرام نے حرمت پر اجماع کیا ہو واعظ کو اس چیز سے منع کرنا چاہیے۔

دوم: صاحب درمختار فرماتے ہیں: سورج کے نکلتے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ مگر عوام کیلئے نہیں۔ چنانچہ عوام کو اس نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے کیونکہ وہ اصلاً نماز کو چھوڑ دینگے اور بعض کے نزدیک جائز ادا ترک سے بہتر اور اسی طرح قنیہ وغیرہ میں ہے۔

سوم: صاحب حدیقۃ الندیہ فرماتے ہیں: میرے والد رحمہ اللہ نے شرح درر میں ذکر کیا اور اس کی عبارت یہ ہے: صاحب مصفّی نے شرح نسفیہ میں فرمایا کہ میں نے شیخ، امام، استاد حمید الدین رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ اپنے شیخ امام زاہد جمال الدین محبوبی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت فرماتے تھے کہ لوگوں کو طلوع شمس سے لیکر ارتفاع شمس تک نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے۔ کیونکہ غالب یہی ہے جب ان کو اس سے منع کیا جائیگا اور ان کو ارتفاع شمس تک مسجد میں ٹھہرنے کا حکم دیا جائیگا یا ان سے کہا جائیگا ابھی واپس چلے جاؤ پھر آنا وہ یہ کام نہیں کریں گے اور نہ ہی نماز قضا کریں گے۔ اور وہ اس حالت (طلوع شمس کے وقت) نماز پڑھ لیں تو اصحاب حدیث نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور بعض فقہاء اس وقت میں نماز ادا کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ اصلاً نماز کے ترک سے بہتر ہے۔ اور اسی طرح شمس الآئمہ حلوانی سے منقول ہے کہ جب ان سے سید امام ابوشجاع نے اس وقت میں نماز سے لوگوں کو منع کرنے کے متعلق سوال کیا تو شمس الائمہ حلوانی نے

یہی جواب دیا (کہ اگر عوام طلوع شمس کے وقت نماز پڑھیں تو ان کو منع نہ کرو) اور قنیہ میں نسفی اور حلوانی سے یہی مذکور ہے۔

چہارم: صاحب درمختار نے البحر اور مجتبیٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ذوالحجہ کے دس دنوں میں عوام الناس کو بازاروں میں تکبیر کہنے سے نہ منع کیا جائے۔ اور صاحب ردالمحتار اس کے تحت فرماتے ہیں فقیہ ابوجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے نزدیک عوام الناس کو تکبیر سے منع نہیں کرنا چاہیے۔ اسلئے کہ نیکی میں ان کی رغبت کم ہوجائیگی اور ہمارا اسی پر عمل ہے۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ اس کا کرنا بہتر ہے۔

پنجم: اور حدیقۃ الندیہ میں ہے اسی قبیل سے ہے لوگوں کو نماز رغائب اور نماز لیلۃ القدر جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے بھی منع نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ فقہائے کرام نے ان راتوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو مکروہ فرمایا ہے لیکن عوام کو اس کا فتویٰ نہ دیا جائے تاکہ خیرات میں انکی رغبت کم نہ ہو۔

ان جملہ عبارات کا اصل مقصود و مدعا یہی ہے کہ جیسے مذکورہ اعمال اگرچہ علماء فقہاء کے نزدیک مکروہ و ممنوع ہیں لیکن عوام الناس کو اس سے منع نہ کیا جائے۔ اسی طرح اگرچہ فقہاء کرام نے جنازہ کے ساتھ باآواز بلند ذکر الٰہی کو مکروہ لکھا ہے لیکن عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے تاکہ خیرات میں ان کی رغبت میں کمی واقع نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلی شریف رحمہ اللہ کا جواب ختم ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی پاکستان صدر العلماء علامۃ العصر ابوالبرکات سید سعید احمد شاہ صاحب

صدر جمیعۃ العلماء پاکستان و صدر انجمن حزب الاحناف پاکستان لاہور

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جنازہ کے آگے ذکر جہر کرنا اور نعت خوانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سائل تاج محمد صدیقی یکہ توت پشاور

الجواب وھوالموفق للصواب

ذکر الٰہی اور نعت رسالت پناہی جل مجدہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں مقصود و محمود ہے۔ منع کرنے والا "مناع للخیر" کا مصداق ہے جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا اور حلقہ ذکر کرنا بنظر ایصال ثواب موجب ثواب بے حساب ہے۔ ذکر جہری ہو یا سری حسب اختلاف احوال منصوص

و مستحسن ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا "یایھا الذین آمنوا ذکروا اللہ ذکرا کثیرا" تفسیر روح البیان میں ہے:

أي يذكرونه دائما على الحالات كلها قائمين و قاعدين و مضطجعين، فإن الإنسان لايخلوعن هذا الهيئات غالبا۔

"ان آیات شریفہ میں حق تعالیٰ ان داناؤں اور عقلمندوں کی نعت و وصف بیان فرما رہا ہے جو خدا کا ہر حال میں ذکر کرتے ہیں کسی حال میں خدا کی یاد سے غافل نہیں رہتے۔ خواہ کھڑے ہوں یا لیٹے ہر ہیئت و حالت میں ذکر الٰہی سے رطب اللسان رہتے ہیں"۔

جنازہ میں ذکر کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ آیت کریمہ کے عموم و اطلاق کو اپنے اوہام و شکوک اور خیال فاسد و ظن باطل سے باطل نہیں کر سکتے۔ مفسرین کرام نے بعد تخصیص ذکر کو عام رکھا ہے۔

ابو السعود میں اس کی تفسیر یوں ہے:

والمراد تعليم الذكر للاوقات كما مر وتخصيص الأحوال المذكور ليس لتخصيص الذكر بها لأنها الأحوال المعهود التي لايخلوعنها الإنسان غالباً۔

جملہ تفاسیر میں ذکر کو عام رکھا ہے۔ خلاصہ آیات، فقہ، تفاسیر میں یہ ہے کہ ہر انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اپنے رب تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے اور اس کی یاد سے کسی وقت غافل نہ ہو۔ کھڑے ہوئے، لیٹے ہوئے، چلتے ہوئے ہر حالت میں ذکر شریف کرے اور "انا جليس من ذكرني" کا لطف اٹھائے اور بمصداق حدیث شریف "من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه" خوبی اسلام سے یہ ہے کہ انسان لایعنی اور بیہودہ اور لغو باتوں کو چھوڑ دے اور ہر دم مولیٰ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے۔ پس صورت مسئولہ بھی اسی عموم و اطلاق میں داخل ہے۔ اس وقت ذکر کو کون منع کر کے "مناع للخير" کا مصداق بننا گوارا کریگا۔ مانعین کی یہ عادت ہے کہ اہل سنت و جماعت کے ہر فعل پر اعتراض کریں گے اور شرک و کفر و بدعت و معصیت کا حکم لگادیں گے۔ ان شرک فروشوں کو اتنا بھی نہیں سوجھتا کہ اس زمانہ پر آشوب میں کہ ہر گھر میں ہر دکان میں، چوراہوں اور بازاروں میں رقص و سرور کی محفلیں بالواسطہ یا بلاواسطہ گرم ہیں۔ اگر کوئی وقت یاد الٰہی میں صرف ہو جائے تو غنیمت ہے۔ عموماً جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو دیکھا ہے کہ دنیوی باتیں کرتے جاتے ہیں۔ کوئی سگریٹ پی رہا ہے، کوئی کسی کا گلہ و شکوہ کر رہا ہے۔ اس حلقہ ذکر کی برکت سے وہ کم از کم خاموش رہیں گے تو یہ طریقہ بہتر ہے کہ صدہا بری باتوں سے لوگ محفوظ رہتے

ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں کلمہ طیبہ کا ثواب نقد وقت میت کو پہنچ جاتا ہے۔

یہاں ایک حکایت قابل ذکر ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب دریافت کیا تو اس نے بروئے مکاشفہ عرض کیا کہ میں اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں اس لئے پریشان ہوں۔ حضرت نے ایک لاکھ پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کسی وقت پڑھا تھا۔ ابھی تک اس کا ثواب کسی کو نہیں بخشا تھا۔ تو بفحوائے حدیث شریف کہ حضور پرنور سید دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پچھتر ہزار یا سوا لاکھ کلمہ شریف پڑھ کر اگر بخشا جائے تو اس میت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اپنے دل ہی دل میں اس مرید کی ماں کو اس کا ثواب بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے اور اس کا غم والم دور ہو گیا۔ آپ نے سبب دریافت کیا تو اس نے عرض کیا اب میں اپنی والدہ محترمہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ اس کو سن آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جوان کے مکاشفے کی صحت تو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفے سے ہوئی۔

اقول: سیدی وسید العلماء ابوالبرکات سید سعید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ حکایت نقل فرمائی اس کا کوئی حوالہ پیش نہیں۔ لیکن علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حکایت کو امام الاولیاء محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ دو الگ الگ حکایات ہوں اور اس کا ظہور سید الطائفہ سیدنا حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی ہوا ہو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مشکوۃ کی شرح مرقاۃ باب الامامت۔ باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق فصل ثانی کی اس حدیث کے تحت نقل فرماتے ہیں:

عن علی و معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما قالا قال رسول اللہ ﷺ إذا أتی أحد کم الصلوۃ والإمام علی حال فلیصنع یصنع الإمام رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب۔ [1]

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان دونوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی نماز کیلئے آئے اور امام کسی حال پر ہو (قیام یا رکوع یا سجود یا قعدہ) تو مقتدی ایسا ہی کرے جیسا کہ امام کر رہا ہے۔ اس

---

[1] ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد سوم ص 98

حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کے تحت علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فكان الترمذي يريد تقوية الحديث بعمل أهل العلم والعلم عند الله تعالى كما قال الشيخ محي الدين بن العربي أنه بلغني عن النبي ﷺ أن من قال لا إله إلا الله سبعين ألفا غفر له ومن قيل له غفر له أيضا فكنت ذكرت التهليلة بالعدد المروي من غير أن أنوي لأحد بالخصوص بل على وجه الإجمالي فحضرت الطعام بعض الأصحاب وفيهم شاب مشهور بالكشف۔ الخ حوالہ مذکور

''گویا ترمذی نے یہ کہہ کر والعمل علی هذا عند اهل العلم حدیث کو تقویت پہنچائی ہے اور علم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پاس ہے۔ جیسا کہ شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے نبی اکرم ﷺ سے حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار دفعہ ''لا إله إلا الله'' پڑھا اس کو بخش دیا جائیگا اور جس کیلئے بھی پڑھا جائیگا اس کو بھی بخش دیا جائیگا۔ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے مخصوص کسی ایک نیت کے بغیر مذکور کلمہ طیبہ ''لا إله إلا الله'' یاد کیا ہوا تھا (پڑھا ہوا تھا) چنانچہ میں بعض احباب کے ساتھ ایک کھانے میں حاضر ہوا اور ان میں سے ایک نوجوان بھی جو کشف قبور کے ساتھ مشہور تھا، تو اچانک دوران کھانا اس صاحب کشف کا رونا ظاہر ہوا تو میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو صاحب کشف نوجوان نے کہا: میں اپنی والدہ کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے دل ہی دل میں کلمہ طیبہ مذکور کا ثواب اس کی والدہ کو ہبہ کر دیا تو وہ صاحب نوجوان ہنس پڑا اور کہا اب میں اس کا انجام اچھا دیکھ رہا ہوں۔ شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا میں نے صحت حدیث کو اس کے صحت کشف سے پہچان لیا اور اس کا صحت کشف صحت حدیث کے ساتھ پہچان لیا۔

تو استاذ العلماء سید ابوالبرکات شاہ صاحب فرماتے ہیں اس حکایت سے مانعین کو سبق حاصل کرنا چاہیے کہ جنازہ کے ساتھ جو کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے اس کی برکت سے قبر تک پہنچنے سے پہلے ہی امید مغفرت ہے اور میت ''الغريق المستغيث'' کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے صدقات جاریہ کے۔ احیاء کی طرف سے جو ثواب پہنچایا جائے وہ اس کیلئے غنیمت ہے۔

الحاصل جنازہ کے ساتھ کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا فی زمانہ جائز و مستحسن ہے اور

احیاء و اموات خصوصاً اس میت کو نفع عظیم پہنچتا ہے اور ایسے مفید اور کار آمد امر سے خاص کر اس دور پر فتن میں کہ عوام سرتاپا پیکر غفلت بنے ہوئے ہیں ذکر الٰہی سے روکنا ہرگز جائز نہیں اور اس کی ممانعت میں کوئی وجہ شرعی موجود نہیں اور اس کار خیر کو شرک و کفر اور حرم قطعی کہنا اور اس کے فاعلین کو گمراہ جاننا جدید شریعت گھڑنا ہے۔ اس مسئلے میں علماء متقدمین نے صدہا رسائل تصنیف و تالیف فرمائے لیکن مانعین و معاندین شرارت سے باز نہ آئے اور دن بدن یہ عمل بڑھتا جاتا ہے۔ بمبئی و کاٹھیاوار وغیرہ میں قدیم الایام سے ذکر جہر کا جنازہ کے ساتھ کرنا معمول آرہا ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر قادری ابوالبرکات سید احمد غفرلہٗ

ناظم انجمن دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف

اندرون دہلی گیٹ لاہور، 6دسمبر 1949ء بمعہ مہر دار الافتاء

☆☆☆☆☆

مفتی اعظم جمعیۃ العلماء اہل السنۃ والجماعۃ

الحاج حضرت مولانا مولوی شائستہ گل صاحب

لنڈ شاہ متہ مردان سابق صوبہ سرحد

مندرجہ بالا فتوؤں سے معلوم ہوا کہ موجودہ وقت کے ہر دو مکاتب فکر یعنی بریلوی اور علمائے دیوبند کے امام یعنی حضرت امام اہل سنت و جماعت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت شیخ العرب والعجم حضرت الحاج امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے عمل سے جنازے کے ساتھ حضور سرور عالم عالمیان، شافع یوم النشور احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کے ذکر کو کروانے کی تلقین فرمائی ہے اور جائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا اب اس مسئلہ پر ہر دو مکاتب فکر کے نزدیک کسی قسم کے اختلاف کی ضرورت نہیں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے ہر ممکن ذکر الٰہی کرنے کا ایسے طریقے پر اطلاق ہو رہا ہے جو صریحاً موجود ہے۔ مندرجہ بالا قرآن مجید اور احادیث شریفہ کے حوالوں پر صریحاً اطلاق مذکور

ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ مسئلہ میرے رسالہ "دلالة المطلق علی کل فرد اصدق" میں بخوبی واضح طور پر ثابت ہے، مطالعہ فرمائیں۔

اس طرح فقہائے کرام کے احکام بھی واضح اور روشن ہیں کہ فی الحقیقت ہر شے میں اباحت موجود ہے جب تک کہ نہی صریح موجود نہ ہو اور چونکہ جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے میں کوئی نہی صریح نہیں، قرآن مجید اور حدیث پاک میں موجود نہیں۔ لہٰذا اس کے مستحسن ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔

اقوال فقہاء جن سے کراہت مترشح ہوتی ہے، اس کا جواب مندرجہ ذیل عبارت میں موجود ہے:

فهو هذا زاد فی التتار خانیه وأما رفع الصوت عند الجنائز فیحتمل أن المراد منه النوح والدعاء للمیت بعد ما افتتح الناس أولإفراط فی مدحه کعادة الجاهلیة بما هو شبیه المحال۔ وأما أصل الثناء علیه فغیر مکروه۔ [1]

"تتارخانیہ میں اس عبارت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جنائز کے پاس آواز بلند کرنا اس سے یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ جنازہ شروع ہونے کے بعد میت کے لئے باآواز بلند دعا کرنا اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے بلند آواز سے مراد میت کی تعریف میں مبالغہ آرائی ہو، جیسا کہ جاہلیت کی عادت ہے کہ وہ مدح کرتے تھے جو مشابہ محال ہے۔ لیکن میت کی اصل ثنا کرنا مکروہ نہیں"۔ واللہ اعلم بالصواب

فتاویٰ شامی کی اس عبارت پر ہی حضرت العلامہ مفتی سرحد محمد امیر شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے کا مسئلہ" بھی اختتام پذیر ہوا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بوسیلہ شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مجتبیٰ، احمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء الیٰ یوم البقاء صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

---

[1] تتارخانیہ ثم الشامی جلد 5 ص 282 کتاب الاباحۃ والحظر مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

اگر متعدد جنازے جمع ہو جائیں تو ان پر نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے؟

أقول وباللہ التوفیق

اگر چند جنازے جمع جائیں تو ان میں چند چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے، مثلاً کیا وہ جنازے ایک ہی جنس کے ہیں یعنی سب جنازے مردوں کے ہیں یا سب جنازے عورتوں کے ہیں یا سب جنازے بچوں کے ہیں تو ایسی صورت میں جنازوں کو رکھنے کی کیا کیفیت ہوگی؟ یا وہ جنازے ایک جنس نہیں۔ کچھ مردوں کے جنازے ہیں، کچھ بچوں کے جنازے ہیں اور کچھ عورتوں کے جنازے ہیں اور کچھ خواجہ سراؤں کے جنازے ہیں، اس صورت میں ان کے رکھنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ پھر متعدد جنازوں کے رکھنے کے طرق میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ جنازے عرض میں سطر کی طرح رکھے جائیں اور امام ان سے جو افضل ہو اس کے سامنے کھڑا ہو اور نماز جنازہ پڑھائے۔ سب کی اجتماعی نماز جنازہ ہو جائیگی۔ اور متعدد جنازوں کے رکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کو سیڑھی کی طرز پر رکھا جائے یعنی پہلے جنازہ کے بعد جو دوسرا جنازہ رکھا جائے تو دوسرے جنازہ کا سر پہلے جنازہ کے کندھے کے برابر ہو۔ اور اس کے بعد جب تیسرا جنازہ رکھا جائے تو اس کا سر دوسرے جنازہ کے کندھا کے برابر ہو۔ علی ہذا القیاس! اس طریقہ پر سب جنازوں کو رکھا جائے تو گویا یہ ایک قسم کی سیڑھی بن جاتی ہے۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلا جنازہ کے قبلہ کی طرف بالکل اس کے برابر دوسرا جنازہ رکھا جائے اور علی ہذا القیاس، جتنے جنازے ہوں ان کو اسی ترتیب سے رکھا جائے جیسے وہ اپنی زندگی میں امام کے پیچھے پہلی اور دوسری اور تیسری صف وغیرہ باندھتا تھا۔ اب اس مقدمہ کے بعد فقہاء کرام کی تصریحات سے آپ کو مکمل آگہی حاصل جائے گی۔ ابن ہمام صاحب فتح القدیر اس مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں:

واعلم أن الصلوة الواحدة كما تكون على ميت واحد تكون على أكثر فإذا

اجتمعت الجنائز إن شاء وضع الكل و صلی علیهم صلوة واحدة ۔ وهو في كيفية وضعهم بالخيار إن شاء وضعهم بالطول سطرا واحدا إلى جهة القبلة و ترتيبهم بالنسبة إلى الإمام كترتيبهم في صلوتهم حالة الحياة فيقرب الأفضل فالأفضل ويبعد عنه المفضول فالمفضول وكل من بعد سنه كان إلى جهة القبلة أقرب ۔ الخ[1]

"ابن ہمام فرماتے ہیں: جان لو! کہ ایک نماز جیسا کہ ایک میت پر ہوتی ہے وہ ایک نماز اکثر پر بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب جنازے اکٹھے ہوجائیں (یعنی متعدد جنازے جمع ہوجائیں) امام کو اختیار ہے کہ ہر میت کی الگ الگ نماز جنازہ پڑھائے اور اگر چاہے تو سب کو آگے رکھ کر ایک ہی نماز جنازہ پڑھائے۔ اور امام میتوں کے رکھنے کی کیفیت میں بااختیار ہے ۔ اگر چاہے میتوں کو طول میں ایک سطر کی طرح رکھے اور ان میں سے جو افضل ہو اس کے پاس کھڑا ہو اور اگر چاہے تو قبلہ کی طرف ایک کے پیچھے دوسری میت رکھے۔ میتوں کی امام کی طرف نسبت کے اعتبار سے زندگی کی حالت میں ان کی نماز میں ترتیب کی طرح ہوگی (یعنی ایک کے پیچھے دوسرا) تو افضل کو امام کے قریب کیا جائے پھر دوسرے افضل کو اور مفضول کو امام سے دور رکھا جائے پھر دوسرا مفضول اور ان میں سے ایک ہر جہت قبلہ کی طرف قریب ہوگا"۔

تو جنازہ مرد اور بچہ کا جمع ہوجائے تو مرد امام کی جہت کی طرف ہو اور بچہ اس مرد کے پیچھے جہت قبلہ کی طرف۔ اور جب ان دونوں کے ساتھ خواجہ سرا بھی ہو تو اس کو پیچھے رکھا جائے۔ چنانچہ مردوں کی صف بندی امام کی جہت کی طرف، پھر مردوں کے پیچھے بچے پھر بچوں کے پیچھے خواجہ سرا اور پھر خواجہ سراؤں کے پیچھے عورتیں (اس سے معلوم ہوا اگر بچہ اور عورت کا جنازہ جمع ہوجائے تو بچہ مقدم ہوگا اور عورت کا جنازہ بچہ کے پیچھے) اگر میتیں سب مردوں کی ہوں تو حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ان میں سے افضل اور عمر رسیدہ کو امام کے سامنے رکھا جائے اور اس طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک یہ نہایت اچھا ہے کہ اہل فضل کو امام کے سامنے متصل رکھا جائے۔ اور جب نماز کیلئے ایک کے بعد دوسری میت کو قبلہ کی طرف رکھا

---

[1] ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ جلد دوم کتاب الجنائز فصل فی الصلوۃ علی المیت ص 92 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جائے تو ابن لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہر ایک میت کے سر کو اپنے صاحب میت کے سر سے نیچے رکھا جائے۔ اسی طرح یہ ایک سیڑھی کی صورت اختیار کر جائیگی۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ طریقہ اچھا ہے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صاحبین کو اسی طرح دفن کیا گیا ہے۔ اگر ہر میت کا سر اپنے صاحب میت کے سر کے برابر ہو تو یہ طریقہ بہت ہی اچھا ہے"۔

چنانچہ حضرات علماء فقہاء نے اسی طریقہ کو ترجیح دی اور فرمایا یہی طریقہ افضل ہے۔ یعنی میت جو امام کے سامنے متصل ہے اس کے بعد قبلہ طرف جتنی میتیں بھی رکھی جائیں گی ان سب کے سر برابر ہوں۔

صاحب درمختار اور ردالمحتار جو اس کے متعلق فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

فإذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصلوة على كل واحد أولى من الجمع و تقديم الأفضل أفضل وإن جمع جاز ثم إن شاء جعل الجنائز صفا واحدا وقام عند أفضلهم وإن شاء جعلها صفا مما يلى القبلة واحدا خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلى الامام ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجا فحسن لحصول المقصود۔

"صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ جب متعدد جنازے جمع ہو جائیں تو ہر ایک پر جمع کرنے سے تنہا نماز جنازہ پڑھنی اولیٰ ہے اور افضل کا مقدم کرنا بھی افضل ہے۔ اور اگر جمع کر کے بھی نماز پڑھے تو جائز ہے۔ پھر اگر چاہے تو جنازوں کی ایک صف بنائے اور ان میں سے جو افضل ہو اس کے پاس کھڑا ہو اور اگر چاہے تو جنازہ کی وہ صف بنائے جو قبلہ سے ملتی ہو، یعنی ایک کے پیچھے دوسرے کو رکھے اس حیثیت سے کہ ہر جنازہ کو سیڑھی کی طرز پر بنائے تو حصول مقصود کیلئے یہ بھی اچھا ہے"۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قوله وإن شاء جعلها صفا الخ۔ ذكر فى البدائع التخيير بين هذا والذى قبله ثم قال هذا الجواب ظاهر الرواية و روى عن ابى حنيفة فى غير رواية الأصول إن الثانى أولى لأن السنة هى قيام امام بحذاء الميت وهو يحصل فى الثانى دون الأول۔ اه [1]

---

[1] ردالمحتار جلد اول ص 648

''اور درمختار کا یہ قول اگر وہ چاہے تو جنازہ کی ایک صف بنالے، صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے کہ اختیار اس کے اس قول اور اس قول میں ہے جو اس سے پہلے ہے، ایک صف بنائے طول پر مثل سطر کے اور جو ان میں سے افضل ہو امام اس کے پاس کھڑا ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صف بنائے ایک جنازہ کے پیچھے دوسرا جنازہ تا کہ امام ان سب کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔ صاحب بدائع فرماتے ہیں: یہ جواب ظاہر روایت کا ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے غیر روایت اصول میں یہ روایت ہے کہ دوسرا قول اولیٰ ہے۔ بہتر ہے، افضل ہے۔ اس لئے کہ سنت یہی ہے کہ امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔ صاحب بدائع فرماتے ہیں: یہ جواب ظاہر روایت کا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے غیر روایت اصل میں یہ روایت ہے کہ دوسرا قول بہتر ہے، افضل ہے۔ اسلئے کہ سنت یہی ہے کہ امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو تو آدمی کا حصول مقصد دوسرے قول میں ہے نہ کہ اول قول میں''۔

تو صاحب ردالمحتار کی نص سے ثابت ہوا کہ اگر اکثر جنازے جمع ہو جائیں تو امام ان کو ایک کے پیچھے دوسرا پھر تیسرا علی ہذا القیاس وہ ان جنازوں کی اس طرح صف بنائے کہ اول امام کے قریب ہو اور سب سے دور قبلہ کے قریب ہو اور امام ان کے سینہ کے برابر کھڑا ہو کر نماز جنازہ پڑھائے۔ لہٰذا یہی طریقہ شریعت مطہرہ میں مستحسن اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

ولم یذکر المصنف رحمه الله ما إذا اجتمعت الجنائز للصلوٰة قالوا الإمام بالخیار إن شاء صلی علیهم دفعة واحدة وإن شاء صلی علی کل جنازة صلوة علی حدة فإن أراد الثانی فالأفضل أن یقدم الأفضل فالأفضل فإن لم یفعل فلا بأس به وأما کیفیة وضعها فإن کان الجنس متحداً فإن شاء واجعلوها واحدا کما یصطفون فی حال حیاتهم عند الصلوٰة وإن شاء وأوضعوا واحدا بعد واحد مما یلی القبلة لیقوم الإمام بحذاء الکل هذا جواب ظاهر الروایة وفی روایة الحسن أن الثانی أولی من الأول الخ۔ [1]

---

[1] البحر الرائق جزء دوم کتاب الجنائز ص 187 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

"صاحب البحر الرائق مجدد مذہب نعمانی و ابوحنیفہ ثانی المشہور بابن نجیم شیخ زین الدین فرماتے ہیں: مصنف رحمہ اللہ (یعنی صاحب کنز الدقائق) نے یہ ذکر نہیں کیا کہ جب نماز کیلئے چند جنازے اکٹھے ہو جائیں تو کیسے نماز پڑھی جائے۔ حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے کہ ان سب کی ایک ہی دفعہ نماز پڑھا دے یا اگر چاہے تو ہر جنازہ کی علیحدہ نماز پڑھائے۔ اگر دوسرے طریقہ سے نماز پڑھائے (یعنی علیحدہ علیحدہ) تو افضل یہ ہے کہ افضل کو مقدم کرے۔ اس کے بعد جو افضل ہو اس کی نماز جنازہ پڑھائے اور ایسا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جنازہ رکھنے کی کیفیت کیا ہے؟ چنانچہ اگر جنس متحد ہو (یعنی سب مرد ہوں) اگر چاہیں تو جنائز کی ایک صف بنالیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں نماز کے وقت بناتے تھے (یعنی شمالاً جنوباً صف بنائیں) اور اگر چاہیں تو ایک کے بعد دوسرے کو رکھیں جو قبلہ سے متصل ہو تا کہ امام سب کے برابر کھڑا ہو۔ یہ جواب ظاہر روایت کا ہے اور امام حسن بن زیادہ کی روایت میں دوسرا طریقہ اولیٰ و افضل ہے۔ (یعنی ایک جنازہ کے پیچھے قبلہ کی طرف دوسرا جنازہ علی ہذا القیاس تمام جنازے) اور ایک کے بعد دوسرے کے مرد کو امام کے آگے رکھا جائے پھر مرد کے پیچھے بچہ پھر بچے کے پیچھے خواجہ سرا اور خواجہ سرا کے پیچھے عورت اور عورت کے پیچھے بچی"۔

تو صاحب البحر الرائق کی نص سے معلوم ہوا کہ ایک کے پیچھے دوسرے کو رکھنا یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک افضل و اولیٰ ہے تا کہ سب کے سینہ کے برابر امام کھڑا ہو کیونکہ سینہ موضع قلب ہے اور قلب میں نور ایمان ہے تو سینہ کے برابر کھڑا ہونے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے ایمان کی شفاعت ہے۔ لہٰذا دوسرا طریقہ کہ ایک کے بعد دوسرے کو رکھنا یہ افضل ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق چند احادیث و آثار

1. عن علی رضی اللہ عنہ قال إذا كان الرجال و النساء كان الرجال يلون الإمام والنساء وراء ذلك۔[1]

---

[1] مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 463 رقم الحدیث 6328 مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 315 ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جب مردوں اور عورتوں کی میتیں اکٹھی ہو جائیں تو مرد امام سے متصل ہوں اور ان کے پیچھے عورتیں''۔

٢ عن ابن المسیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أنہ کان یصلی علی الجنائز فیجعل الرجال یلون الإمام والنساء أمام ذلک وبہ نأخذ۔[1]

''حضرت سعید ابن مسیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے متعدد جنائز پر نماز جنازہ پڑھی تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مردوں کو امام سے متصل کیا اور عورتوں کو مردوں کے آگے۔ (قبلہ کی طرف)''

اور ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں ہے یہ نو یا سات جنازے تھے۔

٣ عن الشعبی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما صلی علی أم کلثوم بنت علی بن ابی طالب و زید بن عمر فجعل زیدا یلیہ والمرأۃ امام ذلک.[2]

''امام شعبی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ زید بن عمر کی نماز جنازہ پڑھی تو زید بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو امام کے متصل کیا اور عورت (ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو اپنے بیٹے زید کے آگے رکھا''۔

٤ عن ابن جریج قال سمعت نافعاً یزعم أن ابن عمر رضی اللہ عنہما صلی علی تسع جنائز جمیعا فجعل الرجال یلون الإمام والنساء یلون القبلۃ فصفھن صفا ووضعت جنازۃ ام کلثوم ابنۃ علی إمراۃ عمر بن الخطاب و ابن لھا یقال زید وضعا جمیعاً والإمام یومئذ سعید بن العاص و فی الناس ابن عباس و ابوھریرۃ و ابو سعید و ابو قتادۃ فوضع الغلام مما یلی الإمام قال رجل فأنکرت ذلک فنظرت الی ابن عباس ابی ھریرۃ و ابی سعید و ابی قتادۃ فقلت ماھذا فقالوا ھی السنۃ۔[3]

---

[1] ۔ مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6330، مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 314

[2] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 315 مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6336

[3] ۔ مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 465 رقم الحدیث 6335

"ابن جریج سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع کو فرماتے سنا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اکٹھے نو جنازوں پر نماز پڑھی تو آپ نے مردوں کو امام کے متصل فرمایا اور عورتوں کو قبلہ کے متصل (یعنی پہلے مردوں کو رکھا اور ان کے پیچھے قبلہ کی جانب عورتوں کو رکھا) اور تمام جنائز کی قبلہ کی طرف ایک ہی صف بنائی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صاحبزادی اور حضرت عمر فاروق بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام کلثوم کا جنازہ رکھا گیا اور ام کلثوم کے بیٹے (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے تھے) جن کو زید کہا جاتا ہے، ان کا جنازہ بھی رکھا گیا اور اس وقت حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ امام تھے اور لوگوں میں حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ تو بچے (یعنی زید عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما) کو امام کے متصل آگے رکھا گیا۔ ایک مرد نے کہا: میں نے اس کا انکار کرتے ہوئے حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا ہے؟ تو ان جملہ حضرات گرامی القدر نے جواب دیا: یہی سنت ہے۔

۵ عن یونس عن عمار مولی بنی هاشم قال شهدت أم کلثوم و زید بن عمر فجعل زیدا مما یلیه وجعل ام کلثوم بین یدی زید و فی الناس یومئذ ناس من أصحاب النبی ﷺ والحسن والحسین فی الجنازة۔ [1]

"بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام عمار سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں حضرت ام کلثوم اور زید بن عمر کے جنازے میں حاضر ہوا اور دونوں (ماں اور بیٹا) ایک ہی وقت میں وفات پا گئے تھے تو لوگوں نے ان دونوں کے جنازے کو نکالا اور ان دونوں کی سعید بن عاص نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تو زید کو امام کے سامنے متصل رکھا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے بیٹے زید کے آگے قبلہ کی طرف رکھا اور اس وقت لوگوں میں نبی اکرم ﷺ کے کچھ اصحاب بھی موجود تھے اور جنازہ میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما موجود تھے"۔

تو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بچے کو امام کے سامنے متصل رکھا جائے اور عورت کو بچے کے آگے قبلہ کی طرف رکھا جائے۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 315-314

۶ عن سلیمان بن موسی أن واثلة بن الأسقع کان إذا صلی علی النساء والرجال جمیعا جعل الرجال ممایلیه والنساء أمام ذلك.[1]

''سلیمان بن موسیٰ (متوفی 113ھ) روایت ہے کہ مشہور صحابی حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ (متوفی 83ھ) جب اکٹھے عورتوں اور مردوں پر نماز جنازہ پڑھتے تو مردوں کو امام کے سامنے متصل فرماتے اور ان کے آگے (قبلہ کی طرف) عورتوں کو رکھتے''۔

۷ عن ابی اسحاق قال رأیت الشعبی صلی علی جنازة رجلین وصف أحدهما خلف الآخر ثم قال اصنعوا بهم هکذا وإن کانوا عشرة۔[2]

''ابواسحاق سے روایت ہے انہوں نے کہا: میں نے (عامر بن شرحبیل) شعبی (متوفی 109ھ) کو دیکھا کہ آپ نے دو مردوں کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان میں سے ایک کی دوسرے کے پیچھے صف بنائی۔ پھر فرمایا: مردوں کے جنازوں کے ساتھ اسی طرح کرو اگرچہ وہ تعداد میں دس ہی ہوں''۔

۸ عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما أنه کان یساوی بین رؤوسهم إذا صلی علی الرجال والنساء وبه نأخذ۔[3]

''نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب مردوں اور عورتوں پر نماز جنازہ پڑھتے تو ان سب کے سروں کو برابر رکھتے''۔

چنانچہ یہ جملہ احادیث وآثار نیز حضرت حسن بن زیاد کی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنائز خواہ ان کی جنس متحد ہو یا ان کی جنس علیحدہ علیحدہ ان سب کو قبلہ کی جانب ایک صف میں برابر رکھنا چاہیے یعنی اول امام کے قریب اور آخری قبلہ کے قریب ہو۔ اور امام ان سب کے سینہ کے برابر کھڑا ہو کر ان کی نماز جنازہ پڑھائے۔ یہی طریقہ اولیٰ اور افضل ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی یہ جملہ احادیث وآثار موید ہیں۔

---

[1] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم روم الحدیث 6339

[2] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6343

[3] ۔مصنف عبدالرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6348

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

اس مسئلہ کے حکم کا مدار احادیث پر ہے کیونکہ احادیث اس مسئلہ میں شارح ہیں اور علمائے کرام وفقہائے کرام نے بھی اس مسئلہ پر احادیث سے استدلال کیا ہے اور یہ مسئلہ احناف اور شوافع کے درمیان مختلف فیہا ہے۔ اسلئے سب سے پہلے احادیث آثار وغیرہ کا نقل کرنا ضروری ہے تاکہ شوافع سے اختلاف کا اصل منبع معلوم ہو سکے اور دیکھا جائے کہ ان میں سے کونسی احادیث قابل عمل ہیں جن پر اعتماد کرتے ہوئے اس مسئلہ کا تعین کیا جائے۔ چنانچہ پہلے احادیث ملاحظہ فرمائیں اور ان کے بعد ان شاء اللہ فقہائے کرام کا حکم بیان کیا جائیگا کیا مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے یا مکرہ تنزیہی؟۔

١ عن ابن ابی ذئب حدثنی صالح مولی التوأمة عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیئ علیہ۔

ابوداؤد رقم الحدیث 3191 اور ابن ماجہ نے ابن ابی ذئب سے اس حدیث کو روایت کیا لیکن ابن ماجہ کی الفاظ یہ ہیں: فلیس لہ شئی ابن ماجہ رقم الحدیث 1517 شرح معانی الآثار للطحاوی میں ہے ابن ابی ذئب سے یہ حدیث مروی ہے اور اس کے الفاظ بھی یہی ہیں فلیس لہ شئی شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول اول کتاب الجنائز ص 331

اور ابوداؤد کے مخطوط نسخ میں "فلاشی علیہ" نہیں بلکہ فلاشئی لہ ہے اور حدیث کا معنی ہے:

"ابن ابی ذئب (محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ بن حارث) سے روایت ہے کہ مجھ سے صالح (بن نبھانؒ) مولی التوامہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں"۔

٢ عن ثوری عن ابی ذئب عن صالح بن نبھان قال سمعت ابا ھریرة رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشئی لہ۔ [1]

---

[1] مصنف عبد الرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6579

''صالح بن نبہان سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی'' اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔

۳ عن ابن ابی ذئب عن رجل سماہ یقال لہ مسلم عن کثیر بن عباس قال لا أعلمہ إلا رفعہ قال لأعرفن ما صلیت علی جنازۃ فی المسجد۔[1]

''ابن ابی ذئب ایک مرد سے روایت کرتے ہیں جس کا انہوں نے نام لیا جس کو مسلم کہا جاتا ہے، مسلم کثیر بن عباس (بن عبد المطلب) نبی کریم ﷺ کے چچا کے بیٹے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے، صحابی صغیر ہیں۔ عبد المالک بن مروان کے دور امارت میں ان کی وفات ہوئی، سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جانتا ہوں کہ مسجد میں جنازہ پر کوئی نماز نہیں پڑھی گئی''۔

۴ أخبرنا مالك أخبرنا نافع عن ابن عمر أنہ قال ما صلی علی عمر إلا فی المسجد و موضع الجنازۃ بالمدینۃ خارج من المسجد وھو الموضع الذی کان النبی ﷺ یصلی علی الجنازۃ فیہ۔[2]

''حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی گئی۔ (حضرت محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہمیں اسی طرح حدیث پہنچی ہے) اور مدینہ منورہ کی جنازہ گاہ مسجد سے باہر تھی۔ اور یہ وہی جگہ تھی جس میں نبی کریم ﷺ جنازہ پڑھایا کرتے تھے''۔

۵ عن ابن ابی ذئب عن صالح مولی التوأمۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ قال أصحاب رسول اللہ ﷺ إذا تضایق بھم المکان رجعوا ولم یصلوا۔[3]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسجد

---

[1] ۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6580

[2] ۔ موطا امام محمد باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد مطبع یوسفی ص 169

[3] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 364 ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی

میں نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب جنازہ گاہ لوگوں سے تنگ ہو جاتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب واپس لوٹ آتے اور نماز جنازہ نہ پڑھتے"۔

۶ حدثنا وکیع عن ابن ابی ذئب عن سعید بن سمعان عن کثیر بن عباس قال لا عرفن ما صلیت علی جنازۃ فی المسجد۔[۱]

"سعید بن سمعان کثیر بن عباس (صحابی صغیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے) سے روایت کرتے ہیں، حضرت کثیر بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی"۔

۷ حدثنا وکیع عن ابن ابی ذئب عن صالح مولی التوأمۃ عمن أدرک ابا بکر وعمر أنهم کانوا إذا تضایق بهم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازۃ فی المسجد۔[۲]

"حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کو پایا ہے کہ صحابہ کرام جب جنازہ گاہ لوگوں سے تنگ پڑ جاتی تو وہ واپس لوٹ آتے اور مسجد میں جنازہ نہ پڑھتے"۔

ان احادیث مبارکہ سے احناف نے استدلال فرمایا کہ مسجد میں بلا عذر شرعی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

۸ عن عباد بن عبد اللہ بن الزبیر أن عائشۃ رضی اللہ عنها أمرت أن یمر بجنازۃ سعد بن ابی وقاص فی المسجد فتصلی علیه فأنکر الناس ذلک علیها فقالت ما أسرع ما نسی الناس ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی سهیل بن البیضاء إلا فی المسجد وفی روایۃ المسلم عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن أن عائشۃ۔ الخ۔[۳]

"عباد بن عبد اللہ زبیر سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

---

[۱]۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 365

[۲]۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 365

[۳]۔ مسلم بمعہ نووی کتاب الجنائز جلد اول ص 313-312۔ شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول ص 330۔ صحیح ابن حبان ج 5، ص 28 رقم الحدیث 3055۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 364۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6578۔ ابوداؤد رقم الحدیث 3189۔ ابن ماجہ رقم الحدیث 1518

نے حکم دیا سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد سے گزارا جائے تاکہ وہ بھی اس کے لئے دعا کر سکیں یا ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ تو لوگوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اس کا انکار کیا۔ تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لوگ کتنی جلدی بھول گئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بنت بیضا کی نماز جنازہ مسجد میں ہی ادا کی تھی"۔

بیضا سہیل کی والدہ کا نام ہے۔ اصل نام دعد بنت جحدم اور بیضا وصف ہے۔ ان کے تین بیٹے تھے سہل، سہیل، صفوان اور ان کے والد کا نام وہب بن ربیعہ قرشی فہری تھا۔

۹ حدثنا وکیع عن کثیر بن زید عن المطلب بن عبد اللہ بن حنطب قال صلی علی ابی بکر وعمر تجاہ المنبر۔[۱]

"مطلب بن عبد اللہ بن حنطب سے روایت ہے، انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ منبر شریف کے سامنے پڑھی گئی"۔

۱۰ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن عمر رضی اللہ عنہ صلی علیہ فی المسجد۔[۲]

۱۱ عن ہشام بن عروۃ قال رأی ابی الناس یخرجون من المسجد لیصلوا علی الجنازۃ فقال ما یصنع ہولاء ما صلی علی ابی بکر إلا فی المسجد۔[۳]

قارئین گرامی! آپ نے مسجد میں غیر مجوزین جنازہ اور مجوزین کے استدلال از احادیث ملاحظہ فرمائے۔ قبل ازیں کہ حضرات فقہائے کرام رحمہ اللہ کی کتب مذہب سے نصوص منقولہ عرض کروں ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی 321ھ نے ان سب احادیث کے متعلق جو ایک نفیس فیصلہ نقل فرمایا، اور علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن عینی رحمہ اللہ متوفی 855ھ نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مسلم سے حدیث حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے

---

[۱] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 364

[۲] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 364۔ شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول ص 331۔ موطا امام مالک مع شرح زرقانی جلد دوم رقم الحدیث 542۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم رقم الحدیث 6577

[۳] مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 526 رقم الحدیث 6576

تحت عدم مجوزین پر جو اعتراض کیا اس کا جو جواب نقل فرمایا وہ بیان کروں ملاحظہ فرمائیں اس کے بعد فقہائے کرام کی تصریحات نقل کروں گا۔ جن میں ان شاء اللہ مجوزین کے اعتراضات کا کافی و وافی جواب آپ کو ملے گا۔

امام طحاوی فرماتے ہیں:

فلما اختلف الروایات عن رسول اللہ ﷺ فی ھذ الباب فکان فیما روینا فی الفصل الأول إباحة الصلوٰة علی الجنائز فی المساجد و فیمار روینا فی الفصل الثانی کراھة ذالک۔ احتجنا إلی کشف ذلک لنعلم المتاخر منه من جعله ناسخا لما تقدم من ذلک فلما کان حدیث عائشة فیه دلیلاً علی انھم قد کانوا ترکوا الصلوٰة علی الجنائز فی المسجد بعد ان کانت تفعل فیه حتی ارتفع ذلک من فعلھم و ذھبت معرفة ذلک من عامتھم فلم یکن ذلک عندھا لکراھة حدثت الخ

شرح معانی الآثار للطحاوی جلد اول کتاب الجنائز باب الصلوٰة علی الجنائز ھل ینبغی ان تکون فی المساجد ام لا۔ ص 331 مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی۔

"پس جب اس باب میں نبی کریم ﷺ سے مروی روایات باہم مختلف ہیں تو اس حدیث میں جسے ہم نے فصل اول میں روایت کیا کہ مسجد میں نماز جنازہ کی امامت اور اس حدیث میں جسے ہم نے دوسری فصل میں روایت کیا، اس کی کراہت مذکور ہے تو ہم نے اس کی وضاحت کی ضرورت محسوس کی تا کہ ہم دونوں حدیثوں میں سے متاخر (یعنی بعد والی) کو جان لیں اور اسے پہلی کیلئے ناسخ قرار دے دیں۔ پس جب ہم نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس بات پر دلیل پائی کہ انہیں صحابہ کرام نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ جب کہ اس سے قبل اس میں یہ عمل ہوتا تھا (اس سے قبل مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی جاتی تھی) حتی کہ انہوں نے یہ عمل چھوڑ دیا (یعنی انہوں نے مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا تھا) وہ (حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا عدم کراہت کی حجت ہونا) ان کے فعل میں اٹھ گیا (حتی کہ انہوں نے یہ عمل چھوڑ دیا) اور عام لوگوں میں اس کی پہچان نہ رہی اور اس کی معرفت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جاتی رہی۔

ان کے نزدیک یہ کسی نو پیدا اعزاز واکرام کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ اس لئے تھا کہ صحابہ کرام کیلئے مساجد میں نماز جنازہ پڑھنا بھی جائز تھا اور دوسری جگہ بھی پڑھنا مسجد میں پڑھنے کی کراہت کی دلیل نہیں۔ جیسے مسجد میں پڑھنا دوسری جگہ پڑھنے کی کراہت کی دلیل نہیں تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے وصال کے دن ام المومنین (سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے وہ بات فرمائی جب کہ صحابہ کرام اوران کے متبعین نے اس سے انکار کر دیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہونے کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ تو آپ کا پہلے مساجد میں نماز پڑھنا پھر اسے چھوڑ دینا نسخ کی دلیل ہے۔ پس یہ روایت (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی) حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی خبر دی ہے جو جواز کی حالت میں تھا اور ابھی تک ممانعت نہیں آئی تھی۔ جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اولیٰ ہوئی۔ کیونکہ یہ (یعنی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) اس کیلئے (حدیث ام المومنین رضی اللہ عنہ کیلئے) ناسخ ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کی بات سے انکار اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس معاملے میں علم کے خلاف معلومات حاصل تھیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان (یعنی ام المومنین رضی اللہ عنہا کی) مخالفت نہ کرتے۔ یہ جو ہم نے مسجد میں نماز جنازہ کی ممانعت اور کراہت کا ذکر کیا ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ کا قول ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان مسائل کو نقل کرنے والوں نے حضرت امام یوسف رحمہ اللہ سے اس سلسلہ میں یوں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مسجد خاص نماز جنازہ کیلئے بنائی گئی ہو تو اس مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں''۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ کی اس نفیس تصریح سے ثابت ہوا کہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے اولیٰ بھی ہے اور اس کی ناسخ بھی ہے۔ لہٰذا حدیث ناسخ معمول بہ ہوگی نہ کی حدیث منسوخ۔

شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی 646ھ صحیح مسلم کی ایک حدیث جو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مسجد میں نماز جنازہ کے متعلق مروی ہے، اس کے تحت امام نووی فرماتے ہیں۔

و فی ھذا لحدیث دلیل للشافعی ولاکثرون فی جواز الصلوۃ علی المیت فی المسجد و ممن قال بہ أحمد و إسحاق قال ابن عبد البر و رواہ المدنیون فی الموطا عن مالک و بہ قال ابن حبیب المالکی وقال ابن ابی ذئب و ابوحنیفۃ و من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئی لہ و دلیل الشافعی والجمھور حدیث سھیل بن بیضاء ۔ وأجابوا حدیث سنن ابی داؤد بأجوبۃ ۔ الخ۔[1]

''امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس حدیث میں امام شافعی رحمہ اللہ اور اکثر کی اس بات پر دلیل ہے کہ مسجد میں میت پر نماز جنازہ جائز ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ امام احمد واسحاق رحمہا اللہ ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا: اس حدیث کو مدنیوں نے موطا میں امام مالک سے روایت کیا۔ اور ابن حبیب مالکی کا بھی یہی قول ہے۔ ابن ابی ذئب، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ اجمعین کا قول یہ ہے کہ میت پر مسجد میں نماز جنازہ صحیح نہیں کیونکہ سنن ابوداؤد میں ہے۔ جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اس کیلئے کوئی شئی نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور کی دلیل سہیل بن بیضا کی حدیث ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا لوگ بھول گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضا کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی۔ اور حضرات شوافع علمائے کرام نے حدیث سنن ابوداؤد کے کئی جواب دیئے ہیں:

اول: یہ حدیث ضعیف ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لئے کہ صالح بن نبہان مولی التوأمہ اس میں منفرد ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

دوم: بیشک سنن ابی داؤد سے مسموع محققہ اور مشہورہ نسخ میں حدیث اس طرح ہے۔ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلاشئی علیہ تو اس روایت کے مطابق ان کیلئے اس حدیث میں کوئی حجت نہیں۔

---

[1] ۔ نووی مع صحیح مسلم جلد اول کتاب الجنائز فصل فی جواز الصلوۃ علی المیت فی المسجد ص 313-312 اصح المطابع دہلی

سوم: اور اگر سنن ابی داؤد کی حدیث سے یہی ثابت ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "لاشئی لہ" تو اس کی تاویل "علی" پر واجب ہوگی۔ یعنی لاشئی علیہ تا کہ دونوں روایتوں میں جمع ہو سکے، یعنی حدیث سنن ابوداؤد اور حدیث سہیل بن بیضا میں اس لئے کہ لہ "بمعنی علیہ" آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان "وان اساتم فلھا" سورۃ بنی اسرائیل: 7، اس آیت کریمہ میں فلھا بمعنی علیھا ہے۔

چہارم: یہ حدیث نقص اجر پر محمول ہے اس شخص کے حق میں جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اور قبر تک جانے سے پہلے واپس لوٹ آیا۔ اسلئے کہ میت کے پیچھے قبر تک جانے اور اس کے دفن ہونے سے اس کا ثواب کم ہوگیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شوافع کی طرف سے حدیث سنن ابوداؤد کے متعلق جو جوابات نقل کئے ہیں، علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قلت: الجواب عما قالوہ من وجوہ۔ الخ[1]

اول: ابوداؤد نے اس حدیث کو روایت کیا اور اس حدیث کے متعلق خاموش ہو گئے (یعنی اس حدیث کے متعلق صحیح وغریب، ضعیف وغیرہ نہیں کہا) اور یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے۔

دوم: یحییٰ بن معین جو اس باب (الجرح والتعدیل) میں فیصل ہیں، فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے صالح بن نبہان سے اختلاط سے قبل سنا ان میں سے ابن ابی ذئب بھی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ بن حارث ہے۔ اور ابن ابی ذئب نے بھی صالح بن نبہان کے بارے سکوت اختیار کیا ہے۔[2]

سوم: علامہ ابن عبدالبر نے کہا صالح بن نبہان سے ان میں سے اس کی روایت قبول کی جائے۔ جو بالخصوص ابن ابی ذئب اس سے روایت کرتے ہیں۔

چہارم: اور غالبا جو سنن ابوداؤد سے ذکر کیا گیا، وہ تحامل ہے ظلم ہے۔ اسی تحامل میں سے امام نووی

---

[1] ۔البنایہ شرح ہدایہ۔ جلد سوم کتاب الجنائز ص 229۔ دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] ۔تہذیب الکمال حافظ مزی متوفی 742ھ جلد 4 ص 481 دار الکتب العلمیہ بیروت

کا قول ہے کہ ابوداؤد کے مشہور اور مسموعہ نسخ میں "فلاشیٔ علیہ" ہے اور قول نووی کو قول خطیب نے رد کر دیا کہ محفوظ سنن ابوداؤد سے "لاشیٔ لہ" ہے اور امام سروجی کے قول نے بھی امام نووی کے قول کو رد کر دیا۔ امام سروجی فرماتے ہیں "اسرار" میں فلاصلوۃ لہ ہے اور مرغینانی میں فلا وجہ لہ ہے امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں، کتب حدیث میں یہ لفظ مذکور نہیں۔ اور امام نووی کے قول کو وہ حدیث بھی رد کرتی ہے جس کی ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں "لاصلوۃ لہ" ہے۔ اور خطیب نے فلا اجر لہ بھی روایت کیا ہے۔ اس موضع میں عدم اطلاع کی وجہ سے انکل پچو اور بیکار باتیں کی ہیں۔ اور شوافع کے تحامل میں سے یہ بھی ہے کہ فلاشیٔ لہ میں صرف لام علی ہو۔ اور یہ بھی بلا کسی دلیل کے خواہش کے مطابق تصرف کرنا ہے۔ اور اس تصرف کا داعی بھی کوئی چیز نہیں۔ اور امام نووی کے کلام کو یہ اقوی روایت رد کرتی ہے کہ ابن ابی شیبہ نے فلاصلوۃ لہ روایت کیا ہے۔ لہٰذا امام نووی رحمہ اللہ کا لام بمعنی علی اپنی خواہش کے مطابق بلا دلیل تصرف ہے۔ انتھی کلام العینی رحمہ اللہ

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے آخر میں مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھنے کا حکم بھی بیان فرمایا ہے:

وقال إسماعيل المتكلم الصلوة عليه في المسجد مكروهة كراهة تحريم وقال شرف الائمة عقيلي كراهة تنزيه ذكره في القنية المنية۔ [1]

"اسماعیل متکلم نے فرمایا: میت پر مسجد میں نماز مکروہ تحریمی ہے اور شرف الآئمہ عقیلی رحمہ اللہ نے فرمایا: مکروہ تنزیہی ہے۔ اس کو امام زاہدی نے "قنیۃ المنیۃ" میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی متوفی 879ھ کمال الدین ابن ہمام کے شاگرد نے اپنے "الفتاوی القاسمیہ" ایک رسالہ مسمی بھا۔ احکام الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد میں مکروہ تحریمہ کا فتویٰ دیا ہے۔ ان شاء اللہ ان کے رسالہ کے حوالہ سے اس کا ذکر آئیگا۔ لہٰذا اکثر علماء کرام کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

اب حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ کی نصوص باہرہ ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] بنایہ شرح ہدایہ جلد سوم کتاب الجنائز ص 232-231 دار الکتب العلمیہ بیروت

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة لقوله علیه السلام من صلی علی جنازة فی المسجد فلا أجرله ولأنه بنی لإداء المکتوبات ولأنه یحتمل تلویث المسجد وفیما إذا کان المیت خارج المسجد اختلاف المشائخ رحمهم الله۔[1]

"صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: اور نہ نماز پڑھی جائے میت پر اس مسجد میں جس میں پنجگانہ جماعت ہوتی ہو بوجہ فرمان مصطفی ﷺ کے جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ پھر صاحب ہدایہ نے اس پر معقول دو دلیلیں پیش کیں: اول یہ کہ مسجد کو صرف فرائض نماز کی ادائیگی کیلئے بنایا گیا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں مسجد کی آلودگی کا بھی احتمال ہے اور میت جب مسجد سے خارج ہو تو مشائخ کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ کمال الدین ابن ہمام متوفی 681ھ فرماتے ہیں:

قوله ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة فی الخلاصة مکروہ سواء کان المیت والقوم فی المسجد أو کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد أو کان الإمام مع بعض القوم الباقون فی المسجد أو المیت فی المسجد والإمام والقوم خارج المسجد هذ فی فتاوی الصغری قال هو المختار۔ الخ[2]

"صاحب ہدایہ کا قول میت پر مسجد جماعت میں نماز پڑھی جائے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ مکروہ ہے خواہ میت اور لوگ مسجد میں ہوں یا میت مسجد کے باہر اور لوگ مسجد کے اندر۔ یا امام بعض لوگوں کے ساتھ مسجد کے باہر ہو اور باقی سب لوگ مسجد کے اندر یا میت مسجد میں ہو لوگ اور امام مسجد سے باہر (ان سب صورتوں میں میت پر نماز مکروہ ہے) یہ فتویٰ صغری (شیخ امام عمر بن عبد العزیز المعروف حسام الدین شہید مقتول متوفی 536ھ) میں ہے اور صاحب فتاویٰ صغری نے فرمایا یہی مختار ہے۔ اور کراہت میں یہ اطلاق اس بنا پر ہے کہ مسجد صرف فرض نماز اور فرض نماز کے توابع نوافل اور ذکر اور علم کی تدریس کے لئے بنائی گئی

---

[1] ۔ ہدایہ مع فتح القدیر جلد دوم ص 90 المکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ

[2] ۔ فتح القدیر شرح ہدایہ کتاب الجنائز ص 90 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ہے۔ اور بعض کہتے ہیں جب میت مسجد سے باہر ہو تو مکروہ نہیں۔ اور یہ اس بنا پر ہے کہ میت کے مسجد کے اندر ہونے سے مسجد کی آلودگی کا احتمال ہے جو مکروہ ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: حدیث کے اطلاق کی وجہ سے جس سے صاحب ہدایہ نے استدلال فرمایا پہلا قول (یعنی فتاویٰ صغریٰ کا) اوفق ہے۔ پھر یہ کراہت تحریمی ہے یا کراہت تنزیہی یہ دو روایتیں ہیں۔ ابن ہمام فرماتے ہیں جو میرے لئے ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ کراہت تنزیہی اولیٰ ہے۔

صاحب فتح القدیر ص 91 پر فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ رسول کریم ﷺ نے بیضا (دعد بنت جحدم) کے بیٹوں سہیل اور اس کے بھائی کا جنازہ مسجد میں پڑھایا۔ ہم کہتے ہیں اولاً تو یہ واقعہ حال ہے جس کا کوئی عموم نہیں۔ چنانچہ جائز ہے کہ یہ فعل کسی ضرورت کی وجہ سے ہوا ہو۔ اور وہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حالت اعتکاف میں ہوں۔ اور یہ عذر ہے اور بوجہ عذر شرعی مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے۔ اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ ضرورت نہیں تھی تو پھر صحابہ کرام اور تابعین کرام کا انکار اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل (مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنا) اس وقت کے بعد اپنے ترک پر (یعنی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنے پر) بھی مستقر و ثابت رہا۔

امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی 786ھ شارح ہدایہ فرماتے ہیں:

وقوله ولا يصلى على ميت فى مسجد جماعة إذا كانت الجنازة فى المسجد فالصلوة عليها مكروهة باتفاق أصحابنا۔ وإن كانت الجنازة والإمام و بعض القوم خارج المسجد والباقى فيه لم يكره بالاتفاق وإن كانت الجنازة وحدها خارج المسجد ففيه اختلاف المشائخ الخ۔[1]

اور صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ جس مسجد میں جماعت ہوتی ہے اس میں میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اس کے متعلق علامہ بابرتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میت پر مسجد میں نماز مکروہ ہے اور اگر جنازہ اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور باقی لوگ مسجد کے اندر ہوں تو بالاتفاق یہ نماز جنازہ مکروہ نہیں۔ اور اگر تنہا جنازہ مسجد کے باہر ہو تو اس میں مشائخ کرام کا اختلاف ہے۔

---

[1] ۔عنایہ علی حاشیہ فتح القدیر جلد دوم ص 90 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی حال میں بھی مسجد میں نماز جنازہ مکروہ نہیں) اس لئے کہ مروی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جنازہ کو مسجد میں داخل کرنے کا حکم دیا تا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ان کی نماز جنازہ پڑھ سکیں۔ پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے اردگرد بعض لوگوں سے پوچھا کیا جو ہم نے کیا ہم پر لوگوں نے عیب لگایا ہے تو انہوں نے جواب دیا؟ جی ہاں! تو پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کتنی جلدی لوگ بھول گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن بیضا کی نماز جنازہ مسجد میں ہی پڑھی تھی۔

(علامہ بابرتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھی اس کیلئے کچھ ثواب نہیں۔ اور حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا الزام میں مشترک ہے اسلئے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں مہاجرین وانصار نے ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس فعل پر عیب لگایا تو یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ کراہت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار میں معروف ومشہور تھی اور رسول اللہ ﷺ کا سہیل بن بیضا کی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی تاویل یہ تھی کہ آپ ﷺ اس وقت مسجد میں معتکف تھے اور آنحضور ﷺ کا مسجد سے باہر نکلنا ممکن نہ تھا تو حکم دیا گیا کہ جنازہ کو مسجد کے باہر رکھا جائے اور ہمارے نزدیک بھی جب جنازہ مسجد سے خارج ہو تو لوگوں کا مسجد میں کھڑے ہو کر اس کی جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں۔

عالم ربانی حبر صمدانی السید جلال الحق والدین خوارزمی کرمانی صاحب کفایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

قوله لقول النبی ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلا اجرله یحتمل ان یکون قوله فی المسجد ظرف الصلوة و یحتمل أن یکون صفة جنازة ولذا اختلف حکم المسئلة حیث قال وفیما اذا کان المیت خارج المسجد اختلف المشائخ الخ[1]

"صاحب ہدایہ کا قول بوجہ نبی کریم ﷺ جس نے مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ صاحب کفایہ فرماتے ہیں: اس بات کا بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم

---

[1] ۔الکفایہ متصل فتح القدیر جلد دوم کتاب الجنائز ص 91-90 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "فی المسجد" یہ صلوۃ کا ظرف ہو اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ "فی المسجد" جنازہ کی صفت ہو۔ اور اسی لئے مسئلہ کا حکم مختلف ہے۔ یہاں تک کہ صاحب ہدایہ کا اپنے اس قول کی علت بیان کرنا کہ مسجد تو فقط فرائض کی ادائیگی کیلئے تعمیر کی گئی ہے تو ایسی مسجد تقاضا کرتی ہے کہ اس میں نماز جنازہ مکروہ ہو اگرچہ میت مسجد سے باہر ہو۔ اور صاحب ہدایہ نے دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ میت کا مسجد میں جنازہ یہ مسجد کی آلودگی کا احتمال بھی رکھتا ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ اگر میت مسجد سے خارج ہو تو مسجد میں نماز مکروہ نہیں۔ اور صاحب مبسوط نے اسی طرف میلان کیا ہے"۔

لیکن یہ تمام اس صورت میں ممکن ہے جب مسجد کا دروازہ مغرب کی جانب ہو کیونکہ اگر میت مسجد سے خارج ہوگی اور امام کے ساتھ کچھ لوگ مسجد کے باہر کھڑے ہوں اور باقی مسجد کے اندر تو یہ صورت مذکور تب ہی ممکن ہے جب مسجد کا کوئی دروازہ مغرب کی جانب ہو۔ اور ہماری مساجد اس صورت مذکور کے بالکل خلاف تعمیر کی گئی ہیں۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ میت پیچھے ہو اور امام آگے یعنی ہمارے دور حاضر کی مساجد ہی اس ہیئت پر ہے کہ قبلہ کی جانب کوئی دروازہ نہیں تو وہ صورتیں جو حضرات فقہاء نے بیان فرمائیں ان کی تحقیق کسی بھی صورت دور حاضر کی مساجد میں ممکن نہیں صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ میت کو محراب میں رکھ کر اس پر جنازہ پڑھایا جائے تو یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

محمد بن علی محمد علاؤالدین حصکفی متوفی 1088ھ درمختار میں فرماتے ہیں:

وكرهت تحريما وقيل تنزيها في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده أو مع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض قوم والمختار الكراهة المطلق خلاصة بناء على أن المسجد إنما بني المكتوبة توابعها كالنافلة وذكره تدريس علم وهو الموافق لاطلاق حديث ابي داؤد من صلى على ميت في المسجد فلا صلوة له۔[1]

"جس مسجد میں جماعت ہوتی ہو اس میں جنازہ پر نماز مکروہ تحریمی ہے۔ اور بعض نے کہا: مکروہ تنزیہی ہے میت مسجد میں تنہا ہو یا لوگوں کے ساتھ ہو۔ اور مسجد سے باہر میت تنہا رکھے

---

[1] ۔ درمختار علی حاشیہ ردالمحتار۔ جلد اول کتاب الجنائز ص 652 مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ

یا بعض لوگوں کا اس کے ساتھ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اور مختار قول مطلق کراہت ہے۔ خلاصہ اس بنا پر کہ مسجد صرف فرض نماز کیلئے بنائی گئی ہے اور نماز کے توابع کیلئے جیسے نفل نماز، ذکر الٰہی اور تدریس علم۔ اور یہ حدیث ابوداؤد کے اطلاق کے موافق ہے کہ جس نے میت پر مسجد میں نماز پڑھی اس کی نماز نہیں"۔

چنانچہ درمختار کے قول کے مطابق مسجد میں میت پر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسلئے صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

"قوله وقيل تنزيها" رجحه المحقق ابن همام وأطال ووافقه تلميذه العلامة ابن أمير حاج وخالفه تلميذه الثاني الحافظ الزيني قاسم (بن قطلوبغا) في فتواه رسالة خاصة فرجح القول الأول لإطلاق المنع في قول محمد في مؤطاه لايصلي على جنازة في المسجد وقال الإمام الطحاوي النهي عنها وكراهيتها قول ابي حنيفة و محمد وهو قول ابويوسف ايضا۔[1]

"صاحب درمختار کا قول کہ بعض نے کہا میت پر مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تنزیہی ہے، اور اس قول کو محقق ابن ہمام نے ترجیح دی اور اس پر طویل گفتگو فرمائی ہے اور محقق ابن ہمام کے شاگرد ابن امیر حاج نے استاذ کی موافقت کی ہے۔ اور محقق ابن ہمام کے دوسرے شاگرد حافظ زینی قاسم (بن قطلوبغا رحمہ اللہ) نے اپنے فتاویٰ "الفتاوی القاسمیہ" میں ایک خاص رسالہ "أحكام الصلوة على الجنازة في المسجد" میں قول اول (مکروہ تحریمہ) کو ترجیح دی ہے بوجہ مطلق ہونے منع کے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کے مطابق موطا امام محمد میں ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔[2]

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: میت پر مسجد میں نماز جنازہ کی ممانعت اور اس کی کراہیت قول امام ابوحنیفہ ومحمد رحمہما اللہ میں موجود ہے اور حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس پر نہایت طویل گفتگو فرمائی ہے۔ (دیکھیے شرح معانی

---

[1] ۔ ردالمحتار لابن عابدین شامی جلد اول ص 653-625

[2] ۔ موطا امام محمد "باب الصلوۃ علی الجنازۃ فی المسجد" ص 169 مطبع یوسفی

الآثار للطحاوی جلد اول کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنائز ہل ینبغی ان تکون فی المساجد ام لا ص 331 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)۔

صاحب ردالمحتار کا قول:

فقوله من صلى على ميت يقتضي كون المصلي في المسجد سواء كان الميت فيه أولا فيكره ذلك أخذاً من منطوق الحديث ويؤيده ماذكره العلامة قاسم (بن قطلوبغا رحمه الله) في رسالته من أنه روي أن النبي ﷺ لما نعى النجاشي إلى أصحابه خرج فصلى عليه في المصلى قال ولو جازت في المسجد لم يكن للخروج معنى۔ [1]

(ضروری نوٹ) حافظ زینی قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ کے رسالہ المسمی بہ "أحكام الصلوٰة على الجنازة في المسجد" المتوفی 879ھ اس رسالہ مستطابہ کا ترجمہ وتحقیق اور تخریج شیخ الحدیث مفتی عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی، رئیس دارالافتاء، جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان نے کی ہے۔ نور مسجد کاغذی بازار کراچی 74000 سن اشاعت محرم الحرام 1435ھ دسمبر 2013ء

سلسلہ اشاعت نمبر 236 تعداد اشاعت 3300

اس رسالہ کے مترجم ومحقق ومخرج شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی نے حاشیہ نمبر 33 ص 21 پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے حوالہ جات غلط نقل فرمائے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ اس حاشیہ میں بخاری شریف برقم 1188 ہے۔ پھر فرمایا: وانظر 1255، 1263، 3667، 3668۔ کیونکہ اس ناچیز نے جملہ حوالہ جات، فتح الباری شرح صحیح البخاری امام قسطلانی سے دیکھے ہیں انہوں نے بھی اس حدیث کے یہی حوالہ جات نقل فرمائے جو صاحب فتح الباری نے نقل فرمائے۔ چنانچہ شیخ الحدیث کے حوالہ جات اور بخاری کی دونوں شروح میں بعد المشرقین ہے۔ امید ہے اس کی تصحیح کردی جائیگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [2]

صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ درمختار کے اس قول "وهو الموافق لاطلاق حديث ابي داوٗد" یعنی بوجہ مطلق ہونے حدیث ابی داوٗد کے یعنی جس نے میت پر مسجد

---

[1] رقم الحدیث 1245، واطرافہ 1318، 1327، 1333، 3880، 3881

[2] ردالمحتار جلد اول کتاب الجنائز ص 653 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

میں نماز جنازہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں مختار کراہت تحریمی ہی ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ جامع کبیر کی تلخیص اور اس کی شرح کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کبھی کبھی فعل کا اثر مفعول میں ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی فعل کا اثر مفعول میں نہیں ہوتا۔

اور علامہ شامی رحمہ اللہ بحوالہ مذکور اس پر بحث کے بعد فرماتے ہیں کسی پر مخفی نہیں ہے کہ میت پر نماز ایک فعل ہے جس کا مفعول میں کوئی اثر نہیں۔ لہٰذا اس کو جنازہ گاہ میں ہی کھڑا ہونا چاہیے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جس نے میت پر مسجد میں نماز پڑھی یہ فرمان نماز کا مسجد میں ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ خواہ میت مسجد میں ہو یا نہ ہو۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا منطوق حدیث پر عمل کرتے ہوئے مکروہ ہے اور اس کی تائید حضرت علامہ قاسم (بن قطلو بغا رحمہ اللہ) کے رسالہ میں مذکور ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نجاشی کے وصال کی خبر دی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف لائے اور جنازہ گاہ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی اور اگر جنازہ مسجد میں جائز ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد سے باہر نکلنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ باوجود اس کے کہ میت مسجد سے باہر تھی اور باقی یہ مسئلہ کہ جب نمازی مسجد سے باہر ہوں اور میت مسجد کے اندر اور اس کے عدم کراہت پر حدیث میں کوئی دلالت بھی نہیں۔ اس کے جواب میں صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ بدلالت نص کراہت پر استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب مسجد میں میت پر نماز جنازہ مکروہ ہے اگرچہ میت مسجد میں نہ ہو باوجود اس کے کہ نماز ایک ذکر اور دعا ہے تو میت کا مسجد میں داخل کرنا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ یہ محض عبث ہے اور خاص کراہت کا مسجد میں ہونا اس میں مسجد کی آلودگی ہے جو علت کراہت ہے۔

علامہ قاسم بن قطلو بغا رحمہ اللہ کے رسالہ "أحكام الصلوٰة علی الجنازة في المسجد" کے ترجمہ شیخ الحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی کے ص 14 پر ہے:

فتاوی النسفیہ میں ہے کہ نماز جنازہ کے بارے میں سوال کیا گیا حالانکہ وہ (یعنی جنازہ) مسجد سے باہر ہو اور لوگ مسجد میں ہوں کیا مکروہ ہے؟ پس جواب میں فرمایا: مشائخ اہل سمرقند اسے مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مسجد میں نماز پڑھتے اور جنازہ مسجد کے دروازے پر ہوتا۔ یہاں تک کہ ان کے ہاں علامہ سید ابو شجاع رحمہ اللہ تشریف لائے تو ان کا یہ عمل دیکھا تو فرمایا: تمہیں

کیا ہوا کہ تم مسجد میں نماز جنازہ پڑھتے ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے ہمارے مشائخ نے اس کی اجازت دی ہے۔ علامہ سید ابوشجاع نے فرمایا: ان سے قبل دوسرے مشائخ گزرے ہیں جنہوں نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ لوگ کہنے لگے: وہ مشائخ کون ہیں؟ تو فرمایا: امام الآئمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین، اور انہوں نے اپنی کتب میں اس کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے۔ پس انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ مقصورہ (حویلی) کے باہر ایک چبوترہ بنایا جائے جس میں میت کو رکھا جائے اور لوگوں کی صفیں ہو سقیفہ میں ہوں پھر ان سے متصل ہو جائیں جو جامع میں ہوں۔

فرمایا پس حاصل کلام یہ ہے کہ جنازہ کو مسجد میں داخل کرنا اور اس پر مسجد میں نماز ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔

اس رسالہ کے ص 20 پر ہے:

قلت: علامہ قاسم فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس حدیث شریف کو انہوں نے امام ابوبکر ابن ابی شیبہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ''من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا صلوۃ لہ'' حدیث نمبر 5 دیکھو۔ یعنی جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کیلئے کچھ بھی نہیں، یعنی اس کی نماز نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب جگہ تنگ ہوتی تو رسول کریم ﷺ کے اصحاب واپس لوٹ جاتے نماز نہیں پڑھتے تھے۔

اور اس کے دوسرے الفاظ عنقریب آئیں گے۔ واللہ اعلم دیکھو حدیث 7 اور اسی رسالہ کے صفحہ 23 پر ہے۔

اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کا فرمان کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن بیضا (سہیل) کی نماز جنازہ ادا نہ کی مگر مسجد میں (اور تمہارا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ مسجد میں لیکر جانے سے انکار پر) ان کے خلاف پر دلالت ہے کیونکہ اگر یہ (یعنی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا) جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ تمام لوگوں کو نماز جنازہ مسجد میں ادا فرماتے۔ اور اس کیلئے ابن بیضا کی خاص نہ فرماتے۔ کیونکہ یہ جائز ہے آپ ﷺ نے بارش یا اس کے علاوہ کسی اور عذر کی بنا پر اس کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا گیا ہو اور مسجد میں اس کی نماز جنازہ ادا کی ہو۔ پس ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گمان کیا ہو

کہ لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے میت پر (مسجد میں) نماز ادا کرنے کا انکار کیا ہے۔

اور وہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی۔ دیکھو حدیث نمبر 10

ہو سکتا ہے کہ یہ نماز جنازہ جنازہ گاہ میں ہو۔ علامہ قاسم حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس سے اس بات کی تائید ہو جاتی ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام کے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل سے دلیل نہیں لی۔ بے شک آپ کی وفات 23ھ میں ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات علی الاختلاف 55، 57،56 ہجری میں ہوئی۔

اور اسی رسالہ کے صفحہ 25 پر ہے۔

پس اگر کہا جائے کہ شرف الائمہ عقیلی نے فرمایا کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تنزیہی ہے۔ علامہ قاسم حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں شرف الائمہ مکی کا قول زیادہ واضح ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے۔۔ قاسم الحنفی تو الحافظ الزینی قاسم بن قطلوبغا حنفی کے شاگرد کے نزدیک ابن ہمام کے قول کے مطابق بلا عذر شرعی مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمہ ہے۔ صاحب درمختار بھی اس طرف گئے ہے اور صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت امام علامہ محرر مذہب نعمانی وابوحنیفہ ثانی المشہور بابن نجیم الشیخ زین الدین متوفی 970ھ فرماتے ہیں:

وظاهر كلام المصنف أن الكراهة تحريمية لأنه عطفه على مالا يجوز من الصلوٰة راكبا وهي أحد الروايتين مع فيه إبهاما لا في المعطوف عليه لاتصح الصلوة أصلا وفي المعطوف هي صحيحة والأخرى أنها تنزيهية و رجحه في فتح القدير بأن الحديث ليس نهيا غير مصروف ولا قرن الفعل بوعيد بظني بل سلب الأجر و سلب الأجر لايستلزم ثبوت استحقاق العقاب لجواز الإباحة ثم قرر تقريرا حاصله أنه لا خلاف بيننا و بين الشافعي على هذه الرواية لأنه يقول بالجواز في المسجد لكن الأفضل خارجه وهو معنى

كراهة التنزيه وبه تحصل الجمع بين الأحاديث ۔ اه ۔ لکن تترجح كراهة التحريم بالرواية الأخرى التي رواها الطيالسي كما في الفتاوى القاسمية من صلى على ميت في المسجد فلا صلوة له۔[1]

"صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: مصنف (کنز الدقائق) کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مصنف نے اس کو سواری کی حالت میں عدم جواز نماز پر معطوف کیا ہے۔ اور یہ (یعنی مکروہ تحریمی) دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے باوجود اس کے کہ اس میں (یعنی مسجد میں نماز جنازہ) ابہام ہے۔ کیونکہ معطوف علیہ (یعنی سواری کی حالت میں نماز جائز نہ ہونا) اصلا صحیح نہیں۔ اور معطوف یعنی مسجد میں یہ نماز صحیح ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تنزیہی ہے اور اس قول کو صاحب فتح القدیر نے ترجیح دی ہے اسلئے کہ حدیث نہی غیر مصروف نہیں اور نہ ہی فعل (یعنی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا) ثبوت ظنی کی وجہ سے وعید کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ بلکہ (حدیث میں) ثواب کا سلب (چھننا) ہے اور ثواب کا چھننا استحقاق عذاب کے ثبوت کو مستلزم نہیں بوجہ اباحت کے۔ پھر صاحب فتح القدیر نے تقریر فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے درمیان اس روایت (یعنی لا اجر لہ) کے مطابق کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے لیکن افضل مسجد سے باہر پڑھنا ہے۔ اور کراہت تنزیہی کے یہی معنی ہیں۔ اور اس معنی کی وجہ سے احادیث کے درمیاں جمع ہونا حاصل ہو جائے گا۔ اھ۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں ایک دوسری روایت کے مطابق کراہت تحریمی کو ترجیح دی گئی ہے۔ اور اس دوسری روایت کی امام ابوداؤد طیالسی نے تخریج کی ہے جیسا کہ فتاوی قاسمیہ میں ہے: جس نے میت پر مسجد میں نماز پڑھی اس کی نماز نہیں۔[2]

لیکن ابوداؤد طیالسی کی روایت کو حافظ الزینی قاسم حنفی رحمہ اللہ نے اس طرح تخریج کیا ہے کہ طیالسی نے ابن ابی ذئب (محمد بن عبد الرحمن بن مغیرہ بن حارث) سے بیان کیا کہ وہ

---

[1] ۔ البحر الرائق شرح کنز الدقائق جز ثانی ص 187 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] ۔ مسند ابوداؤد طیالسی رقم الحدیث 2310

روایت کرتے ہیں صالح (بن مبہان) مولی التوأمہ سے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو پایا جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کو پایا۔ (لیکن ابن ابی شیبہ یہ حدیث وکیع بن جراح سے روایت کرتے ہیں) کہ صالح مولی التوأمۃ کہتے ہیں: میں نے کتنے لوگوں کو پایا جنہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پایا۔ جب وہ لوگ نماز جنازہ کیلئے آتے اور مسجد کے علاوہ (نماز جنازہ میں شرکت کیلئے) جگہ نہ پاتے تو وہ لوٹ جاتے اور نماز جنازہ میں شریک نہ ہوتے۔[1]

لہٰذا علامہ قاسم حنفی رحمہ اللہ کے نزدیک کراہت تحریمی کا قول مرجح ہے۔ اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (فتاویٰ رضویہ جلد 4 ص 57 مکتبہ رشیدیہ رضویہ کراچی) میں بھی مسجد میں نماز جنازہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

صاحب فتاویٰ سراجیہ فرماتے ہیں:

الصلوۃ علی الجنازۃ فی مسجد تقام فیہ الجماعۃ یکرہ.[2]

''جنازہ پر مسجد میں نماز جس مسجد میں جماعت قائم کی جاتی ہو، مکروہ ہے''۔

اور یہ امام اسیجابی اور حسام الدین کا قول ہے۔

جامع الرموز میں فرماتے ہیں:

وکرھت کراھۃ تحریم وقیل کراھۃ تنزیہ فی مسجد جماعۃ أی المسجد الجامع او المحلۃ فتجوز فیما بنی لھا وفی الدور والکروم کما فی المنیۃ.[3]

''اور نماز جنازہ مکروہ ہے۔ یعنی مکروہ تحریمی اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ اس مسجد میں جس میں جماعت ہوتی ہو، یعنی جامع مسجد یا محلہ کی مسجد میں۔ اور جو مسجد صرف نماز جنازہ کیلئے بنائی گئی ہو اس میں نماز جنازہ جائز ہے۔ اور گھروں اور فصیل والے گنجان باغات میں

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 365 ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

[2] فتاویٰ سراجیہ علی حاشیہ فتاویٰ قاضی خاں جلد اول ص 139 حافظ کتب خانہ کوئٹہ

[3] جامع الرموز جلد اول کتاب الجنائز ص 285

بھی نماز جنازہ جائز ہے جیسا کہ منیہ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ قہستانی کے نزدیک بھی مسجد میں نماز جنازہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔

امام ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی متوفی فی حدود 800ھ مختصر قدوری کی شرح جوہرہ نیرہ میں فرماتے ہیں:

قوله ولا يصلى على ميت في مسجد جماعة لقوله عليه السلام، من صلى على ميت في مسجد جماعة فلا اجرله۔ الخ.[1]

صاحب قدوری کا قول کہ مسجد جماعت میں میت پر نماز نہ پڑھی جائے بوجہ فرمان مصطفیٰ ﷺ جس مسجد میں میت پر نماز پڑھی اس کیلئے کوئی ثواب نہیں۔ اس حدیث مبارک میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حرف "فی" نماز کیلئے ظرف ہو۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ حرف "فی" میت کیلئے ظرف ہو۔ اور حضرات علمائے کرام کا مسجد میں عدم نماز جنازہ کی علت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: میت کی وجہ سے مسجد نجاست سے آلودہ ہونے سے نہیں بچ سکتی تو اس قول پر معنی یہ ہوگا کہ اس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جو میت مسجد جماعت میں رکھی گئی ہو تو اس اعتبار سے حرف فی میت کا ظرف ہوگا تو اس قول کے مطابق اگر جماعت مسجد میں اور میت مسجد کے خارج ہو تو نماز جنازہ مکروہ نہیں۔ اور بعض کے نزدیک میت پر نماز پڑھنا ہی علت کراہت ہے تو پھر حرف فی نماز کا ظرف ہوگا تو اس قول پر معنی یہ ہونگے کہ مسجد جماعت میں میت پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے تو اس اعتبار سے اگر میت مسجد میں رکھی گئی ہو اور لوگ مسجد سے باہر ہوں تو یہ فعل مکروہ نہیں ہے اور اس کے برعکس کہ میت مسجد سے خارج ہو اور لوگ مسجد کے اندر ہوں تو مکروہ ہے۔

صاحب البحر الرائق نے ایک تیسری صورت بھی نقل فرمائی ہے وہ یہ کہ حرف "فی" میت اور نماز دونوں کا ظرف ہو تو اس وقت کراہت کی دو شرطیں ہونگی نماز جنازہ کا مسجد میں ہونا اور میت کا مسجد میں ہونا تو جب ان دونوں میں سے ایک نہ پائی گئی تو کوئی کراہت نہیں۔

اس کے بعد صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: شاید کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ جملہ احتمالات

---

[1]۔ جوہرہ نیرہ جلد اول کتاب الجنائز ص 109 مطبع مجتبائی دہلی

میں سے کسی ایک پر بعینہٖ دلیل نہ ہو تو حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں ان دونوں میں سے جو بھی شرط پائی گئی نماز جنازہ مکروہ ہوگی۔[1]

چنانچہ صاحب جوہرہ نیرہ فرماتے ہیں: بعض کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی لیکن اکثر کا قول مکروہ تحریمی ہے۔

امام الحجۃ الحافظ علی بن محمد سلطان القاری حنفی مکی متوفی 1014ھ
شرح النقایہ مختصر الوقایہ للشیخ امام صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود حنفی متوفی 745ھ میں فرماتے ہیں:

وكرهت الصلوة على الجنازة عندنا وعند مالك رحمه الله في مسجد غير معد لاجنازة كراهة تحريم في رواية وتنزيها في أخرى اختارها بعض المحققين.[2]

''اور جنازہ پر نماز ہمارے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد میں مکروہ ہے جو مسجد نماز جنازہ کیلئے نہ بنائی گئی ہو اور یہ نماز ایک روایت میں مکروہ تحریمی ہے اور دوسری روایت میں مکروہ تنزیہی اور دوسری روایت کو بعض محققین نے اختیار فرمایا ہے''۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کی اس تصریح سے روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہوگیا کہ اکثر محققین کے نزدیک مسجد میں میت پر نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے اور اس قول کو صاحب البحر الرائق نے ترجیح دی ہے کہ مسجد میں بلا عذر شرعی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

هذا هو عندي وفوق كل ذي علم عليم

❀❀❀❀❀

---

[1] ۔البحر الرائق جز دوم ص 187

[2] ۔شرح النقایہ جلد اول کتاب الجنائز ص 323 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

کیا عورت اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب الصحیح وبیدہ ازمۃ التفتیح

شریعت مطہرہ کے مطابق عورت اگر محرمہ ہو تو اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرد بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ قبل ازیں کہ کتب مذہب سے دلائل پیش کئے جائیں کچھ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جن سے عورت کا اپنے شوہر کو غسل دینا ثابت ہوتا ہے۔

١ أخبرنا معمر عن أیوب عن ابی ابی ملیکۃ أن إمراۃ ابی بکر غسلتہ حین توفی أوصی بذلک۔[1]

''عبد الرزاق بن ہمام کہتے ہیں ہمیں معمر (بن راشد ازدی) نے خبر دی انہوں نے ایوب (سختیانی) سے انہوں نے ابن ابی ملیکہ (عبد اللہ بن عبید اللہ) کے حوالے سے خبر دی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی (حضرت اسماء بنت عمیس) نے حضرت ابوبکر صدیق کو غسل دیا او حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی وصیت فرمائی تھی''۔

٢ عبد الرزاق عن الثوری عن إبراہیم النخعی أن ابابکر غسلتہ إمراتہ اسماء و إن اباالموسیٰ الأشعری غسلتہ إمراتہ أم عبد اللہ۔ قال الثوری نقول نحن لایغسل الرجل إمراتہ لأنہا لو شاء تزوج اختہا حین ماتت ونقول تغسل المراۃ زوجہا لأنہا فی عدۃ منہ۔[2]

''عبد الرزاق بن ہمام ثوری (سفیان بن سعید بن مسروق ثوری) سے وہ ابراہیم (بن یزید بن قیس) نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ محترمہ

---

[1] ۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 408 رقم الحدیث 6117

[2] ۔ مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 409 رقم الحدیث 6119

حضرت اسماء (بنت عمیس رضی اللہ عنہا) نے غسل دیا اور حضرت ابو موسیٰ (عبد اللہ بن قیس) اشعری رضی اللہ عنہ کو ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام عبد اللہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے اس لئے کہ اس کی بیوی کی بہن سے اپنی بیوی کے مرنے کے وقت شادی کرسکتا ہے (یعنی اگر بیوی فوت ہو جائے تو شوہر پر کوئی عدت نہیں اگر چاہے تو اپنی بیوی کے فوت ہونے کے بعد فوراً اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے) اور ہم کہتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے اس لئے کہ وہ عورت چار ماہ دس دن تک اپنے شوہر کی عدت میں ہے۔ (یعنی خاوند کے فوت ہونے سے لے کر چار ماہ دس دن تک وہ اپنے شوہر کی محرمہ ہے)

۳ عبد الرزاق عن مالك عن عبد الله بن أبي بكر أن أسماء بنت عميس رضي الله عنها إمرأة ابي بكر غسلته حين توفي ثم خرجت وسألت من يحضرتها من المهاجرين فقالت إني صائمة وإن هذا اليوم شديد البرد فهل على من غسل قالوا لا۔[1]

"عبد الرزاق بن ہمام حضرت مالک (بن انس بن مالک بن ابی عامر) سے وہ عبد اللہ بن ابی ابکر (بن محمد بن عمرو بن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ محترمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہوئے ان کو غسل دیا پھر حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا (غسل سے فارغ ہو کر) باہر تشریف لائیں تو مہاجرین صحابہ کرام آپ کے پاس موجود تھے ان سے پوچھا اور کہا (یعنی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے) میں روزہ سے ہوں اور یہ دن سخت سردی کا ہے۔ کیا مجھ پر غسل واجب ہے؟۔ تو مہاجرین صحابہ کرام نے جواب دیا نہیں۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ مردہ کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں ہے جیسے کہ آج کل مجھ جیسے بے علم حضرات فتویٰ دیتے ہیں۔

۴ عن ابی بکر بن حفص بن سعد قال أمر ابوبکر رضي الله عنه إمرأته أسماء أن تغسله وكانت صائمة فعزم عليها لتفطر فدعت بماء قبل غروب الشمس

---

[1] مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 410 رقم الحدیث 6123

فشربت وقالت لااتبعه الیوم اثما فی قبره۔[1]

''ابوبکر بن حفص بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء (بنت عمیس رضی اللہ عنہا) کو حکم دیا کہ وہ ان کو غسل دے۔ اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں اور آپ نے روزہ افطار کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غروب شمس سے قبل پانی منگوایا اور نوش فرما کر روزہ افطار کیا (اور یہ نفلی روزہ تھا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات 22 جمادی الثانی میں ہوئی ہے) اور کہا کہ آج کے دن از روئے گناہ کے ان کی قبر میں ان کا پیچھا نہیں کروں گی''۔

۵ عن عبد الله بن شداد أن ابابكر رضی الله عنه أوصیٰ أسماء بنت عميس ان تغسله۔[2]

''عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت اسماء بنت عمیس کو وصیت فرمائی کہ وہ ان کو غسل دے''۔

۶ عن سفيان بن عيينة عن عمرو عن ابن ابی مليكة أن ابابكر الصديق رضی الله عنه حين حضرته الوفاة أوصیٰ أسماء بنت عميس أن تغسله و كانت صائمة فعزم عليها لتفطر۔[3]

''سفیان بن عیینہ نے عمرو (بن دینار) سے انہوں نے ابن ابی ملیکہ (عبداللہ بن عبیداللہ) سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کا جب وقت وفات آیا تو آپ نے حضرت اسماء بنت عمیس کو وصیت فرمائی کہ وہ ان کو غسل دے اور حضرت اسماء بنت عمیس روزہ دار تھیں تو آپ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ ضرور روزہ افطار کریں گی''۔

۷ عن جابر بن زيد أنه اوصیٰ أن تغسله إمراته۔[4]

---

[1] ۔ مصنف عبدالرزاق جلد سوم ص 410 رقم الحدیث 6124

[2] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 249 ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

[3] ۔ مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 249

[4] ۔ حوالہ مذکور

''حضرت جابر بن زید سے روایت ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ ان کی بیوی ان کو غسل دے''۔

یہ حضرت جابر بن زید از دی محمدی متوفی 93ھ یا 103ھ

عظیم تابعی حافظ مزی رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرماتے ہیں: تمیم بن مدیر رباب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: تم مجھ سے سوال کرتے ہو درآنحالیکہ حضرت جابر بن زید تم میں موجود ہیں۔[1]

۸ عن عطاء قال تغسل المرأة زوجها۔[2]

حضرت عطا (بن ابی رباح) سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا عورت اپنے خاوند کو غسل دے۔

۹ حدثنا وکیع عن سفیان عن إبراهیم بن مهاجر أن ابا موسیٰ غسلته إمرأته۔[3]

''وکیع (بن جراح) سفیان ثوری سے وہ ابراہیم بن مہاجر سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ (عبداللہ قیس اشعری رضی اللہ عنہ) کو ان کی زوجہ محترمہ (حضرت ام عبداللہ رضی اللہ عنہا) نے غسل دیا''۔

لہٰذا یہ جملہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے۔ اور یہ جملہ احادیث مبارکہ مذہب امام الائمہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مویدہ ہیں''۔

اس کے بعد امام المحدثین، الحافظ الجلیل ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی رحمہ اللہ متوفی 458ھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں مذہب امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید میں دو احادیث نقل فرمائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

یہ ناچیز سب سے پہلے وہ دونوں احادیث نقل کرے گا اس کے بعد ان کا جواب بھی نقل

---

[1] تہذیب الکمال جلد دوم ص 190 دار الکتب العلمیہ بیروت

[2] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 250

[3] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص 250

کیا جائیگا۔ پھر کتب مذہب کی چند نصوص مفیدہ ومویدہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ آپ کی ضیافت طبع کیلئے پیش کروں گا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کی تخریج کردہ دو احادیث پیش خدمت ہیں:

ا عن الزهري عن عبيد الله عن عائشه قالت رجع رسول الله ﷺ ذات يوم من الجنازة بالبقيع وأنا أجد صداعا في رأسي وأنا أقول وارأساه قال بل أنا ياعائشة وارأساه ثم قال وما ضرك لومت قبلي فغسلتك وكفنتك وصليت عليك ثم دفنتك قلت ـ لكأني بك والله لو فعلت ذلك قد رجعت إلى بيتي فاعرست فيه ببعض نسائك فتبسم رسول الله ﷺ ثم بدئ في مرضه الذي مات فيه۔ [1]

"امام زہری (محمد بن مسلم بن شہاب) نے عبید اللہ (بن عتبہ بن مسعود ہذلی ابوعبداللہ مدنی) سے وہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! جنت البقیع سے ایک جنازہ پڑھ کر واپس تشریف لائے جبکہ میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور میں کہہ رہی تھی ہائے دردسر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا تجھے دردسر کوئی تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ اگر تو مجھ سے پہلے مرگئی تو میں تجھے غسل دوں گا اور تجھے کفن پہناؤں گا اور تمہاری نماز جنازہ پڑھوں گا پھر تمہیں دفن کردوں گا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: بخدا اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ میرے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ تو آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے ساتھ میرے گھر میں شب باشی فرمائیں گے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے (ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بات سن کر) تبسم فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے اس مرض کی ابتدا ہوئی جس میں آپ نے وصال فرمایا۔ گویا کہ شوافع نے اس حدیث مبارک سے استدلال فرمایا ہے کہ مرد بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ کیونکہ خود آنحضور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تو مجھ سے قبل فوت ہوئی میں تمہیں غسل دوں گا۔

الجواب: علامہ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی المشہور بابن ترکمانی رحمہ اللہ متوفی

---

[1] سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 1465 سنن الکبری للبیہقی جلد سوم کتاب الجنائز ص 396 نشر السنہ ملتان

845ھ سنن الکبریٰ کی اس حدیث مبارک کے تحت فرماتے ہیں:

قلت ۔ فی سندہ محمد بن إسحاق تکلموا فیہ وقال البیھقی فی تحریم قتل مالہ روح الحفاظ یتوقون ماینفردبہ والبخاری أخرج ھذا الحدیث من جھة عائشة رضی اللہ عنھا ولیس فیہ قولہ فغسلتک وعلی تقدیر ھذہ الزیادة فازواجہ علیہ السلام حرام علی المومنین لأنھن نساء فی الجنة فحکم الزوجیة باق۔ [1]

''علامہ ماردینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے جس میں علماء نقد الرجال کے نزدیک کلام ہے۔ اور خود امام بیہقی نے ذی روح کے قتل کی حرمت کے تحت لکھا ہے: حفاظ حدیث اس حدیث کے نقل کرنے سے بچیں جس حدیث کے بیان کرنے میں وہ منفرد اور تنہا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارک کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جہت سے تخریج کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ''فغسلت'' میں تجھے غسل دوں گا نہیں ہے۔ اور اس اضافہ یعنی غسلتک کی تقدیر پر معنی یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں پر حرام ہیں اس لئے کہ آپ کی ازواج مطہرات جنت میں آپ کی بیویاں ہیں، چنانچہ حکم زوجیت ابھی باقی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عورت کے مرنے کے بعد حکم زوجیت ختم ہو جاتا ہے لہذا امت میں سے کوئی فرد اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اس کو غسل نہ دے کیونکہ وہ بیوی اس کے حق زوجیت سے خارج ہو چکی ہے۔ اور اس آدمی کیلئے وہ غیر محرمہ کے حکم میں داخل ہو چکی ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے کہ ازواج مطہرات بعد از وصال بھی آپ کی بیوی کے حکم میں ہیں۔ لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دیگر کو قیاس کرنا بعید از نقل وعقل ہے۔ فافہم وتدبر

اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو کتاب المرضی اور کتاب الاحکام میں روایت کیا ہے۔

عن یحییٰ بن سعید قال سمعت القاسم ابن محمد قالت عائشة وارأساہ

---

[1] ۔ الجوہر النقی فی ذیل سنن الکبری جلد سوم ص 396 نشر السنہ ملتان

فقال رسول اللہ ﷺ ذاك لو كان وأنا حي فاستغفر لك و أدعولك فقالت عائشة و اثكلياه واللہ إني لأظنك تحب موتي ولو كان ذلك لظللت آخر يومك معرسا ببعض أزواجك فقال النبي ﷺ بل أنا وارأساه لقد هممت أو أردت أن أرسل إلى أبي بكر وابنه فاعهد أن يقول القائلون أو يتمنى المتمنون ثم قلت يأبى اللہ ويدفعون المومنين أو يدفع اللہ ويأبى المومنون۔[1]

''یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے قاسم بن محمد (ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو کہتے ہوئے سنا کہ (ان کی پھوپھی) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے شدت درد! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ موت تمہیں آ گئی اور میں زندہ رہا تو میں تمہارے لئے اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کروں گا اور دعا کروں گا۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہائے افسوس! بخدا میرا گمان ہے آپ میری موت پسند فرماتے ہیں۔ اگر میری موت واقع ہو گئی تو میری موت کے دوسرے دن آپ بعض دوسری عورتوں کے پاس شب باشی فرمائیں گے (اور مجھے بھول جائیں گے) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلکہ میں ''وارأساہ'' کہا ہے (یعنی دردسر کو چھوڑ اور میرے ساتھ مشغول ہو) پھر آپ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا ہے۔ راوی کا شک ہے کہ آپ ﷺ نے ''ھممت'' فرمایا ہے یا ''أردت'' یعنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے بیٹے (حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ) کو پیغام بھیجوں اور وصیت کروں کہ کہنے والے یہ نہ کہیں (کہ خلافت والوں اور فلاں کی ہے یا کوئی کہے خلافت میرے لئے ہے) یا خواہش کرنے والا خواہش کرے (یعنی خلافت کی خواہش کرے) پھر میں نے کہا: اللہ عزوجل (سوائے خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے) انکار کرے گا۔ اور مومن (غیر کی خلافت کی) مدافعت کریں گے۔ راوی کا شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا: اللہ عزوجل مدافعت فرمائیں گے اور مومن انکار کریں گے۔

صحیح بخاری کی اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے جو حدیث محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے اس میں فغسلتك کا اضافہ راوی کی طرف سے۔ صحیح حدیث میں

---

[1] صحیح البخاری کتاب المرضی رقم الحدیث 5666 کتاب الاحکام رقم الحدیث 7217

یہ لفظ موجود نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی المذہب ہونے کے باوجود اس اضافہ کی نفی فرمارہے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری فی شرح صحیح البخاری میں اس حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

قوله ذاك لوكان وأنا حي۔ ذاك بكسر الكاف إشارة إلى ما يستلزم المرض من الموت۔ أي لومت وأنا حي يرشد إليه جواب عائشة واثكلياه والله إني لأظنك تحب موتي وقد وقع مصرحا به في رواية عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ولفظه ثم قال ماضرك لومت قبلي فكفنتك ثم صليت عليك و دفنتك۔[1]

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ یہ موت اگر آئی اور میں زندہ ہوا اور ذاک حرف کاف کی زیر سے ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جو مرض کو مستلزم ہے یعنی موت۔ اور اس موت کی طرف ہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب بھی رہنمائی کرتا ہے کہ آپ میری موت کو پسند فرماتے ہیں۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ذاک لوکان کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ عبید اللہ بن عبد اللہ عتبہ کی روایت میں ''ذاک لوکان'' سے مراد موت بالتصریح واقع ہے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: اگر مجھ سے پہلے مرجائے تو تجھے کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچائے گی چنانچہ (اگر تو مجھ سے پہلے مرگئی) تو میں تجھے کفن پہناؤں گا پھر تمہاری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تجھے دفن کروں گا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہ روایت نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام بیہقی کی روایت میں جو لفظ غسلتک ہے وہ راوی کی طرف سے اضافہ ہے اصل روایت میں یہ لفظ موجود نہیں۔ لہٰذا امام بیہقی رحمہ اللہ کی نقل کردہ حدیث کو مرد کا عورت کو غسل دینے کا جواز بطور دلیل پیش کرنا ناجائز ہے۔

۲ عن عون بن محمد بن علي بن أبي طالب عن أمه أم جعفر بنت محمد وأظنه وعن عمارة بن المهاجر عن أم جعفر أن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت يا أسماء (بنت عميس) إذا أنا مت فاغسليني أنت وعلي بن أبي طالب فغسلها

---

[1] ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد 10 ص 125 دار المعرفۃ بیروت

علی و اسماء رضی اللہ عنہما۔[1]

''عون بن محمد (بن حنفیہ) بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے۔ وہ (عون) اپنی والدہ ام جعفر (ام عون) (یہ محمد بن حنیفہ کی زوجہ محترمہ ہیں اور عون بن محمد بن حنفیہ کی والدہ ہیں بنت محمد بن جعفر۔ میرا گمان ہے وہ عمارہ بن مہاجرہ سے وہ ام جعفر (والدہ عون) سے روایت کرتی ہیں، حضرت فاطمۃ الزہراء بنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اسماء (بنت عمیس) جب میرا وصال ہو تو تم اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مجھے غسل دینا (تو جب حضرت فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئیں) تو آپ کو حضرت علی اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے غسل دیا۔ لہٰذا یہ حدیث مبارک اس بات کی دلیل ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

علامہ ابن ترکمانی جواہر النقی میں فرماتے ہیں:

إن فاطمة أوصت أن يغلسها علی و أسماء رضی الله عنهما

قلت فی سنده من يحتاج إلی كشف حاله ثم الحديث مشكل نفی الصحيح أن عليا دفنها ليلا ولم يعلم ابابكر فكيف يمكن أن يغسلها زوجه أسماء وهو لا يعلم۔ وورع أسماء يمنعها أن لا تستاذنه ذكر ذلك البيهقی فی الخلافيات واعتذ رعنه بما ملخصه أنه يحتمل أن ابابكر علم ذلك واحب ان لايرد غرض علی فی كتمانه منه وعلی تقدير ثبت هذ الحديث فهی كانت زوجته فی الدنيا والآخرة لقوله عليه السلام كل سبب ونسب منقطع يوم القيمة إلا سببی ونسبی فالسبب الذی كان بينهما لم يقطعه الموت و مذهب ابی حنيفة والثوری والشعبی أن الرجل لايغسل إمراته۔[2]

پھر امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ''عن اسماء بنت عميس أن فاطمة بنت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أوصت أن يغسلها علی وأسماء۔ یعنی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی کہ ان کے شوہر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ان کو غسل دیں۔

---

[1] ۔ سنن الکبریٰ للبیہقی جلد سوم کتاب الجنائز ص 396 نشر السنۃ ملتان، مصنف عبد الرزاق جلد سوم ص 410 رقم الحدیث 6122

[2] ۔ جوہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ للبیہقی جلد سوم ص 396 نشر السنۃ ملتان

قلت: امام ابن ترکمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس حدیث میں وہ روات ہیں جو کشف حال کے محتاج ہیں: پھر یہ حدیث مشکل ہے کہ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی زوجہ محترمہ بنت رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفن کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہیں بتایا۔ چنانچہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس غسل دیں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہو اور حضرت اسماء بنت عمیس کا تقویٰ اس چیز کے مانع ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس اپنے خاوند سے اجازت نہ لے۔

امام ترکمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''خلافیات'' میں ذکر کیا اور اس کا بالاختصار عذر یہ پیش کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو اور وہ پسند کرتے ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے چھپانے میں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی غرض ہو جس کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوٹا نہ سکتے ہوں۔

علامہ ابن ترکمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث مبارک کے ثبوت کی تقدیر پر حضرت فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دنیا و آخرت میں زوجہ محترمہ ہیں۔ بوجہ فرمان نبی اکرم ﷺ کے کہ قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائیگا مگر میرا سبب اور نسب منقطع نہیں ہوگا۔ اس حدیث کو اکثر محدثین کرام نے روایت کیا ہے۔[1]

علامہ ابن ترکمانی فرماتے ہیں: وہ سبب جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے درمیان تھا، اس سبب کو موت نے منقطع نہیں کیا۔ لہٰذا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام شعبی رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ صاحب ردالمحتار نے اس کا ایک جواب نقل فرمایا

---

[1] ۔ مستدرک للحاکم جلد 4 رقم الحدیث 4738 سنن الکبریٰ للبیہقی جلد 7 ص 114 نشر السنہ ملتان۔ معجم کبیر للطبرانی ص 44 رقم الحدیث 2633۔ معجم الکبیر للطبرانی جلد 11 ص 194 رقم الحدیث 11621

ہے، آپ صاحب درمختار کے ایک قول کے تحت فرماتے ہیں:

"لفظ الدر" ويمنع زوجها من غسلها و مسها لامن النظر اليها على الأصح منية وقالت الآئمة الثلاثه تجوز لأن عليه (رضی اللہ عنہ) غسل فاطمة رضي الله عنه عنها قلنا هذا محمول على بقاء الذوجيه لقوله عليه السلام كل سب و نسب ينقطع بالموت إلاسببى و نسبى مع أن بعض الصحابه أنكر عليه شرح المجمع للعيني۔

صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ تنویر الابصار کی شرح میں فرماتے ہیں شوہر کو بیوی کے غسل دینے اور اس کو مس کرنے سے منع کیا جائے نہ کہ اپنی بیوی کی طرف دیکھنے سے اصح قول کے مطابق منیہ۔ معلوم ہوا بیوی کے مرنے کے بعد خاوند اس کو دیکھ سکتا ہے اور جو یہ عوام الناس میں مشہور ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد اس کا خاوند اس کو نہ دیکھے، یہ غلط ہے۔ اور آئمہ (ثلاثہ امام مالک واحمد واماشافعی رحمہم اللہ) فرماتے ہیں: مرد کا عورت کو غسل دینا جائز ہے۔ اسلئے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ کو غسل دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ زوجیت کے باقی رہنے پر محمول ہے۔ بوجہ فرمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موت کی وجہ سے ہر سبب اور نسب منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا سبب اور نسب ختم نہیں ہوتا۔ باوجود اس کے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا انکار فرمایا۔

یہ صاحب درمختار کا قول تھا۔ صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

"قوله قلنا الخ" قال في شرح المجمع للعيني لمصنفه فاطمة رضي الله عنها غسلتها أم أيمن حاضنته صلی اللہ علیہ وسلم و رضي عنها فتحمل رواية الغسل لعلى رضي الله عنه على معنى التهيئة والقيام التام بأسبابه ولئن ثبتت الرواية فهو مختص به الخ۔ [1]

"صاحب ردالمحتار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ بدرالدین عینی متوفی 855ھ نے مجمع المستجمع کی شرح میں فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ دایہ حضرت ام ایمن (برکۃ بنت ثعلبہ) نے غسل دیا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا کی

---

[1] ۔ردالمحتار جلد اول کتاب الجنائز ص 633 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

غسل والی روایت غسل کی تیاری کے معنی اور غسل کے مکمل اسباب کے قیام پر محمول ہوگی۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل والی روایت ثابت ہو تو یہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے غسل کے ساتھ خاص ہوگی، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا یہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اس بات کا اعتراض کیا تو اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ اے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ! تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا دنیا وآخرت میں تمہاری بیوی ہیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دعوی خصوصیت اس بات پر دلیل ہے کہ صحابہ کرام کا مذہب بھی یہی تھا کہ مرد کو اپنی عورت کو غسل دینا جائز نہیں۔ اھ۔ لہٰذا اس کلام بامرام سے ثابت ہوا کہ عورت کی موت کے بعد اس کا خاوند اجنبی ہو چکا ہے کیونکہ عورت کی موت کے بعد مرد کی کوئی عدت نہیں۔ اگر چاہے تو بیوی کے مرنے کے بعد دوسرے دن ہی اس کی ہمشیرہ سے نکاح کرے۔ چنانچہ مذہب احناف میں مرد اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا کیونکہ از روئے شریعت یہ جائز نہیں۔ اور اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال ہونے کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجیت سے خارج نہیں ہوئیں۔ اور یہ خصوصیت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے ہے۔ اور عوام الناس کو اس پر محمول کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس کے بعد اب اس مسئلہ پر کہ عورت اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے۔ کتب مذہب کی نصوص قاطعہ ملاحظہ فرمائیں۔

کتب مذہب احناف سے اس مسئلہ کے متعلق دلائل

صاحب جامع الرموز امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی 962ھ فرماتے ہیں

ولا یغسل زوجتہ وتغسل زوجھا الا اذا ارفع الزوجیۃ بوجہ۔[1]

---

[1] ۔ جامع الرموز جلد اول کتاب الجنائز ص 280 مکتب اسلامیہ گنبد قابوس ایران

''مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے اور عورت اپنے خاوند کو غسل دے۔ ہاں! اگر زوجیت کسی وجہ سے مرتفع ہو جائے تو عورت بھی اپنے خاوند کو غسل نہ دے''۔

قلت: مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ اگر کسی وجہ سے زوجیت اٹھ جائے تو عورت بھی مرد کو غسل نہ دے۔ تو ''بوجہ'' سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرد نے عورت کی طلاق کو غسل کے ساتھ معلق کر دیا ہو، یعنی جب میں مر جاؤں تو اگر مجھے غسل دینا چاہے تو تجھے بائن طلاق ہے۔ تو ایسی صورت میں عورت مرد کو غسل نہیں دے سکتی کیونکہ جب عورت مرد کو غسل کا ارادہ کرے گی طلاق بائنہ واقع ہو جائیگی اور حق زوجیت ختم ہو جائیگا۔ اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ زوجیت سے مراد عدت ہو۔ اور اس عدت کا ارتفاع یہ ہو کہ جس وقت اس کے مرد کی موت واقع ہوئی اور وہ مطلقہ رجعی تھی۔ اسی وقت اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا عدت ختم ہو گئی۔ اب وہ عورت اجنبیہ ہے وہ مرد کو غسل نہیں دے سکتی۔

صاحب جوہرہ نیرہ امام ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی متوفی فی حدود 800ھ فرماتے ہیں۔

ویجوز للمرأۃ ان تغسل زوجھا إذا لم یحدث بعد موتہ ما یوجب البینونۃ من تقبیل ابن زوجھا أو ابیہ فإذا حدث ذلک بعد موتہ لم یجزلھا غسلہ ۔ أما ھو فلا یغسلھا إذا ماتت وقال الشافعی رحمہ اللہ یغسلھا فإن طلقھا رجعیا و مات وھی فی العدۃ یجوزلھا أن تغسلہ لأن الرجعی لایزیل الزوجیۃ ألا تری أنھما یتوارثان مادام فی العدۃ وتجب علیھا عدۃ الوفاۃ وبطل عدۃ الطلاق۔[1]

''اور عورت کو اپنے خاوند کو غسل دینا جائز ہے جبکہ مرد کے مرنے کے بعد کوئی ایسی نئی چیز پیدا نہ ہو جو عورت اور اس کے خاوند کے درمیان جدائی کو واجب کرتی ہو، مثلاً عورت کا اپنے خاوند کے مرنے کے بعد قبل از غسل اپنے شوہر کے بیٹے (جو دوسری عورت سے ہو) کا بوسہ لینا یا اس عورت کا اپنے خاوند کے باپ (یعنی سسر) کا بوسہ لینا۔ چنانچہ جب خاوند کی موت کے بعد یہ چیز پیدا ہو (تو اس سے عورت اور مرد کے درمیان جدائی پیدا ہوتی ہے لہٰذا) ایسی عورت کے لیے

---

[1] ۔ جوہرہ نیرہ جلد اول کتاب الجنائز ص 105 مطبع مجتبائی دہلی۔

اپنے خاوند کو غسل دینا جائز نہیں (کیونکہ عورت کے اس فعل سے وہ بائنہ ہوچکی ہے۔ چنانچہ وہ غیر محرم مرد کو غسل نہیں دے سکتی) لیکن مرد وہ اپنی بیوی کو غسل نہ دے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرد بھی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور وہ مرد فوت ہوگیا اور اس کی بیوی عدت میں ہے۔ اس عورت کے لیے اپنے خاوند کو غسل دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ طلاق رجعی زوجیت کو زائل نہیں کرتی۔ کیا تو نے نہیں دیکھا دونوں جب تک عدت میں ہیں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور خاوند کے فوت ہونے کے بعد عدت وفات واجب ہوگی اور عدت طلاق رجعی باطل ہوجائیگی"۔

شارح نقایہ الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی مکی متوفی 1014ھ فرماتے ہیں:

وتغسل المرأة زوجها اتفاقا وإن كانت محرمة صائمة ولايغسل الرجل إمرأته عندنا خلافا للثلاثة۔[1]

"اور بالاتفاق عورت اپنے خاوند کو غسل دے اگرچہ وہ محرمہ اور صائمہ ہو اور ہمارے نزدیک مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے۔ اس میں دیگر آئمہ ثلاثہ کا اختلاف ہے"۔ (یعنی امام مالک وامام احمد وامام شافعی رحمہم اللہ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی 855ھ ہدایہ کی شرح البنایہ میں فرماتے ہیں:

ونقل ابن منذر فی کتاب "الإجماع" الاجماع علی جواز غسل المرأة زوجها وعن أحمد منفردا فی روایة ذکرہ عنه النووی أما غسله زوجته فغیر جائز عندنا وهو قوله وقول الثوری والأوزاعی وکرہ الشعبی۔ رحمه الله[2]

"ابن منذر نے اپنی کتاب "الاجماع" میں نقل فرمایا کہ بیوی کا اپنے شوہر کو غسل دینے کے جواز پر اجماع ہے اور تنہا امام احمد رحمہ اللہ ایک روایت میں جس روایت کو امام احمد سے امام نووی نے ذکر کیا۔ لیکن مرد کا اپنی بیوی کو غسل دینا جائز نہیں ہمارے نزدیک اور یہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور یہی قول (سفیان) ثوری کا اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا ہے اور امام

---

[1] ۔ شرح النقایہ جلد اول ص 311 ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

[2] ۔ البنایہ جلد سوم کتاب الجنائز ص 191-190 دار الکتب العلمیہ بیروت

شعبی کے نزدیک یہ (مرد کا بیوی کو غسل دینا) مکروہ ہے''۔ رحمہ اللہ

شیخ امام کمال الدین المعروف بابن ہمام متوفی 681ھ فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

''فروع'' ولا یغسل الزوج امرأته ولا أم الولد سیدها خلافا للشافعی فی الأول ولزفر فی الثانی لأنهما صارتا أجنبیتین۔ الخ۔ [1]

''ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نہ مرد اپنی بیوی کو غسل دے اور نہ ہی ام ولد اپنے مالک کو۔ پہلے قول میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ (کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرد کا اپنی بیوی کو غسل دینا جائز ہے) اور دوسرے میں امام زفر رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں (بیوی اور ام ولد) اجنبی ہو چکے ہیں۔ لہٰذا بیوی کے مرنے کے بعد وہ اجنبی ہو چکی ہے۔ لہٰذا مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے بخلاف بیوی کی عدت کے۔ اسلئے جو بیوی معتدہ رجعی ہو وہ اپنے خاوند کو غسل دے اگر چہ عورت محرمہ ہو، روزہ دار ہو یا اس مرد نے اپنی سے بیوی ظہار کیا ہوا ہو۔ لیکن جو عورت معتدہ ہو اس کے لیے اپنے خاوند کے غسل دینا جائز ہے۔

امام فخر الدین حسن ابن منصور اوزجندی فرغانی متوفی 592ھ فتاوی قاضیخاں میں فرماتے ہیں:

إذا مات الرجل عن إمرأته فقبلت ابن المیت أو ارتدت والعیاذ باللہ أو وقعت المحرمیه بینهما بسبب من الأسباب لم یجزلها أن تغسله إذا ظاهر الرجل عن إمرأته ثم مات عنها کان لها أن تغسله منکوحة الرجل الخ۔ [2]

''جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو گیا اور اس عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے (جو پہلی عورت سے ہو) کا بوسہ لیا یا العیاذ باللہ وہ مرتد ہو گئی یا کسی سبب کی وجہ سے ان دونوں (مرد اور عورت) کے درمیان حرمت واقع ہو گئی تو اس عورت کیلئے اپنے شوہر کو غسل دینا جائز نہیں۔ جب

---

[1] ۔ فتح القدیر جلد دوم کتاب الجنائز ص 76 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] ۔ فتاویٰ قاضی خان جلد اول کتاب الجنائز ص 90 حافظ کتب خانہ کوئٹہ

کسی مرد نے اپنی عورت سے ظہار کیا پھر وہ شخص مر گیا تو وہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے۔ (میں نے اس مسئلہ کو بالاختصار عرض کیا ہے) تو صاحب فتاویٰ قاضی خاں کی اس نص سے روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہوگیا کہ بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف مرد کا عورت کو غسل دینے میں ہے۔ احناف کے نزدیک مرد اپنی عورت کو غسل نہ دے کیونکہ مرنے کے بعد وہ عورت اجنبیہ ہو چکی ہے۔ لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرد عورت کو غسل دے سکتا ہے"۔

اور آپ کے دلائل کے جوابات اس سے قبل گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔[1]

ردالمحتار علی درمختار شرح تنویر الابصار میں فرماتے ہیں:

قوله وهی لاتمنع من ذلك أی من تغسیل زوجها دخل بها اولا کما فی المعراج ومثلافی البحر عن المجتبیٰ قلت ای لانها تلزمها عدة الوفاة ولو لم یدخل بها۔ وفی البدائع المراة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقی ما بقی النكاح۔ والنكاح بعد الموت باق الی ان تنقضی العدة بخلاف ما اذا ماتت فلا یغسلها لانتهاء النكاح لعدم المحل فصار اجنبیا۔ الخ

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: درمختار کا یہ قول کہ عورت کو اپنے خاوند کو غسل دینے سے منع نہ کیا جائے خواہ مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو جیسا کہ معراج میں ہے اور اس کی مثل بحوالہ مجتبیٰ البحر میں ہے۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ عورت کیلئے وفات کی عدت لازم ہے اگرچہ مرد نے عورت سے دخول نہ کیا ہو۔ اور بدائع میں ہے کہ عورت اپنے شوہر کو غسل دے اسلئے کہ غسل کی اباحت نکاح کے ساتھ مستفاد ہے۔ (یعنی فائدہ حاصل کیا گیا ہے) تو جب تک نکاح باقی رہے گا اباحت غسل بھی باقی رہے گی۔ اور نکاح موت کے بعد عدت کے ختم ہونے تک باقی ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب عورت مرگئی تو مرد اس کو غسل نہ دے۔ اس لئے کہ ملک نکاح اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے بوجہ عدم محل چنانچہ وہ مرد اجنبی بن چکا ہے۔ اور عورت کا

---

[1] خاتمۃ المحققین شیخ محمد امین المشہور بابن عابدین شامی متوفی 1252ھ، ردالمحتار جلد اول کتاب الجنائز ص 634 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

مرد کو غسل دینا اس وقت تک ہے جبکہ مرد کی زندگی کے حال میں ان دونوں کے درمیان بینونت (جدائی) ثابت نہ ہوا۔ گر ان دونوں کے درمیان جدائی ثابت ہوگئی مثلاً مرد نے عورت کو بائن طلاق دی یا اس کو تین طلاقیں دیں پھر مرد مر گیا تو عورت مرد کو غسل نہ دے اس لئے کہ جدائی کی وجہ سے ملک نکاح ختم ہو چکا ہے اور عورت اجنبیہ بن چکی ہے۔

محرر مذہب نعمانی ابوحنیفہ ثانی المشہور بابن نجیم شیخ زین الدین رحمہ اللہ متوفی 970ھ البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

ولا يغسل الرجل زوجته الزوجة تغسل زوجها دخل بها أولا بشرط بقاء الزوجية عند الغسل حتى لو كانت مبانة بالطلاق وهي في العدة أو محرمة بردة أو رضاع أو مصاهرة لم تغسله۔ [1]

صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں: ''مرد اپنی بیوی کو غسل نہ دے اور بیوی اپنے شوہر کو غسل دے خواہ مرد نے عورت سے دخول کیا ہو یا دخول نہ کیا ہو۔ اور عورت کو مرد کے غسل کے وقت یہ شرط ضروری ہے کہ زوجیت (ان دونوں کا میاں بیوی ہونا) باقی ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ عورت طلاق کے ساتھ بائن کردی گئی ہو اور وہ عورت عدت میں ہو یا عورت کے مرتدہ ہونے کی وجہ سے حرام کردی گئی ہو یا رضاعت و مصاہرت کی وجہ سے حرام کردی گئی تو ان سب صورتوں میں عورت مرد کو غسل نہ دے''۔

چنانچہ ابن نجیم کی اس صراحت سے ثابت ہوا کہ اگر مذکور صورتیں نہ پائی جائیں تو عورت اپنے مرد کو غسل دے سکتی ہے۔

محمد بن علی بن محمد علاء الدین حصکفی متوفی 1088ھ در المنتقی فی شرح الملتقی میں فرماتے ہیں:

ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها في الأصح وهي تمنع من ذلك۔ [2]

---

[1] ۔ البحر الرائق جزء دوم کتاب الجنائز ص 174 ایم ایچ سعید کمپنی کراچی

[2] ۔ در المنتقی علی حاشیہ مجمع الانہر جلد اول ص 181 دار احیاء التراث العربی

یعنی مرد کو عورت کو غسل دینے سے منع کیا جائے اور عورت کو چھونے سے بھی روکا جائے اور مرد کو عورت کی طرف دیکھنے سے اصح قول کے مطابق نہ منع کیا جائے اور عورت کو مرد کو غسل دینے سے نہ منع کیا جائے۔ صاحب درمختار کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ مرنے کے بعد مرد اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی حضرات علمائے کرام نے بیان فرمایا کہ مرد اپنی بیوی کی چارپائی کو کندھا بھی دے سکتا ہے۔ اکثر لوگ اس سے منع کرتے ہیں کہ مرد اپنی بیوی کے جنازہ کو کندھا نہ دے، جو سراسر غلط ہے۔

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع متین اس بارے میں کہ ایک قبرستان بر زمین مملوکہ (خاندانی وموروثی اور قبرستان شیخاں کے نام سے مشہور ہے) جس میں گزشتہ عرصہ قریباً ایک صدی سے تدفین کا کام بند ہے اور قبور کے نام ونشان ناپید۔ اس جگہ پر نالیوں کا گندا پانی لگایا جاتا ہے۔ اور بعض اونچی جگہوں پر جانور مثل بھینس، گدھا وغیرہ باندھتے ہیں اور چراتے ہیں۔ جانور وہاں اپنے فضلات وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ اور کچھ نوجوان وہاں تاش کھیلتے ہیں اور بیٹھ کر سگریٹ نوشی کرتے ہیں۔ اور عرصہ سے قبرستان کے درمیان سے ایک نیا راستہ بھی بنا لیا گیا ہے۔ جہاں سے تمام افراد اپنے چوپائیوں اور ٹریکٹر وغیرہ کے ساتھ گزرتے ہیں اور کبھی وہاں نالیوں کا پانی جوہڑ کی شکل میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ گویا مکمل طور پر ویران قبرستان ہے جس کا کوئی پرسان حال نہیں۔

اب اس خاندان کے آخری چشم و چراغ کی رضا اور خواہش کے پیش نظر اہل علاقہ مٹی وغیرہ ڈال کر زمین کو جنازہ گاہ کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اہل دیہہ کا جنازہ گاہ گاؤں میں نہیں اور تدفین کیلئے اس قبرستان کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ دیگر جگہیں موجود ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر چند افراد نے مل کر وہاں مٹی ڈالی اور جو مطلوبہ اونچی مقدار سے زیادہ بلند جگہ تھی، وہاں ٹریکٹر کے ساتھ بلیڈ لگوایا۔ لیکن تقریباً ڈیڑھ فٹ کاٹنے پر بھی قبر کے آثار یا ہڈی وغیرہ کچھ بھی نہیں ملا اور وہاں مطلوبہ مقدار میں جگہ صاف اور برابر کر کے گندا پانی بند کر دیا گیا اس پر کچھ افراد نے کہا کہ ایسا اقدام حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ یہ موقوفہ زمین ہے اور یوں قبور کی بے حرمتی

ہوتی ہے۔ چنانچہ سوال یہ ہے کہ ایسی جگہ پر جنازہ گاہ بنانا درست ہے یا حرام، بینوا توجروا۔

مرزا بہشت بیگ قلعداری ضلع گجرات

اقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

❀❀❀❀❀

عالم فروع واصول جامع منقول ومنقول حضرت العلامہ مرزا بہشت بیگ قلعداری کا ایک استفتا کے جواب میں محرر فتویٰ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ حضرت علامہ دامت برکاتہم العالیہ نے تحقیق وتدقیق اور بحث وتمحیص کا سمندر ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے اور یہ فتویٰ ایک نہایت ہی علمی دستاویز ہے اور مسئلہ کا حل جس اسلوب سے آپ نے سپرد قلم فرمایا "یسکت عن جوابھا المنکرون" کے مصداق اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ پھر مجھ جیسے کم علم کو اس کے متعلق قلم فرسائی کا حکم فرمایا۔ گو کہ اس تحقیقی جواب کے بعد اس پر کچھ لکھنا بعید از نقل وعقل ہے، لیکن مصداق "الحکم فوق الادب" بطور تتمہ وتکملہ کچھ عرض کر رہا ہوں۔ اللہ عزوجل اپنے فضل عمیم سے حق کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بدان أسعدك الله وأرشدك إلى طريق مستقيم

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے، "الحدیث مضلہ إلا الفقہاء" یعنی حدیث فقہائے کرام کے علاوہ عامی کو گمراہ کرتی ہیں کیونکہ عامی میں حدیث کے سمجھنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرات فقہاء کرام حدیث کے راوی کے زمانہ تقدیم وتاخر اور حدیث کے ناسخ ومنسوخ، صحیح وضعیف اور مرفوع وموقوف اور مرسل وغیرہ کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کو اچھی طرح حضرات فقہائے عظام ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک فقہ حنفی بھی حدیث ہی ہے۔ محدث علی الاطلاق حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں ارقام فرماتے ہیں: جس طرح نبی اکرم ﷺ کا قول، فعل اور تقریر حدیث کہلاتی ہے اسی طرح تابعین کا قول، فعل اور تقریر بھی حدیث کہلاتی ہے۔ چونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ بالاتفاق تابعی ہیں لہٰذا آپ کی فقہ بھی حدیث ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث روایت باللفظ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقہ روایت بالدرایت ہے۔ لہٰذا ان

احادیث مبارکہ سے صرف نظر کرتے ہوئے جن میں قبور پر بیٹھنا یا انکو پامال کرنا یا مع جوتے قبرستان جانا جائز یا ناجائز، اس کو صرف حضرات فقہاء کرام کی منقولات وتصریحات پر عمل پیرا ہو کر ہی حدیث مبارکہ کو سمجھ سکتے ہیں۔لہٰذا یہ بندہ ناچیز اس مسئلہ کے متعلق حضرات فقہائے کرام اور محدثین عظام کی تصریحات ہی پیش کرے گا اور یہی تصریحات دراصل حدیث کا مفہوم ومقصود ہیں۔واللہ یہدی الی سبیل الرشاد

امام فخر الدین ابو محمد عثمان بن زیلعی کی کتاب ''تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق سے اکثر فقہائے کرام نے یہ قول نقل فرمایا ہے: لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه۔[1]

''اگر میت بوسیدہ ہو کر مٹی بن جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے۔اور اس پر کھیتی باڑی کرنا اور اس پر مکان وغیرہ کا تعمیر کرنا بھی جائز ہے''۔

امام علاؤ الدین حصکفی رحمہ اللہ اپنی کتاب درمختار شرح تنویر الابصار میں فرماتے ہیں:

ولا یخرج منه بعد إهالة التراب إلا بحق الآدمی کان تکون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة ویخیر المالك بین أخراجه ومساواته بالأرض کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار تراباً۔[2]

''میت کو قبر سے مٹی ڈالنے کے بعد نہ نکالا جائے، مگر آدمی کے حق کیلئے مثل اس کے کہ زمین مغصوبہ (چھینی ہوئی ہو) ہو یا شفع پر لی گئی ہے۔اور مالک کو اس میں اختیار ہے کہ وہ میت کو قبر سے نکالے اور قبر کو زمین کے ساتھ بالکل برابر کردے۔جیسا کہ قبر پر کھیتی باڑی کرنا اور اس پر مکان وغیرہ تعمیر کرنا جائز ہے جبکہ میت بوسیدہ ہو کر مٹی بن جائے۔

حرف ''کما'' تشبیہ کیلئے ہے یعنی جیسے میت کو مغصوبہ یا شفع والی زمین سے نکالنا یا قبر کو زمین کے ساتھ بالکل برابر کرنا اس میں مالک کو اختیار ہے اسی طرح قدیم قبرستان میں مالک کو

---

[1] ۔ردالمحتار کتاب الجنائز باب الدفن جلد اول ص 659 بحر الرائق جز دوم کتاب الجنائز باب الدفن ص 195 ۔فتاوئی ہندیہ کتاب الجنائز باب الدفن جلد اول ص 60

[2] ۔درمختار علی ہامش ردالمحتار کتاب الجنائز جلد اول ص 622

کھیتی باڑی کرنے یا تعمیر وغیرہ بنانا جائز ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ در مختار کے اس قول "یکرہ المشی" کے تحت فرماتے ہیں:

"قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ جس حدیث میں قبر پر بیٹھنے کی ممانعت آئی ہے۔ وہ قضائے حاجت کیلئے بیٹھنا ہے اور بلا قضائے حاجت قبر پر بیٹھنا مکروہ نہیں تا کہ آثار کے درمیان جمع ممکن ہو سکے۔ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ قول (بلا قضائے حاجت قبر پر بیٹھنا مکروہ نہیں) امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ لفظ قلت سے فرماتے ہیں اس سے قبل گزر چکا کہ جب میت بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جائے تو اس پر کھیتی باڑی اور تعمیر جائز ہے۔ اور اس کا مقتضیٰ قبر پر چلنے کا جواز ہے۔ پھر فرماتے ہیں: میں نے بخاری شرح عینی دیکھی تو انہوں نے امام طحاوی کے حوالہ سے قبر پر گزرنے والے کا ذکر کیا۔ پھر علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں، اس بنا پر کہ جو ہمارے اصحاب کی کتب میں مذکور ہے کہ قبر کا پامال کرنا حرام ہے اور اسی طرح قبر پر سونا ایسا نہیں (حرام نہیں) اس لئے کہ امام طحاوی رحمہ اللہ مذاہب علماء کے اعلم ہیں بالخصوص مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے۔ پھر علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہو گیا جو ہمارے اصحاب کی کتب میں مذکور ہے وہ مکروہ ہے حرمت نہیں۔ چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے جو ہمارے آئمہ ثلاثہ کی طرف جو نسبت کی وہ اس حدیث کے موافق ہے جس میں قبر پر قضائے حاجت کیلئے بیٹھنے کی حرمت آئی ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الجنائز باب الشہید میں ایک تعلیق کے تحت فرماتے ہیں:

تعلیق یہ ہے: وقال خارجة ابن زيد رأيتني ونحن شبان في زمن عثمان رضي الله عنه وأنا أشدنا وثبة الذي يثب قبر عثمان بن مظعون رضي الله عنه حتى يجاوزه۔ الخ

"خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ (یہ ثقہ تابعی اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں) نے کہا: میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ ہم زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

---

[1] ۔ رد المحتار کتاب الجنائز باب الدفن جلد اول ص 667۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الشہید جلد 8 ص 184۔ شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الجنائز جلد اول ص 374

نوجوان تھے اور ہم میں سے سب سے بڑی چھلانگ لگانے والا وہ ہوتا جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو چھلانگ لگا کر پھلانگ جاتا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تعلیق کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

قال ابن منیر فی الحاشیۃ اراد البخاری أن الذی ینفع أصحاب القبور ھی أعمال الصالحۃ وأن علو البناء والجلوس علیہ وغیر ذلک لایضر بصورتہ إنما یضر بمعناہ إذا تکلم القاعدون علیہ مما یضر مثلاً۔[1]

ابن منیر (ناصر الدین علی بن محمد بن منیر اسکندرانی) نے حاشیہ میں فرمایا: اس تعلیق سے امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ اصحاب قبور کو جو چیز نفع پہنچاتی ہے وہ نیک اعمال ہیں۔ قبر پر بلند تعمیر اور بیٹھنا وغیرہ اپنی اس صورت کے ساتھ مضر نہیں صرف باعتبار معنی قبر پر جب بیٹھنے والے ایسا کلام کریں جو کہ صاحب قبر کیلئے باعث تکلیف ہو۔

حافظ عسقلانی کے اس قول کو غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ مطلق قبر پر بیٹھنا اور تعمیر وغیرہ بنانا جائز ہے جبکہ قبر پر ایسی باتیں نہ کرے جو میت کیلئے مضر ہوں۔ لہٰذا ایسے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا جائز ہے کہ جہاں نماز پڑھی جائے اور اس نیک اعمال کا ثواب انہیں مل جائیگا۔

شیخ کمال الدین المعروف بابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

فإن أحب صاحب الأرض أن یسوی لقبر ویزرع فوقہ کان لہ ذلک فإن حقہ فی ظاھر و باطنھا فإن شاء ترک حقہ فی باطنھا وإن شاء استوفاہ.[2]

"صاحب زمین اگر چاہے تو قبر کو برابر کردے اور اس پر کھیتی باڑی کرے یہ اس کا حق ہے۔ اسلئے کہ زمین کے باطن اور ظاہر میں اس کا حق ہے۔ اگر چاہے زمین کے باطن کا حق پورا چھوڑ دے اور اگر چاہے تو پورا لے لے"۔

محدث علی الاطلاق حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت فصل ثانی میں حدیث جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ

---

[1] ۔ فتح الباری جلد سوم ص 223 دار المعرفہ بیروت۔ ارشاد الساری جلد سوم ص 510 دار الفکر بیروت

[2] ۔ فتح القدیر جلد دوم کتاب الجنائز فصل فی الدفن ص 101 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''اگر مالک زمین خواہد کہ زمین را ہموار کند و زراعت ے کند میر سد او را زیرا کہ حق مردہ در باطن است نہ بظاہر۔[1]

''اگر مالک زمین چاہے تو زمین کو برابر کرے اور اس پر کھیتی باڑی کرے یہ اس کا حق ہے اسلئے کہ مردہ کا حق زمین کے باطن میں ہے ظاہر میں نہیں''۔

چنانچہ یہ جملہ تصریحات فقہاء اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر زمین منسوبہ اور شفع والی میں میت دفن ہو تو مالک کو حق ہے کہ اگر چاہے تو میت کو زمیں سے نکال دے یا اس کو ہموار کر کے اس پر کھیتی باڑی کرے۔ اگر ایسا مالک زمین' زمین کو ہموار کر سکتا ہے تو وہ مالک زمین جن کا قبرستان ہے اور ایک صدی سے زائد ایسے ہی پڑا ہوا ہے۔ اور قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں اور اتنی مدت مدید کے بعد ان کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر بوسید ہو کر مٹی ہو چکی ہیں تو ایسی جگہ تعمیر اور کھیتی باڑی کرنا از روئے شریعت مطہرہ جائز ہے اگر چہ اس کا کوئی مالک نہ بھی ہو تو اگر ایسے قبرستان کی مالک زمین جنازہ گاہ بنانے کی اجازت دے دے تو بدرجہ اولیٰ وہاں جنازہ گاہ بنانا جائز ہے۔

اگر وہ زمین مملوکہ ہو اور مالک اس زمیں پر تعمیر اور کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دے تو ایسے قبرستان میں تعمیر وغیرہ کرنا اور کھیتی باڑی کرنا جائز ہے۔ لیکن صاحب فتاویٰ اجملیہ بدر الفقہاء علامہ مفتی الشاہ مولانا محمد اجمل قادری رضوی متوفی 1383ھ اپنے فتاوی اجملیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں: اگر قبرستان موقوفہ ہو کسی کی ملکیت نہ ہو تو ایسے قبرستان میں ہڈیوں کے گل سڑ کے بوسیدہ ہو کر مٹی بھی بن جائیں تب بھی وہاں کوئی تعمیر وغیرہ کرنا اور کھیتی باڑی کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس قبرستان سے کوئی نفع مباح ہے''۔

صاحب فتاویٰ اجملیہ نے فتاویٰ قاضی خاں اور فتاویٰ ہندیہ سے عبارتیں نقل فرمائیں۔ لیکن صد افسوس کہ آپ نے ان کتابوں کا کوئی حوالہ پیش نہیں فرمایا۔ یہ بندۂ ناچیز ان دونوں کتابوں کی مکمل عبارات مع حوالہ عرض کرے گا۔

صاحب فتاویٰ اجملیہ نے فتاویٰ عالمگیری کے حوالہ سے جو عبارت نقل فرمائی، یہ ہے:

---

[1]۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص 739

سئل القاضی الإمام شمس الأئمة محمود الأوزجندی فی المقبرة إذا اندرست ولم یبق فیها أثر الموتی إلا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة ۔[1]

"قاضی امام شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے مقبرہ کے متعلق پوچھا گیا کہ جب وہ مقبرہ مٹ گیا اور اس مقبرہ میں مردوں کا اثر تک باقی نہ رہا اور نہ ہی کوئی ہڈی باقی رہی کیا اس پر کھیتی باڑی کرنا اور مقبرہ سے غلہ حاصل کرنا جائز ہے؟۔ انہوں نے فرمایا نہیں، اس کا حکم مقبرہ کا ہی ہے"۔

اور صاحب فتاویٰ اجملیہ نے فتاویٰ قاضی خاں کے حوالہ سے نقل فرمایا: مقبرة قدیمة محلة لم یبق فیها آثار المقبرة هل یباح لأهل المحلة الإنتفاع بها قال ابو النصر رحمه الله تعالیٰ لا یباح ۔[2]

اس کے بعد صاحب فتاویٰ قاضی خاں نے ابو النصر رحمہ اللہ کا جو قول نقل فرمایا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

قیل له فإن کان فیها حشیش قال یحتش منها ویخرج إلی الدواب فذلک أیسر من إرسال الدوات فیها ۔[3]

"کسی محلہ کا قدیم مقبرہ ہو اس مقبرہ میں آثار مقبرہ باقی نہ رہے ہوں کیا اہل محلہ کے لیے اس مقبرہ سے انتفاع مباح ہے۔ ابو نصر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس مقبرہ سے نفع حاصل کرنا مباح نہیں"۔

یہاں تک صاحب فتاویٰ اجملیہ نے فتاویٰ قاضی خاں کا قول نقل فرمایا ہے۔ اس کے بعد صاحب فتاویٰ قاضی خاں فرماتے ہیں: ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: اگر مقبرہ میں گھاس ہو (تو پھر کیا حکم ہے) ابو نصر رحمہ اللہ نے فرمایا مقبرہ سے گھاس کاٹ کر چوپائیوں کی طرف لے

---

[1] ۔ فتاویٰ اجملیہ جلد دوم کتاب الجنائز باب حرمۃ القبور ص 532 مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور۔ اور اس کا اصل حوالہ ہے، فتاوی ہندیہ جلد دوم کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر ص 139 مطبع احمدی

[2] ۔ فتاویٰ اجملیہ حوالہ مذکور

[3] ۔ فتاویٰ قاضی خاں جلد 4 کتاب الوقف فصل فی المقابر ص 310 مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ

جائے۔ اور یہ گھاس کاٹنا مقبرہ میں چوپائیوں کو چھوڑنے سے آسان ہے۔

ابو نصر رحمہ اللہ کے قول سے معلوم ہوا من وجہ مقبرہ سے انتفاع جائز ہے تو اس انتفاع سے حرمت مقبرہ بھی تو پامال ہوگی کیونکہ گھاس کاٹنے والا مع جوتے مقبرہ میں داخل ہوگا اور صاحب قبور کی بے حرمتی ہوگی۔ جو بے حرمتی مقبرہ قدیمہ میں جنازہ گاہ وغیرہ بنانے سے ہوگی یا اس میں تعمیر و زراعت سے ہوگی لہٰذا جواب ابھی باقی ہے۔

پھر صاحب صاحب فتاویٰ اجملیہ کی ان دو نصوص کے خلاف بھی ان ہی دو کتابوں کی نصوص موجود ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ پھر ان دونوں عبارات یعنی فتاویٰ اجملیہ اور فتاویٰ ہندیہ و فتاویٰ قاضی خاں کا تقابلی جائزہ آپ کے ذمہ ہے۔ میں صرف نصوص ہی نقل کروں گا اس پر کوئی فتویٰ وغیرہ جاری نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ اسلاف رحمہم اللہ کی توہین کے مترادف ہے۔ اور مجھ جیسے ناچیز کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے اسلاف کی توہین کا مرتکب ہو۔

صاحب فتاویٰ قاضی خاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مقبرة كانت للمشركين أرادوا أن يجعلوها مقبرة للمسلمين قال ابو القاسم رحمه الله إن كانت آثارهم قد اندرست لابأس بذلك۔ وإن كانت عظامهم باقية لابأس أن ينبش ويقبر فيها للمسلمين فإن موضع مسجد رسول الله ﷺ كانت مقبرة للمشركين فنبشت واتخذت مسجداً۔ [1]

''مشرکین کا مقبرہ تھا لوگ چاہتے ہیں اس کو مسلمانوں کا مقبرہ بنالیں۔ امام ابو القاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آثار محو ہو چکے ہوں تو اسکو مسلمانوں کا مقبرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اس مقبرہ میں مشرکین کی ہڈیاں باقی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کو کھود کر نکال دیا جائے اور مقبرہ میں مسلمانوں کی قبر بنائی جائے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد (یعنی مسجد نبوی) کی جگہ مشرکین کی مقبرہ تھی۔ چنانچہ زمین کو کھود کر ہڈیاں نکال دیں گئیں اور وہاں مسجد بنالی گئی۔

اب ذرا صاحب فتاویٰ اجملیہ رحمہ اللہ نے قاضی شمس الآئمہ محمود اور جندی کا قول نقل

---

[1] ۔ فتاویٰ قاضی خاں جلد 4 کتاب الوقف فصل فی المقابر ص 310 حافظ کتب خانہ کوئٹہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر ص 139 مطبع احمدی

فرمایا وہ یہ ہے:

المقبرۃ إذا اندرست فلم یبق فیها أثر الموتی لا العظم ولا وغیرہ هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرۃ

شمس الآئمہ محمود اوزجندی کے قول کے مطابق اگر مقبرہ میں ہڈیاں وغیرہ بھی باقی نہ ہوں، وہ مقبرہ کے حکم میں ہے اس میں کوئی کام جائز نہیں"۔

اور امام ابوالقاسم رحمہ اللہ کے نزدیک مردوں کے آثار بالکل محو ہو جائیں تو اس کا استعمال جائز ہے جیسا کہ مسجد نبوی کی جگہ سے مشرکین کے ہڈیوں کے آثار محو کر کے وہاں مسجد بنائی گئی۔ لیکن امام محمود اوزجندی کے نزدیک اگرچہ مقبرہ کے جملہ آثار محو بھی ہو جائیں تو وہ مقبرہ کے ہی حکم میں ہوگا۔ لہٰذا دونوں نقل میں تضاد ہے۔ اسی طرح صاحب فتاویٰ اجملیہ رحمہ اللہ نے امام ابوالنصر کا قول نقل کیا وہ یہ ہے:

مقبرۃ قدیمة بمحلة لم یبق فیها آثار المقبرۃ هل یباح لأهل المحلة الانتفاع بها قال ابوالنصر رحمه الله تعالیٰ علیه لا یباح۔

"وہ قول جو صاحب فتاویٰ اجملیہ رحمہ اللہ نے نقل فرمایا اس کے مطابق جس مقبرہ کے آثار بالکل باقی نہ رہیں، اس مقبرہ سے انتفاع جائز نہیں"۔

لیکن امام ابوالقاسم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس مقبرہ سے انتفاع جائز ہے۔ لہٰذا صاحب فتاویٰ اجملیہ کے دونوں قول امام ابوالقاسم کے قول کے متضاد و مخالف ہیں۔

لہٰذا میرے نزدیک صاحب فتاویٰ اجملیہ رحمہ اللہ کے بھی دونوں قول صحیح ہیں اور امام ابوالقاسم رحمہ اللہ کا بھی قول درست ہے۔ کیونکہ یہ تینوں اماموں کی اپنی اپنی رائے ہے۔ ان کے اقوال کے صحت و سقم کے متعلق حضرات فقہاء کرام بالخصوص صاحب فتاویٰ قاضی خاں نے کچھ نقل نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا یہ تینوں قول مرجوح ہیں کیونکہ یہ ہر ایک امام کی منفرد اپنی رائے ہے یہ جمہور کا قول نہیں اور جمہور کا قول وہ ہے جس کو صاحب تبیین الحقائق امام فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی متوفی 743ھ نے نقل کیا اور پھر ان سے اکثر فقہاء کرام نے نقل فرمایا وہ قول یہ ہے:

لو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه۔ اھ

''اگر میت بوسیدہ ہو کر مٹی بن جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے''۔ اور اس پر کھیتی باڑی کرنا اور کچھ تعمیر وغیرہ کرنا بھی جائز ہے۔ اس نص میں جس پر جمہور ہیں، کوئی قید نہیں کہ وہ مقبرہ ملکیتی ہو یا موقوف۔ دونوں صورتوں میں میت کا بوسیدہ ہو کر مٹی بن جانا شرط ہے۔ اور اگر یہ شرط پائی گئی تو وہاں کسی اور کو دفن کرنا یا اس پر کھیتی باڑی کرنا یا کوئی مکان تعمیر کرنا سب جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ امام زیلعی رحمہ اللہ کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال فی الإمداد ویخالفه ما فی التاتارخانیة إذا صار المیت ترابأ فی القبر یکره دفن غیره فی قبره لأن الحرمة باقیة وإن جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیره فیه تبرکا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکره ذلك۔ قلت لکن فی هذا مشقة عظیمة فالأولی إناطة الجواز بالبلا إذ لا یمکن ان یعد لکل میت قبر لا یدفن فیه غیره وإن صار الأول ترابا لا سیما فی الأمصار الکبیرة الجامعة الخ۔[1]

''امداد میں ہے کہ جو فتاویٰ تارتارخانیہ میں ہے، امام زیلعی رحمہ اللہ کے خلاف ہے۔ فتاویٰ تارتارخانیہ میں ہے جب میت قبر میں مٹی ہو جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا مکروہ ہے۔ اسلئے کہ حرمت ابھی تک باقی ہے۔ اور اگر لوگوں نے میت کی ہڈیوں کو جمع کر کے ایک طرف رکھ دیا پھر اس قبر میں دوسرے کو صالحین کے پڑوس کی وجہ سے تبرکا دفن کر دیا گیا حالانکہ جگہ بھی فارغ تھی پھر بھی ایسا کرنا مکروہ ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں لیکن اس فعل میں مشقت عظیم ہے (کہ میت کی ہڈیوں کو جمع کر کے ایک طرف رکھ کر دوسرے کو دفن کرنے کی جگہ بنانا) فرماتے ہیں: بہتر اولیٰ یہی کہ جواز کو (یعنی دوسرے آدمی کو میت کے ساتھ دفن کرنا) میت کے بوسیدہ ہونے کے ساتھ معلق کیا جائے۔ اس لئے کہ ہر میت کیلئے ایسی قبر شمار کرنا جس میں دوسرے کو دفن نہ کیا گیا ہو، ممکن ہی نہیں اگرچہ پہلی میت مٹی بن چکی ہو خاص کر ان شہروں میں جو کبیرہ اور جامعہ ہیں۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کے جواب سے فتاویٰ

---

[1] ۔ ردالمحتار جلد اول کتاب الجنائز ص 659 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

تارتار خانیہ کا قول بے معنی ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ جو صورت صاحب تارتار خانیہ نے بیان فرمائی اس پر عمل کرنا کسی صورت بھی ممکن نہیں جیسا کہ صاحب ردالمحتار رحمہ اللہ نے نقل فرمایا دیا:

صاحب تارتار خانیہ کا یہ قول کہ اگر میت قبر میں مٹی بھی بن جائے تو پھر بھی اس کی حرمت باقی ہے اس کے جواب میں متاخرین احناف میں سے جو حضرت علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری جو بالاتفاق عندالاحناف متاخرین میں سے نہایت معتمد ہیں اور متاخرین احناف کو آپ پر فخر بھی ہے آپ نے مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں اس مسئلہ کے متعلق کچھ یوں فرمایا ہے:

ولأنه مع الحاجة ليس فيه انتهاك حرمة الميت بخلافه مع عدم الحاجة هذا كله قبل البلى أما بعده فلا حرمة ولا كراهة مطلقا لعدم احترامه أيضا۔ [1]

"قبر کا پامال کرنا اگر حاجت ہو تو اس میں میت کی حرمت کا پامال کرنا یا تارتار کرنا نہیں بخلاف عدم حاجت کے اور یہ تمام کا تمام میت کے بوسیدہ ہونے سے قبل ہے۔ لیکن میت کے بوسیدہ ہونے کے بعد مطلقاً نہ ہی میت کی حرمت ہے اور نہ ہی کراہت اس لئے کہ میت کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد اب اس کا احترام ختم ہو چکا"۔

معلوم ہوا جمہور کا قول یہی ہے کہ میت اگر قبر میں بوسیدہ ہو کر مٹی بن جائے تو وہاں دوسرے آدمی کا دفن کرنا بھی جائز ہے، اس پر کھیتی باڑی بھی جائز ہے اور وہاں تعمیر وغیرہ کرنا بھی جائز ہے۔

لہٰذا یہ جملہ اقوال اس بات پر بین اور واضح دلیل ہیں کہ اگر مالک زمین وہاں (یعنی قدیم قبرستان میں) جیسا کہ استفتاء میں مذکور ہے اگر جنازہ گاہ کی اجازت دیتا ہے تو وہاں جنازہ گاہ بنانا جائز ہے، خلاف شریعت اور حرام نہیں۔

باقی یہ اشکال حل طلب ہے کہ کیسے معلوم ہو کہ میت بوسیدہ ہو کر مٹی بن چکی ہے کیا اس کی مدت کا کوئی تعین ہے یا نہیں؟۔

ہاں اس اشکال کا جواب قرآن مقدس کی ایک آیت مبارکہ ہے جس میں اللہ عزوجل

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد چہارم کتاب الجنائز فصل فی دفن المیت۔ فصل اول حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ص 70 مکتبہ امدادیہ ملتان

نے حضرت عزیر علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وانظر الی العظام کیف ننشزھا الی آخر الآیۃ۔[1]

درس نظامی کی مشہور تفسیر جلالین میں ہے: اللہ عزوجل کا قول "وانظر الی حمارک کیف وھو فراٰہ میتا وعظامہ بیض تلوح" اللہ عزوجل نے حضرت عزیر علیہ السلام سے فرمایا: اپنے گدھے کی طرف دیکھ وہ کیسا ہے۔ اور گدھے کی ہڈیاں سفید جو چمک رہی تھیں، یعنی وہ بوسیدہ ہو چکی تھیں اگر اس کو ہاتھ لگاتے تو وہ ہڈیاں سہاگہ کی طرح بکھر جاتیں اس لئے اللہ عزوجل نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: اے عزیر! (علیہ السلام) ہڈیوں کی طرف دیکھو ہم ان ہڈیوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔ یعنی ہڈیاں بوسیدہ تھیں پکڑنے کے قابل نہ تھیں پہلے ان ہڈیوں کو زندگی عطا فرمائی کہ ان کو مضبوط کیا پکڑنے کے قابل بنایا۔ تو اللہ عزوجل کے فرمان سے ثابت ہوا ایک صدی کے بعد ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی بن جاتی ہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت عطا فرمائی اور اس کے بعد ان کو زندہ کیا تو اللہ عزوجل نے ان سے سوال کیا "کم بعثت" تم یہاں کتنی مدت ٹھہرے؟ تو جواب میں حضرت عزیر علیہ السلام نے عرض کیا ایک دن یا دن کا بعض تو اللہ عزوجل نے فرمایا بلکہ آپ سو سال ٹھہرے رہے۔

چنانچہ سو سال کے بعد گدھے کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں جنہیں ہاتھ لگانے سے وہ سہاگہ کی طرح بکھر جاتیں۔ لہٰذا ایک صدی کے بعد ہڈی بوسیدہ ہو کر مٹی بن جاتی ہے۔

بیہقی وقت قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی متوفی 1225ھ اپنی کتاب تفسیر مظہری میں اللہ عزوجل کے قول "وانظر الی حمارک" سورۂ بقرہ آیت 259 کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

فنظر قیل فراٰہ قائما واقفا کھیئۃ یوم ربطہ حیا لم یطعم ولم یشرب مائۃ عام ونظر الی حبلہ فی عنقہ جدیدۃ لم یتغیر وقیل راٰی حمارہ قد ھلک وبلیت عظامہ فبعث اللہ ریحاً فجاءت بعظام الحمار من کل سھل وجبل ذھبت بھا الطیور والسباع فاجتمعت۔ قلت۔ والظاھر ھو القول الثانی یدل علیہ یکرار کلمۃ "أنظر" ولو کان الحمار

---

[1] سورۂ بقرہ آیت 259

باقیا علی حالہ کالطعام والشراب لکان المناسب أن یقال فانظر الی طعامک وشرابک وحمارک۔[1]

"چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے دیکھا۔ بعض کہتے ہیں حضرت عزیر علیہ السلام نے گدھے کو پاؤں پر کھڑے ہوئے دیکھا مثل اس صورت کے جس دن آپ نے گدھے کو زندہ باندھا تھا اور اس نے ایک سو سال تک کچھ نہ کھایا، پیا، اور حضرت عزیر علیہ السلام نے گدھے کی گردن میں رسی کو دیکھا وہ بالکل نئی تھی، متغیر نہیں ہوئی تھی۔ اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے گدھے کو دیکھا وہ ہلاک ہو چکا تھا اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ہوا کو بھیجا وہ ہوا گدھے کی ہڈیوں کو ہر سہل اور سخت زمیں سے لے کر آئی جن ہڈیوں کو پرندے اور درندے لے گئے تھے۔ چنانچہ اس سب کو اکٹھا کیا گیا۔

قاضی ثناء اللہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں دوسرا قول ظاہر ہے (اور صحیح ہے) جس قول پر کلمہ "انظر" کا تکرار دلالت کرتا ہے۔ اور اگر گدھا شراب اور طعام کی طرح اپنے حال پر باقی رہتا (تو کلمہ "اُنظر" کے تکرار کی ضرورت نہ ہوتی) اور مناسب ہوتا کہ اس طرح کہا جاتا: وانظر الی طعامک وشرابک وحمارک۔

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی کہ گدھے کی ہڈیاں گل سڑ کر بوسیدہ ہو چکی تھیں اور بکھر چکی تھیں۔ لہٰذا دلالۃ النص سے ثابت ہوا کہ ایک سو سال بعد ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی بن جاتی ہیں۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف طبری میں اسی آیت مقدسہ کے تحت رقمطراز ہیں:

وانظر الی حمارک قد هلک وبلیت عظامه وانظر الی العظام کیف ننشزها ثم نکسوها لحما فبعث الله ریحا فجاءت بعظام الحمار من کل سهل وجبل ذهبت بها الطیر والسباع فاجتمعت الخ۔[2]

---

[1] تفسیر مظہری جلد اول سورۂ بقرہ ص 368 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2] تفسیر طبری جلد سوم ص 27 دار المعرفہ بیروت

''اے عزیر! (علیہ السلام) اپنے گدھے کی طرف دیکھئے جو ہلاک ہو چکا ہے اور اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ اور ہڈیوں کی طرف دیکھئے ہم کیسے ان کو زندہ کرتے ہیں۔ (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے ''ننشز'' کا معنی اٹھان کیا ہے) پھر ان ہڈیوں کو گوشت پہناتے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ہوا بھیجی جو گدھے کی ہڈیوں کو ہر سہل اور سخت زمین سے لے کر آئی جن ہڈیوں کو پرندے اور درندے لے گئے تھے۔ چنانچہ ان سب ہڈیوں کو جمع کر دیا گیا''۔

رئیس المفسرین ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے بھی یہی نقل فرمایا کہ گدھے کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں، لہٰذا ثابت ہوا سو سال کے بعد ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی بن جاتی ہیں۔

رئس الفلاسفہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی 606ھ اپنی کتاب التفسیر الکبیر میں اسی آیت کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

ثم قال بعده وانظر الی حمارك فرأى الحمار صار رميما وعظاما نخرة.[1]

''پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''فانظر الی طعامك وشرابك'' فرمایا اے عزیر! (علیہ السلام) اپنے گدھے کو دیکھو۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے گدھے کو دیکھا وہ بوسیدہ ہو چکا تھا اور ہڈیوں کو دیکھا وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو چکی تھیں''۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے قول سے بھی ثابت ہوا کہ ایک صدی کے بعد ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں اور مٹی بن جاتی ہیں۔

اب حضرات مفسرین کرام کے اقوال کے بعد اس کے متعلق کتب سے بھی نذر قارئین کرتا ہوں تاکہ لفظ ''بلی'' کے سمجھنے میں آسانی ہو، ارقام فرماتے ہیں:

والرمة بالكسر العظام البالية والجمع رمم ورمام تقول منه رم العظم يرم بالكسر رمة أي بلي فهو رميم۔[2]

''زیر کے ساتھ رمہ بمعنی بوسیدہ ہڈیاں ہیں اور اس کی جمع رمم اور رمام بھی ہے تو کہے گا

---

[1] تفسیر کبیر جز 7 ص 35 دار الکتب العلمیہ طہران

[2] الصحاح للجوہری جلد 5 ص 1937 دار العلم للملایین

ہڈی بوسیدہ ہوگئی اور باب رم یرم رمۃ بمعنی بلی ہے یعنی بوسیدہ ہوگئی اور رمیم اس کی صفت ہے"۔

امام علامہ ابن منظور متوفی 711ھ اپنی کتاب لسان العرب میں ارقام فرماتے ہیں:

وعظم رميم واعظم رمائم و رميم أيضا قال حاتم أوغيره الشك من ابن سيدة

أما والذى لايعلم السر غيره

يحيى العظام البيض وهى رميم

"اور بوسیدہ ہڈی اور بوسیدہ ہڈیاں اور اعظم رمیم بھی آتا ہے۔ حاتم یا کسی اور نے کہا یہ شک ابن سیدہ کی طرف سے ہے"۔

لیکن وہ ذات جس کے سوا پوشیدہ کو کوئی نہیں جانتا اور وہی ذات سفید ہڈیوں کو زندہ کرتی ہے جبکہ یہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور صاحب جوہری نے کہا رم یرم رمۃ یعنی یہ باب ضرب یضرب سے ہے اور اس کا معنی ہے ہڈی کا بوسیدہ کر مٹی بن جانا۔ ابن عربی نے کہا: جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں تو کہا جاتا ہے، رمت عظامه وأرمت۔

تو کتب لغت سے بھی ثابت ہوا کہ رم بمعنی بلی ہے یعنی بوسیدہ ہڈی اور اس کی مدت ایک صدی ہے جیسا کہ علمائے مفسرین کے اقوال سے ظاہر ہے۔ معلوم ہوا جب مردہ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی بن جائیں تو ایسے قدیم قبرستان میں مکانات کا تعمیر کرنا یا اس زمین پر کھیتی باڑی کرنا ایسے قبرستان کو بطور جنازہ گاہ استعمال کرنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔ چنانچہ مسئلہ مسؤلہ میں اگر مالک زمین قبرستان میں جنازہ گاہ کی اجازت دیتا ہے تو بلا اختلاف وہاں جنازہ گاہ تعمیر کرنا نہ حرام ہے اور نہ ہی گناہ۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اکمل واتم

ھذا ماھو عندی وفوق کل ذی علم علیم

❀❀❀❀❀

مسئلہ:

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو کہہ دے جامیں نے تجھے فارغ کیا تو کیا مرد کی نیت طلاق کے بغیر عورت کو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ بینوا د توجروا

راجہ جاوید نصیرہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

مسئلہ مسئولہ کے جواب سے اس مسئلہ کا پس منظر جاننا بہت ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے نصیرہ گاؤں کے ایک شخص نے غصہ میں اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا جا تو مجھ سے فارغ ہے۔ بیوی اپنے شوہر کے یہ الفاظ سن کر اپنی والدہ کے پاس چلی گئی۔ جب شوہر کو پتہ چلا کہ وہ اپنی والدہ کے پاس چلی گئی تو وہ اس کو لینے کیلئے گیا تو اس کی بیوی کے بھائیوں نے کہا جب تک ہم کسی مفتی صاحب سے فتویٰ نہ لے لیں کہ کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟ اس وقت تک ہم اپنی ہمشیرہ کو نہیں بھیجیں گے۔ چنانچہ بھائی اپنی بہن کو ساتھ لے کر ''جامعہ اشرفیہ'' محلہ علی مسجد گجرات کے دارالافتاء میں حضرت علامہ مفتی عبدالاسلام ہاشمی نقشبندی کے پاس چلے گئے اور اس شخص کی بیوی نے قبلہ مفتی صاحب زیدہ مجدہٗ کے سامنے بیان دیا کہ میرے شوہر نے مجھے اس طرح کہا۔

چنانچہ قبلہ مفتی صاحب زیدہ مجدہٗ نے ''رد المحتار'' کی ایک عبارت نقل فرما کر فتویٰ تحریر فرمایا دیا کہ بغیر مرد کی نیت کے ایک طلاق واقع ہو چکی ہے، لہٰذا عدت کے بعد تجدید نکاح ہو سکتا ہے۔ جناب مفتی صاحب نے فرمایا کہ لفظ ''جا تو مجھ سے فارغ ہے'' طلاق کنایہ کی تیسری قسم یعنی فقط جواب میں آتا ہے لہٰذا مرد کی نیت کے بغیر ہی طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اس شخص نے مفتی عبد السلام ہاشمی نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ کا فتویٰ اس ناچیز کو دیا اور کہا اب میں کیا کروں۔ اس بندہ ناچیز نے مفتی صاحب زیدہ شرفہٗ کے فتویٰ کا جواب تحریر کیا اور اس ناچیز نے جو جواب تحریر کیا وہ تھوڑے سے اضافہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

المحترم المقام حضرت العلامہ مفتی عبد السلام صاحب ہاشمی دامت برکاتہم العالیہ کے فتویٰ کا جواب

اقول وبتوفیقہ أحول ومنہ الرجا إلی الوصول

جناب مفتی صاحب کا فرمان ''فارغ'' کا لفظ کنایات کی اس تیسری قسم میں آتا ہے جس سے غصہ اور مذاکر طلاق میں بغیر مرد کی نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ پھر آپ نے فتاوئ شامیہ کی ایک عبارت نقل فرمائی ہے۔ جناب مفتی صاحب فرمائیں کہ لفظ ''فارغ'' الفاظ کنایات کی اس تیسری قسم سے ہے اور اس کا فتاوئ شامیہ کی عبارت سے کیا تعلق اور جو حوالہ آپ نے ''ردالمحتار'' نقل فرمایا وہ یہ ہے: ''قولہ توقف الاولان'' اور ''قولہ یتوقف الاول فقط'' ای مایصلح للرد والجواب الخ۔

ردالمحتار جلد دوم کتاب الطلاق باب الکنایات ص 505 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

جواباً عرض ہے، صاحب درمختار نے فرمایا:

فالحالات ثلث: رضا وغضب و مذاکرۃ ۔ والکنایات ثلاث مایحتمل الرد أومایصلح للسب الخ

یعنی مرد کے حالات تین ہیں رضا وخوشنودی، غضب وناراضگی اور مذاکرہ طلاق اور کنایات کی بھی تین ہی اقسام ہیں رد وجواب، سب وجواب، جواب فقط۔

بندۂ ناچیز نے صاحب درمختار اور صاحب ردالمحتار کی عبارات کا ماحاصل نقل کیا ہے اور خود صاحب ردالمحتار نے اس کی ایضاح کی ایک شکل نقل کی ہے جو قبلہ مفتی صاحب زید شرفہٗ کی محولہ عبارت کے تحت متصل مرقوم ہے۔ اور اس ایضاح کی صورت یہ ہے:

	رد وجواب	وجواب	جواب فقط
	اخرجی۔اذھبی	خلیۃ۔بریہ	اعتدی استبرئی
رضا	تلزوم النیہ	تلزوم النیہ	تلزوم النیہ
غضب	تلزوم النیہ	تلزوم النیہ	یقع بلانیہ
مذاکرہ	تلزوم النیہ	یقع بلانیہ	یقع بلانیہ

چنانچہ اس شکل وصورت کو اچھی طرح ملاحظہ فرمائیں کہ غضب کی صورت میں لفظ اعتدی استبرئی وغیرہ میں بلانیت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں لفظ ''فارغ'' کہاں ہے؟۔ قبلہ محترم جناب مفتی صاحب آپ کی نقل کردہ عبارت سے تقریباً 16 سطور قبل صاحب ردالمحتار

نے کنایات کی تینوں اقسام کے متعلق ارقام فرمایا: صاحب درمختار فرماتے ہیں:

تتوقف الأقسام الثلاثة تاثيراً على نية الاحتمال

''ازروئے تاثیر کے کنایاتٌ کی تینوں اقسام نیت پر موقوف ہیں۔ احتمال کی بنا پر اور قول مرد کا ہے''۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں''قوله لاحتمال لما ذكرنا من أن كل واحد من الألفاظ يحتمل الطلاق وغيره والحال لا تدل على أحدهما فيسئل عن نيته ويصدق فى ذلك قضاء ۔[1]

یعنی الفاظ کنایات میں سے ہر ایک لفظ طلاق کا احتمال بھی رکھتا ہے اور طلاق کے علاوہ کسی اور چیز کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اور حال ان دونوں (طلاق اور طلاق کے علاوہ کوئی چیز) دلالت نہیں کرتا۔ چنانچہ مرد کی نیت کے متعلق ضرور پوچھا جائیگا اور قضا اس نیت میں اس کی تصدیق کی جائے گی ۔ لیجئے مفتی صاحب ردالمحتار نے فیصلہ فرمادیا کہ کنایات کی تینوں اقسام میں مرد کی نیت ضروری اور بلا تصدیق نیت مرد طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پھر آپ ہی فرمائیں کیا ان کی منقولہ عبارت میں بالصراحت لفظ''فارغ'' سے عورت کو بلانیت شوہر طلاق واقع ہوجاتی ہے یا یہ لفظ''فارغ'' کنایات کے ان الفاظ میں سے ہے جس میں غصہ کی حالت میں بلانیت مرد طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے؟ آپ فقہ کی کتب معتبرہ میں صراحتاً اور واضح بلا ابہام وایہام لفظ''فارغ'' سے غصہ کی حالت میں بلا عمل ودخل نیت مرد طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ تو آپ کوئی عبارت دکھلا سکتے ہیں۔

کیونکہ کتب مذہب میں معتمد حضرات فقہائے کرام نے ان الفاظ کنایہ کی استثناء نقل فرمادی ہے جن الفاظ کنایہ سے غصہ کی حالت میں بلانیت طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

محترم مفتی صاحب صاحب ردالمحتار تو اقسام ثلاثہ میں نیت کا قائل ہے۔ اور جناب والا نے صرف ایک عبارت نقل فرماکر جس کا مسئلہ مسئولہ سے دور تک کا بھی تعلق نہیں حضرات علماء فقہاء کرام کی نقول کا خون کیا ہے۔

آیئے! اب حضرات فقہائے کرام کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیں جس میں یہ روز روشن

---

[1] ۔ ردالمحتار جلد دوم کتاب الطلاق باب الکنایات ص 504 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کی طرح مرقوم ہے کہ الفاظ کنایات میں سے صرف تین الفاظ ایسے ہیں جب وہ حالت غضب میں بولے جائیں تو بلانیت طلاق بھی مرد کی طرف سے طلاق شمار کی جائے گی۔

۱ امام فخر الدین حسن ابن منصور اوز جندی فرغانی متوفی 592ھ اپنی کتاب فتاویٰ قاضی خاں میں فرماتے ہیں: یہ وہ صاحب فتاویٰ قاضی خاں ہیں جن کے متعلق صاحب ردالمحتار نے ارقام فرمایا:

''فان قاضی خاں من اهل التصحیح والتراجیح''۔[۱]

''صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ قاضیخاں اہل تصحیح وترجیح میں سے ہیں''۔

اور یہی صاحب ردالمحتار جلد اول ص 57۔ مطلب فی طبقات الفقہاء میں فرماتے ہیں کہ قاضی خاں فقہائے کرام کے طبقہ سوم میں سے ہیں۔ اور یہ طبقہ وہ ہے جو جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی نص نہیں ان مسائل میں اجتہاد فرماتے ہیں، صاحب فتاویٰ قاضی خاں فرماتے ہیں:

فصل فی الکنایات مدلولات الکنایة مایحتمل الطلاق ولا یکون الطلاق مذکورا نصاً وهی ثلاثة أقسام والأحوال ثلاثة حالة مطلقة وهی حالة الرضا وحالة مذاکرة الطلاق وهی أن تسأل المرأة طلاقها أویسال غیرها طلاقها و حالة الغضب والخصومة ففی حالة الرضا لایقع الطلاق بشی من الکنایات إلا بالنیة ولوقال لم أعن به الطلاق کان القول قوله۔ وفی حالة مذاکرة الطلاق یقع الطلاق بثمانیة ألفاظ ولوقال لم انوالطلاق لا یصدق قضاء وهی قوله أنت خلیة، بریة، بتة بائن، حرام، اعتدی، أمرك بیدك، اختاری وفی حالة الغضب یقع الطلاق بثلاثة من هذه الثمانیة وإذا قال لم أنو الطلاق لایصدق قضاء وتلك الثلاثة اعتدی أمرك بیدك اختاری وفی الخمسة الباقیة من الثمانیة عن ابی حنیفة إذا قال لم انوالطلاق لایقع ویصدق قضاء لأنها تصلح للشتم فتحمل علی الشتم والخصومة۔[۲]

---

[۱]۔ ردالمحتار جلد 4 ص 276 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[۲]۔ فتاوی قاضی خاں کتاب الطلاق مجلد دوم ص 216 حافظ کتب خانہ کوئٹہ

"یہ فصل کنایات اور مدلولات میں ہے۔ اور کنایہ وہ لفظ ہے جو طلاق کا احتمال رکھتا ہے۔ اور نصاً طلاق کا ذکر نہیں کیا جاتا اور کنایہ کی تین اقسام ہیں (جیسے کہ اس سے قبل مذکور ہو چکا ہے یعنی رد، شتم اور جواب) اور احوال تین ہیں: ایک حالت مطلقہ اور یہ حالت رضا ہے اور دوسری حالت مذاکرہ طلاق اور یہ وہ حالت ہے کہ عورت مرد سے طلاق مانگ رہی ہے یا بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس سے اس کی بیوی کی طلاق کے متعلق پوچھ رہا ہو۔ اور تیسری حالت غضب اور خصومت ہے۔ تو پہلی حالت رضا میں الفاظ کنایات میں سے کسی کے ساتھ طلاق واقع نہیں ہوگی مگر مرد کی نیت کے ساتھ۔ اور اگر کسی شخص نے حالت رضا میں کوئی لفظ الفاظ کنایات میں سے بولا اور کہا اس سے میری مراد طلاق نہیں تو اس میں قول معتبر مرد کا ہوگا۔

اور دوسری حالت میں مذاکرہ طلاق، تو مذاکرۂ طلاق میں صرف آٹھ الفاظ سے طلاق ہوگی اور اگر کوئی شخص حالت مذاکرہ طلاق میں اپنی بیوی کو ان آٹھ الفاظ کنایہ میں سے کوئی لفظ کہہ دے اور کہے میری نیت طلاق کی نہیں تو اس شخص کی اس بات کی قضاء تصدیق نہ کی جائے اور وہ آٹھ الفاظ یہ ہیں: مرد کا اپنی بیوی کو مذکراۂ طلاق میں کہے: انت خلیہ، بریۃ، بتۃ، بائن، حرام ، اعتدی، امرک بیدک، اختاری اور تیسری حالت غضب ہے۔ تو حالت غضب میں ان آٹھ الفاظ میں سے صرف تین الفاظ کے ساتھ طلاق واقع ہوگی اور یہ تین الفاظ یہ ہیں: اعتدی، امرک بیدک، اختاری۔

اور جب کسی نے حالت غضب میں ان تین الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ بولا اور کہا میری نیت طلاق کی نہیں تو قضاء اس شخص کے قول کو نہ مانا جائے کیونکہ اس کی نیت کے بغیر ہی ان تین الفاظ سے طلاق واقع ہو جائیگی۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک آٹھ الفاظ میں سے بقایا پانچ الفاظ اگر کوئی شخص ان پانچ الفاظ میں سے کوئی لفظ بولتا ہے اور کہتا ہے کہ میری میت طلاق کی نہیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور قضاء مرد کے قول کے تصدیق کی جائیگی۔ اس لئے کہ یہ جملہ الفاظ سب و شتم کی صلاحیت رکھتے ہیں چنانچہ ان الفاظ کو غضب و خصومت میں سب و شتم پر محمول سمجھا جائیگا"۔

جناب محترم قبلہ مفتی صاحب! صاحب فتاویٰ قاضی خاں فقہائے کرام کے تیسرے

طبقہ سے اور اہل تصحیح وترجیح میں سے ہیں وہ فرمارہے ہیں کہ کنایات کے جملہ الفاظ میں سے صرف تین الفاظ ایسے ہیں کہ اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ان میں سے کوئی لفظ بولے گا تو مرد کی نیت مردود ہوگی اور طلاق بائنہ واقع ہوجائیگی۔

کیا لفظ ''فرغت'' میں نے تجھے فارغ کیا، ان تین الفاظ میں سے ہے؟ جن کو صاحب فتاویٰ قاضی خاں نے نقل فرمایا۔ امید واثق ہے کہ آپ شریعت مطہرہ کا خون نہیں بہائیں گے بلکہ اس کی محافظت فرمائیں گے۔

شیخ الاسلام برہان الدین علی ابن ابوبکر مرغینانی حنفی متوفی 593ھ آپ کا طبقات فقہاء میں سے پانچواں طبقہ ہے اور وہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں۔[1]

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ شیخ اکمل الدین نے فرمایا: روایت کیا گیا ہے کہ صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب کو تیرہ سال میں مکمل کیا اور اتنی مدت آپ روزہ سے رہے اور کبھی روزہ افطار نہیں کیا اور آپ کوشش فرماتے تھے کہ ان کے روزہ کا کسی پر اظہار نہ ہو تو صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں: آپ کے زہد وتقویٰ کی وجہ سے آپ کی کتاب علمائے کرام میں مقبول ہوئی یہ کتاب وہ ہے جس کی شان میں کہا گیا ہے:

إن الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها فی الشرع من کتب فاحفظ قواعدها واسلك مسالكها۔ يسلم مقالك من زيغ ومن كذب۔

''ہدایہ قرآن کی مثل ہے۔ جس نے شرع میں ہدایہ سے پہلے جتنی کتابیں تصنیف ہوئی سب کو منسوخ کردیا۔ چنانچہ ہدایہ کے قواعد کو یاد کر اور اس کی راہ پر چل، تیری بات ٹیڑھ پن اور جھوٹ سے سلامت رہے گی''۔

وہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

إن الأحوال ثلاثة۔ حالة مطلقة وهی حالة الرضا وحالة مذاكرة الطلاق وحالة الغضب، والكنايات ثلاثة أقسام ما يصلح جوابا ورد اوما يصلح جوابا لا ردا وما يصلح جوابا وسبا وشتيمة ففی حالة الرضا لا يكون شیئ منها طلاقا إلا بالنية فالقول

---

[1] مقدمہ جامع الرموز ص 15 مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران۔

قوله في إنكار النية وفي حالة مذاكرة الطلاق لايصدق فيما يصلح جوابا ولا يصلح رداً في القضاء ـ مثل قوله خلية ، بريئة ، بتة ، حرام اعتدي ،أمرك بيدك ، اختاري ، لأن الظاهر أن مراده إطلاق عند سوال الطلاق ويصدق فيما يصلح جوابا ورداء مثل قوله اذهبي اخرجي قومي تقنعي ، تخمري و مايجري هذا المجرى لأنه يحتمل الرد وهو الأولى فحمل عليه وفي حالة الغضب يصدق في جميع ذلك لاحتمال الرد والسب إلا فيما يصلح للطلاق ولا يصلح للرد والشتم كقوله اعتدي، اختاري، وأمرك بيدك، فإنه لا يصدق فيها لأن الغضب يدل إرادة الطلاق.[1]

''احوال تین ہیں ایک حالت مطلقہ اور یہ حالت رضا ہے اور دوسری حالت مذاکرۂ طلاق اور تیسری حالت غضب۔ چنانچہ رضا میں الفاظ کنایات میں سے کسی لفظ کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔ مگر نیت کیساتھ اور انکار نیت میں قول مرد کا ہی شمار ہوگا۔ دوم حالت مذاکرۂ طلاق ان الفاظ میں مرد کے قول کی تصدیق نہ کی جائیگی جو الفاظ جواب کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور قضا میں رد کی صلاحیت نہیں رکھتے مثلاً مرد کا قول انت خلیۃ ، بریۃ ، بائن ، بتۃ ،حرام ،اعتدی ،امرک بیدک ،اختاری ،اس لئے کہ ظاہر ہے طلاق کے سوال کے وقت مرد کی مراد طلاق ہی ہے۔ اور مرد کے قول کی ان الفاظ میں تصدیق کی جائے جو جواب اور رد کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً مرد کا قول اذھبی ،اخرجی ،قومی ۔ تقنعی ،تخمری اور وہ الفاظ جو ان کے قائم مقام ہیں۔ اور حالت غضب میں کنایہ کے جمیع الفاظ میں مرد کے قول و نیت کی تصدیق کی جائیگی مگر ان الفاظ میں جو طلاق کی صلاحیت رکھتے ہیں اور رد اور سب و شتم کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مثلاً مرد کا یہ کہنا: اعتدی ،اختاری وامرک بیدک چنانچہ ان الفاظ میں مرد کے قول و نیت کی تصدیق نہیں کیا جائے گی۔ اس لئے کہ غضب ارادہ طلاق پر دلالت کرتا ہے''۔

صاحب ہدایہ کی عبارت کو سمجھنے کیلئے گزشتہ صفحات میں جو شکل وصورت صاحب ردالمحتار نے نقل کی اس کو دیکھیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ کے نزدیک بھی جملہ الفاظ کنایہ میں مرد کی

---

[1] ۔ ہدایہ کتاب الطلاق واما ضرب الثانی ھو الکنایات جلد سوم مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ از شرح فتح القدیر ص 401-400

نیت وقول کی تصدیق ضروری ہے۔ لیکن صرف ان تین الفاظ اعتدی، اختاری، وامرک بیدک میں مرد کی نیت اور قول کی تصدیق ضروری نہیں کیونکہ یہ الفاظ حالت غضب میں ارادہ طلاق پر دلالت کرتے ہیں۔

جناب محترم القام مفتی صاحب، صاحب ہدایہ نے بھی جن الفاظ کنایہ سے بلانیت مرد طلاق واقع ہوجاتی ہے، وہ تین ہی نقل فرمائے ہیں اور آپ کا محبوب ومختار لفظ ''فرغت'' میں نے تجھے فارغ کیا، صاحب ہدایہ نے بھی نقل نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا جملہ الفاظ کنایہ سے صرف تین الفاظ کو استثنٰی حاصل ہے کہ اگر مرد یہ لفظ بولے اور کہے میری نیت طلاق کی نہیں اس کی تصدیق نہ کی جائے۔ اس لفظ میں میں نے تجھے فارغ کیا، نہیں ہے۔ اور آپ درحقیقت صاحب ردالمحتار کے قول کو سمجھ ہی نہیں سکے اور بلاسوچے سمجھے فتوٰی لکھ دیا، اللہ معاف فرمائے۔

شارح ہدایہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی 786ھ فرماتے ہیں:

وفی حالة الغضب یصدق فی جمیع ذلك یعنی أقسام الکنایات لاحتمال الرد أو السب إلا فیما یصلح للطلاق ولا یصلح رد الشتم وھو ثلاثة ألفاظ اعتدی واختاری و أمرك بیدك فإنه لایصدق فیھا لأن الغضب یدل علی إرادة الطلاق .[1]

''صاحب عنایہ فرماتے ہیں: حالت غضب میں کنایات کی جملہ اقسام میں مرد کے قول ونیت کی تصدیق کی جائیگی اس لئے کہ ان میں ردیا سب وشتم کا احتمال ہے۔ ہاں! کنایات کی جملہ اقسام میں سے جو الفاظ طلاق کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ردو شتم کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ تین الفاظ ہیں: اعتدی، اختاری وامرک بیدک۔ ان الفاظ میں مرد کے قول ونیت کی تصدیق نہیں کی جائیگی کیونکہ غضب طلاق کے ارادہ پر دلالت کررہا ہے''۔

معلوم ہوا کنایات کی جملہ اقسام والفاظ سے تین الفاظ کو استثنٰی حاصل ہے کہ اگر مرد غضب کی حالت میں یہ الفاظ بولے تو مرد کی نیت وقول کی تصدیق نہ کی جائے اور ان تین الفاظ کے علاوہ جملہ اقسام والفاظ کنایہ میں بحالت غضب کوئی لفظ عورت کو کہے تو مرد کی نیت کی تصدیق ضروری ہے۔ اگر مرد کہے میری مراد طلاق ہے تو عورت کو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر مرد یہ

---

[1] ۔عنایہ علی حاشیہ فتح القدیر جلد سوم ص 401 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کہے کہ میری نیت طلاق کی نہیں تو عورت کو طلاق واقع نہیں ہوگی اور یہ لفظ کہ مرد عورت کو کہے جا میں نے تجھے فارغ کیا، مرد کی نیت پر محمول ہوگا اگر مرد کی نیت طلاق کی ہو تو عورت کو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی ورنہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔

الشیخ نظام و جماعۃ من علماء ہند کے فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وفی حالة الغضب یصدق فی جمیع ذلك لاحتمال الرد والسب إلا فیما یصلح الطلاق ولا یصلح الرد والشتم كقوله اعتدی، اختاری، أومرك بيدك فإنه لا يصدق فيها كذا فی الهداية۔[1]

''اور حالت غضب کی کنایات کی جمیع اقسام میں مرد کے قول و نیت کی تصدیق کی جائے گی۔ بوجہ احتمال رد کے اور سب و شتم کے۔ ہاں وہ اقسام کنایہ جو طلاق کی صلاحیت رکھتے ہیں، مثل مرد کا اپنی بیوی کو کہنا: اعتدی، اختاری امرك بيدك۔ چونکہ یہ تینوں الفاظ طلاق کی صلاحیت رکھتے ہیں رد و شتم کی صلاحیت نہیں تو ان تینوں الفاظ میں مرد کی قول و نیت کی تصدیق نہیں کی جائیگی جیسا کہ ہدایہ میں ہے''۔

چنانچہ فتاویٰ ہندیہ کی نص سے بھی یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی کہ وہ الفاظ کنایہ جس میں مرد کی نیت کا کوئی اشتباہ نہیں وہ صرف تین ہی ہیں۔ لہٰذا اس لفظ سے کہ میں نے تجھے فارغ کیا، مرد کی نیت پر موقوف ہوگا۔ اگر اس کی نیت طلاق کی ہوگی تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اس کی نیت طلاق کی نہ ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

چنانچہ قبلہ مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا اپنے فتویٰ میں یہ تحریر کرنا کہ مرد کے اس لفظ کے بولنے سے عورت کو طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے اگرچہ مرد کی نیت طلاق کی نہ ہو۔ یہ شریعت مطہرہ کے ساتھ سراپا زیادتی ہے۔ کیونکہ جملہ اجلہ فقہاء کرام نے الفاظ کنایہ میں سے ان تین الفاظ کی استثناء فرمادی جن کے بولنے سے اگرچہ مرد کی نیت طلاق نہ بھی ہو عورت کو طلاق بائنہ واقع ہو جائیگی۔ تو کسی مفتی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے الفاظ کنایات اور اقسام کنایات میں سے جس لفظ کو چاہے اپنی مرضی سے یہ قرار دے دے کہ اس لفظ سے عورت کو ایک

---

[1] فتاویٰ ہندیہ جلد اول کتاب الطلاق فصل خامس فی الکنایات ص 134

طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے اگرچہ مرد نے طلاق کی نیت نہ بھی کی ہو۔

مزید برآں کہ قبلہ محترم المقام مفتی صاحب زیدہ شرفہٗ نے اپنے فتویٰ میں فرمایا: چونکہ عورت کو طلاق بائنہ واقع ہوچکی ہے لہٰذا عدت کے بعد تجدید نکاح ہوگا۔ قبلہ مفتی صاحب کی ضیافت طبع کیلئے عرض ہے: کہ آپ نے ہدایہ شریف توضرور پڑھی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے آپ مطالعہ نہ فرماتے ہوں۔ ویسے ہمارے مفتیان کرام کو مطالعہ کی عادت نہیں وہ صرف اپنے قد کاٹھ کو دیکھتے ہوئے بلاتحقیق ارشاد فرمادیتے ہیں۔ آیئے! ہدایہ شریف کی ایک نقل ملاحظہ فرمائیں:

وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها لأن حل المحلية باق لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله۔ ومنع الغير في العدة لاشتباه النسب ولا اشتباه لإطلاقه۔[1]

”جب طلاقیں تین سے کم ہوں اور وہ طلاق طلاق بائنہ ہوتو مرد کو اختیار ہے کہ وہ دوران عدت یا عدت گزرنے کے بعد عورت کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ اس لئے کہ محلیت (عورت) کا حلال ہونا ابھی مرد کیلئے باقی ہے۔ اور حلت کے زائل ہونے کا دارومدار تیسری طلاق پر ہے۔ چنانچہ تیسری طلاق سے قبل حلیت زائل نہیں ہوگی۔ دوسرے شخص کو عورت کی عدت کے دوران نکاح کرنے سے اس لئے منع کیا گیا ہے تاکہ نسب میں کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہوسکے۔ البتہ پہلے شوہر سے عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنے میں اس قسم کے اشتباہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں“۔

علامہ اکمل الدین بابرتی رحمہ اللہ فتح القدیر کے حاشیہ پر فرماتے ہیں:

وإذا كان حل المحل باقيا جاز نكاحها في العدة بعد انقضائها فإن قيل هذا تعليل في مقابلة النص قال الله تعالى ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله نهى على العزم على نكاح المعتدة مطلقا والتعليل في مقابلته باطل۔

أجاب بقوله ومنع الغير العدة لاشتباه الشب و معناه أن المراد بالآية منع الغير عن العزم على نكاح المعتدة لأن المانع اشتباه النسب ولا اشتباه في إطلاقه۔[2]

---

[1]۔ ہدایہ مع فتح القدیر کتاب الطلاق فصل فیما تحل بہ المطلقۃ جلد چہارم ص 30 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

[2]۔ عنایہ شرح ہدایہ علی حاشیہ فتح القدیر جلد 4 ص 30

"علامہ بر باتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب محل (عورت) حلت باقی ہے تو اس کے مرد کے اس عورت سے عدت میں یا عدت گزرنے کے بعد نکاح جائز ہے۔ علامہ بابرتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تعلیل (جواز نکاح) نص کے مقابلہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔ (یعنی عدت گزر چکے) سورۂ بقرۂ آیت 235 اور معتدہ کے نکاح پر مطلقاً ارادہ کرنے سے بھی منع فرمایا: اور تعلیل نص کے مقابلہ میں باطل ہوگی۔ علامہ بابرتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صاحب ہدایہ نے اپنے ہی قول کے ساتھ جواب ارشاد فرمایا کہ عدت میں کس غیر مرد کو عورت سے نکاح کرنا صرف نسب کے اشتباہ کی وجہ سے منع ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آیت مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ معتدہ کے نکاح پر غیر کو ارادہ سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ (معتدہ کے ساتھ نکاح کا ارادہ) اشتباہ نسب کے مانع ہے اور اس کے اطلاق میں کوئی اشتباہ نہیں (یعنی پہلے شوہر سے عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنے میں اشتباہ نسب کی کوئی گنجائش نہیں)۔

چنانچہ صاحب ہدایہ اور ہدایہ کی شرح عنایہ میں منقول ہے کہ بائنہ مطلقہ کے ساتھ طلاق دینے والا عدت میں بھی نکاح کر سکتا ہے اور عدت کے گزرنے کے بعد بھی نکاح کر سکتا ہے۔ چنانچہ مفتی صاحب موصوف کا اپنے فتویٰ میں نکاح کو عدت کے گزرنے کے بعد مقید کرنا جائز ہے۔

قارئین گرامی! اس بندہ ناچیز وحقیر نے یہ مسئلہ کسی پر تنقید کیلئے نہیں لکھا بلکہ صرف تصحیح و تحقیق کیلئے تحریر کیا ہے اور قبلہ حضرت مفتی عبد السلام ہاشمی دامت برکاتہم العالیہ سے خطاب صرف تحقیق کیلئے ہے، تنقیداً نہیں۔ کیونکہ مفتی صاحب نے ایک بڑے پن کا مظاہرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنے فتویٰ کے متعلق فرمایا یہاں مجھ سے غلطی واقع ہوئی ہے۔ آپ کے اس بڑے پن کو جتنا بھی خراج تحسین اور ہدیہ تبرک پیش کیا جائے، وہ کم ہے۔ مزید برآں قبلہ مفتی صاحب کا یہ کارنامہ بھی قابل صد مبارکباد ہے کہ آپ نے ایک ہنستا بستا گھرانا جو اجڑ رہا تھا، برباد ہو رہا تھا، جدائی کی فصیل نہایت گہری ہو رہی تھی، آپ نے ان دونوں (میاں اور بیوی) کو اپنے دار الافتاء

میں بلا کران دونوں کے درمیان صلح کرائی۔ گویا کہ ایک اجڑتے ہوئے خاندان کو تباہی سے بچایا اور بفرمان خداوندی ان کے درمیان اصلاح فرما کر اللہ عزوجل کے ہاں نہایت ہی اجر عظیم کے مستحق قرار پائے۔ اللہ عزوجل قبلہ مفتی صاحب کے علم، عمل اور عمر میں برکت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

حضرات مفتیان کرام کے مناصب جلیلہ اور مستفتیان گرامی کے حقوق عظیمہ کے بارے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون[1]

''تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں''۔

اس آیت مبارکہ میں حضرات اہل علم مفتیان گرامی ذی وقار کا منصب جلیلہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لاعلم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں اور مستفتیان گرامی یعنی سائلین کے حقوق عظیمہ کو اس طرح بیان فرمایا گیا کہ اگر تمہیں کسی مسئلہ کا علم نہیں تو تم حضرات مفتیان کرام سے رجوع کرو۔ چنانچہ حضرت مفتیان گرامی کا منصب جلیلہ یہی ہے کہ وہ سائلین کی اچھی طرح رہنمائی فرمائیں اور جب تک سائلین مطمئن نہیں ہو جاتے حضرات مفتیان عظام اپنے جواب باصواب سے سائلین کو مطمئن کریں اور جتنی بار سائلین سوال کرتے رہیں حضرات مفتیان کرام خوش اخلاقی و خندہ پیشانی سے سائل کو مطمئن فرمائیں نہ کہ اگر سائل بطور فہم دوبارہ سوال کرے تو حضرات مفتیان کرام گرامی القدر سائل کی سرزنش شروع کر دیں۔ یہ عمل حضرات مفتیان گرامی القدر کے منصب کے خلاف ہے۔

آیئے! حضرات مفسرین کرام اس آیت کریمہ کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں، وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بالخازن فرماتے ہیں:

وقيل الذكر بمعنى العلم في قوله تعالىٰ فاسئلوا اهل الذكر يعنى اهل العلم.[2]

---

[1] سورہ نحل آیت 43

[2] تفسیر خازن جلد سوم 124 مطبوعہ مکتبہ خازن کوئٹہ

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قول ''فاسئلوا أھل الذکر'' میں ذکر بمعنی علم ہے، یعنی (جنہیں علم نہیں) وہ اہل علم سے سوال کریں''۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

والرابع قال الزجاج معناہ سلوا کل من یذکر بعلم وتحقیق.[1]

اور چوتھا مسئلہ: زجاج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو علم اور تحقیق کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے اس سے سوال کرو۔ یعنی کہا جاتا ہے کہ فلاں مفتی صاحب بہت علم والے ہیں، فلاں علم میں ماہر اور فلاں کی تحقیق بہت اچھی ہے وغیرہ وغیرہ''۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر کبیر جزء 22 سورۂ انبیاء آیت 7 کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

فأما تعلق کثیر من الفقھاء بھذا الآیۃ فی أن العامی أن یرجع إلی فتیا العلماء۔[2]

''فقہاء میں سے اکثر اس آیت مقدسہ کے ساتھ اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ عامی کو چاہیے کہ وہ حضرات علمائے کرام کے فتاویٰ کی طرف رجوع کرے، یعنی عوام الناس کو دینی مسائل میں مفتیان کرام سے فتاویٰ حاصل کرنا چاہیے''۔

قاضی محمد ثناء اللہ عثمان پانی پتی متوفی 1125ھ اپنی کتاب تفسیر مظہری میں اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

وفی الآیہ دلیل علی وجوب المراجعۃ إلی العلماء للجھال فیما لایعلمون وأن الاخبار مفیدۃ للعلم إن کان المخبر ثقۃ یعتمد علیہ.[3]

اس آیہ کریمہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ جاہلوں کیلئے جو مسائل نہیں جانتے ان میں علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور بلاشبہ اخبار علم کیلئے مفیدہ ہیں اگر خبر دینے والا ثقہ اور قابل اعتماد ہو''۔

---

[1] تفسیر کبیر جز 20 ص 36 دار الکتب العلمیہ طہران

[2] تفسیر کبیر جز 22 ص 144

[3] تفسیر مظہری جلد 5 ص 342 مکتبہ رشیدیہ

علامہ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ متوفی 1270ھ اپنی کتاب تفسیر روح المعانی میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

واستدل بها أيضا على وجوب المراجعة للعلماء فيما لا يعلم.[1]

''علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرات علمائے کرام نے اس آیہ کریمہ کے ساتھ اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جن مسائل کو کوئی نہیں جانتا ان مسائل میں علماء کے حضور رجوع کرنا واجب ہے''۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی کتاب ''احکام القرآن'' المعروف بہ تفسیر قرطبی میں ارشاد فرماتے ہیں:

مسئلہ لم يختلف العلماء أن العامة عليها تقليد علمائهم وأنهم المراد بقول الله عزوجل (فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون) وكذلك لم يختلف العلماء أن العامة لا يجوز لها الفتيا لجهلها بالمعاني التي يجوز التحليل والتحريم۔[2]

''عام لوگوں پر علماء کی تقلید میں علماء کا اختلاف نہیں۔ ان کے نزدیک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے قول (فاسئلوا اهل الذكر) سے یہی مراد ہے۔ اوراسی طرح حضرت علمائے کرام کا اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ عام لوگوں کو فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ عوام الناس ان معانی سے ناواقف ہیں جن سے تحلیل وتحریم جائز ہوسکتی ہے''۔

چنانچہ سورۂ نحل کی آیت 43 اور سورۂ انبیاء کی آیت 7 کے تحت حضرات مفسرین نے جو ارقام فرمایا اس سے ثابت ہوا مستفتیان یعنی سائلین کے حقوق ہیں کہ جن مسائل کو وہ نہیں جانتے ان سائل کے متعلق حضرت مفتیان کرام ذی وقار کے ہاں رجوع کریں۔ اور حضرات محترم المقام مفتیان عظام کا منصب یہ ہے کہ وہ مسائل کا سوال دلجمعی اور نہایت غور سے فرمائیں اور نہایت ہی بااخلاق طریقہ سے مسائل کے سوال کا جواب دیں۔ اگرچہ سائل تفہیم کیلئے باربار سوال کرے۔ حضرات مفتیان گرامی القدر کا منصب یہ ہے کہ نہایت تحمل مزاجی اور بردباری

---

[1] تفسیر روح المعانی جز 15 ص 148 مکتبہ رشیدہ لاہور پاکستان

[2] تفسیر قرطبی مجلد 6 جز 11 ص 181 سورۂ انبیاء آیت 7

سے سائل کے سوال کو سنیں۔ جب تک سائل مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے اور جواب سے مطمئن نہ ہو سکے حضرات مفتیان گرامی ان کو نہایت بردباری سے سمجھاتے رہیں کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فرمان (فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون) کا یہی مفہوم ومراد ہے۔

مفتی کا اجمالی تعارف:

لفظ مفتی باب افعال سے اسم فاعل ہے، یعنی فتویٰ دینے والا۔ لفظ فتویٰ کا معنی شرعی مسائل میں ماہر شریعت کا فیصلہ اور اس لفظ کو تین طرح سے پڑھا جاتا ہے: فتوی، فتوی اور فتیا او رلفظ فتوی کا اشتقاق فتی ہے۔

صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الفتوی مشتقة من الفتی وھوالشاب القوی وسمیت به لأن المفتی یقوی السائل بجواب حادثته.[1]

''فتوی'' ''فتی'' سے مشتق ہے اور ''فتی'' نہایت قوی نوجوان کو کہتے ہیں اور ''فتی'' کے ساتھ فتویٰ کا نام اسلئے رکھا گیا ہے کہ مفتی سائل کو اس کے نئے مسئلہ کے جواب کے ساتھ تقویت دیتا ہے''۔

لہٰذا مفتی کا معنی یہ ہوا سائل کو جواب کے ساتھ تقویت دینے والا اور مفتی کا اصل معنی یہ ہے کہ وہ علم فقہ میں ماہر ہو جو مسائل کا جواب دے شریعت میں اس کو مفتی کہتے ہیں۔

اور لفظ ''مستفتی'' یہ باب استفعال سے اسم فاعل ہے، یعنی کسی مسئلہ میں عالم دین سے فتویٰ طلب کرنا۔

چنانچہ علم فقہ اور فتویٰ تمام علوم میں سے اشرف، اعلیٰ، اوفق اور اوفی ہے اور اسی علم فقہ کی وجہ سے دنیا و آخرت کی صلاح ہے۔ تو مفتی وہ ہوگا جو علم فقہ اور فتویٰ میں ماہر ہو اور اگر مفتی صاحب میں یہ صلاحیت نہیں ہوگی وہ سائل کی دنیاوی اور اخروی اصلاح نہیں کرے گا۔

علامہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ بستان العارفین میں ارقام فرماتے ہیں:

---

[1] ۔ ردالمحتار جلد اول ص 54 مکتبہ رشیدہ کوئٹہ، علامہ ابن منظور متوفی 711ھ کی لسان العرب جلد 10 ص 183 مطبوعہ دار احیاء التراث عربی بیروت

الباب الرابع فیمن یجوز له الفتویٰ

قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله لا ینبغی لأحد أن یفتی إلا ان یعرف أقاویل العلماء یعنی اباحنیفة و صاحبیه و یعلم من أین قالوا۔[1]

چوتھا باب ان کے بیان میں جن کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے، فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی کو فتویٰ دینا لائق و مناسب نہیں مگر یہ کہ وہ مفتی علماء کے اقوال کو پہچانتا ہو۔ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اور مفتی کو یہ بھی معلوم ہو کہ آئمہ کرام نے یہ قول کہاں سے لیا ہے''۔

اگر مفتی میں یہ صفات نہ ہوں تو وہ فتویٰ دینے کے قابل نہیں ہے۔ اور حضرت علامہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی کے خصائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر لوگ اپنی قضائے حاجت کیلئے مفتی کے پاس آئیں۔ اگر کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ان لوگوں کی حاجت کو پورا کر کے واپس کرے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ نرمی اور حلم سے پیش آئے۔ اور مفتی کو چاہیے کہ وہ عجز و انکساری کرنے والا، نرمی کرنے والا ہو، متکبر و سرکش نہ ہو اور نہ ہی تند مزاج اور سخت گیر ہو اس لئے اللہ عزوجل نے فرمایا:

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب! تم ان کیلئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ''۔ الخ[2]

علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح البخاری کتاب العلم حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تحت فرماتے ہیں:

حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اسی اثنا میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تھے اور لوگوں سے حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: قیامت کب ہوگی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث میں مشغول رہے۔ بعض لوگوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی بات سن لی لیکن اس کو ناپسند فرمایا ہے۔ بعض نے کہا نبی

---

[1] ۔ بستان العارفین برحاشیہ تنبیہ الغافلین ص 9 مطبوعہ داراحیاء مکتبہ العربیہ

[2] ۔ سورۂ آل عمران آیت نمبر 159

اکرم ﷺ نے اعرابی کی بات سنی ہی نہیں۔ جب آپ ﷺ حدیث سے فارغ ہوئے تو فرمایا: سائل کہاں ہے؟ جو قیامت کے متعلق سوال کر رہا تھا۔ اعرابی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: جب امانتوں کو ضائع کر دیا جائیگا تو قیامت کی انتظار کرنا۔ اعرابی نے عرض کیا: امانت کا ضائع ہونا کیسے ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب معاملہ اس کے سپرد کیا جائیگا جو اس امر کا اہل نہ ہوگا تو قیامت کا انتظار کرنا۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

الثالث فیه الرفق بالمتعلم وان جفا فی سؤاله أو جهل لأنه علیه السلام لم یوبخه علی سؤال قبل اکمال حدیثه

''اس حدیث میں تیسرا حکم یہ ہے کہ متعلم کے ساتھ نرمی کرنا اگرچہ متعلم سوال میں سختی کرے یا جہل اختیار کرے اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی بات پوری ہونے سے قبل اعرابی کے سوال پر اس کو زجر و توبیخ نہیں فرمائی''۔

لہٰذا مفتی کو بھی چاہیے کہ وہ سائل کے ساتھ نرمی اختیار کرے اگرچہ سائل سے سوال میں غلطی بھی ہو جائے۔

والرابع- فی مراجعة العالم عند عدم فهم السائل لقوله کیف إضاعتها

''اس حدیث مبارک میں چوتھا حکم یہ ہے کہ جب سائل کو سمجھ نہ آئے تو عالم کی طرف رجوع فرمائے بوجہ اعرابی کے قول کے۔ امانت کو ضائع کر دیا جائیگا تو قیامت کا انتظار کرنا۔ جب اعرابی امانت کے ضیاع کو نہ سمجھ سکا تو اس نے دوبارہ عرض کیا کہ امانت کا ضیاع کیسے ہوگا؟ چنانچہ اگر کوئی شخص مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھتا ہے اور سائل کو اس کی صحیح سمجھ نہیں آتی تو سائل کو دوبارہ مفتی صاحب سے مسئلہ دریافت کرنا چاہیے اور مفتی صاحب کو بردباری سے اس کا جواب دینا چاہیے نہ کہ سائل کے دوبارہ پوچھنے کی وجہ سے مفتی صاحب خفا ہو جائیں''۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب العلم رقم الحدیث 59 اس حدیث کا ترجمہ گزر چکا ہے، میں بھی حافظ عسقلانی نے علامہ بدرالدین عینی کا

---

[1] عمدۃ القاری جلد دوم کتاب العلم ص 7 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

چوتھا حکم نقل فرمایا ہے۔[1]

چنانچہ حضرت علامہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی اور حضرت علامہ بدر الدین عینی اور حافظ عسقلانی رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے مفتی کے آداب و اخلاق کو نہایت احسن انداز میں پیش فرمایا۔ لہٰذا مفتی صاحب میں یہ جملہ اوصاف ہونے چاہیے ورنہ وہ فتویٰ دینے کا حق نہیں رکھتا اور صاحب درمختار نے فتویٰ دینے کیلئے کچھ علامات نقل فرمائی ہیں:

أما العلامات للإفتاء فقوله وعليه الفتوى وبه يفتى وبه نأخذ و عليه الاعتماد الخ۔[2]

بہر حال فتوی دینے کیلئے وہ علامات جن پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، چنانچہ فقیہ کا قول علیہ الفتویٰ اور بہ یفتی اور بہ ناخذ اور علیہ الاعتماد اور علیہ عمل الیوم اور علیہ عمل الآئمہ اور ھوالصحیح اور ھوالاصح یا الاظہر یا الاشبہ یا الاوجہ یا المختار یا اس کے مثل دوسرے الفاظ جیسا کہ بزدوی کے حاشیہ پر مذکور ہے۔

چنانچہ مفتی کو فتوی دیتے وقت ان علامت کو ملحوظ خاطر رکھنا پڑے گا اور یہ بھی مفتی کیلئے جاننا ضروری ہے کہ ان الفاظ میں سے ازروئے فتویٰ کے کونسا لفظ مؤکد ہے۔ جیسا کہ علامہ خیرا لدین رملی رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں ارقام فرمایا۔

بعض الفاظ بعض سے مؤکد ہیں چنانچہ لفظ فتویٰ لفظ صحیح اصح اشبہ وغیرہ سے مؤکد ہے اور لفظ بہ یفتی لفظ الفتوی علیہ سے موکد ہے اور الاصح صحیح سے موکد ہے اور لفظ احوط احتیاط سے موکد ہے۔

چنانچہ حضرات مفتیان کرام کو فتویٰ دینے کیلئے ان علامات کا مع ایک دوسرے سے موکد ہونے کا علم ہونا بہت ضروری ہے تاکہ مفتی لفظ موکد پر فتویٰ دے سکیں۔

برادران اسلام: اس ناچیز نے مفتی کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے ورنہ یہ موضوع نہایت مفصل ہے جو کہ مستقل ایک کتاب کا متقاضی ہے۔ چنانچہ حضرات مفتیان گرامی القدر کو اپنے مناسب جلیلہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دینی خدمات انجام دینی چاہیے اور سائلین سے اچھا سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیے چونکہ اس ناچیز کا ایک حلقہ احباب ہے اور تقریباً چاروں صوبوں سے اس

---

[1] ۔ فتح الباری جلد اول کتاب العلم رقم الحدیث 59 ص 142

[2] ۔ درمختار بر حاشیہ ردالمحتار جلد اول ص 54

ناچیز کو لوگ یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور عوام الناس کی زبان سے جو حالات مفتیان کرام کے سننے کو ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ مفتیان کرام کے گرتے ہوئے اخلاق کی وجہ سے ان سے متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اگر مفتیان کرام کا یہی طور طریقہ رہا تو لوگوں کی نظروں میں حضرات مفتیان کرام کی عزت وتکریم ختم ہو جائیگی۔ مندرجہ ذیل سطور میں یہ عاجز جو وجوہات عوام الناس کی مفتیان گرامی سے بیزاری کے اظہار کے متعلق لکھ رہا ہے وہ تمام کی تمام وہ وجوہات ہیں جو لوگوں نے مفتیان گرامی کے نام لے کر بتائیں۔ چونکہ حضرات مفتیان گرامی القدر کا کیا مقام ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ناچیز کسی کا نام تو نقل نہیں کرے گا ہاں جو چیزیں لوگوں نے واللہ باللہ تاللہ قسمیں کھا کر بیان کیں اور حضرات مفتیان کرام نے ان سے جو حسن سلوک فرمایا اس کی داستان ضرور صفحہ قرطاس پر ثبت کروں گا تاکہ حضرات مفتیان کرام اس سے سبق سیکھیں۔ اور جو اوصاف اور اخلاق ایک مفتی کیلئے علمائے شریعت نے وضع فرمائے یا احادیث رسول اللہ ﷺ سے استنباط فرمائے مفتی صاحب ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے منصب جلیلہ کی حفاظت فرمائیں۔

اب وہ وجوہات ملاحظہ فرمائیں جن کی وجہ سے لوگ حضرات مفتیان کرام سے دوری اختیار کرتے جا رہے ہیں یہ وجوہات یہ ناچیز نقل کر رہا ہے یہ سب ان کی زبانی ہیں اور ان میں سے کچھ میرا اپنا تجربہ بھی ہے۔ وہ وجوہات یہ ہیں:

۱ سائلین کا فون ہی نہ اٹھانا۔ یہ میرا بھی تجربہ ہے کہ میں نے اکثر مفتیان گرامی القدر کو مسائل کی تحقیق کیلئے فون کئے لیکن انہوں نے فون نہیں اٹھائے۔

۲ جب سائل کا فون اٹھالیا تو جواب یہ ملا کہ یہ مسئلہ پوچھنے کا کونسا وقت ہے دوبارہ فون کرنا۔

۳ سائل کا پورا سوال نہ سننا اور اگر سائل قبلہ مفتی صاحب کے حضور دست بستہ عرض کرے کہ للہ میرا سوال تو سماعت فرمائیں تو مفتی صاحب کا ناراضگی کا اظہار کرنا۔

۴ پھر جب سائل کا پورا سوال ہی نہیں سنا تو سائل کے سوال کا جواب غلط دینا اور بلا تحقیق اپنے منصب جلیلہ کے بل بوتے پر سائل کو ٹرخا دینا اور بلا تحقیق جواب ناصواب سے مشرف فرمانا، یہ میرا بھی تجربہ ہے۔

۵ اگر خدانخواستہ سائل کہتا ہے مفتی صاحب! خدارا میرا پورا سوال تو سن لیجئے۔ تو پھر کیا ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کے غیض وغضب کی گرمی کا پارہ تقریباً پچاس ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔

۶ بعض اوقات مفتی صاحب کا سائل کو جھڑکی پلا دینا اور تند و تلخ لہجہ اختیار کرنا، یہ میرا بھی تجربہ ہے۔

۷ اور کبھی کبھی سائل کو یہ جواب ملتا ہے ابھی میرے پاس فرصت نہیں پھر دوبارہ رابطہ کرنا، جب دوبارہ رابطہ کیا تو فون بند.

۸ اور کبھی کبھی سائل کے سوال کے دوران ناسازیٔ طبیعت کا بہانہ بنا کر فون بند کر دینا دوبارہ رابطہ کیا تو مفتی صاحب ناراض۔

۹ جب سائل کہتا ہے مفتی صاحب میرا سوال ذرا غور سے سماعت فرمائیں تو مفتی صاحب کی طرف سے جواب ملتا ہے مجھے اور بھی بڑے کام ہیں، لہٰذا ابھی میں تمہارا سوال نہیں سن سکتا۔

۱۰ جب سائل کہتا ہے مفتی صاحب میں نے کئی بار آپ سے سوال کیا ہے لیکن آپ نے جواب ارشاد نہیں فرمایا۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں: اتنی جلدی ہے تو کسی اور سے مسئلہ پوچھ لیں۔

۱۱ جب سائل کو جواب کی صحیح سمجھ نہ آئے اور سائل عرض کرے مفتی صاحب! ذرا جواب کو دوبارہ دہرا دیجئے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں میرے پاس اتنی فرصت نہیں۔

۱۲ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے سائل مسئلہ پوچھتا ہے لیکن مفتی صاحب فرماتے ہیں ابھی فرصت نہیں۔ ان شاء اللہ تحقیق کر کے بتاؤں گا۔ کچھ عرصہ بعد فون کیا قبلہ مفتی صاحب کیا میرے مسئلہ کی تحقیق فرمائی جواب وہی ابھی فرصت نہیں اس ناچیز نے ایک مفتی صاحب سے ایک مسئلہ کے متعلق تحقیق کا عرض کیا۔ یہ سوال ماہ صفر المظفر میں تھا۔ آج رمضان المبارک کی آمد ہے لیکن تحقیق ابھی تک مرہون فرصت نہ ہے۔ آپ لوگ خود اندازہ فرمائیں کیا مفتیان کرام طلبہ کرام کو خاک پڑھائیں گے۔

۱۳ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے سائل کو مسئلہ کا جواب دیا اور سائل کو پتہ چل گیا کہ مفتی صاحب نے غلط جواب دیا ہے تو سائل اس مسئلہ کی تصحیح کیلئے دوبارہ سوال کرتا ہے تو جواب ملتا ہے ایک ضروری کام ہے پھر فون کرنا۔ اس کے بعد سائل پھر فون کرتا ہے تو مفتی صاحب نو دو گیارہ ہو جاتے ہیں۔

۱۴ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سائل کو مفتی صاحب کے جواب سے اطمینان نہیں ہوتا اور سائل کوئی اعتراض کرتا ہے تو مفتی صاحب کی طرف سے جواب ملتا ہے اگر تم خود ہی عالم دین تھے تو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟

لوگوں کی مفتیان کرام پر عدم اعتماد کی یہ جملہ وجوہات وہ ہیں جو لوگوں نے بیان کیں ورنہ اگر علاوہ ازیں جملہ وجوہات کو شمار کیا جائے تو وہ بے شمار ہیں۔

اور میرے نزدیک مفتیان کرام کا جواب سے فرار اور حیلہ بہانا اور غلط جواب دینا یہ سب عدم کتب بینی کی وجہ سے ہے۔ ہاں لغوی کتب بینی ہوتی رہتی ہے۔ وہ یوں کہ لائبریری میں کتب کو سجا کر رکھا ہوا ہے۔ صبح، دوپہر اور شام ان کی طرف دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقتاً کتب بینی سے راہ فرار اختیار کیا ہوا ہے۔ کبھی کہا کرتے تھے (آجکل نہیں) کتب حضرات علمائے گرامی اور مفتیان نامی کا ہتھیار ہیں۔ اور وہ حضرات علماء و مفتیان گرامی اس ہتھیار سے مسائل کا جہاد کرتے اور حضرات علماء کرام مسائل پر غالب آجاتے اور لوگوں کی صحیح رہنمائی فرماتے ہیں۔ آج معاملہ اس کے برعکس نظر آرہا ہے کہ حضرات علمائے گرامی کے پاس ہتھیار نہ ہونے کی وجہ سے خود سائل ان سے برسرپیکار ہیں اور حضرات علمائے کرام ان سائلین سے مقابلہ میں بے بس ہیں لہٰذا سائلین غالب آگئے اور حضرات علمائے گرامی مغلوب ہو گئے۔ لہٰذا حضرت علمائے گرامی بھاگ رہے ہیں تا کہ سائل ہمارا پیچھا چھوڑ دیں۔ لہٰذا ہمارے مفتیان گرامی اس مقصد میں کامیاب ہو گئے اور سائل ان سے کوسوں دور چلے گئے۔ آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ ایسی صورت حال میں کیا مفتیان گرامی ہمارے مسائل حل کر پائیں گے اور عطاش اور مستفیان کے عطش مسائل بجھا پائیں گے۔ یہ محض ایک سراب ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ میرے ایک دوست عالم باعمل اور ادیب بے مثال جو تقریباً پچاس سے زائد کتب کے مترجم ہیں میری مراد سرمایہ اہلسنت

ادیب بینظیر حضرت قبلہ ظفر اقبال کلیار صاحب فاضل بھیرہ شریف ایک فعہ میرے پاس تشریف لائے اور اپنی خوش طبعی کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ فرمانے لگے: میں ایک نہایت ہی عظیم اور معروف مفتی صاحب کے پاس موجود تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں ان کا نام نہیں لوں گا۔ اور وہ مفتی صاحب طلبہ کو اسباق پڑھا رہے تھے اور جس چیز نے مجھے تعجب میں ڈالا وہ یہ تھی کہ مفتی صاحب کتاب کا ترجمہ بالکل صحیح فرما رہے تھے اور عربی عبارت نہایت ہی غلط پڑھ رہے تھے۔ کلیار صاحب کا سوال سن کر میں نے آپ سے عرض کیا جناب! یہ آپ کی کتب مترجمہ کا کرشمہ ہے۔ فرمانے لگے وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا اس کتاب کا ترجمہ ان کے پاس موجود تھا انہوں نے ترجمہ کا مطالعہ فرمایا اور وہ صحیح بیان کیا آپ نے عربی کتاب کا مطالعہ نہیں فرمایا۔ لہٰذا عربی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ فرمانے لگے اب مجھے سمجھ آگئی ہے۔

چنانچہ اس ناچیز نے جو جواب قبلہ ظفر کلیار صاحب کو دیا یہ میرا اپنا تجربہ تھا۔ یہ ناچیز ایک مفتی صاحب کی خدمت میں اچانک حاضر ہوا۔ آپ شرح جامی پڑھا رہے تھے۔ یہ میرا خیال ہے یا کوئی اور کتاب۔ جب مفتی صاحب نے اس ناچیز کو دیکھا تو آپ نے کتاب کو زیر رحل کر دیا تا کہ اس ناچیز کو علم نہ ہو سکے کہ آپ مترجم کتب سے طلبہ کی تشنگی علم کو بجھا رہے ہیں۔

لہٰذا! حضرات مفتیان گرامی القدر کو اپنے مناسب جلیلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے سائلین علم کی پیاس کو بجھانا چاہیے۔ اور اپنے علم دین کے مستفتیان کو مستفیض و مستفید کرنا چاہیے۔ میری، بارگاہِ ایزدی میں نہایت عجز و انکساری سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرات علماء ربانیین اور مفتیان دین متین کا سایہ ابدہم پر قائم و دائم فرماتے آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین

❀❀❀❀❀

ترجمۃ الباب للبخاری

باب غسل المعتکف

اَلْاِغْتِسَالُ فِی الْاِعْتِکَافِ

اعتکاف کی حالت میں غسل تروتازگی کرنا کیا جائز ہے یا نہیں؟

خادم العلماء محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

مہتمم دار العلوم کنز الایمان حنفیہ سلطانیہ نصیرہ تحصیل کھاریاں، ضلع گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا فتویٰ یہی ہے

محترم قارئین کرام! اس عاجز نے فیس بک پر حضرت العلام حضرت پیر خواجہ مفتی محمد اشرف صاحب آف مراڑیاں شریف زید مجدہ کا اس سوال کے جواب میں کہ کیا معتکف کیلئے غسل تروتازگی کرنا جائز ہے؟ جناب قبلہ مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا: ''ہمارا فتویٰ یہی ہے'' کہ غسل تروتازگی کرنا نبی اکرم ﷺ سے لے کر آج تک ثابت نہیں، ملاحظہ کیا، لیکن قبلہ مفتی صاحب نے بلا سند ونقل یہ فرمایا: ''ہمارا فتویٰ یہ ہے'' اس ناچیز کو اس کے اس جملہ پر چند تحفظات تھے، چنانچہ اس بندۂ ناچیز نے ان تحفظات کو تحریر کر کے ایک مکتوب بذریعہ حضرت پیر مفتی محمد عثمان افضل قادری زید شرفہ، مورخہ ۲۰ جولائی ۲۰۱۷ء بروز جمعرات پیر قبلہ مفتی صاحب کی خدمت میں ارسال کیا جو کہ علی التحقیق آپ کو موصول ہوا۔ لیکن آج مورخہ ۲۰ اگست ۲۰۱۷ء بروز اتوار تک آپ کا جواب موصول نہیں ہوا۔ امید واثق ہے کہ آپ میرے مکتوب کا جواب دیں گے بھی نہیں ۔ ''الحق حق ، والباطل باطل'' اور اگلے صفحات پر میرے چند تحفظات ملاحظہ فرمائیں۔

اضعف العباد

محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

نصیرہ تحصیل کھاریاں

باسمہ تعالیٰ

بخدمت اقدس جناب محترم المقام وحضرۃ العلام شیخ الحدیث والقرآن عالم علوم الظاہر والباطن حضرت پیر خواجہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد اشرف صاحب مراڑوی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اضعف العباد محمد ابراہیم آف نصیرہ نے آپ حضرت کا فتویٰ متعلقہ غسل معتکف فیس بک پر ملاحظہ فرمایا۔ جس کے متعلق آپ نے فرمایا: ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ معتکف کے لئے ترو تازگی یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا ناجائز ہے۔ اس ناچیز کو اس فتویٰ پر چند تحفظات ہیں بقول اللہ سبحانہ وتعالیٰ "فاسئلوا أھل الذکر إن کنتم لا تعلمون" ان تحفظات کو دور کر چاہتا ہوں، امید واثق ہے آپ اہل ذکر میں سے ہیں، ضرور میرے تحفظات کو زائل فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔

اوّلاً: آپ نے فرمایا ہمارا فتویٰ یہ ہے اور آپ نے اپنے فتویٰ میں کسی امام کا قول بھی نقل نہیں کیا اور نہ ہی کسی معتمد کتاب فقہ کا حوالہ پیش فرمایا، مفتی یا تو مجتہد ہوگا یا غیر مجتہد ہوگا، اگر آپ حضور نے یہ فتویٰ مفتی مجتہد ہونے کی صورت میں دیا ہے تو آپ کو چاہئے تھا کہ آپ کوئی آیت مبارکہ یا حدیث مبارکہ نقل فرماتے اور ان سے معتکف کے لئے غسل ترو تازگی کا عدم جواز از روئے اجتہاد استنباط فرماتے پھر اس کے متعلق فتویٰ ارشاد فرماتے۔ چنانچہ آنحضور نے معتکف کے لئے غسل ترو تازگی کے عدم جواز پر کوئی حدیث یا آیت مبارکہ پیش نہیں فرمائی اور اگر آپ مفتی مجتہد ہیں تو پھر آپ کو غسل کی ممانعت پر کوئی آیت مبارکہ یا حدیث مبارک ضرور پیش کرنی چاہیے تھی جن سے غسل کی ممانعت ثابت ہوتی۔ یا معتکف کیلئے غسل ترو تازگی کی ممانعت وعدم جواز کو کسی مسئلہ پر قیاس کرنا چاہیے تھا اور وہ قیاس بھی قیاس موثر ہوتا تاکہ اس مسئلہ کو جس پر قیاس کیا جارہا ہے اور فرع جس مسئلہ کو اصل پر قیاس کیا جارہا ہے ان دونوں یعنی اصل اور فرع میں موثر معنی مشترک ہو۔ لہٰذا آپ نے بالقیاس بھی اس مسئلہ کو بیان نہیں فرمایا۔ لہٰذا اگر آپ مجتہد مفتی ہیں تو آپ کوئی آیت یا حدیث کو معنی دلالت کرتی ہو کہ معتکف کے لئے غسل ترو تازگی جائز نہیں ضرور تحریر فرمائیں یا کوئی ایسا مسئلہ کہ جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ فعل جائز نہیں، بیان فرمائیں۔

اگر آپ مفتی غیر مجتہد ہیں تو آپ کے لئے دو امروں میں سے ایک امر لازمی اور ضروری

ہے اول امر یہ کہ فتویٰ دیتے وقت علی وجہ الحکایت کسی مجتہد امام کا قول ذکر کریں، یا کسی معتمد کتاب کا حوالہ پیش کریں۔ آپ نے مطلقاً فرمایا ہمارا فتویٰ یہ ہے لہٰذا اگر آپ مفتی غیر مجتہد ہیں تو آپ کے فتویٰ میں سند ہونی چاہیے کہ یہ فلاں امام کا فتویٰ ہے یا یہ فلاں فقہ کی معتبر کتاب میں مذکور ہے۔ برائے مہربانی آپ بالضرور تحریر فرمائیے گا کہ معتکف کیلئے تروتازگی کا غسل کرنا فلاں امام کے نزدیک جائز نہیں یا یہ تحریر فرمائیں کہ فقہ کی فلاں معتبر کتاب میں مفتی بہ قول پر اس کی ممانعت منقول ہے، "کما نصہ الشامی ولفظہ"۔

قال فی فتح القدیر وقد استقر رأی الأصولیین علی أن المفتی هو المجتهد فأما غیر المجتهد ممن یحفظ أقوال المجتهد فلیس بمفت۔

والجواب علیه إذا سئل أن یذکر قول المجتهد کالإمام علی وجه الحکایت فعرف أن ما یکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی بل هو نقل کلام المفتی لیأخذ به المستفتی وطریق نقله لذلك عن المجتهد أحد الأمرین، إما أن یکون له سند فیه أو یأخذ من کتاب معروف تداولته الأیدی نحو کتب محمد بن الحسن نحوها لأنه بمنزلة الخبر المتواتر والمشهور۔[1]

صاحب ردالمحتار کی اس عبارت کا ماحصل اس سے قبل بیان ہو چکا لہٰذا اس کے ترجمہ کی چنداں ضرورت نہیں، یہ بندۂ حقیر نہایت ادب واحترام سے آپ کے حضور ملتمس ہے کہ آپ برائے مہربانی معتکف کیلئے غسل تروتازگی یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے جائز نہیں تو ضرور کسی امام کا قول نقل فرمائیں یا کسی معتبر کتاب کا حوالہ پیش فرمائیں تاکہ مستفتی اس پر عمل پیرا ہو کر آپ کے فتویٰ سے مستفید و مستفیض ہو سکے۔

ثانیا: آپ حضور نے مطلقاً فرمایا یہ غسل تروتازگی جائز نہیں، یہ ہمارا فتویٰ ہے۔

درحقیقت فعل عدم جواز کی چند صورتیں ہیں اول یہ کہ یہ فعل حرام ہے۔ دوم یہ کہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔ سوم یہ ہے کہ یہ فعل مکروہ تنزیہی ہے۔ مجھے یہاں اشکال یہ ہے کہ جس فعل کو آپ جائز نہیں سمجھتے کیا وہ فعل آپ کے نزدیک حرام ہونے کی وجہ سے یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

---

[1] ردالمحتار جلد اول، ص ۵۱، مطبوعہ الرشیدیہ کوئٹہ

پہلی صورت کہ یہ فعل یعنی معتکف کا تروتازگی کیلئے غسل کرنا حرمت کی وجہ سے ناجائز ہے تو ایسی صورت میں آپ کے ذمہ ایسی نص قطعی جو کہ قطعی الثبوت والدلالۃ ہو، پیش کرنا ضروری ہے، دوسری صورت یہ کہ یہ فعل مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو آپ کے ذمہ یہ ثابت کرنا ہوگا کہ معتکف کے لئے غسل تروتازگی کرنا نہی ظنی الثبوت والدلالۃ سے ثابت وواضح ہے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے غسل سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا آپ ضرور کوئی ایسی حدیث شریف بیان فرمادیں جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے غسل سے منع فرمایا ہو، اور تیسری صورت تو وہ مکروہ تنزیہی ہے جو کہ خلاف اولیٰ ہے اور جائز ہے براہ کرام آپ معتکف کیلئے غسل تروتازگی کی حرمت یا اس کے مکروہ تحریمی ہونے کی کوئی دلیل نقل فرمادیں تاکہ معتکفین حضرات آپ کے فتویٰ عالیشان سے مستفیض ہوکر اپنے اعتکاف کو فعل حرام یا مکروہ تحریمی سے محفوظ فرماسکیں یہ آپ کا ہم سب پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

ثالثاً: یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اکثر احکام میں امر ونہی کے ثبوت کے لئے صرف استثناء مستعمل ہے جس سے قرآن وحدیث اور کتب فقہ مملو ہیں، مثلاً جھوٹ بہت بڑا گناہ ہے مگر دو آدمیوں کے درمیان صلح کیلئے جائز ہے۔ اگر یہ استثناء مذکور نہ ہو تو حکم سب کیلئے برابر ہوگا۔ آیئے سب سے پہلے اس کے متعلق کچھ احادیث وآثار ملاحظہ فرمائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری کتاب الصوم میں ایک باب باندھا ہے جس کو ترجمۃ الباب سے موسوم کیا جاتا ہے، وہ باب اس طرح ہے:

۲۵۔ باب اغتسال الصائم یعنی یہ باب روزہ دار کے غسل کرنے کے جواز کے بیان میں ہے۔

جملہ شارحین بخاری مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی اور ابوالعباس شہاب الدین احمد قسطلانی نے نقل فرمایا:

قال الزين بن منير، اطلق الاغتسال يشمل الاغسال المسنونة والواجبة والمباحة۔ [1]

زین بن منیر کا قول ہے کہ صاحب بخاری نے اغتسال کو مطلق رکھا تاکہ تمام اغسال کو شامل ہو یعنی غسل مسنونہ، غسل واجب اور غسل مباحہ۔

---

[1]۔ فتح الباری: ج ۴، ص ۱۵۳، دارالمعرفۃ بیروت، عمدۃ القاری: ج ۱۱، ص ۱۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، اور امام قسطلانی نے اس قول کو نقل نہیں فرمایا۔

معلوم ہوا صائم کے لئے یہ جملہ اغسال جائز ہیں، اب اشکال یہ ہے کہ جیسے لفظ'' اغتسال ''مطلق ہے ایسے ہی لفظ'' الصائم '' بھی مطلق ہے، یعنی صائم خواہ معتکف ہو یا غیر معتکف اس کیلئے یہ تمین اغسال جائز ہیں۔ اگر آپ کے فتویٰ کے مطابق معتکف کیلئے غسل استراحت وترو تازگی یا ٹھنڈک حاصل کرنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے جس سے معتکف کا اعتکاف باطل وفاسد ہو جاتا ہے تو حضرات علماء محدثین کو چاہیے تھا وہ اس کی استثناء فرماتے اور باب یوں قائم فرماتے'' باب اغتسال الصائم الا للمعتکف '' تاکہ معتکف غسل مسنونہ ومستحبہ سے مستثنیٰ ہو جاتا۔ لیکن علماء محدثین کا غسل کے لئے صائم کو مطلق رکھنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اگر مسجد کے اندر کوئی جگہ غسل کرنے کے لئے مخصوص کر دی گئی ہو تو وہاں معتکف کا غسل کرنا جائز ہے۔

آپ ہم سب پر شفقت فرماتے ہوئے حدیث کی کسی ایک کتاب سے یہ استثناء ثابت فرمادیں تو آپ کا فتویٰ درست اور صحیح فتویٰ ہے آپ کے تفردات میں سے شمار کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ معتکف کے غسل کے متعلق عنقریب کچھ عرض کروں گا سر دست اتنا ہی کافی ہے کہ لفظ'' الصائم ''مطلق ہے اور بقاعدہ'' المطلق یجری علی اطلاقہ '' اس میں معتکف بھی شامل ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے تحت چند تعلیقات نقل فرمائی ہیں:

اول:۔ وبل ابن عمر ثوبا فألقاہ علیہ وھو صائم۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کپڑے کو تر فرمایا اور اس کو اپنے اوپر ڈال دیا اس وقت آپ روزہ دار تھے، اور اس اثر عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابن شیبہ نے موصولا روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے ایک باب قائم فرمایا:'' ما ذکر فی الصائم یتلذذ بالماء '' یعنی اس باب میں روزہ دار کے متعلق مذکور ہے جو پانی کے ساتھ لذت حاصل کرے۔ اس کے بعد ابن ابی شیبہ نے اثر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو روایت کیا:

حدثنا یحیی بن سعید عن عبد اللہ ابن ابی عثمان قال رأیت بن عمر وھو صائم یبل الثوب ثم یلقیہ علیہ۔[2]

یعنی عبداللہ بن ابی عثمان سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں حضرت عبداللہ بن

---

[1] حوالہ مذکورہ۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص ۴۰، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا جبکہ آپ روزہ دار تھے۔آپ کپڑے کو تر کرتے پھر اس کپڑے کو اپنے اوپر ڈال لیتے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مطابقتہ للترجمة ظاهرة لأن الثوب المبلول إذا ألقى على البدن بل البدن الذی سکب علیه الماء۔[1]

اس اثر کا ترجمۃ الباب کے مطابق ہونا ظاہر ہے،اس لئے کہ تر شدہ کپڑا جب بدن پر ڈالا جائے تو وہ بدن تر ہو جاتا ہے جس پر پانی گرایا جائے۔

چنانچہ اثر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہوا کہ روزہ دار کا تر شدہ کپڑا بدن پر ڈالنا یہ بھی اغتسال میں داخل وشامل ہے چنانچہ آپ نے بھی تر شدہ تولیہ کے ساتھ معتکف کا اپنے بدن سے پسینہ وغیرہ پونچھنے کو قائم مقام غسل فرمایا ہے۔لہٰذا جناب والا کے قول کے مطابق بھی معتکف کیلئے غسل تر وتازگی کرنا جائز ہے۔بندہ ناچیز تر شدہ کپڑے کو بدن پر ڈالنے کے متعلق کتب مذہب کی چند منقولات عنقریب پیش کرے گا۔

دوم:۔دخل الشعبی الحمام وھو صائم: یعنی امام عامر بن شرحبیل شعبی حمام میں غسل کرنے کیلئے داخل ہوئے جبکہ آپ روزہ سے تھے۔اس اثر شعبی کو ابن ابی شیبہ نے موصولا روایت کیا ہے۔

حدثنا ابو الأحوص عن سلام بن سلیم عن ابی إسحاق قال رأیت الشعبی یدخل الحمام وھو صائم۔[2]

امام ابو اسحاق فرماتے ہیں میں نے امام شعبی رحمہ اللہ کو حمام میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ جبکہ آپ روزہ دار تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب قائم کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ایک ضعیف روایت کا رد کیا جس میں آپ نے روزہ دار کو حمام میں داخل ہونے سے منع فرمایا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی یہ روایت امام شعبی کی

---

[1]۔عمدۃ القاری:ج ۱۱،ص ۱۱۔

[2]۔مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم،ص ۶۵

روایت کے ساتھ متصل منقول ہے۔اور حافظ عسقلانی نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے۔لیکن حنفیہ کا اس پر اعتماد ہے کیونکہ احناف روزہ دار کے لئے اغتسال کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالی نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں فرمایا:

وقوله واعتمده الحنفية غير صحيح على إطلاقه لأن قوله كره الاغتسال للصائم رواية عن أبي حنيفة غير معتمد عليها والمذهب المختار لا يكره۔[1]

یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول کہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر حنفیہ کا اعتماد ہے۔علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ان کے قول کے رد میں فرماتے ہیں قول کے مطلق ہونے کی بنا پر اس روایت پر حنفیہ کا اعتماد صحیح نہیں۔اس لئے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ قول کہ احناف روزہ دار کیلئے اغتسال کو مکروہ سمجھتے ہیں یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔اور مختار مذہب یہ ہے کہ روزہ دار کیلئے غسل کرنا مکروہ نہیں۔اس مختار قول کو حسن بن زیاد نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور صاحب واقعات نے اس پر خبردار کیا اور جوامع الفقہ اور روضہ میں مذکور ہے کہ روزہ دار کیلئے غسل کرنا کپڑا تر کر کے بدن پر ڈالنا اور گرمی کی وجہ سے سر پر پانی بہانا مکروہ نہیں۔

اس کے بعد علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد شریف کی ایک حدیث نقل فرمائی جس حدیث کو اکثر ائمہ محدثین نے روایت کیا، وہ حدیث یہ ہے:

روی ابو داؤد بسند صحیح عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ النَّاسَ فِي سَفَرِهِ عَامَ الْفَتْحِ بِالْفِطْرِ وَقَالَ تَقَوَّوْا لِعَدُوِّكُمْ وَصَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ الَّذِي حَدَّثَنِي لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ أَوْ مِنَ الْحَرِّ۔[2]

---

[1] عمدۃ القاری: ج ۱۱، ص ۱۱

[2] ابوداؤد رقم الحدیث ۲۳۶۵، موطا امام مالک مع شرح زرقانی جلد دوم ص ۱۶۷، رقم الحدیث ۶۶۰، مصنف ابن ابی شیبہ جلد سوم ص ۴۱، مصنف عبدالرزاق جلد ۴، ص ۲۰۶، ۲۰۷، رقم الحدیث ۷۵۰۹، ۷۵۰۸

''ابوبکر بن عبدالرحمٰن نبی اکرم ﷺ کے بعض اصحاب سے روایت کرتے ہیں اس صحابی نے کہا میں نے نبی اکرم ﷺ کو مقام عرج میں دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے سر مبارک پر پانی بہا رہے تھے جبکہ آپ روزہ دار تھے راوی کا شک ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اپنے سر مبارک پر پانی بہانا گرمی کی وجہ سے تھا یا پیاس کی وجہ سے''۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک تعلیق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

مطابقته للترجمة من حيث إن المضمضة جزء للغسل ، قوله '' والتبرد'' أعم من أن يكون في سائر جسده أو في بعضه مثل ما إذا تبرد بالماء على وجهه أو على رجليه۔[1]

اور اثر یہ ہے'' وقال الحسن لا بأس بالمضمضة والتبرد للصائم''

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ اثر ترجمۃ الباب کے مطابق اس حیثیت سے ہے کہ کلی کرنا غسل کرنے کا ایک جزء ہے۔ لہٰذا جزء بول کر کلی مراد لیا گیا ہے۔ معلوم ہوا روزہ دار اگر وضو کے علاوہ ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے یا استراحت کیلئے کلی کرتا ہے تو گویا اس نے غسل کیا، اور امام حسن بصری کا یہ کہا: '' والتبرد للصائم '' یہ عام ہے کہ پورے جسم کے لئے ٹھنڈک حاصل کرے یا بعض بدن کیلئے مثلاً ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے منہ پر پانی ڈالتا ہے یا اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے تو گویا یہ غسل کرنا ہی ہے۔

جناب محترم المقام قبلہ مفتی صاحب! آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ قرآن مقدس میں رکوع بول کر پوری نماز مراد لی گئی اس کو سب تسلیم کرتے ہیں، قرآن پاک میں رکوع بول کر باجماعت نماز ادا کرنا مراد لیا گیا اس کے سامنے بھی سب سر تسلیم کرتے ہیں، قرآن پاک میں رکوع بول کر با جماعت نماز ادا کرنا مراد لیا گیا اس کے سامنے بھی سب سر تسلیم خم ہے (اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام معجز نظام میں سجدہ بول کر کامل نماز مراد لی گئی۔ یہ بھی سب کا مسلمہ قول ہے یعنی جز بولا اور مراد کل لیا کسی نے یہ نہیں کہا مراد صرف رکوع یا سجدہ ہے جو کہ نماز کا ایک جزء ہے، سب نے اس جزء کو بطور کل تسلیم کیا، کیا وجہ ہے کہ احناف کی ایک معتمد شخصیت نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] ۔ عمدۃ القاری: ج ۱۱، ص ۱۲

ترجمۃ الباب کے تحت ایک تعلیق کے متعلق فرمایا کہ وضو کے علاوہ استراحت کیلئے روزہ دار کا کلی کرنا یہ غسل ہے بدن منہ کا دھونا یہ غسل ہے، دونوں پاؤں کا تبرید کیلئے دھونا غسل ہے تبھی تو یہ تعلیق بمطابق ترجمہ ہوگی جب یہ اصول صحیح ہے تو پھر نبی اکرم ﷺ کے اعتکاف کی حالت میں پورا بدن مسجد میں ہے اور آپ کا سر مبارک حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں ہے اور آپ نبی اکرم ﷺ کا استراحت کیلئے سر مبارک دھوتی ہیں اور آپ ﷺ کے سر مبارک میں کنگھی فرماتی ہیں، خدارا انصاف فرمائیے کیا یہ غسل نہیں کیونکہ جب جزء بول کر کل مراد لیا جائے گا تو لامحالہ نبی اکرم ﷺ کے سر مبارک کو مع چہرۂ اقدس بحالت اعتکاف دھونا غسل ہی تو کہلائے گا تو پھر آپ کا فتویٰ آپ کے تفردات میں سے نہیں تو اور کیا ہے از راہ انصاف فرمائیں تو حضرت علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول درست ہے یا آپ کا فتویٰ ذیشان۔ اگر آپ احناف کے معتمد قول سے انحراف کرتے ہیں تو آپ کا فتویٰ قابل قبول نہیں جب تک اس بندۂ ناچیز کے تحفظات کا مکمل و مدلل جواب ارشاد نہیں فرمائیں گے۔ بہر حال حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا پر عنقریب مفصل عرض کروں گا جس سے آپ کے فتویٰ کا غبار اور صاف ہو جائے گا۔

رابعاً: کیا تر شدہ کپڑے کو بدن پر ڈالنا مکروہ ہے یا نہیں، صاحب فتاویٰ قاضیخان فرماتے ہیں:

وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ أنہ یکرہ أن یأخذ الماء لفیہ ثم یمجہ أو یصیب الماء علی رأسہ أو یبل الثوب ویتلفف بہ لأن فیہ إظہار الضجر فی العبادۃ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ أنہ لا یکرہ الخ۔[1]

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منہ سے پانی لینا پھر اس کو کلی کی طرح منہ میں گھمانا یا سر پر پانی بہانا، یا کپڑا تر کر کے اپنے بدن پر لپیٹنا یہ سب روزہ دار کیلئے مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں عبادت میں تنگی کا اظہار کرنا ہے، اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سب کچھ کرنا روزہ دار کے لئے مکروہ نہیں گویا کہ روزہ دار کا یہ فعل اور سائے میں بیٹھنا برابر ہے، اور حضرات فقہاء کے نزدیک فتویٰ حضرت امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

---

[1] فتاویٰ قاضیخان اولی کتاب الصوم ص ۹۹، حافظ کتب خانہ کوئٹہ

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں۔

وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد عند الثاني وبه يفتى شرنبلالية عن البرهان۔

"روزہ دار کا تر شدہ کپڑا بدن پر لپیٹنا اور وضو کے علاوہ استراحت کیلئے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا یا ٹھنڈک حاصل کرنا کیلئے غسل کرنا مکروہ نہیں اور اسی کے ساتھ شرنبلالیہ نے برہان سے فتویٰ دیا ہے"۔

صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

"قوله وبه يفتى "لأن النبي ﷺ صب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر الخ۔[1]

یعنی درمختار کا یہ قول" وبہ یفتی "اس لئے ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے سر مبارک پر پیاس کی وجہ سے گرمی کی وجہ پانی بہایا جبکہ آپ روزہ دار تھے اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کپڑا اتر کر کے اپنے آپ پر ڈالا جبکہ آپ روزہ دار تھے، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان تمام اشیاء میں عبادت پر مدد حاصل کرنا اور طبعی تنگی کو دور کرنا ہے۔

جناب قبلہ محترم مفتی صاحب! درمختار نے بھی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے بلا استثناء معتکف کیلئے غسل کرنے کو جائز قرار دیا۔ اور صاحب ردالمحتار نے فرمایا اس سے عبادت میں مدد اور طبعی تنگی کو دور کرنا ہے اور آپ فرمارہے ہیں معتکف کے لئے تر وتازگی کیلئے غسل کرنا جائز نہیں اگر یہاں معتکف کی استثناء ہے تو بیان فرمائیں۔

صاحب مجمع الانہر فرماتے ہیں:

ويكره عند الإمام الاستنشاق للتبرد "وصب الماء على رأسه وكذا الاغتسال الخ۔[2]

"امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے ناک میں پانی ڈالنا اور سر پر پانی بہانا اسی طرح روزہ دار کا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا اور تر شدہ کپڑے میں

---

[1] ۔ ردالمحتار جلد دوم، ص ۱۲۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

[2] ۔ مجمع الانہر مجلد اول، ص ۲۴۸، دار احیاء التراث العربی بیروت

بدن کو لپیٹنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس میں اقامت عبادت میں تنگی کا اظہار ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بوجہ وارد ہونے اثر کے کوئی کراہت نہیں، اور یہ تمام چیزیں عبادت میں ممد و معاون ہیں اور طبعی تنگی کو دور کرتی ہیں اور فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر دیا گیا ہے"۔

صاحب در مختار ملتقی کی شرح در المنتقی میں جو کہ مجمع الانھر کے حاشیہ پر مع فرماتے ہیں

ویکرہ عند الإمام المضمضة والاشتنشاق للتبرد وکذا الاغتسال۔ الخ[1]

"حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا اور اسی طرح غسل کرنا اور تر کپڑے سے بدن ڈھانپنا یہ سب مکروہ ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز بھی مکروہ نہیں اور امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتویٰ دیا گیا ہے جیسا کہ شرنبلالیہ نے برہان سے ذکر کیا ہے"۔

اور اسی طرح صاحب جامع الرموز نے بھی یہی فرمایا کہ روزہ دار کیلئے تالاب وغیرہ میں داخل ہو کر غسل کرنا، یا ویسے ہی غسل کرنا اور سر پر پانی کا بہانا اور تر شدہ کپڑا اپنے بدن پر لپیٹنا ،یہ سب کچھ روزہ دار کیلئے جائز ہے۔[2]

صاحب شرح النقایہ علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں:

أما الاشتنشاق والاغتسال أو التلفف بثوب مبتل للتبترد فیکرہ عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔ الخ۔[3]

"استراحت کیلئے روزہ دار کا ناک میں پانی ڈالنا اور غسل کرنا یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے تر شدہ کپڑا بدن پر لپیٹنا یہ سب امور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہیں اس لئے کہ ان میں اقامت عبادت میں اظہار تنگی ہے اور یہ جملہ امور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں، جائز ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتویٰ دیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کی حالت میں پیاس یا گرمی کی وجہ سے سر پر پانی بہایا ہے اور حضرت

1۔ حوالہ مذکورہ

2۔ جامع الرموز مجلد اولین، ص ۳۶۵، مکتبہ اسلامیہ، گنبد قابوس، ایران

3۔ شرح النقایہ جلد اول: ص ۲۲۱، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی روزہ کی حالت میں کپڑا تر کر کے بدن پر لپیٹتے ، علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں یہ سب چیزیں عبادت پر معاون ہیں اور عادت کے موافق طبعی تنگی کو دور کرتی ہیں"۔

محترم جناب قبلہ مفتی صاحب آپ نے کتب مذہب کی چند منقولات ملاحظہ فرمائیں ان جملہ فقہائے کرام نے روزہ دار کو ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غسل کرنا بلا استثناء معتکف جائز قرار دیا، اگر معتکف کیلئے تر و تازگی حاصل کرنے کے لئے غسل نا جائز ہوتا تو ضرور حضرات فقہائے کرام اس کی استثناء فرماتے ، چنانچہ کتب مذہب میں اگر کسی فقیہ یا مجتہد نے روزہ دار کو غسل کرنے میں معتکف کو استثناء دی ہے تو مع حوالہ نقل فرمائیں کہ فلاں فقیہ یا امام نے فرمایا روزہ دار کے لئے غسل کرنا جائز ہے لیکن معتکف صائم کیلئے برائے تبرید و استراحت غسل کرنا جائز نہیں۔

آپ کی ضیافت طبع کیلئے عرض ہے کہ ہم جو وضو کرتے ہیں در حقیقت یہ غسل تھا آیئے اس کے متعلق صاحب فتح القدیر شارح ہدایہ کی تصریح ملاحظہ فرمائیں۔صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:

واختلف فی سبب وجوبہ قیل لیس لنجاسۃ تحل بالموت بل للحدث لأن الموت سبب الاسترخاء وزوال العقل وھو القیاس فی الحی وإنما اقتصر علی الأعضاء الأربعۃ فیہ للحرج لکثرۃ تکرر سبب الحدث منہ فلما لم یلزم سبب الحرج فی المیت عاد الأصل ولأن نجاسۃ الحدث تزیل بالغسل لا نجاسۃ الموت ۔۔۔۔ وقد روی فی حدیث أبو ھریرۃ سبحان اللہ إن المؤمن لا ینجس حیا ولا میتا فإن صحت وجب ترجیح أنہ للحدث ۔[1]

"ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میت کے غسل کے وجوب میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا یہ غسل اس نجاست کی وجہ سے نہیں جو موت کی وجہ سے نازل ہوئی ، بلکہ یہ غسل حدث کی وجہ سے ہے اس لئے کہ موت زوال عقل اور اعضاء کے ڈھیلا ہونے کا سبب ہے اور یہ زندہ آدمی پر قیاس ہے،اور صرف زندہ میں حرج کی بنا پر چار اعضاء کے دھونے پر اکتفا کیا، اس لئے کہ زندہ سے سبب حدث بکثرت متکرر ہوتا ہے (اور بکثرت سبب حدث کی وجہ سے غسل کرنا ہر بار متعذر تھا

---

[1] فتح القدیر جلد دوم کتاب الجنائز، فصل فی الغسل ،ص ۷۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

لہذا چار اعضاء پر زندہ کیلئے اکتفاء کیا گیا) چنانچہ جب میت میں سبب حرج لازمہ نہ ہوا تو اصل (یعنی غسل) واپس لوٹ آیا، اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ نجاست حدث پانی سے زائل ہو جاتی ہے لیکن نجاست موت پانی سے زائل نہیں ہوتی۔

اس نص سے معلوم ہوا زندہ آدمی پر بھی حدث پر غسل ہی واجب تھا لیکن چونکہ سبب حدث کی بکثرت تکرار کی وجہ سے غسل معتذر تھا تو زندہ کو وضو کو حکم دے دیا گیا۔

صاحب فتح القدیر تھوڑا آگے فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث میں ہے سبحان اللہ مومن خواہ زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں، اگر یہ روایت صحیح ہے تو ترجیح واجب ہوگی اکہ میت کا غسل حدث کی وجہ سے ہے"۔

یہ حدیث دار قطنی جزء دوم ص ۵۷ میں موجود ہے اور رقم الحدیث ۱۷۹۳ اور دار قطنی کے ذیل میں مرقوم ہے" اسنادہ صحیح"

اور امام بیہقی نے" سنن الکبریٰ" میں اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔[1]

ابن ہمام کی اس تصریح کے بعد زندہ آدمی پر حدث کی وجہ سے غسل میں واجب تھا چونکہ سبب حدث کے متکرر ہونے کی وجہ سے ہر بار غسل کرنا معتذر تھا لہذا حدث کے سبب جو غسل واجب تھا اس کو صرف چار اعضاء کے غسل پر یعنی وضو پر منتصر کر دیا گیا۔

اب چونکہ غسل مسجد میں جائز نہیں تو معتکف بار بار یہ غسل "یعنی وضو" مسجد میں ہی کرتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ویکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد إلا أن یکون ثمہ موضوع أعد لذلک ولا یصلی فیہ۔[2]

یعنی مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے (اس کے بعد فتاویٰ ہندیہ میں استثناء بیان کی)۔
مگر یہ کہ وہاں کوئی جگہ وضو کرنے کے لئے تیار کی گئی ہو اور اس جگہ میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو۔

---

[1] سنن الکبریٰ جلد سوم کتاب الجنائز ص ۳۹۸ نشر السنۃ ملتان

[2] فتاویٰ ہندیہ جلد اول: فصل کرہ غلق باب المسجد، ص ۴۰

معلوم ہوا مسجد میں اگر کوئی جگہ وضو اور غسل وغیرہ کیلئے بنائی گئی ہو وہاں وضو اور غسل کرنا جائز ہے، مکروہ نہیں۔

صاحب ردالمحتار رقم فرماتے ہیں:

" قوله ولا يمكنه الخ" فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس به "

بدائع، الخ۔[1]

صاحب ردالمحتار کا قول کہ معتکف کیلئے مسجد میں غسل واجب کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ مسجد سے باہر نکلے اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا، چنانچہ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں اگر معتکف کے لئے ممکن ہو کہ (غسل واجب کرنے سے) مسجد مستعمل پانی کی نجاست سے ملوث نہیں ہوگی تو معتکف کیلئے مسجد میں غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں، بدائع، یعنی یہ کہ مسجد میں پانی کا حوض ہو یا کوئی جگہ طہارت کیلئے تیار کی گئی ہو (تو وہاں غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں) یا وہ برتن میں اس حیثیت سے غسل کرے کہ مستعمل پانی مسجد کو نہ پہنچے صاحب بدائع نے فرمایا اگر وہ اس طور غسل کرے کہ مستعمل پانی سے مسجد ملوث ہوتی ہے تو ایسے غسل سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ مسجد کی پاکیزگی واجب ہے۔

چنانچہ اس ناچیز کا آپ حضور سے سوال یہ ہے کہ آپ علماء وفقہاء کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں: جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں کوئی جگہ طہارت کے لئے بنائی گئی ہو تو جہاں نماز نہ پڑھی جاتی ہو معتکف وہاں وضو بھی کرسکتا ہے، جو درحقیقت غسل ہی ہے اور وہاں واجب غسل بھی کرسکتا ہے، اور معتکف کا مسجد سے نکلنا جائز نہیں آپ فرمائیں جب معتکف بار بار مسجد میں جائے طہارت میں غسل کے لئے جاسکتا ہے اور معتکف کا اعتکاف فاسد نہیں ہوتا جب غسل واجب مسجد میں کرنا جائز ہے تو غسل مباح ممنوع کیوں ہے؟ لہٰذا آپ کے ذمہ واجب ہے کہ آپ معتکف کیلئے غسل مباح جس کو آپ غسل تروتازگی سے تعبیر فرماتے ہیں، کی ممانعت قرآن وسنت اور منقولات کتب مذہب سے ثابت فرمائیں جس کے الفاظ یہ ہوں کہ معتکف دوران اعتکاف غسل مباح نہیں کرسکتا جبکہ مسجد میں غسل وغیرہ کیلئے جگہ تیار کی گئی ہو، اور اگر وہاں غسل

---

[1] ۔ ردالمحتار جلد دوم کتاب الصوم ص ۱۴۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

مباح کرے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ والدلیل علیک

خامسا:۔ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کچھ گفتگو جس حدیث کو جملہ آئمہ محدثین نے روایت کیا یہ حدیث کتاب الحیض میں بھی مروی ہے اور کتاب الاعتکاف میں بھی لہٰذا اس حدیث مبارک کے متعلق کچھ شارحین کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصوم، کتاب الاعتکاف میں ایک باب باندھا ہے "باب غسل المعتکف" علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ باب غسل معتکف کے بیان میں ہے یعنی معتکف کے لئے غسل جائز ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پر اکتفاء کرتے ہوئے اس کا حکم بیان نہیں فرمایا: وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَاشِرُنِي وَأَنَا حَائِضٌ۔ [1]

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع میرے بدن کو مس فرماتے میں حائضہ تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک مسجد سے میری طرف نکالتے جبکہ آپ معتکف تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو دھوتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

ابوالعباس شہاب الدین احمد قسطلانی، اس باب کے تحت ارقام فرماتے ہیں "باب، جواز، غسل المعتکف" بکسر الکاف، قال البرماوی کالکرمانی غسل بفتح الغین لا بضمہا۔

نعم ثبت الرفع فی روایة ابوذر کما فی الیونینیة وغیرها

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج ۴، ص ۶۸۴، مطبوعہ بیروت

یعنی یہ بات معتکف کے غسل کے جواز میں ہے اور "معتکف" صرف کاف کی زبر سے ہے امام برماوی نے کرمانی کی مثل کہا کہ لفظ "غسل" صرف غین کی زبر سے مع ضمہ یعنی پیش سے نہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں ابوذر کی روایت میں لفظ غسل صرف غین کے پیش سے ثابت ہے جیسا کہ یونینیہ وغیرہ میں ہے۔

---

[1] ۔ صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۰۳۰، ۲۰۳۱۔

لیجئے مفتی صاحب امام قسطلانی نے آپ کے فتویٰ ذیشان کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔

کیونکہ وہ فرماتے ہیں لفظ غسل صرف غین کے پیش سے ثابت ہے تو اب باب کا معنی یہ ہوگا، یہ باب معتکف کے غسل کے جواز میں ہے یعنی معتکف کا غسل کرنا جائز ہے، گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو دھونا در حقیقت یہ غسل ہے یعنی جزء کا کل پر اطلاق جائز ہے، کیونکہ اس کا ترجمۃ الباب کے تحت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارک ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو غسل دیتی حالانکہ آپ معتکف ہوتے لہٰذا حدیث ترجمۃ الباب کے مطابق یہ ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو غسل دیتیں۔

لہٰذا معتکف کیلئے غسل کرنا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے باب اور پھر ترجمۃ الباب کے تحت حدیث مبارک سے ثابت ہوگیا۔ اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فتویٰ کے خلاف ثابت کر دیا۔ اور ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارک کی تائید وتوثیق صاحب فتاویٰ قاضیخان اور صاحب فتح القدیر نے کردی۔

ولا بأس للمعتكف أن ينام في المسجد ايخرج رأسه من المسجد إلى بعض أهله ليغسله وإن غسله في المسجد في إناء لا بأس به لأنه ليس فيه تلويث المسجد۔ [1]

یعنی معتکف کے لئے مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں، یا معتکف مسجد سے اپنی بیوی کی طرف سر نکالے تاکہ وہ اس کو دھوئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر معتکف نے مسجد میں ہی کسی برتن میں اپنا سر دھولیا بایں طور کہ مسجد ملوث نہیں ہوئی تو اس کے دھونے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ امامین جلیلین کی نص سے ثابت ہوا معتکف کا مسجد میں سر دھونا اگر مسجد مستعمل پانی سے پراگندہ نہ ہو تو جائز ہے۔ جب سر کا غسل ثابت ہوگیا تو غسل تروتازگی از خود ثابت ہوجائے گا۔ علماء نے فرمایا ہے معتکف کیلئے غسل جائز ہے۔ جیسا کہ امام قسطلانی نے فرمایا۔ مزید تحقیق کیلئے امام غیر مقلدین شوکانی کا قول بھی پیش خدمت ہے:

محمد بن علی بن محمد شوکانی ابن تیمیہ کی کتاب منتقی الاخبار کی شرح نیل الاوطار میں حدیث

---

[1] ۔فتاویٰ قاضی خان مجلد اولین، کتاب الصوم، فصل فی الاعتکاف، ص ۱۰۷، مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ، فتح القدیر کتاب الصوم، باب الاعتکاف، جلد دوم، ص ۳۱۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے تحت لکھتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے:

عن ابی بکر بن عبد الرحمٰن عن رجل من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال "رأیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصب الماء علی رأسہ من الحر وھو صائم" رواہ أحمد، ابوداؤد۔

یہ حدیث بھی مع ترجمہ پہلے گزر چکی ہے، یہاں شوکانی لکھتا ہے:

"قولہ یصب الماء علی رأسہ" فیہ دلیل أن یکسر الحر بصب الماء علی بعض بدنہ أو کلہ وقد ذھب إلیہ الجمہور ولم یفرقوا بین الإغسال الواجبۃ والمسنونۃ والمباحۃ۔[1]

یعنی صحابی کا یہ قول کہ نبی اکرم ﷺ اپنے سر مبارک پر پانی بہاتے تھے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ روزہ دار کو بلا استثنا معتکف اپنے بعض بدن یا تمام بدن پر پانی بہانے کے سبب گرمی کو توڑنا جائز ہے، اور جمہور اسی کی طرف گئے ہیں اور جمہور نے جملہ اغسال کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی خواہ وہ غسل واجب ہو، مسنونہ ہو اور مباحہ ہو۔ مطلقاً روزہ دار کے لئے غسل کرنا جائز ہے۔

یہی شوکانی کتاب الاعتکاف میں ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی سے ایک روایت نقل کرتا ہے، وہ روایت یہ ہے:

وعن صفیۃ بنت حی قالت، کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معتکفا فاتیتہ ازورہ لیلا فحدثتہ ثم قمت لا تقلب فقام معی لیقلبنی وکان مسکنھا فی دار أسامۃ بن زید۔ متفق علیہ

"ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ معتکف تھے تو میں رات کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ آپ ﷺ کی زیارت کروں، چنانچہ میں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے باتیں کیں۔ پھر میں کھڑی ہوئی تا کہ واپس لوٹوں تو نبی اکرم ﷺ بھی میرے ساتھ کھڑے ہوئے تا کہ مجھے واپس کریں۔ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مسکن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر میں تھا"۔

---

[1] نیل الاوطار ج ۴، ص ۲۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

شوکانی اس حدیث کے تحت لکھتا ہے:

فیہ دلیل علی أنه یجوز للمعتکف والطیب والغسل والحلق والتنوین الحاقا بالترجیل والجمهور علی أنه لایکره فیه إلا مایکره فی المسجد ۔[1]

یعنی اس حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ معتکف کیلئے پانی حاصل کرنا، خوشبو لگانا، غسل کرنا، حلق کرنا، زینت اختیار کرنا، کنگھی کرنے کے ساتھ لاحق کرتے ہوئے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو مسجد میں مکروہ ہے وہ اعتکاف میں بھی مکروہ ہے۔ چنانچہ مسجد میں طہارت خانہ بنایا گیا ہو جہاں نماز نہیں پڑھی جاسکتی تو وہاں غسل کرنا جائز ہے''۔

اس لئے جمہور سلف وخلف حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیتے اور آپ کا قول اس سے قبل کئی بار گزر چکا ہے کہ روزہ دار کیلئے بلا استثناء معتکف کا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غسل کرنا، یا تر شدہ کپڑا بدن پر لپیٹنا یا کلی کرنا جائز ہے۔ اور جملہ فقہائے کرام سے'' بہ یفتی'' سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیتے ہیں اور الفاظ فتاوی میں سے مو لدترین لفظ ''بہ یفتی'' ہے۔

صاحب ردالمحتار رقام فرماتے ہیں:

''به یفتی آکد من الفتوی علیه، قال ابن همام والفرق بینهما أن الأول یفید الحصر والمعنی أن الفتوی لاتکون إلا بذلك والثانی یفید الأضحیة، ابن عبد الرزاق ۔[2]

یعنی'' بہ یفتی '' ''الفتویٰ علیہ، یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے اور معنی یہ ہوئے کہ فتویٰ صرف اس پر ہے، اور دوم'' الفتویٰ علیہ'' صرف صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔

چنانچہ جملہ فقہائے کرام نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو'' بہ یفتی '' کہا ہے۔

معلوم ہوا صائم کے لئے مطلقا غسل کرنا جائز ہے جس کی علت حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ غسل کرنا عبادات پر ممد ومعاون ہے یعنی معتکف جب غسل کرے گا تو

---

[1] ۔ نیل الاوطار، جزء ۴، باب الاعتکاف، ص ۲۹۸، دار احیاء التراث العربی بیروت۔

[2] ۔ ردالمحتار جلد اول: ص، ۵۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

اس کی استراحت وتروتازگی پہنچے گی لہٰذا معتکف زیادہ انہماک سے عبادت کی طرف رجوع کرے گا۔ دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ عادت کے موافق یہ غسل طبعی دل کی تنگی کو دور کرتا ہے، یعنی جب معتکف چند دن گوشہ تنہائی میں گزارتا ہے تو طبعا اس کے دل میں تنگی کا احساس ہوتا ہے اور جب غسل کرتا ہے تو اس کے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ہلکا محسوس کرتا ہے اور دلجمعی کے ساتھ ایام تنہائی کو گزارتا ہے۔

چنانچہ کسی طور پر بھی معتکف کو غسل کرنے سے منع کرنا جائز نہیں کیونکہ جملہ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے صائم کو بلا استثنا معتکف کا غسل کرنا جائز قرار دیا ہے اور بعض نے بالصراحت ارقام فرمادیا ہے کہ معتکف کے لئے غسل جائز ہے۔ جیسے امام قسطلانی اور علامہ بدرالدین عینی رحمہما اللہ تعالیٰ اور شوکانی اور صاحب احکام القرآن الامام حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ اپنی تفسیر احکام القرآن میں۔ زیر آیت مبارکہ ''ولا تباشروھن وأنتم عاکفون فی المساجد'' ارقام فرماتے ہیں: ''ومنھا جواز غسل الرأس فی حال الاعتکاف، وغسل الرأس إنما ھو لإصلاح البدن فدل ذلک علی أن للمعتکف ان یفعل مافیہ صلاح بدنہ۔[1]

''اور امور معتکف میں اعتکاف کی حالت میں سر دھونا جائز ہے اور سر کا دھونا صرف اصلاح بدن کے لئے ہے تو یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ معتکف وہ کام کرسکتا ہے جس میں اس کے بدن کی اصلاح ہے''۔

انصاف سے فیصلہ فرمائیں تروتازگی حاصل کرنے کے لئے معتکف کا غسل کرنا کیا اس میں بدن کی اصلاح ہے یا نہیں؟ اگر مفتی صاحب غسل تروتازگی کو مفسد بدن تصور فرماتے ہیں تو یہ ان کی مرضی ہے ورنہ شریعت مطہرہ میں معتکف کے لئے غسل تروتازگی کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ غسل میں معتکف کے بدن کی اصلاح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

لہٰذا آپ کے حضور میری گزارش ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

---

[1] احکام القرآن للجصاص جلد اول، ص ۳۰۳، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

یہ مسئلہ تفردات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میں سے نہیں۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی کا یہ مسئلہ مختار مذہب جمہور کے مطابق ہے اس مسئلہ کو تفردات اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ قرار دینا سراسر زیادتی ہے اور آپ کے بیان مبارک میں یہ جملہ کہ ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ معتکف کے لئے غسل تر و تازگی کرنا جائز نہیں آپ کے مطلق مجتہد ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے اپنے فتویٰ میں کسی مجتہد کا قول یا کسی معتبر کتاب کا حوالہ پیش نہیں فرمایا۔

آخر میں آپ کے حضور گزارش ہے کہ میرے ان چند تحفظات کو اپنی علمی استعداد کے مطابق دور فرمادیں۔ کیونکہ جب مسائل میں شکوک و شبہات جنم لیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کا نسخۂ کیمیا یہ ارشاد فرمایا ہے۔

"فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون" چنانچہ آپ سے اعلم کون ہے جس سے سوال کر کے تشنگی مسائل کی پیاس بجھا سکیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم بالصواب

کتبہ: احقر العباد محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم
نصیرہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

بتاریخ۔ ۲۰۱۷، ۷، ۱۴ بمطابق: ۱۹ شوال المکرم بروز جمعۃ المبارک: ۱۴۳۸ھ

''اختتام کتاب''

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

وعلی الہ وصحبہ أجمعین إلی یوم الدین۔

بروز جمعۃ المبارک 26 مئی 2017ء بمطابق 29 شعبان المبارک 1438ھ

العبد الضعیف محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

یہ کتاب مستطاب ''الفتاویٰ الفیضیہ''

سند الاتقیاء شیخ العلماء والفضلاء سید الاصفیاء فیض الملۃ والدین محترم والدی حضرت العلامہ مولانا وسیدنا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہٗ کے روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیلئے بطور صدقۂ جاریہ مفت تقسیم کی جارہی ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے امید واثق ہے جب تک یہ کتاب پڑھی جائیگی ہمارے ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک روح کو اس کا ثواب بطور ہدیہ ملتا رہے گا۔ آمین یارب العالمین

منجانب: قائم اللیل والنہار أفضل العلماء والمشائخ عالم باعمل حضرت العلامہ الحافظ القاری مولانا وسیدنا محمد یوسف سلطانی نزد جلالپور جٹاں وجانشین دربار عالیہ فیض الملۃ والدین مولانا فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دربار اللہ مسجعہ مہلو شریف گجرات

مفت کتاب حاصل کرنے کیلئے

رابطہ فون نمبر 0533702382

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	ناشر
1	قرآن کریم	
2	صحیح البخاری	
3	صحیح المسلم	
4	جامع الترمذی	
5	سنن ابی داود	
6	سنن نسائی	
7	سنن ابن ماجہ	
8	عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
9	فتح الباری شرح صحیح بخاری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
10	ادب الدنیا والدین	
11	تعلیم المتعلم	
12	مجلۃ الوسائل	کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی
13	اشعۃ اللمعات	
14	جامع الرموز	مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران
15	فتح القدیر	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
16	کبیری شرح منیۃ المصلی	مطبوعہ مجتبائی دھلی ماہ اکتوبر ۱۸۹۸
17	ارشاد الساری شرح صحیح	بیروت لبنان
18	رد المحتار	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
19	البحر الرائق	مکتبہ سعید کمپنی کراچی

20	لسان العرب	داراحیاء التراث العربی
21	الصحاح للجوہری	دار العلم للملایین بیروت
22	مسلم شریف مع نووی	
23	المستدرک للحاکم	
24	زرقانی علی المواہب	دار المعرفہ بیروت
25	دلائل النبوۃ للبیہقی	دار المعرفہ بیروت
26	سیرت حلبیہ	دار المعرفہ بیروت
27	مرقاۃ شرح مشکوۃ	مکتبہ امدادیہ ملتان
28	خلاصۃ الفتاویٰ	مطبع حمیدیہ سلیم پریس لاہور
29	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	
30	تفسیر خازن	مطبوعہ حافظ کتب خانہ مسجد کوئٹہ
31	شرح الزرقانی علی الموطا	دار الفکر بیروت
32	سنن دارقطنی	دار الکتب العلمیہ بیروت
33	معجم کبیر	داراحیاء التراث عربی
34	تفسیر مظہری	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
35	تفسیر قرطبی	
36	تفسیر جمل	قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی
37	مصنف عبدالرزاق	
38	ہدایہ شریف	
39	ردالمحتار	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
40	فتاویٰ سراجیہ علی قاضیخان	حافظ کتب خانہ کوئٹہ
41	شرح النقایہ	سعید کمپنی کراچی

42	جامع الرموز	
42	فتاویٰ ہندیہ	
43	سنن الکبریٰ للبیہقی	نشر السنۃ بیروت
44	مصنف ابن ابی شیبۃ	ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی
45	المقاصد الحسنہ للسخاوی	
46	صحیح ابن خزیمہ	المکتب الاسلامی
47	صحیح ابن حبان	مطبوعہ دار الفکر،
48	اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ	مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ
48	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	دار احیاء التراث العربی۔ بیروت۔ لبنان
49	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	
50	عون المعبود	دار الکتب العلمیہ
51	نیل الاوطار	دار احیاء التراث العربی بیروت
52	بنایہ شرح ہدایہ	مطبوعہ دار العلیمہ بیروت
53	درمختار علی حاشیہ ردالمحتار	
54	فتاویٰ سراجیہ علی حاشیہ قاضیخان	
55	مجمع الانہر	دار احیاء التراث عربی بیروت
56	حیاۃ الحیوان کبریٰ	
57	العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ	مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات انڈیا
58	منحۃ الخالق علی بحر الرائق	(مکتبۃ الرشیدیہ کوئٹہ)
59	ملتقی الابحر مع التعلیق	مطبوعہ دار البیرونی دمشق
60	شرح النقایہ	مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

61	فتاویٰ اجملیہ	شبیر برادرز لاہور
62	فتاویٰ فقیہ ملت	شبیر برادرز لاہور
63	فتاویٰ عالمگیریہ	
64	فتاویٰ شامیہ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
65	کشف الظنون	
66	تفسیر خازن	حافظ کتب خانہ مسجد روڈ کوئٹہ
67	حلیۃ الاولیاء	دار الفکر
68	القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع۔	لاثانی کتب خانہ دو دروازہ سیالکوٹ
69	شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور۔	مطبوعہ مصر
70	تہذیب الکمال فی اسماء الرجال	دار العلمیہ بیروت
71	فردوس الاخبار للدیلمی	مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل
72	شعب الایمان للبیہقی	
73	طبرانی فی الکبیر	دار احیاء التراث العربی بیروت
74	شرح عقائد نسفی علی حاشیہ نظم الفرائد	مطبع انوار محمدی
75	شرح فقہ اکبر	مطبع حنفی 1219ھ

مصنف کی دیگر کتب

- ترجمہ صحیح بخاری شریف
- امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علم حدیث
- فضائل و مسائل قربانی
- مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت
- خلافت صدیق اکبر
- کتاب الصوم
- نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں؟
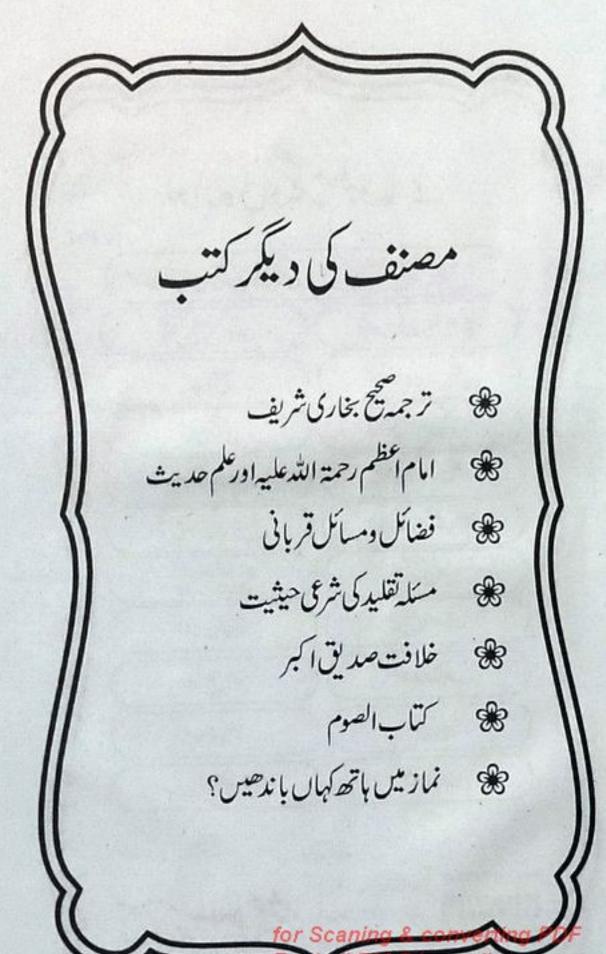
ادارہ کی دیگر مطبوعات

- معراج الایمان فی قرآنِ عالیشان — درد و سوز سے معمور ایسا مرقع جس کے ہر لفظ سے اعجازِ قرآن کا حسن نظر آتا ہے۔

منہاج البخاری 2 جلد	کعبۃ اللہ اور اس کا حج
مسجدِ نبوی ﷺ	گنبدِ خضرا اور اس کے مکین
شانِ قرآن	استمداد و وسیلے کا تصور
وسوسہ کیا ہے؟	بسم اللہ دم دعا شفا
شرح حدیث جبریل	شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ
بخشش کے دو یقینی ذریعے تبرکات و استغفارِ نبی ﷺ	جنت کی سیر
منہاج البلاغۃ	طریق الصرف
طریق النحو	مصدر نامہ
اسلامی تعلیم	جنتی زیور
سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	تعلیم الاسلام

ملنے کا پتہ

صبحِ نور پبلی کیشنز

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37350476

سرگودھا روڈ بالمقابل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف 0321-4771504 048-6690418

Email: subhenoorpublications@gmail.com

نام کتاب : فتاویٰ فیضیہ

تالیف : علامہ مفتی محمد ابراہیم حنفی چشتی

صفحات : 528

ناشر : محمد اعجاز احسن گوندل
صبح نور پبلی کیشنز

اشاعت : جنوری 2018ء

ہدیہ :

ملنے کا پتہ

صبح نور پبلی کیشنز

غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37350476

سرگودھا روڈ بالمقابل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف 0321-4771504 048-6690418

Email: subhenoorpublications@gmail.com